اِجرائے بلاغتِ قرآنیہ

مع

بدیع القرآن

یہ علم و کتاب

- قرآنِ مجید کے نظم کی حلاوت، کلمات کی شیرینی، ترکیبات کی ہمواری اور مضامین کی عمدگی معلوم کرنے کا نادر تحفہ
- قرآنِ کریم کے اُسلوبِ خطابی میں احوال کے مقتضیات کی رعایت پر حکمت، اور خلافِ مقتضیات خطاب کرنے کا سلیقہ
- قرآنِ مُبین کا اُسلوبِ استعارہ و کنایہ، مجاز القرآن کا ایک قیمتی مجموعہ اور قرآنِ مجید سے مختص مختلف انواعِ بدیعیہ کا طلیعہ
- نغمۂ قرآنی کو حاصل کرنے کے لیے خاص وزنِ قرآنی سے اور فواصلِ آیات سے لطف اندوز ہونے کا ذریعہ
- متنوع فنون سے متمتع ہونے اور علومِ فصاحت و بلاغت کے بکھرے موتیوں کو مستحضر کرنے کے لیے بہترین خزینہ
- فصحاء کو عاجز بنانے والی تشبیہات، موتی برسانے والے استعارات، دل کو باغ باغ کرنے والے مجازات و کنایات کا نگینہ
- دورانِ تلاوت بلا تکلف آنے والی انواعِ بدیعیہ سے جذباتِ محبت اُبھارنے والا سفینہ

مرتب

ابو القاسم محمد الیاس بن عبد اللہ گڈھوی

مدرس مدرسہ دعوۃ الایمان مانک پور نکولی، نوساری، گجرات (الہند)

ادارۃ الصدّیق، ڈابھیل گجرات

اِجرائے بلاغتِ قرآنیہ

مع

بدیع القرآن

یہ علم وکتاب

- قرآنِ مجید کے نظم کی حلاوت، کلمات کی شیرینی، ترکیبات کی ہمواری اور مضامین کی عمدگی معلوم کرنے کا نادر تحفہ
- قرآنِ کریم کے اُسلوبِ خطابی میں احوال کے مقتضیات کی رعایت پر حکمت، اور خلافِ مقتضیات خطاب کرنے کا سلیقہ
- قرآنِ مُبین کا اُسلوبِ استعارہ وکنایہ، مجاز القرآن کا ایک قیمتی مجموعہ اور قرآنِ مجید سے مختص مختلف اَنواعِ بدیعیہ کا طلیعہ
- نغمۂ قرآنی کو حاصل کرنے کے لیے خاص وزنِ قرآنی سے اور فواصلِ آیات سے لطف اندوز ہونے کا ذریعہ
- متنوّع فنون سے متمتع ہونے اور علومِ فصاحت وبلاغت کے بکھرے موتیوں کو مستحضر کرنے کے لیے بہترین خزینہ
- فصحاء کو عاجز بنانے والی تشبیہات، موتی برسانے والے استعارات، دِل کو باغ باغ کرنے والے مجازات وکنایات کا نگینہ
- دورانِ تلاوت بلاتکلف آنے والی انواعِ بدیعیہ سے جذباتِ محبت اُبھارنے والا سفینہ

مرتب

ابو القاسم محمد الیاس بن عبد اللہ گڈھوی

مدرس مدرسہ دعوۃ الایمان مانک پور ٹکولی، نوساری، گجرات (الہند)

ناشر

ادارۃ الصدیق، ڈابھیل، گجرات

تفصیلات

اسم کتاب:........................ اجرائے بلاغتِ قرآنیہ مع بدیع القرآن

مؤلف:........................ابوالقاسم محمد الیاس گڈھوی (ہمت نگری)

فون:9825914758

کمپوزنگ:........................ مولوی ریاض بن عبیداللہ دھاراگیری

سیٹنگ:........................ مفتی عبداللہ صاحب مانگرولی

صفحات:........................ ۴۱۳

ناشر:........................ادارۃ الصدیق، ڈابھیل، گجرات

PUBLISHER

IDARATUSSIDDIQ

DABHEL SIMLAK-396,415

DIST. NAVSARI (GUJARAT)

M;99133,19190/99048,86188

EMAIL:idaratussiddiq@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمات بابرکت

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ

(سابق صدر مفتی وحال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل)

ہمارے مدارسِ عربیہ کے نصاب میں علومِ آلیہ کے طور پر جو علوم وفنون پڑھائے جاتے ہیں ان کا مقصد یہی ہے کہ، ان کے ذریعہ قرآن وحدیث کو صحیح طریقہ سے سمجھا جاسکے، اگر ان علوم کی تدریس کے لیے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس میں ان کے قواعد کے اجراء کے لیے قرآن وحدیث کی مثالیں استعمال کی جائیں، تو ان کی تدریس کا مقصود بہ احسنِ وجوہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ بعض مدرسین اپنے طور پر یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جو بہت کامیاب رہتا ہے، اور طلبہ کو بھی اس سے بہت زیادہ فائدہ پہنچتا ہے، اگر اس سلسلے کو عام کیا جائے تو ہمارے نصاب میں علوم وفنون کی کتابوں کو پڑھانے کا مقصود بہ آسانی حاصل ہوسکتا ہے۔

ہمارے نصاب میں پڑھائے جانے والے علوم وفنون میں ''علم بلاغت'' بھی ہے، اس علم کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان میں عموماً مذکورۂ بالا طریقہ کا لحاظ نہیں کیا جاتا، ضرورت تھی کہ اس کا ایک نمونہ طلبہ اور مدرسین کے سامنے پیش کیا جائے، اس ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے مولانا محمد الیاس صاحب گڈھوی زید مجدہم (مدرس مدرسہ دعوۃ الایمان مانکپور ٹکولی، ضلع: نوساری، گجرات) نے یہ رسالہ — جو آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے — ترتیب دیا ہے۔

دعا کرتا ہوں: اللہ تعالیٰ اس کو طلبہ اور مدرسین کے لیے نافع اور مفید بنائے، اور تدریس کا یہ طریقہ عام فرمائے۔ فقط والسلام

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

۱۷ شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ وتائید

حضرت اقدس مفتی ابوبکر صاحب پٹنی زید مجدہم

(استاذ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل)

نحمدہ ونصلي علی رسولہ الکریم

تصنیف وتالیفات کا سلسلہ جب سے شروع ہوا ہے لمحہ بہ لمحہ پھیلتا چلا جارہا ہے، کہیں رکنے کا نام نہیں لیتا، اور کسی فن کا کوئی موجد ہے تو کوئی مدوِّن، کوئی ماتن ہے تو کوئی شارح اور حاشیہ نگار؛ ہر ایک کا اپنا اپنا اسلوب اور طرزِ نگارش ہوتا ہے، جب کوئی صاحبِ علم اور اہلِ فن ضرورت محسوس کرتا ہے تو حسبِ ضرورت فن کی خدمت کے لیے کمربستہ ہوجاتا ہے، اور عمدہ سے عمدہ طریقے سے پیش کرنے کی مقدور بھر سعی کرتا ہے۔ وہ اپنی کوشش میں کس قدر کامیاب ہے؟ اس کا اندازہ اصحابِ فن اور مستفدین ہی کرسکتے ہیں؛ البتہ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر مؤلف کو دل ودماغ لگانا پڑتا ہے، اور زندگی کا اچھا خاصہ وجود اس راہ میں قربان کرنا پڑتا ہے۔

اور یہ بھی مسلَّمات میں سے ہے کہ: فن فن میں فرق ہوتا ہے، کوئی آسان ہے تو کوئی دشوار، یا کوئی دشوار سمجھا جاتا ہے؛ لیکن فی الواقع دشوار نہیں، یا پیچیدہ ضرور ہے لیکن مؤلف کی مہارت وحذاقت اس کا احساس نہیں ہونے دیتی، اور اس انداز سے کتاب کے نقوش لوحِ قلب اور دماغ میں نقش کرتا چلا جاتا ہے کہ دشوار ہونے کے باوجود ذہن کسی جگہ ٹھٹکتا نہیں، اور مستفدین میں مہارت پیدا کردیتا ہے۔

ان ہی پیچیدہ سمجھے جانے والے فنون میں سے نہایت ہی دل چسپ فن ''فنِ فصاحت وبلاغت'' ہے، یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم کے رموز ونکات کا سمجھنا اس فن کے بغیر دشوار ہی نہیں؛ بلکہ ناممکن ہے، جس کا اندازہ کشاف، بیضاوی، تفسیر رازی اور اس طرح کی دیگر

تفاسیر سے لگایا جاسکتا ہے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اس کو اچھی طرح سمجھا جائے اور ضبط میں لایا جائے۔

اسی غرض سے میرے رفیقِ محترم مولانا الیاس صاحب زید مجدہم نے اَن تھک محنت اور حیاتِ مستعار کا قیمتی حصہ صَرف کر کے طلبہ کی خدمت میں یہ قیمتی تحفہ پیش کیا ہے، موصوف انجانے نہیں؛ بلکہ مفید تحریر اور فنی کاوشوں کے حوالے سے جانے پہچانے ہیں۔

راقم کو معلوم ہے کہ: انھوں نے اس کتاب میں کس قدر تگ ودو کی ہے!؛ اس لیے سب سے پہلا قدر شناس کاتبِ سطور ہے۔ میں رفیقِ محترم کو بے حد مبارک بادی پیش کرتا ہوں، اور طلبہ برادری سے درخواست کرتا ہوں کہ: اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں، اور مقصدِ فن: قرآن فہمی کو پیشِ نظر رکھ کر رسوخ پیدا کریں۔

دعا گو ہوں کہ: اللہ سبحانہ وتعالیٰ موصوف اور اُن کے والدین واساتذہ کے لیے باعثِ خیر بنائے، اور مزید اس نوع کی خدمت کے لیے موفَّق بنائے۔ آمین یارب العالمین

العبد ابوبکر عفی عنہ پٹنی

۵/ شعبان ۱۴۳۷ھ بروز جمعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحَمْدُ للهِ الذِيْ نَزَّل عَلىٰ عَبْدِه الفُرْقَانَ، والصَّلاةُ والسَّلامُ عَلىٰ فَصِيْح البَيَانِ، وعَلىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِه الذِيْنَ لهُمْ عَلىٰ جَمِيْعِ الأُمَّة اِمْتِنَانٌ.

دین اسلام میں علوم وفنون کی قدر و قیمت تب معتبر ہوتی ہے جب کہ اس کا مرجع قرآن وحدیث ہو، علوم عالیہ تو فی نفسہ مقصود بالذات ہے، اور علوم آلیہ کا اصل مقصود قرآن فہمی اور حدیث دانی ہے؛ ان فنون میں سے اہم ترین، شیریں اور حلاوت سے لبریز ''علم بلاغت'' ہے۔ علم بلاغت اپنے آغوش میں کئی علوم لیے ہوئے ہے؛ اس لیے کسی کی فصاحت وبلاغت کے اعتراف کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ: کئی علوم میں اُس کی مہارت وحذاقت کو تسلیم کرلیا گیا۔

نزولِ قرآن کے زمانے میں عربوں کو اپنی فصاحت وبلاغت پر بڑا ناز تھا، خطابت وشاعری اُن کے معاشرے کی روحِ رواں تھی، عربی شعر وادب کا فطری ذوق بچے بچے میں سمایا ہوا تھا، اور بڑے بڑے کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے، اس میدان میں کبھی ہار ماننے کے لیے تیار ہی نہ تھے؛ بلکہ اس تعلق سے ہر چیلنج کو قبول کرنے کے لیے ہمہ وقت مستعد رہتے تھے۔ اسی ماحول میں قرآن کریم اُن کو ڈنکے کی چوٹ اور ببانگ دُہل دعوت دیتا ہے کہ: آؤ! اور اپنی ہمت آزمائی کرو! چناں چہ پہلے ان کو للکار کر کہتا ہے:

﴿أَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهُ، بَلْ لايُؤْمِنُوْنَ۝ فَلْيَأْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهِ إِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ﴾. [الطور:٣٤]

اس آیت سے سب پر سکوت چھا جاتا ہے اور کوئی فصاحت وبلاغت کا دعوے دار میدان میں نہیں آتا ہے، قرآن کریم پھر ان کی غیرت کو جھنجھوڑتا ہے اور یہ اعلان

کرتا ہے:

﴿قُلْ فَأْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ، وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾. [هود:١٣]

یعنی: تم بھی آخر عرب ہو، فصاحت و بلاغت کا دعوی رکھتے ہو، سب مل کر ایسی ہی دس سورتیں گھڑ کر پیش کر دو! اور اس کام میں مدد کے لیے تمام مخلوق کو؛ بلکہ اپنے اُن معبودوں کو بھی بلالاؤ جنھیں تم خدائی میں شریک سمجھتے ہو؛ اگر نہ کر سکو، اور کبھی نہ کر سکو گے تو سمجھ لو کہ: ایسا کلام خالق ہی کا ہو سکتا ہے۔

پھر اس چیلنج کو اَور آسان کرتے ہوئے اور مزید غیرت دِلاتے ہوئے فرمایا:

﴿فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِنْ مِّثْلِهِ، وَادْعُوْا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [البقرة:٢٣]؛ یعنی: اگر تمھیں اس کلام کے کلامِ بشری ہونے کا خیال ہے تو جس قدر قابل اور شاعر فصحاء و بلغاء موجود ہیں — خدائے تعالیٰ کے سِوا — سب سے مدد لے کر ہی ایک چھوٹی سی سورت ایسی بنالاؤ! اس پر بھی ان کی مہرِ سکوت ٹوٹتی نہیں، اور کوئی شہ سوار اس میدان میں قدم رکھنے کو تیار نہیں ہوتا۔

دیکھیے! ابتدا میں پورے قرآن کی تحدّی کی گئی تھی، پھر دس سورتوں سے ہوئی، پھر ایک سورۃ سے؛ گویا بہ تدریج اُن غیوروں کا عجز نُمایاں کیا گیا۔ اور چیلنج بھی ایک ایسی ذاتِ گرامی کی زبانی کروایا جا رہا ہے جس نے لکھنا پڑھنا کہیں سیکھا نہیں، اور ان کے میلوں ٹھیلوں میں کوئی شعر تک نہیں پڑھا۔

حقیقت یہ ہے کہ: کلام کے معیار و مستویٰ کو اہلِ ذوق اور صاحبِ زبان ہی متعین کر سکتے ہیں، جب انھوں نے چپکی سادھ لی تو ہے کوئی جن و انس جو اس کا مثل پیش کر سکے؟ اس آیت کریمہ کو پڑھیے اور قرآن کریم کی حقانیت و صداقت پر فدا ہو جائیے! ﴿قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى أَنْ يَأْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لايَأْتُوْنَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ

﴿بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾. [الإسراء:۸۸] قرآن کریم نے جب پوری انسانیت کو عاجز ٹھہرایا تو اب اس کے معجز ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ: قرآن کریم کا اعجاز ایک مستقل موضوع ہے کہ کس کس جہت وزاویہ سے یہ معجز ہے! تاہم اس کا ایک پہلو فصاحت و بلاغت ہے، جب اہلِ زبان اور اہلِ ذوق نے پیچھے ہٹ کرلی تو دوسرے حضرات سے کیا امید کی جاسکتی ہے! ان کے لیے تو صرف اتنا ہی کافی ہے کہ اس کی فصاحت و بلاغت اور رموز واسرار کو سمجھ لیں۔

اسی غرض سے علوم آلیہ میں علمِ فصاحت و بلاغت درسِ نظامی میں شامل ہے، اس فن اور بالخصوص قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت پر ماہرینِ فن نے کتابیں لکھی، اور بالآخر ہر ایک زبانِ قال سے یا زبانِ حال سے یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ: یہ بحر ناپیدا کنار ہے، جس قدر غوطہ زنی کروگے اتنے ہی موتی نکلتے رہیں گے۔ صحیح فرمایا قرآن کریم نے: ﴿قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مِدَادًا﴾ [الکھف]

علم فصاحت و بلاغت تین علوم پر مشتمل ہے: علم معانی، علم بیان، علم بدیع۔

① علمِ معانی، اس علم سے معنیٔ مرادی کو مقتضائے حال کے مطابق پیش کرنے کا سلیقہ معلوم ہوتا ہے؛ قرآن مجید نے اپنے اُسلوبِ خطابی میں اَحوال کے مقتضیات کی رعایت، اور بسا اوقات خلافِ مقتضیات خطاب فرما کر بڑے عجیب وغریب نکات کو اُجاگر کیا ہے؛ کیوں نہ کرے! بالآخر یہ کلام دِلوں کے بھیدوں کو جاننے والے علام الغیوب کی ذات سے نکلا ہے، جو ہر قاری وسامع کے احوال ومقتضیات کے مطابق ہے، اور ہر وقت تازہ بہ تازہ فوائد پہنچانے والا ہے۔

② علم بیان، اس علم سے ایک معنی ومفہوم کو مختلف طریقوں (تشبیہ، مجاز اور کنایہ) سے ادا کرنے کا سلیقہ معلوم ہوتا ہے؛ قرآن مبین کا اُسلوب فصحاء کو عاجز بنانے والی تشبیہات، موتی

برسانے والے استعارات اور دِل کو باغ باغ کرنے والے مجازات وکنایات پر مشتمل ہے؛ بلکہ یہ ایک معجز تحفۂ الٰہی ہے جو قاری وسامع کے ذِہن میں منقش ومرتسم ہوجانے والے مضامین پیش کرتا ہے۔

③ علم بدیع: اس علم کے ذریعے معانیٔ کلام اور الفاظِ کلام میں حسن پیدا کرنے کے طریقے بیان کیے جاتے ہیں؛ قرآنِ کریم نے نظم کی حلاوت، کلمات کی شیرینی اور موقع موقع پر بلا تکلُّف ایسی اَنواعِ بدیعیہ پیش کی ہے جس سے عقل حیران رہ جاتی ہے۔ باری تعالیٰ خود اس کتاب کے بابت ارشاد فرماتے ہیں: ﴿تِلْكَ آيَاتُ الكِتٰبِ وَقُرْآنٍ مُبِيْنٍ﴾ [الحجر:۱]، یعنی اس قرآن کی آیتیں ایسی ہیں جس کے اُصول نہایت صاف، دلائل روشن، احکام معقول، وجوہِ اعجاز واضح اور بیانات شگفتہ اور فیصلہ کُن ہیں۔

مزید یہ کہ: کلمات کی شیرینی، ترکیبات کی ہمواری (موتیوں کا حسین مرقع) اور فواصلِ آیات کی نغمہ سنجی میں اس قدر موزون ہے کہ: طبیعت میں نشاط اور انبساط کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔

فنونِ بلاغت اور کلامِ مجید
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی نظر میں

فنونِ بلاغت سے جس طرح قرآنِ مجید کا اعجاز سمجھ میں آتا ہے اسی طرح اُن سے ناواقفیت، فہمِ مرادِ خداوندی میں دشواریوں کا بھی باعث بنتی ہے؛ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' میں ''نظمِ قرآنی کے معانی اور فہمِ مرادِ خداوندی میں پیش آنے والی دشواریوں کے اسباب'' کے ضمن میں بیان کردہ اکثر اسباب وہ ہیں جن کا تعلق علومِ بلاغت سے ہے، چناں چہ فرماتے ہیں:

معلوم ہونا چاہیے کہ: قرآنِ عظیم نہایت واضح خالص عربی زبان میں نازل ہوا ہے، اسی وجہ سے عرب اپنی فطری صلاحیت سے منطوقِ کلام کے معانی اچھی طرح سمجھتے تھے؛ لیکن

جب عجمی لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے اور اصلی عربی زبان چھوڑ دی گئی، تو بعض جگہوں پر مرادِ خداوندی کا سمجھنا دشوار ہو گیا، جس کے اسباب مندرجۂ ذیل رہے:

① غریب لفظ (وہ قلیل الاستعمال لفظ جس کے معنیٰ بوجہِ قلتِ استعمال مخفی ہو گئے) کو نہ جاننا ② ناسخ ومنسوخ کو نہ جاننا ③ اسبابِ نزول کو نہ جاننا ④ حذفِ مضاف وحذفِ موصوف وغیرہ کا ہونا (جو مجازِ مرسل کے قبیل سے ہے) ⑤ ایک چیز کو دوسری چیز سے بدلنا (مجازِ مرسل، مجازِ عقلی اور استعارہ) ⑥ ایک اسم، فعل یا حرف کو دوسرے سے بدلنا ⑦ تقدیم ما حقُّہ التاخیر کا ہونا (علم المعانی) ⑧ ایک جملے کو دوسرے جملے سے بدلنا (مجازِ مرکب مرسل) ⑨ ضمائر کے مراجع کا مختلف ہونا (علم البدیع) ⑩ تکرار کا ہونا (اطناب) ⑪ ایجاز واختصار کا ہونا (ایجاز) ⑫ کنایہ کا استعمال (کنایہ) ⑬ تعریض کا اسلوب (کنایہ) ⑭ تشبیہ کا اسلوب (علم البیان) ⑮ مجازِ عقلی کا اسلوب اختیار کرنا (مجاز) [ملخص من الفوز الکبیر]

دیکھیے! ان اسباب میں سے پہلے تین کے علاوہ سب کا تعلق فنونِ بلاغت سے ہے۔

اس فن میں ہم اپنی حقیری سی کاوش پیش کر رہے ہیں۔ اس کا داعیہ یوں پیدا ہوا کہ ہمارے یہاں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں عموماً اُن میں شُعَرا اور اُدَبا کے کلام کو پیش کیا جاتا ہے، جب کہ قرآن وحدیث سے خال خال ہی مثالیں پیش کی گئی ہیں، حالاں کہ مقصود تو یہی تھا، ہم ضمنی پہلو پر رُک گئے! اور اصل مقصود کو ہاتھ سے جانے دیا؛ اس لیے سوچا یہ گیا کہ: اس فن کی اصطلاحات کو اُردو زبان میں، حتی الوسع اَمثلہ کو کلام اللہ وکلام الرسول سے دی جائیں، اور ناگزیر مقامات میں ہی شُعَرا کے کلام کو لایا جائے۔

بات رُکتی ہے طریقۂ تالیف پر کہ: آخر طریقۂ تالیف کیا ہو؟ اس سلسلے میں تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی — شاید کئی حضرات میرے ہم نوا ہوں گے — کہ اجرائی طریقہ مفید اور اَوقع فی الذہن ہوتا ہے، جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ''اِجراء نحو وصرف'' کے بارے میں مستفیدین کے تأثرات معلوم کیے؛ چناں چہ اس کتاب کے ابواب ومضامین کی ترتیب میں بھی وہی اِجرائی طریقہ ملحوظ رکھا گیا ہے، اور ذہن ودماغ میں اس فن کے سلسلے میں جو دہشت بیٹھی ہوئی ہے اس کو

دور کرنے، اور سہل سے سہل تر انداز میں پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ وباللہ التوفیق

باری تعالیٰ ہمیں کلام اللہ اور کلام الرسول کی فصاحت وبلاغت سمجھنے کی طلب اور محنت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

کتاب میں کام کی نوعیت

① بلاغت کی اصطلاحات کو بہ زبانِ اردو سہل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

② اِجرائی اسلوب اختیار کیا ہے؛ تاکہ کلامِ الٰہی میں اجراء کرنا آسان ہوجائے۔

③ حتی الوسع قرآن مجید وحدیث رسول سے مثال پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے؛ تاکہ اس علم کے پڑھنے پڑھانے کے اصل مقصد تک رسائی ہوجائے۔

④ حواشی میں آیت واحادیث کا ضروری مطلب تحریر کرلیا ہے؛ تاکہ مضمون ومحلِ استشہاد سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

⑤ مثالوں میں اشعار وامثالِ عرب کو ذکر کرنے سے کافی حد تک احتراز کیا ہے۔

⑥ علمِ بدیع میں ایسی بہت سی اصطلاحات کا اضافہ کیا ہے جن کا تعلق صرف اور صرف کلامِ الٰہی سے ہے۔

⑦ وہ اصطلاحاتِ معروفہ جن کو عام کتب بدیع میں شعر کے ساتھ خاص رکھا گیا ہے حالاں کہ وہ نثر میں بھی جاری ہیں، تو ایسے مواقع میں نثر کی قید کے اضافہ کے ساتھ مثال بھی کلام الٰہی یا حدیثِ رسول اللہ ﷺ سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

⑧ علمِ بدیع کی اصطلاحات —جس کو ضبط میں لانا دشوار سا ہے— کو مختلف زاویوں سے دیکھ کر ایک نئے مناسب سانچے میں ڈھالنے کی ادنیٰ کوشش کی گئی فَلِلّٰهِ الحَمْدُ ولهُ المِنَّة.

⑨ دو ملتبس اصطلاحوں کے درمیان کا فرق حاشیہ میں تحریر کیا ہے۔

⑩ آیت کے پسِ منظر اور محلِ استشہاد کو حاشیہ میں ذکر کرنے کا کافی حد التزام کیا ہے۔

کلماتِ تشکر و امتنان

ستارالعیوب، منعمِ حقیقی کی بڑی عنایات اس عاجز گناہ گار پر ہوئیں کہ: اُس نے محض اپنے فضل وکرم سے اس کے کلام کی فصاحت وبلاغت کو کسی حد تک سمجھنے کی ہمت، توفیق اور سعادت عطا فرمائی، اور اپنے گناہوں کی نحوست سے محروم نہ فرمایا۔ فَلَهُ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْه.

بعد ازاں مَیں اپنے والدین، اساتذہ، رفقاء، طلباء اور دیگر محسنین کا تہ دِل سے ممنون ومشکور ہوں، جن کی دعاؤں، محنتوں، محبتوں اور کاوِشوں کے نتیجے میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا؛ ورنہ یہ عمل مجھ حقیر کی بساط سے باہر تھا، بالخصوص حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ کا جنھوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود قیمتی تحریر عنایت فرمائی۔ نیز مشیر محترم حضرت مفتی ابوبکر صاحب پٹنی (استاذ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل)، مولانا امتیاز صاحب کاکوسی ومفتی عرفان صاحب پٹیل ہنگولوٹی (اساتذۂ حدیث مدرسہ دعوۃ الایمان مانکپور ٹکولی) اور مولانا افضل صاحب پالن پوری (استاذِ بلاغت دارالعلوم چھاپی) کا بھی، جنہوں نے مختلف اوقات میں احقر کا علمی تعاون کیا۔

بڑی ناقدری کی بات ہوگی اگر اس موقع پر مدرسہ دعوت الایمان مانک پور ٹکولی کے بانی مبانی، یورپ کے امیر اور اُمت کو ہر وقت اپنی دعاؤں میں یاد رکھنے والے حضرت حافظ محمد پٹیل صاحب — رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ — کو یاد نہ کیا جائے، کہ حضرت والا اخیر تک احقر کو اس کی دیگر کاوِشوں کی طرح اس کاوِش پر بھی برابر اپنی خصوصی عنایتوں اور دعاؤں سے نوازتے رہے! اللہ تعالیٰ حضرت والا کو مستفدین اور امت کی طرف سے اجرِ جزیل عطا فرمائے اور اپنا خصوصی قرب نصیب فرمائے۔

نیز مدرسہ دعوۃ الایمان مانک پور ٹکولی سے امسال سندِ فراغت حاصل کرنے والے

علمائے کرام اور درجۂ عربی چہارم کے طلبۂ عظام کا بھی ممنون ومشکور ہوں کہ: جنہوں نے عملی اِجراء کر کے احقر کا بڑا تعاون کیا ہے فَجزَاھُمُ اللّٰہُ أَحْسَنَ الجزَاء۔

کلماتِ دعائیہ: مُنزِّلِ قرآن، صاحبِ کلام کی بارگاہِ عالی میں بہ وسیلۂ صاحب التبیان ﷺ التجا ہے کہ: وہ ذات عالی ہم کو حسنِ ادا کے زیور سے آراستہ، اعجازِ قرآن سے سرشار اور مضامین الٰہی سے مرعوب ہو کر کلامِ الٰہی کی تلاوت کرنا نصیب فرمادیں؛ نیز حضرت صاحب جوامع الکلم ﷺ کے کلماتِ بابرکت کی جامعیت سمجھادے؛ اور ذریعہ کے طور پر اس کتاب کو قبول فرمالے آمین یاربَّ العالمینَ بِجاہِ سیّدِ المرسلِینَ.

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ أفئِدَةً مِنَ الطَّالِبِیْنْ
تَھْوِي إلَیْھِمْ، وارزقْھُم مِنَ الثَّمَراتِ

بندہ: محمد الیاس عبد اللہ گڑھوی
بمقام: مدینۃ المنوّرہ، نزدِ اَقدامِ عالیہ
بعد عصر، ۳: محرم الحرام، ۱۴۳۷ھ

قرآن مجید کا وزن اور قافیہ

چوں کہ قرآن مجید کے الفاظ ومعانی دونوں مقصود ہیں دیگر کتب سابقہ میں مقصود صرف معانی ہی تھے اس لیے ان میں تحریف لفظی ومعنوی ہوئی ہے، جب کہ کلام اللہ (قرآنِ مجید) پورا مغز ہی مغز ہے اس کے الفاظ بھی معانی کے ساتھ مقصود ہیں؛ اسی بنا پر قرآن مجید میں مخصوص وزنِ قرآنی کا خاص لحاظ کیا گیا ہے۔

شیخ مصطفیٰ رافعیؒ نے لکھا ہے کہ: ہر آیت دوسری آیت کے ساتھ پوری یگانت اور مناسبت رکھتی ہے، پورے قرآن میں ایک ایسی یکسانیت پائی جاتی ہے کہ: معلوم ہوتا ہے پورا قرآن قطعۂ واحدہ ہے، جب کہ ہر بلیغ سے بلیغ کے کلام میں تفاوت پڑ جاتا ہے۔

محدث عصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: قرآن کے کلمات اور ان کی نشست اس قدر صحیح ہے کہ: اس میں ادنیٰ کمی بیشی یا ہیر پھیر نہیں ہوسکتا؛ بلکہ متوسط فہم رکھنے والا بھی اس کے خلاف کو برداشت نہیں کرسکتا، چہ جائے کہ وہ علوم بلاغت میں مہارت بھی رکھتا ہو، چناں چہ باری تعالیٰ کا قول ﴿تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزٰى﴾ اگر ساری دنیا کے فصحا اور بلغا جمع ہو کر بھی کلمۂ "ضِيزٰى" کا بدل لانا چاہے تو نہیں لا سکتے، یہی حال پورے قرآن کے ہر ہر کلمہ کا ہے۔ اگر آدمی کا ذوق صحیح ہو جائے تو وہ اس بات پر عش عش کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

وزنِ قرآن کے مضمون کو مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" میں بڑے انوکھے اور دل چسپ انداز میں تحریر فرمایا ہے؛ اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں:

اللہ تعالیٰ نے مخصوص وزن اور مخصوص قافیہ کا خیال رکھتے ہوئے سورتوں کو آیتوں میں اس طرح تقسیم فرمایا ہے جس طرح شُعرا قصائد کو ابیات واشعار میں تقسیم کرتے ہیں، اسی وجہ سے آیات وابیات دونوں ہی کو ترنّم وخوش الحانی سے پڑھا جاتا ہے، اور قاری وسامع کلام سے

لطف اندوز ہوتا ہے؛ لیکن گہری نظر سے دیکھا جائے تو آیات وابیات میں بڑا فرق ہے؛ کیوں کہ: (ا) ابیات کا مدار اُن مخصوص اوزان وقوافی پر ہے جن کو خلیل نحوی نے مدوّن کیا ہے، جب کہ آیات کا مدار اُس اجمالی وزن اور اجمالی قافیہ پر ہے جس سے ایسا سُر اور نغمہ پیدا ہوتا ہے جو فطرتِ سلیمہ کو اپنی طرف کھینچا ہی چلا جاتا ہے؛ فاروقِ اعظم نے ابتداءً وہ نغمہ ہی تو سُنا تھا جس نے آپ کو قاتل بننے کے بجائے قائل بنا کر چھوڑا۔

نیز ان دونوں میں دوسرا فرق یہ ہے کہ: محبتِ غنا اور محبتِ قرآن میں ''مانعۃ الجمع'' کی نسبت ہے، یعنی اگر ان میں سے ایک دل میں آیا تو دوسرے کو نکال باہر کرتا ہے۔ بارہا مشاہدہ ہوا کہ جو غنا پر فریفتہ ہوا اس کو قرآن سے بُعد ہو گیا۔

① وزنِ قرآن: باری تعالی نے سانس کی فطری درازی کو قرآنِ مجید کا وزن بنایا ہے، اور اسی پر آیاتِ کریمہ کو ڈھالا گیا ہے، یعنی: سانس کے چھوٹے بڑے ہونے کا لحاظ کر کے قرآنِ مجید میں آیات کو موزون کیا گیا ہے؛ کیوں کہ انسان جب سانس لیتا ہے تو طبیعت میں نشاط اور انبساط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، پھر وہ نشاط آہستہ آہستہ کم ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ آدمی تازہ سانس لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اس وزن (سانس کی فطری درازی) کو تین حصوں پر تقسیم کیا ہے: طویل، قصیر، متوسط۔

② قافیہ: سانس کا حرفِ مدہ پر، اور اس حرف پر ختم ہونا جس پر حرفِ مدہ (واؤ، الف، یاء) کا اعتماد اور تکیہ ہوتا ہے، یہ ایک ایسا عام قافیہ ہے جس کو بار بار دہرانے سے لذت اور حلاوت محسوس ہوتی ہے؛ اوّل کی مثال: ﴿وَالضُّحٰیۙ۝ وَالَّیْلِ إِذَا سَجٰیۙ۝ مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَاقَلٰیؕ۝﴾؛ ثانی کی مثال: ﴿یَعْلَمُوْنَ۝ مُؤمِنِیْنَ۝ مُسْتَقِیْم﴾ بھی ہم قافیہ ہیں؛ کیوں کہ اِن تمام کلمات میں سانس حرفِ مدہ (میم، نون، قاف) پر جا کر ختم ہوتا ہے جس پر حرفِ مدّہ کا اعتماد ہے۔

③ حرفِ رَوِی کے مختلف ہوتے ہوئے کلمے کے آخر میں الف کا آنا بھی قرآنِ مجید کا ایک قافیہ ہے، جس کو بار بار دہرانے سے لذت اور حلاوت محسوس ہوتی ہے، جیسے﴿کَرِیْمًا، حَدِیْثًا، بَصِیْرًا﴾.

ملحوظہ: ان کلمات میں حرفِ رِوِی: میم، ثاء اور راء ہیں، نہ کہ الف؛ کیوں کہ آخری کلمے کی تنوین، بدلِ تنوین (نونِ تثنیہ وغیرہ) اور آخری حرف کی حرکت سے اِشباعاً پیدا ہونے والا حرف، رَوِی میں داخل نہیں۔

④ ہر آیت کے آخیر میں ایک ہی حرف کا آنا بھی لذت بخش اور فرحت افزا ہے، جیسے: ﴿الرَّحْمٰنُ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ۝ خَلَقَ الإِنْسَانَ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۝﴾.

⑤ ایک ہی جملے کو بار بار ذکر کرنا بھی باعثِ لذت ہے، جیسے﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرْ۝﴾ [القمر]؛ ﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانْ۝﴾ [الرحمٰن]؛ یہاں اس جملے کے بار بار آنے سے طبیعت میں فرحت وسرور کی ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

⑥ سامع میں نشاط پیدا کرنے اور کلام کی لطافت کو واضح کرنے کے لیے آخری فواصل کو ابتدائی فواصل سے مختلف لانا بھی موجب فرحت وانبساط ہے، جیسے سورۂ فرقان کے ابتدائی فواصل: ﴿نَذِيْرًا۝ تَقْدِيْرًا۝ نُشُوْرًا۝ زُوْرًا۝ أَصِيْلًا۝ رَحِيْمًا۝﴾ ہیں؛ جب کہ آخر کے فواصل: ﴿سَاجِدِيْنَ۝ كَافِرِيْنَ۝ مُنْظَرِيْنَ۝﴾ وغیرہ آئے ہیں۔

⑦ آیت کا آخری کلمہ قافیہ بننے کے لائق ہوتا ہے تو اس کو قافیہ بنایا جاتا ہے؛ ورنہ آیت کے آخر میں تشابہِ اَطراف کے قبیل سے ایک ایسا جملہ بڑھایا جاتا ہے جو بنیادی عقائد، منعمِ حقیقی کی نعمتوں یا مخاطب کو تنبیہ کرنا وغیرہ اہم مضامین پر مشتمل ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ۝﴾، ﴿إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۝﴾، ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا۝﴾.

⑧ کلام میں حلاوت پیدا کرنے کے لیے شروع کے فقرے آخر کے فقروں سے چھوٹے لائے جاتے ہیں، جیسے ﴿خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ۝ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ۝ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ۝﴾ [الحاقة:۳۰]۔

⑨ حسنِ ظاہری کے ساتھ حسنِ معنوی کی آمیزش کے لیے چھوٹی آیتوں کے ساتھ ایک لمبی آیت لائی جاتی ہے، جیسے سورۂ مزمل میں چھوٹی آیتیں ہیں، مگر آخری آیت بہت لمبی ہے؛ اسی طرح سورۂ مدثّر میں بھی ہے۔

حسنِ ظاہری اور حسنِ معنوی

حسنِ کلام کی دو قسمیں ہیں: حسنِ ظاہری، حسنِ معنوی:

حسنِ ظاہری: وہ حسن ہے جو وزن کی یکسانیت اور قافیہ کی رعایت سے پیدا ہوتا ہے۔

حسنِ معنوی: وہ حسن ہے جو تین باتوں سے پیدا ہوتا ہے: ① زبان سے کلام کی ادائیگی کا آسان ہونا ② کلام کا اپنے فطری انداز میں رواں ہونا ③ شروع سے اخیر تک کلام کا ایک انداز میں ہونا۔ اب سمجھیے! کہ جب قاریٔ قرآن چھوٹی چھوٹی آیتوں کے حسنِ ظاہری سے محظوظ ہو رہا ہوتا ہے، اور اسی انداز کی آیت کا منتظر رہتا ہے کہ اچانک حسنِ معنوی سے بھرپور، علم وحکمت سے لبریز لمبی آیت لائی جاتی ہے، جس سے کلام کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے، اور تدبر کرنے والا ایسے مواقع میں حسنِ معنوی کو زیادہ پسند کرتا ہے۔

⑩ قرآنِ مجید میں نئے اوزان وقوافی کو استعمال فرمایا ہے؛ تا کہ یہ نرالے لذت بخش اوزان وقوافی نبیٔ اُمی ﷺ کی رسالت پر واضح دلیل ثابت ہوں؛ جب کہ اکثر سورتوں میں کلام کو وزن وقافیہ کی رعایت کیے بغیر بڑے بڑے خطباء کی تقاریر اور نامور حکیموں کی کہاوتوں کے طرز پر پیش کیا ہے، جیسا کہ حدیثِ امِّ زرع کے قوافی اور اس کا اندازِ بیان ہے؛ نیز اکثر مقامات میں عربوں کے رسائل کے نہج پر آپسی عام گفتگو کا انداز

اختیار فرمایا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے خدائے واحد وذوالجلال بلاواسطہ بندے مخاطب ہے۔ (الفوز الکبیر، عون الکبیر، الخیر الکثیر، عمدۃ التصحیح ملخصاً)

یہ وہ اُمور ہیں جن کی طرف توجہ کرنے والا اور تدبُّر سے کلامِ الٰہی کی تلاوت کرنے اور سننے والا بےاختیار هٰذَا کَلَامُ رَبِّي! هٰذَا کَلَامُ رَبِّي! کا وِرد کرنے لگتا ہے۔

مقدمہ علم

در فصاحت و بلاغت

سوالات فصاحت وبلاغت

① فصاحت کس کو کہتے ہیں؟ اور اس کی کتنی صورتیں ہیں؟

② فصاحت کلمہ کس کو کہتے ہیں؟

③ تنافرِ حروف، مخالفتِ قیاس لغوی اور غرابت وکراہت فی السمع کس کو کہتے ہیں؟

④ فصاحتِ کلام کس کو کہتے ہیں؟

⑤ تنافرِ کلمات، ضعفِ تالیف، تعقید لفظی، تعقید معنوی اور کثرتِ تکرار، وتتابع اضافت کی تعریفات کیا ہیں؟

⑥ بلاغت کی تعریف کریں؟ اور اس کی کتنی صورتیں ہیں؟

⑦ حال، مقتضائے حال اور مطابقت کی تعریف کریں؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَق، وَعَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ؛ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ أُوْتِيَ جَوَامِعُ الْكَلِمِ؛ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ.

فصاحت: (لغوی معنی) ظاہر ہونا، بیان کرنا جیسے ﴿وَأَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَاناً..﴾ [قصص:٣٤]؛ نیز آپ ﷺ فرمان ہے: أنا أفْصَحُ العَرَب، بَيْدَ أَنِّيْ مِنْ قُرَيْشٍ①. [معجم كبير للطبراني]

فصاحت: (اصطلاحی تعریف) گفتگو میں ایسے الفاظ کو پیش کرنا جو صاف ہوں، ظاہر ہوں، سنتے ہی فوراً سمجھ میں آجاتے ہوں اوران کے عمدہ ہونے کی وجہ سے اُدباء وشعراء کے درمیان بکثرت استعمال ہوتے ہوں۔

فصاحت تین چیزوں سے متعلق ہوتی ہے: فصاحتِ کلمہ، فصاحتِ کلام، فصاحتِ متکلم۔

فصاحت کلمہ

فصاحتِ کلمہ: فصیح کلمہ وہ ہے جو عیوبِ اربعہ (تنافرِ حروف، مخالفتِ قیاس لغوی، غرابت اور کراہت فی السمع) سے خالی ہو۔

تَنافُرِ حروف: کلمے کی وہ (ترکیبی) کیفیت ہے جس سے کلمے کا تلفظ دشوار ہو اور اس کا سننا ناگوار معلوم ہو، جیسے ظَشٌّ کھُردری جگہ، هُعْخُعْ②.

① یعنی: فرعون کے سامنے اگر بحث ومناظرہ کی نوبت آجائے تو ممکن ہے کہ: میری زُبان بولنے میں رکاوٹ ڈالے، ''اور میرے بھائی ہارون کی زبان میرے مقابلے میں زیادہ صاف ہے''۔ حدیثِ رسول ﷺ کے لیے بدیع القرآن میں ''تاکید المدح بمایشبہ الذمّ'' کی صورتِ ثانیہ ملاحظہ فرمالیں۔

② هُعْخُعْ یہ کڑوے بدبودار درخت کا نام ہے۔

ملحوظ (۱): تنافرِ حروف میں وہ کلمات بھی داخل ہیں جن کو متکلم اپنے سامعین کو تھکانے کے لیے اپنی طرف سے ایجاد کرتا ہے جن کی واقعی کوئی اصل نہیں ہوتی، جیسے ظَشٌّ، عَقْجَقْ، شَصَاصاء. (علم البیان)

ملحوظ (۲): بسا اوقات ایک ہی کلمے کے چند حروف کے مخارج میں غایتِ قرب یا غایت بعد کا ہونا تلفظ میں دشواری کا باعث ہوتا ہے، اسی وجہ سے کلامِ عرب میں ادغامِ مثلین ومتقاربین اور ابدال کی ضرورت محسوس ہوتی ہے:⇦

مخالفتِ قیاسِ لغوی: کلمے کا قانونِ صرفی کے خلاف ہونا، جیسے وزنِ شعری کی رعایت میں شاعر نے بجائے "الْأَجَلُّ" کے "الْأَجْلَلُ" کہا ہے: شعر:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْأَجْلَلِ	الوَاحِدِ الفَرْدِ القَدِيْمِ الْأَوَّلِ①

غرابت: کلمے کا معنیٰ ظاہر نہ ہو، یا تو اجنبی ہونے کی وجہ سے یا استعمال مشہور نہ ہونے کی وجہ سے، جیسے تَكَأْكَأَ بمعنیٰ جمع ہوا، اِفْرَنْقَعَ القَوْمُ عَنِ الشَّيْءِ بمعنیٰ: الگ ہونا، اِطْلَخَمَّ بمعنیٰ دشوار رہوا②۔

⊃ لیکن یہ امر کلی نہیں ہے؛ کیوں کہ باری تعالیٰ کے فرمان ﴿أَلَمْ "أَعْهَدْ" إِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ [یٰس:٦٠] میں لفظ ﴿أَعْهَدْ﴾ کا ہمزہ، عین اور ھاء قریب المخارج ہیں؛ لیکن ذوقِ صحیح والے کو ثقل محسوس نہیں ہوتا؛ لہٰذا یہ لفظ تنافر میں داخل نہ ہوگا۔ ہاں! کبھی مقتضائے حال کے مطابق ثقیل کلمات کو ذکر کرنا بھی فصاحت کا مظہر ہوتا ہے، اور اس وقت یہ علم البدیع کے "ائتلاف اللفظ مع المعنیٰ" کے قبیل سے ہوگا، جیسے باریٔ تعالیٰ نے غزوۂ تبوک کی تمہید میں فرمایا: ﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ إِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ "اثَّاقَلْتُمْ" إِلَى الْأَرْضِ﴾ [التوبة:٣٨]، یعنی: جب تمھیں اللہ کی راہ میں کوچ کرنے کو کہا جاتا ہے تو تم زمین پر گرے جاتے ہو۔ یہاں (اِثاقلتم) یہ موقع کی دشواری کی طرف مشیر ہے؛ کیوں کہ یہ تبوک کا موقع ہے، جب کہ سخت گرمی تھی، قحط سالی کا زمانہ تھا، کھجور کی فصل پک رہی تھی، سایہ خوش گوار تھا، پھر اس قدر بعید مسافت طے کرنا کوئی کھیل تماشہ نہ تھا۔ اسی طرح ﴿أَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَأَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ﴾ [هود:٣٨] میں ﴿أَنُلْزِمُكُمُوْهَا﴾ ہے۔ (علم البیان)

① "تمام تعریفیں بزرگ وبرتر خدائے واحد کے لیے ہیں"۔ معلوم ہونا چاہیے کہ: مخالفتِ قیاس لغوی سے مراد وہ کلمات ہیں جو واضع کی وضع اور استعمالِ عرب کے خلاف ہوں؛ لہٰذا جو کلمہ واضع کے وضع کے موافق ہوا گرچہ مخالفِ قیاس کیوں نہ ہو، وہ مخالفتِ قیاس میں داخل نہ ہوگا، پس آل وماء — جن کی اصل أهل وموہ ہے — کا ابدال خلاف قیاس ہے؛ لیکن واضع سے ثابت ہونے کی وجہ سے فصیح ہوں گے؛ اسی طرح مشرِق ومغرِب کا بالکسر ہونا مخالف قیاس ضرور ہے؛ لیکن استعمالِ عرب کے موافق ہونے کی وجہ سے فصیح ہوں گے۔ (جواہر البلاغت)

② غرابت کی دو قسمیں ہیں: ١— لفظ کے معنیٰ بڑی مشقت کے بعد، معاجم میں بہت زیادہ چھان بین کے بعد ملتا ہو۔ ٢— دو یا چند معانی میں مشترک لفظ کو بلا قرینہ اس طرح استعمال کیا ہو جس سے مقصود سمجھنے میں سامع کو حیرت ہوتی ہو، جیسے "مسرَّج" کا لفظ ایک شاعر نے ذکر کیا ہے؛ لیکن ائمۂ لغت دو معنوں کی طرف گئے ہیں، کسی نے باریکی اور استواء کو مراد لیا ہے تو کسی نے چمک دمک مراد لی ہے۔

ملحوظہ: لفظِ مشترک کے کسی ایک معنیٰ مرادی پر دلالت کرنے والے قرینہ کو ذکر کرنے سے غرابت نہیں رہتی، جیسے ارشادِ باری ہے ﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ﴾ [اعراف: ١٥٧] اس میں تعالیٰ نے ﴿عزّر﴾ لفظ مشترک کو ذکر کیا ہے جو تعظیم واہانت میں مشترک ہے؛ ساتھ میں "نصرت" کو ذکر کیا ہے جو تعظیم کے معنیٰ مراد لینے پر قرینہ ہے۔

کراہت فی السمع: کلمے کا سیاقِ کلام کے اعتبار سے ایسا نامانوس ہونا کہ سلیم الطبع اُسے ناپسند کرتا ہو اور کان سننے کو تیار نہ ہو؛ اگرچہ وہ کلمہ بذاتِ خود فصیح کیوں نہ ہو، جیسے: خَنْعَمْ بمعنیٰ: احمق؛ کَرِیْمُ الجِرِشّٰی①۔

فصاحتِ کلام

فصاحتِ کلام: فصیح کلام وہ ہے جس کے تمام کلمات فصیح ہوں، نیز وہ کلام تنافرِ کلمات، ضعفِ تالیف، تعقیدِ لفظی، تعقیدِ معنوی اور کثرتِ تکرار②، وتتابعِ اضافت سے خالی ہو③۔ یعنی: فصیح کلام وہ ہے جس کے الفاظ آسان ہوں، معنیٰ واضح ہو اور ترکیب بھی عمدہ ہو، جیسے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝﴾۔

تنافرِ کلمات: چند کلمات کا کلام میں اس طرح جمع ہو جانا کہ ان کا تلفظ زُبان پر گراں ہو؛ اگرچہ وہ کلمات انفرادی طور پر فصیح کیوں نہ ہوں، جیسے: مِثْلُكَ يَجْهَدُ فِيْ رَفْعِ عَرْشِ الشَّرِيْعَةِ الغَرَّاءِ، اس مضمون کو اس مصراع سے تعبیر کیا: "فِيْ رَفْعِ عَرْشِ الشَّرْعِ مِثْلُكَ يَشْرَعُ"۔④

---

① دیکھیے لجِرِشّٰی یہ نفس کے معنیٰ میں ہے اور یہ مقام مقامِ مدح ہے جس میں ایسے شریں کلمات ذکر کیے جاتے ہیں جو بقیہ کلمات کے مناسب ہوں؛ لہٰذا اَلکَرِیْم الجِرِشّٰی شریف النسب میں "الجِرِشّٰی" موجب کراہت فی السمع ہے؛ لیکن لَئِیْمُ الجِرِشّٰی قَبِیْحُ النَّسَب میں یہ کراہت نہ ہوگی۔ (علم البیان)

② کسی چیز کو دوبارہ ذکر کرنا "تکرار" کہلاتا ہے، جو مخل بالفصاحت نہیں؛ اور تین مرتبہ ذکر کرنا کثرتِ تکرار کہلاتا ہے، پھر اگر کثرتِ تکرار سے ان کلمات کو زُبان سے ادا کرنا دشوار ہو، اور ان کا سننا کانوں پر ناگوار معلوم ہو تو وہ مخل بالفصاحت ہے، ورنہ نہیں؛ لہٰذا باری تعالیٰ کے فرمان ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝﴾ [الشمس]، میں "ھاء" کی تکرار، نیز یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمانِ نبوی ﷺ: "الکَرِیْمُ بنِ الکَرِیْمِ بنِ الکَرِیْمِ" میں "کریم" کی تکرار مخل بالفصاحت نہ ہوگی۔ (جواہر) بزیادہ

③ تتابعِ اضافت: یعنی کسی اسم کا اس طرح مضاف ہونا کہ ایک مضاف دوسرے مضاف سے پے در پے ملا ہوا ہو، اور اس سے کلام میں ثقل پیدا ہو؛ لیکن اگر وہ کلام باوجود تتابعِ اضافت کے ثقیل نہ ہو تو وہ مخل بالفصاحت نہ ہوگا، جیسے: فرمانِ الٰہی: ﴿ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝﴾ [مریم:۲] نیز ﴿مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ﴾ [غافر:۳۱] میں تتابعِ اضافت مخل بالفصاحت نہ ہوگی؛ کیوں کہ ان کی ادائیگی میں دشواری اور سننے میں ناگواری نہیں۔ (علم المعانی)

④ اسلامی شریعت کے عرش (شامیانہ، تختِ سلطنت) کو بلند کرنے میں تجھ جیسا ہی کوشش کیا کرتا ہے، اس کو اس

ضُعفِ تالیف: کلام کی ترکیب مشہور قواعد نحویہ کے خلاف ہو، مثلاً: لفظاً اور رتبۃً اضمار قبل الذکر کا لازم آنا، جیسے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

وَلَوْ أَنَّ مَجْداً أَخْلَدَ الدَّهْرَ وَاحِدًا	مِنَ النَّاسِ أَبْقَىٰ مَجْدُه الدَّهْرَ مُطْعِماً ①

تعقید: کلام کا معنیٔ مرادی پر دلالت کرنے میں غیر واضح ہونا، کہ معنیٔ مرادی پر واقفیت کے لیے غور وفکر کرنے اور ذہن کو تھکانے کی احتیاج ہو②۔

پھر خلل کے واقع ہونے کی دو صورتیں ہیں: تعقیدِ لفظی، تعقید معنوی۔

تعقید لفظی: کلام کے کلمات کو اپنی اصلی جگہوں سے مقدم ومؤخر کرنا، حذف بلا قرینہ کا ارتکاب کرنا، اضمار قبل الذکر کا لازم آنا، اسی طرح اجنبی سے فصل کرنا؛ جس کی وجہ سے کلام کا معنی ومراد واضح نہ ہو، جیسے: مَا قَرَأَ وَاحِداً نَدِيْمٌ مَعَ كِتَاباً إِلاَّ أَخِيْه③.

⊃ مصراع میں رفع، عرش اور شرع کے جمع ہونے سے اس کا تلفظ دشوار ہو گیا ہے۔

اور جیسے: كَرِيْمٌ مَتَى أَمْدَحْه أَمْدَحْه وَالوَرىٰ مَعِي؛ وَإِذَا مَا لُمْتُه لُمْتُه وَحْدِي؛ یہاں قریب المخارج حروف کے اجتماع کے ساتھ تکرار بھی پائی گئی ہے جس سے ثقل پیدا ہو گیا ہے؛ ورنہ نفسِ حاء اور ہاء کا اجتماع مخل بالفصاحت نہیں، جیسے فرمانِ الٰہی: ﴿فَسَبِّحْهُ﴾ میں اجتماع ہے۔

ملحوظہ: تنافر حروف میں تنہا اس ایک کلمے کا تلفظ دشوار ہوتا ہے، جب کہ تنافر کلمات میں تنہا کلمات کا تلفظ دشوار نہیں ہوتا؛ بلکہ چند کلمات کی اجتماعی کیفیت سے تلفظ میں دشواری آتی ہے۔

① مطعم بن عدی رؤسائے مکہ میں سے تھے اور مشرکین کے مقابلے میں آپ ﷺ طرف سے دفاع کرتے تھے؛ ان کے بارے میں شاعر کہتا ہے کہ: اگر زمانہ کسی کو بزرگی کی وجہ سے ہمیشہ ہمیش کی زندگی دیتا تو مطعم بن عدی کو دیتا۔ اس جگہ "مَجْدُہ" کی "ہ"، ضمیر متصل بفاعل، مطعم کی طرف لوٹ رہی ہے جو (مرجع) لفظاً اور رُتبۃً دونوں اعتبار سے مؤخر ہے؛ حالاں کہ مشہور نحوی قاعدہ کے اعتبار سے مرجع کا لفظاً یا رتبۃً مقدم ہونا ضروری ہے۔

ملحوظہ: اگر کلام نحوی متفق علیہ قاعدے کے خلاف ہو تو وہ کلام فاسد ہو جائے گا، جیسے: فاعل کو جر دینا، مفعول کو رفع دینا وغیرہ۔ (علم المعانی)

② یاد رہے کہ: کلام کے گہرے معانی اور عمدہ نکات کے لیے ذہن کو تھکانا یہ ایک مفید امر ہے جس سے کلام میں لطافت پیدا ہوتی ہے، نہ کہ تعقید؛ جب کہ تعقید میں بلا فائدہ معنیٔ مرادی کو سمجھنے کے لیے ذہن کو تھکانا ہوتا ہے۔ (علم البیان)

③ یہ عبارت اصل میں مَا قَرَأَ نَدِيْمٌ مَعَ أَخِيْهِ إِلاَّ كِتَاباً وَاحِداً ہے، لیکن غیر مناسب ترتیب کی وجہ سے کلام کا مطلب واضح نہیں ہو رہا۔

تعقیدِ معنوی: کلام سے مراد لیے ہوئے معانی مجازیہ یا معانی کنائیہ سمجھنے میں پیچیدگی ہو، اس طور پر کہ: متکلم معنیٔ مجازی یا معنیٔ کنائی کو ادا کرنے کے لیے عرب کے عرف وعادت اور ان کے طریقۂ تعبیر کے خلاف ایسی تعبیر لائے جس میں ذہن معنیٔ اصلی سے معنیٔ مجازی یا کنائی کی طرف منتقل نہ ہو، جیسے: جاسوس کا معنیٰ ادا کرنے کے لیے مستعمل لفظ عَیْنٌ کے بجائے لفظِ لِسَانٌ کو ذکر کرنا اور کہنا: نَشَرَ الْمَلِكُ أَلْسِنَتَهُ فِي الْمَدِيْنَةِ①؛ اسی طرح جُمودِ عین (آنکھوں کا خشک ہونا) سے رنج وملال کا کنایہ کرنے کے بجائے مسرت وشادمانی کا کنایہ کرنا، عرب کے استعمال اور ان کے عرف وعادت کے خلاف ہے۔

فصاحتِ متکلم: عمدہ تعبیرات اور بلند اسالیب کے پڑھنے، منظوم ومنثور کلام کو رٹنے اور کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ کے حفظ کرنے اور سمجھنے سے ایسا ملکہ پیدا ہو جس کی وجہ سے متکلم اپنے مقصود ومضمون کو فصیح الفاظ② میں ادا کرنے پر بخوبی قادر ہو، خواہ کلام جس مضمون سے بھی متعلق ہو۔

بلاغت

بلاغت: (لغوی معنی) وصول اور انتہاء کے ہے، جیسے: ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا﴾ [الکہف:٦١]؛ ﴿إِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ أَمْرِهِ﴾③ [الطلاق:٣]

بلاغت: (اصطلاحی تعریف) اُن ادبی قواعد کو جاننا ہے جس کے ذریعہ متکلم عظیم واضح معنی کو ایسی فصیح عبارت میں ادا کرنے پر قادر ہو جو مقتضائے حال کے مطابق ہو، مُحسّناتِ ذاتیہ

---

① لفظ عین بول کر جاسوس مراد لینا تو مشہور ہے اور قرینہ بھی ہے کہ جاسوسی کرنے والا آنکھ سے مدد لیتا ہے؛ لیکن زبان بول کر جاسوس مراد لینا اہل عرب کے محاورہ میں مستعمل نہیں۔

② فصیح الفاظ کا مطلب: یہ ہے کہ وہ الفاظ مذکورہ عیوب (تنافر حروف وکلمات، غرابت، مخالفتِ قیاسِ لغوی، ضعفِ تالیف اور تعقید کی دونوں قسموں) سے پاک ہوں۔

③ آیتِ اولیٰ: پھر جب پہنچے دونوں دریا کے مِلاپ تک، بھول گئے اپنی مچھلی۔ آیت ۲: تحقیق اللہ پورا کر لیتا ہے اپنا کام، (یعنی: اس کو اس کی انتہا تک پہنچا دیتا ہے)۔

وعرضیہ (ظاہری وباطنی خوب صورتی) سے مزین ہو۔ (جواہر، طریق الوصول)

موضوع: الفاظ اوران کے معانی ہیں۔

غرض وغایت: موقع ومحل کے مطابق بات کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے۔

اصطلاح بلغاء میں بلاغت دو چیزوں سے متعلق ہے: بلاغتِ کلام، بلاغتِ متکلم۔

بلاغتِ کلام: کلام کا فصیح ہونے کے ساتھ مقتضائے حال کے مطابق ہونا، اور دل ودماغ پر اچھا اثر چھوڑنا۔

حال: وہ امر (موقع ومحل) جو متکلم کو مخصوص انداز میں عبارت لانے پر اُبھارے؛ اس کا دوسرا نام ''مقام'' ہے۔

مُقْتَضا: کلام کرنے کا وہ مخصوص انداز جس کا حال نے تقاضہ کیا ہے کہ: اس موقع پر کلام ہوتو ایسا ہو؛ اس کا دوسرا نام ''اعتبارِ مناسب'' بھی ہے۔

مطابقت: حال کی رعایت کرتے ہوئے کلام کو مخصوص انداز میں پیش کرنا، جیسے: مخاطب کسی بات کا انکار کررہا ہوتو اس کا تقاضیٰ یہ ہوا کہ اس کے سامنے کلام کو مؤکد صورت میں لایا جائے۔

دیکھو! یہاں مخاطب کا انکار ایک ''حال'' ہے؛ کیوں کہ اُسی نے کلام میں تاکید لانے پر اُبھارا ہے، تاکید ''مقتضا'' ہے، اور منکِر کے سامنے کلام کو مؤکد صورت میں پیش کرنا ''مطابقت'' کہلائے گا۔

بلاغتِ متکلم: عمدہ ترکیبات اور بُلند تعبیرات کو بہ کثرت پڑھنے اور اُن میں غور وفکر کرنے سے متکلم میں ایک ایسا ملکہ پیدا ہو جس کی وجہ سے متکلم ہر کسی مضمون کو بلیغ کلام کے ذریعے تعبیر کرنے پر قادر ہوجائے①۔

① فائدہ: کلامِ بلیغ کا مطلب یہ ہے کہ وہ کلام مذکورہ عیوب سے پاک ہو، ساتھ ہی اس کے معانی مقتضائے حال کے مطابق بھی ہو۔

فائدہ

تنافرِحروف اورتنافرِکلمات ذوقِ سلیم کے ذریعے پہچانے جاتے ہیں،اورمخالفتِ قیاسِ لغوی ''علم صرف'' سے،اورغرابت ''لغات'' اورکلامِ عرب پر''بہ کثرت واقفیت'' سے،اور ضعفِ تالیف وتعقیدِلفظی ''علم نحو'' سے،اورتعقیدِمعنوی ''علمِ بیان'' سے،اوراَحوال واُن کے مقتضیات ''علمِ معانی'' سے پہچانے جاتے ہیں۔

خلاصۂ کلام: فصیح وبلیغ کلام کرنے کے لیےفنونِ خمسہ(نحو،صرف،لغت،بیان اورمعانی) کوجاننااورفُصحائے عرب کے کلام کوبہ کثرت پڑھناضروری ہے۔

علم بلاغت کے علومِ ثلاثہ

علم معانی

سوالاتِ علم معانی

① علومِ بلاغت کتنے ہیں؟
② علمِ معانی کی تعریف کیا ہے؟
③ علمِ معانی کا موضوع اور غرض وغایت کیا ہیں؟
④ علمِ معانی کے کتنے ابواب ہیں؟

علمِ بلاغت تین علوم پر مشتمل ہے ① علمِ معانی ② علمِ بیان ③ علمِ بدیع۔

علم معانی: وہ علم ہے جس کے ذریعہ عربی لفظ (مفرد و مرکب) کے وہ احوال① معلوم ہوں، جن احوال کے ذریعے کلام مقتضائے② حال (مخاطب کی حالت کے تقاضے) کے مطابق ہوجائے۔

موضوع: مقتضائے حال کے مطابق بلغاء کی استعمال کی ہوئی ترکیبیں اور عبارتیں۔

غرض وغایت: ① قرآنِ مجید کے اعجاز کو سمجھنا ② عربی نظم ونثر میں موجود فصاحت وبلاغت پر واقفیت حاصل کرنا ③ معنیٔ مرادی کو مقتضائے حال کے مطابق پیش کرنے میں غلطی واقع ہونے سے محفوظ رہنا۔

علم معانی کے ابواب اور اجراء کا طریقہ

عربی الفاظ کے احوال میں تین چیزیں داخل ہیں:

① اجزائے جملہ کے احوال ② ایک جملے کے احوال ③ متعدد جملوں کے احوال۔

۱- اجزائے جملہ کے احوال تین ہیں: مسند، مسند الیہ اور متعلقاتِ فعل میں سے کسی جزوِ کلام

---

① احوال کی تفصیل "اجرائے بلاغت کا طریقہ" کے ضمن میں آرہی ہے۔

② احوال کے مقتضیات بدلنے سے کلام کی صورتیں مختلف ہوجاتی ہیں، جیسے باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ، "نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ"﴾ [الأنعام:۱۵۱]، ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ، "نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ"﴾ [بني إسرائيل:۳۱]

بعض عرب مفلسی کی وجہ سے اولاد کو قتل کر دیتے تھے کہ: خود ہی کھانے کو نہیں! اولاد کو کہاں سے کھلائیں گے: اسی لیے پہلی آیت میں فرمایا کہ: رزق دینے والا تو خدا ہے، وہ تم کو بھی روزی دے گا؛ جب کہ دوسرے بعض غیر مفلس عرب اپنی اولاد کو مفلسی کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ مستقبل میں مفلس ہوجانے کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے، کہ: جب عیال زیادہ ہوں گے تو کہاں سے کھلائیں گے؛ چونکہ پہلے طبقہ کو اپنی روٹی کی فکر ستا رہی تھی اور دوسرے کو زیادہ عیال کی فکر نے پریشان کر رکھا تھا؛ لہٰذا دونوں آیتوں کے مخاطبین کے بدلنے سے ضمیر خطاب وغیبوبت کی تقدیم وتاخیر فرمائی ہے۔

خلاصۂ کلام: دونوں آیتوں کا مضمون ایک ہی ہے؛ لیکن مخاطبین کے بدلنے سے ﴿نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ﴾ اور ﴿نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ﴾ کے اسلوب میں فرق ہوا ہے۔

کو:① معرفہ یا نکرہ لانا، ② مقدم ومؤخر کرنا،③ ذکر وحذف کرنا۔

۲- ایک جملے کے احوال تین ہیں④ جملے کو خبر یا انشائی صورت میں لانا،⑤ مطلق ومقید کرنا،⑥ قصر کا اسلوب اختیار کرنا۔

۳- متعدد جملوں کے احوال دو ہیں⑦ وصل وفصل کرنا⑧ ایجاز واطناب یا مساوات اختیار کرنا۔

اجراءِ بلاغت کا طریقہ: آیت قرآنی یا حدیثِ رسول اللہ ﷺ بلاغت کا اِجراء کرنے کے لیے اوّلاً جملے کی نحوی ترکیب کرلیں تاکہ رُکنین (مسند ومسند الیہ) اور قیودات معلوم ہوجائیں، نیز جملے کا انشائی یا خبری اُسلوب طے ہوجائے۔

چنانچہ پہلے خبر وانشاء کا اجراء کرلیں گے پھر رُکنین کی تعریف وتنکیر، تقدیم تاخیر اور ذکر وحذف کی وجہ بیان کریں گے؛ اس کے بعد جملے میں اطلاق وتقیید اور ذکرِ قیودات کی وجہ اور اسلوبِ قصر کا اِجراء کریں گے؛ اس کے بعد دو جملوں کے درمیان کے وصل وفصل ذکر کرتے ہوئے اِیجاز، اِطناب مع وجہ اور مساوات کی تعیین کریں گے۔

خلاصۂ کلام علم معانی کے آٹھ ابواب ہوئے ① خبر، انشاء؛② تعریف، تنکیر③ تقدیم، تاخیر؛④ ذکر، حذف؛⑤ اطلاق، تقیید؛⑥ قصر؛ ⑦ وصل وفصل؛⑧ ایجاز، اطناب ومساوات۔

ملحوظہ: کتاب کے ابواب بھی اسی ترتیب سے درج ہیں۔

بابِ اول

درخبروانشاء

سوالاتِ خبر و اِنشاء

① خبر وانشاء کی تعریف کرتے ہوئے کسی ایک کی تعیین کرلیں؟

② ارکان جملہ (مسند، مسندالیہ) اور قیودات کی تعیین کریں؟

③ یہ خبر اسمیہ کی صورت میں ہے یا فعلیہ کی صورت میں؟

④ اگر جملہ اسمیہ ہے تو اس کی (دو) بنیادی اغراض؛ اور فعلیہ ہے تو اس کی (دو) بنیادی اغراض میں سے کیا غرض ہے؟

⑤ مذکورہ کلام اگر خبر ہے اور اُس کی غرضِ حقیقی مراد ہے تو فائدۃ الخبر ہے یا لازمِ فائدۃ الخبر؟

⑥ اگر فائدۃ الخبر ہے تو ابتدائی، طلبی اور انکاری میں سے کیا ہے؟

⑦ خبر کی (دس) اغراض مجازیہ میں سے کون سی غرض ہے؟

⑧ اگر انشاء ہے تو انشائے طلبی ہے یا غیر طلبی؟ اور اس کی تعریف کیا ہے؟

خبر، انشاء

کلام کی دو قسمیں ہیں: ① خبر، ② انشاء۔

خبر: وہ کلام ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہہ سکیں، جیسے ﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا: "اٰمَنَّا"، وَإِذَا خَلَوْا إِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْآ: "إِنَّا مَعَكُمْ"﴾ [البقرۃ:۱۴]①.

خبرِ صادق: وہ خبر ہے جو واقعہ کے مطابق ہو۔

خبرِ کاذب: وہ خبر ہے جو واقعہ کے مطابق نہ ہو، جیسے فرعون کا قول ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى ۝﴾② [النازعات:۲۴]

اِنشاء: وہ کلام ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہ کہہ سکیں، جیسے ﴿إِذْهَبْ بِكِتٰبِيْ هٰذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ﴾③ [النمل:۲۸]

ملحوظہ: وہ مقامات جہاں جوش دِلانا، تاثر اور اشتعال انگیزی، دلوں پر نقش چھوڑنا، جذبات کو بھڑکانا وغیرہ مقصود ہوں وہاں کلام کو انشائی اسلوب (امر، نہی، استفہام، تعجب، تمنی، ترجی اور ندا کی صورت) میں ذکر کیا جاتا ہے۔ اور وہ مقامات جو تسلسل اور ترتیب سے کلام کرنے یا تفصیلی واقعہ بیان کرنے کے متقاضی ہیں وہاں کلام کو جملۂ خبریہ (خبر) کی صورت میں ذکر کیا جاتا ہے۔ (علم المعانی)

ارکان جملہ

خبر و انشاء میں سے ہر ایک کے دو بنیادی رکن ہیں: ① محکوم علیہ، ② محکوم بہ؛ ان دونوں

---

① اور جب یہ منافقین اُن لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں تو کہتے ہیں کہ: ہم ایمان لے آئے! اور جب یہ اپنے شیطانوں کے پاس تنہائی میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ: ہم تمھارے ساتھ ہیں! ہم تو مذاق کر رہے تھے۔ دیکھیے! یہاں منافقین کا قول: ﴿اٰمَنَّا﴾ جھوٹ ہے اور ان کا قول ﴿إنا معكم﴾ سچ ہے۔

② ترجمہ: اور فرعون نے کہا کہ: مَیں تمھارا اعلیٰ درجے کا رب ہوں۔ دیکھیے فرعون کا یہ قول صریح جھوٹ ہے۔

③ ترجمہ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُدہُد سے کہا: میرا یہ خط بلقیس کے پاس لے جاؤ، اور ان کے پاس ڈال دینا۔

رُکنین سے تعبیر کرتے ہیں۔

محکوم علیہ: وہ اسم ہے جس پر کسی دوسرے اسم کا حکم لگایا جائے، اسی کو "مسند الیہ" بھی کہتے ہیں۔

محکوم علیہ (مسند الیہ) کے مواضع: فاعل، نائب فاعل، وہ مبتدا جس کی خبر آتی ہے ظَنَّ اور اس کے اخوات کا مفعولِ اول أَرٰی اور اس کے اخوات کا مفعولِ ثانی اور اسمائے نواسخ۔

محکوم بہ: وہ اسم یا فعل ہے جس سے کسی دوسرے اسم پر حکم لگایا جائے؛ اسی کو "مسند" بھی کہتے ہیں، جیسے: ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ۝﴾ [الإخلاص:۲]؛ ﴿يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ﴾ [الرعد:۱۳] میں ﴿اللّٰه﴾، ﴿الرَّعْدُ﴾ مسند الیہ ہیں؛ اور ﴿اَلصَّمَدُ﴾، ﴿يُسَبِّحُ﴾ محکوم بہ اور مسند ہیں۔

محکوم بہ (مسند) کے مواضع: فعل، اسمِ فعل، مبتدا کی خبر، وہ مبتدا جس کی خبر نہیں ہوتی (یعنی: مبتدا کی قسم ثانی)، جیسے: أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ [1]، ظَنَّ اور اس کے اخوات کا مفعولِ ثانی أَرٰی اور اس کے اخوات کا مفعولِ ثالث اور عواملِ نواسخ کی خبریں۔

فائدہ: کلام میں رُکنین (مسند، مسند الیہ) کے علاوہ کلمات کو "قیود" کہتے ہیں، بشرطیکہ وہ کلمات ارکان میں سے کسی کا مضاف الیہ یا صلہ نہ ہوں؛ ہاں مضاف الیہ مضاف کے حکم میں اور صلہ اسم موصول کے حکم میں ہوں گے، جیسے: ﴿وَمَا "مُحَمَّدٌ" إِلَّا "رَسُوْلٌ"، قَدْ "خَلَتْ" مِنْ قَبْلِهِ "الرُّسُلُ"﴾ [2] [آل عمران: ۱۴۴]

قیودات یہ ہیں: ادواتِ شرط، ادواتِ نفی، مفاعیل، حال، تمیز، توابع اور عواملِ نواسخ [3]۔

اقسامِ جملۂ خبریہ

خبر کی دو قسمیں ہیں: جملہ فعلیہ، جملہ اسمیہ۔

---

① مبتدا کی قسمِ ثانی کی تفصیل ھدایت النحو وغیرہ کتبِ نحو میں ملاحظہ فرمالیں۔
② اس مثال میں واوین کے درمیان والے کلمات ارکان ہیں اور باقی قیودات ہیں۔
③ تفصیل "اطلاق وتقیید" میں ملاحظہ ہو۔

جملہ فعلیہ: وہ جملہ ہے جس کا پہلا جزء فعل ہو؛ اِس سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں: ① افادۂ حدوث، ② استمرار تجدُّدی۔

① **افادۂ حدوث:** اختصار کے ساتھ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ میں فعل کے واقع ہونے کا فائدہ دیتا ہے، یہ فائدہ جملہ فعلیہ سے ہر حالت میں حاصل ہوتا ہے اس کے لیے کسی قرینہ کی ضرورت نہیں، جیسے ﴿هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ، وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾[1] [التوبة:۳۳]۔

② **استمرارِ تجددی:** یعنی کسی فعل کے ہمیشہ اور بار بار پائے جاتے رہنے کا فائدہ دیوے، اور یہ فائدہ اُس وقت حاصل ہوگا جب کہ اس میں پائے جانے والا فعل، فعلِ مضارع ہو، جیسے ﴿يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، فَأَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾ [فاطر:۳]؛ ﴿اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ"يَمُدُّهُمْ" فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾[2] [البقرة:۱۵]

جملہ اسمیہ: وہ جملہ ہے جس کا پہلا جزء اسم ہو، خواہ دوسرا جزء اسم ہو یا فعل؛ اس سے بھی دو فائدے حاصل ہوتے ہیں: ① ثبوتِ مسند للمسند الیہ؛ ② اِستمرار۔

---

① اسی نے اپنے رسول (محمد ﷺ) کو ھدایت اور سچا دین دے کر بھیجا (ماضی میں)، تا کہ اس دین کو تمام ادیان پر غلبہ دے (حال و مستقبل میں)۔ اسلام کا غلبہ باقی ادیان پر معقولیت اور حجت و دلیل کے اعتبار سے، یہ تو ہر زمانے میں بحمد اللہ نمایاں طور پر حاصل رہا۔ اور دین حق کا ایسا غلبہ کہ باطل اَدیان کو مغلوب کر کے بالکل صفحۂ ہستی سے محو کر دے، سے نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد قربِ قیامت میں ہونے والا ہے۔

دیکھئے! محمد ﷺ کو رسول بنانا، اس فعل کا وقوع ایک مرتبہ ہوا ہے، نیز تمام باطل ادیان کو مغلوب کرنا بھی قربِ قیامت میں ایک مرتبہ ہوگا۔

② آیت اولیٰ: اللہ پاک تمھیں آسمان و زمین سے "روزی دیتے (رہتے) ہیں"، اس کے علاوہ کوئی حاکم نہیں، پھر کہاں اُلٹے جا رہے ہو! آیتِ ثانیہ: منافقین کہتے ہیں کہ: ہم لوگ مسلمانوں سے جو ظاہری موافقت کرتے ہیں اس سے یہ نہ سمجھنا کہ ہم واقع میں ان کے موافق ہیں، ہم تو ان سے تمسخر کرتے ہیں؛ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ: "اللہ تعالیٰ ان کا تمسخر (ان کے تمسخر کا بدلہ و سزا دینا) کرتے رہتے ہیں، اور ان کی سرکشی میں ان کو ترقی دیتے رہتے ہیں"۔

① **ثبوت مسند براءِ مسند الیہ**: مسند کا مسند الیہ کے لیے بغیر کسی قید کے ثابت ہونے کا فائدہ دینا، جیسے: ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾؛ ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾؛ یہ فائدہ ہر حالت میں حاصل ہوتا ہے اس کے لیے کسی قرینے کی ضرورت نہیں ہوتی[1]۔

② **استمرار**: مسند الیہ کے لیے مسند کے ثبوت میں دوام (ہمیشگی) یا تجدد (بار بار ہونے کو ثابت کرنا) کا فائدہ دینا؛ ہاں! دوام کا فائدہ اُسی وقت حاصل ہوگا جب کہ خبر صیغۂ صفت ہو، فعل نہ ہو، جیسے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾؛ ﴿وَإِذَا لَقُوْا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا "اٰمَنَّا"، وَإِذَا خَلَوْا إِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْا "إِنَّا مَعَكُمْ"﴾[2] [البقرة:١٤]

ملحوظہ: خبر اگر فعل ہو تو تجدد کا فائدہ حاصل ہوگا، جیسے ﴿اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا﴾[3] [الزمر:٤٢]

خبر کی اغراضِ حقیقیہ

خبر دینے کی بنیادی اغراض (اغراضِ حقیقیہ) دو ہیں: ① فائدۃ الخبر، ② لازم فائدۃ الخبر۔

---

① مسند اور مسند الیہ کو جاننے کے لیے پہلے اسناد کو سمجھنا چاہئے کہ، اسناد: ایک کلمہ کو دوسرے کلمے سے ایسا ملانا کہ ایک کلمے کا مفہوم دوسرے کے لیے ثابت ہو، یا ایک کے مفہوم کی دوسرے کلمے کے مفہوم سے نفی ہو، جیسے شكر بلال، ولم يشكر أبو جهل، میں حضرت بلال کے لیے شکر کے مفہوم کا اثبات ہے، تو ابو جہل کے لیے شکر کی نفی ہے؛ چناں چہ بلال و ابو جہل کو مسند الیہ شکر اور لم يشكر کو مسند، اور دونوں کلموں کے درمیانی جوڑ کو "نسبت" کہتے ہیں۔ (علم المعانی)

② آیت اولی: بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے؛ یہ دوام کی مثال ہے۔ آیت ثانیہ: اس میں منافقین کے دو معارض اقوال بیان کرنے کا انداز ملاحظہ فرمائیں: یہ منافقین جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو ﴿آمَنَّا﴾ کہتے ہیں، اور جب کفار و منافقین سے ملتے ہیں تو ﴿إِنَّا مَعَكُمْ﴾ کہتے ہیں، دیکھیے! ﴿آمَنَّا﴾ یعنی ایمان کی خبر بصورت ماضی دی، اور خبر جملہ فعلیہ کی صورت ہے جو حدوث پر دلالت کرتی ہے؛ اور کفار و منافقین کے پاس جا کر کہتے ہیں ﴿إِنَّا مَعَكُمْ﴾ ہم دائمی طور پر تمھارے ساتھ ہیں! یہاں فعلیہ کا حدوث، اسمیہ کا دوام، یہی منافقین کے نفاق کی خبر خوب واضح کرتا ہے۔ نیز پہلی خبر خبر ابتدائی ہے اور دوسری طلبی یا انکاری۔ خبر ابتدائی اور خبر طلبی وانکاری کی تعریفات آگے آرہی ہیں۔

③ یعنی نیند میں ہر روز جان کھینچتا ہے پھر واپس بھیجتا ہے، معلوم ہوا نیند میں بھی جان کھینچتی ہے جیسے موت میں، اب اگر نیند میں کھینچ کر رہ گئی تو وہی موت ہے۔

① **فائدۃ الخبر**: مخاطب کو حکمِ شرعی وغیرہ سے مطلع کرنا؛ یہ خبر ایسے مخاطب کے سامنے پیش کی جاتی ہے جو اُس حکم سے ناواقف ہو، جیسے: حضرت عیسیٰ کا اپنی قوم کو کہنا﴿إِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا۝﴾[مریم:۳۰] ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ، وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾① [البقرۃ:۱۸۵]

② **لازمِ فائدۃ الخبر**: مخاطب کو اس بات کی اطلاع دینا مقصود ہو کہ خبر کے حکم کو جس طرح آپ جانتے ہو، مَیں (متکلم) بھی جانتا ہوں؛ اور یہ خبر ایسے مخاطب کے سامنے پیش کی جاتی ہے جو اُس حکم سے واقف ہو، جیسے﴿إِنَّا أَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝﴾ [یوسف:۲]؛ ﴿فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ، إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ۝﴾② [یٰسٓ:۷۶]

اقسامِ فائدۃ الخبر

فائدۃ الخبر کی تین قسمیں ہیں: ① خبر ابتدائی، ② خبر طلبی، ③ خبر انکاری۔

① **خبرِ ابتدائی**: وہ خبر ہے جو حکم کے مضمون سے خالی الذہن مخاطب کے سامنے بغیر تاکید کے پیش کی جائے، جیسے﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، قَالُوْا: "اٰمَنَّا"﴾③[البقرۃ:۱۴]

---

① وہ بولا: میں اللہ کا بندہ ہوں، مجھ کو اس نے کتاب دی اور اس نے مجھ کو نبی بنایا؛ اس آیت میں عقیدہ بتلایا ہے۔ آیتِ ثانیہ میں ماہِ رمضان کے روزوں کی فرضیت اور عذر کی وجہ ترک پر قضا کا حکمِ شرعی بیان فرمایا ہے۔

ملحوظہ: خبر سے اصل مقصد فائدۃ الخبر ہے؛ لیکن بسا اوقات سیاقِ کلام اور احوال کے قرائن سے دیگر معانی مجازیہ (بطورِ مجازِ مرسل) مراد لیے جاتے ہیں، جیسے: آنے والی مثالوں سے واضح ہوگا۔ (علم المعانی)

② آیتِ اولیٰ: قیامت تک آنے والی انسانیت کی روحانی غذا کے لیے قرآن جیسی عظیم الشان کتاب ھدایت کو نازل کیا گیا اور اس کے لیے پرشوکت عربی زبان کا انتخاب ہوا یہ تو سب جانتے ہی تھے؛ پھر بھی﴿إِنَّا أَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝﴾ سے خبر دے کر بتلایا کہ: اے عربو! تم اس کتاب کے اولین مخاطب ہو! اور تمھارے ذریعے اس کی روشنی چاروں طرف پھیلے گی، جس کی طرف﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ سے اشارہ فرمایا۔ آیت ثانیہ: اور تو غمگین مت ہو ان کی بات سے! ہم جانتے ہیں جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔

③ جب متکلم اپنے مخاطب کے سامنے کسی حکم کو واضح اور ظاہر کرنا چاہے تو اس کا برتاؤ طبیب کے مریض سے برتاؤ کی طرح ہونا چاہیے، جو طبیب مریض کے حالت کی تشخیص کرتا ہے اور اس کے مناسب علاج تجویز کرتا ہے؛ بالکل اسی طرح متکلم اپنے مخاطب کے سامنے ضرورت کے بقدر کلام پیش کرے، نہ زائد کلام کرے کہ عبث ہو جائے، اور نہ ہی ناقص ←

② **خبرِ طلبی**: وہ خبر ہے جو مضمون کے بارے میں متردّد کے سامنے ایک مؤکِّدِ استحبابی کے ذریعے پیش کی جائے، جیسے﴿وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا: "إِنَّا مَعَكُمْ، إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ۝﴾[1] [البقرة:١٤]

③ **خبرِ انکاری**: وہ خبر ہے جو منکرِ حکم کے سامنے ایک مؤکِّدِ وجوبی یا چند مؤکِّدات سے مزین کر کے پیش کی جائے، جیسے حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کے قاصدوں کو اہلِ انطاقیہ نے اول بار جھٹلایا تب اُنھوں نے اِن اور جملہ کو اسمیت کی صورت میں لا کر فرمایا:﴿إِنَّآ إِلَيْكُمْ مُرْسَلُوْنَ﴾ اور دوبارہ فرمایا:﴿رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّآ إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ۝﴾[يٰس:١٦]؛ اس خبر کو قسم،﴿يَعْلَمُ﴾، إِنَّ، لامِ تاکید اور اسمیت الجملہ سے مؤکد فرمایا۔

خبر کی اغراضِ مجازیہ

خبر بیان کرنا، کبھی بنیادی اغراض (فائدۃ الخبر، لازمِ فائدۃ الخبر) کے علاوہ اغراضِ مجازیہ کے لیے— بہ حیثیتِ مجازِ مرسل مرکب— بھی ہوتا ہے جب کہ معانیٔ مجازیہ مراد لینے پر قرائن پائے جائیں؛ وہ اغراض حسبِ ذیل ہیں:

حَثُّ الهِمَم، الاِسْتِرْحَام، إظْهَار الضُّعف، إظهَارُ التَّحَسُّر، إظْهَار الفَرْح بمُقْبِل، إظهَار الشَّمَاتَة بمُدْبِر، إظْهَار السُّرُوْر، التَوْبِيْخ، إظْهَار الفَخْر، التَّحْرِيْض، التَّسْلِيَة.

① **حث الهِمَم**: خبر کی اغراضِ مجازیہ میں سے ایک غرض مخاطب کو کسی کام پر اُبھارنا ہے، جیسے: باری تعالیٰ کا فرمان:﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ

⇐ کرے کہ مخل بالمقصود ہو؛ لہٰذا متکلم اپنے مخاطب کو دیکھے کہ وہ حکم سے خالی الذهن ہے، یا متردد ہے، یا حکم کا منکر ہے؟ مخاطب کی تعیین کے بعد اوّل کے لیے خبر ابتدائی، ثانی کے لیے خبر طلبی اور ثالث کے لیے خبر انکاری لائے گا۔

ہاں! کبھی منکر کو غیر منکر کے درجے میں اور غیر منکر کو منکر کے درجے میں اُتار کر کلام کیا جاتا ہے، جیسے: باری تعالیٰ کا فرمان:﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾؛ تفصیل "تتمہ علم معانی" میں ملاحظہ فرمالیں۔

[1] حکم میں تاکید پیدا کرنے والی چیزیں یہ ہیں: اِن، أنّ، لامِ ابتدائی، قسم، نونِ تاکید، حروفِ تنبیہ، حروفِ زوائد، قد، ضمیرِ فصل، تقدیم ما حقہ التاخیر، خبر کو مکرر لانا وغیرہ۔

وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ﴾[①] [النساء: ۹۵]

② **استرحام:** مہربانی اور شفقت کا خواست گار ہونا، جیسے:﴿رَبِّ إِنِّيْ لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ۝﴾[②] [قصص:۲٤].

③ **اِظهار ضُعف:** ضعف و کمزوری کو ظاہر کرنا، جیسے حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا: ﴿رَبِّ إِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَّلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا۝﴾[③] [مریم:٤]

④ **اظهار تحسُّر:** کسی چیز پر حسرت وافسوس ظاہر کرنا، جیسے:﴿فَلَمَّا وَضَعَتْهَا، قَالَتْ: رَبِّ إِنِّيْ وَضَعْتُهَا أُنْثٰى﴾[④] [آل عمران: ۳٦]

⑤ **اظهار فرَح بمُقبِل والشَّماتة بمُدبر:** کسی آنے والی اچھی چیز پر خوشی کا اور کسی ناپسندیدہ چیز کے جانے پر خوشی کا اظہار کرنا، جیسے اللہ تعالیٰ کا امّ موسیٰ کو حضرت موسیٰ کے بارے میں فرمان: ﴿إِنَّا رَادُّوْهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۝﴾ [القصص:۷]؛ ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۝﴾[⑤][القمر:٤٥]

① یہاں جہاد سے پیچھے رہنے والے کے عزائم کو بلند کرنا اور دلوں کو مہمیز دینا مقصود ہے۔(علم المعانی)

② حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بکریوں کو پانی پلانے کے بعد فرمایا: باری تعالیٰ مَیں کسی عمل کی اجرت مخلوق سے نہیں چاہتا، البتہ تیری طرف سے رحم وکرم ہو جائے اور کوئی بھلائی پہنچے تو میں ہمہ وقت اس کا محتاج ہوں۔

③ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں تو کمزور ہو گئی ہیں۔ یہاں خبر سے اپنے ضعف اور اللہ عز وجل کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار مقصود ہے۔(علم المعانی)

④ ترجمہ: اے میرے پروردگار میں نے تو لڑکی جنی ہے!۔ اس جگہ امرأتِ عمران اس بات کی امیدوار تھی کہ ان کو لڑکا پیدا ہو جو بیت المقدس کی خدمت کر سکے؛ لیکن جب بجائے اس کے لڑکی پیدا ہوئی تو کفِ افسوس ملتے ہوئے فرمایا: ﴿رَبِّ إِنِّيْ وَضَعْتُهَا أُنْثٰى﴾؛ یہ خبر نہ تو فائدۃ الخبر کے لیے ہے، اور نہ ہی لازم فائدۃ الخبر کے لیے؛ بلکہ اظہارِ تحسر وتحزُّن کے لیے ہے۔(علم المعانی)

⑤ آیتِ اولیٰ: ام موسیٰ کو الہام ہوا یا خواب دیکھا، یا اور کسی ذریعے معلوم کرا دیا کہ: اندیشہ نہ ہونے تک موسیٰ کو برابر دودھ پلاتی رہے اور جب اندیشہ لاحق ہو تو تسلی کر دی کہ: ڈرے مت، بے کھٹکے دریا میں چھوڑ دے، بچہ ضائع نہیں ☜

⑥ **اِظھارِ سرور:** خوشی کا اظہار کرنا، جیسے:﴿ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَتَسَآءَلُوْنَ۝ قَالُوْٓا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ أَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ۝ ﴾[1][الطور:۲۵].

⑦ **توبیخ:** ڈانٹ ڈپٹ اور اِظہارِ ناراضگی کرنا، جیسے:﴿ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ، ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَأَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ۝ ﴾[البقرة: ۹۲]؛ ﴿ أَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ﴾[2][البقرة:۸۵].

⑧ **اظھارِ فخر:** فخر اور بڑائی ظاہر کرنا، جیسے:﴿ فَقَالَ: أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى ۝ ﴾[3] [النازعات:۲٤]؛ ﴿ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَآءَهُمْ ﴾[الأعراف: ۱۲۷].

⑨ **تحریض:** مخاطب کو کسی کام میں محنت اور کوشش کرنے پر ابھارنا، ﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ، وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۝ "إِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ" ۝ ﴾[4][الحجر:۹٤-۹۵]

⬅ ہوسکتا۔ اور بچہ کی جدائی سے غمگین بھی مت ہو، ہم اسے بہت جلد تیری ہی آغوشِ شفقت میں پہنچادیں گے، خدا کو اس سے بڑے کام لینے ہیں۔ اسی قبیل سے فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ﴾ [بني اسرآءيل: ۸۱].

آیت ثانیہ: (بدر کا موقع نہایت سخت آزمائش اور عظیم الشان امتحان کا تھا کہ: مسلمان قلت تعداد میں تھے، بے سرو سامان تھے، فوجی مقابلہ کے لیے تیار ہو کر نہ نکلے تھے، پہلی بار کی ٹکر تھی، نشیبی و ریتیلی زمین تھی جہاں وضو و غسل کے پانی کی بھی تکلیف تھی؛ تو دوسری طرف تین گنا تعداد، پورے ساز وسامان کے ساتھ مقابلہ کے لیے تیار، اچھی جگہ اور پانی پر قابض کفار تھے؛ حضور ﷺ اور ابوبکر رات بھر عریش میں مشغولِ دعا رہے تب آپ ﷺ نے فرمایا: خوش ہوجاؤ کہ: جبریل تمہاری مدد کو آرہے ہیں! اور یہ کفار شکست کھائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے؛ یہ خبر اظہارِ شماتت کے لیے ہے۔

① جنتی جنت میں جاکر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باتیں کریں گے اور غایت درجہ مسرت وامتنان سے کہیں گے کہ: بھائی! ہم دنیا میں ڈرتے رہتے تھے کہ: دیکھیے مرنے کے بعد کیا انجام ہو، یہ کھٹکا برابر لگا رہتا تھا۔ اللہ کا احسان دیکھو! آج اس نے کیسا مامون ومطمئن کردیا ہے؛ یہ خبر اظہارِ سرور کے لیے ہے۔

② آیتِ اولیٰ یعنی موسیٰ نے کھلے کھلے معجزے تم کو دکھائے جیسے: عصا، ید بیضاء اور دریا کا پھاڑنا وغیرہ، مگر جب چند دن کے لیے کوہِ طور پر گئے تو اتنے ہی میں بچھڑے کو معبود بنالیا! "اس وقت تمھارا موسیٰ پر ایمان کہاں جاتا رہا"۔ آیتِ ثانیہ میں اللہ پاک نے بنو اسرائیل اور مسلمانوں کو فرمایا: یہ کیا بات ہوئی کہ: بعض احکام پر تو ایمان لائے اور بعض وہ احکام جو طبیعت، عادت یا غرض کے خلاف ہو تو اتباع نہ کرے!۔

③ فرعون نے کہا: سب سے بڑا رب تو میں ہی ہوں! یہ موسیٰ کس کا بھیجا ہوا آیا ہے؟۔

④ جو حکم آپ کو ہوا ہے وہ کھول کر سنادیجیے اور مشرکین کی پروانہ کیجیے! ہم تمہاری طرف سے ٹھٹھا کرنے والوں کو ⬅

⑩ **تسلیہ**: مخاطب کو تسلی دینا، جیسے ﴿وَإِنْ يُّكَذِّبُوْكَ، "فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ"، وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ﴾[1] [فاطر:٤]

⇐ کافی ہیں۔ یعنی: آپ بے خوف وخطر تبلیغ کرتے رہئے، کوتاہی نہ کیجئے، خوب کھول کر خدائی پیغامات پہنچاتے رہیے؛ دنیا وآخرت میں ہم سب ٹھٹھا کرنے والوں سے نبٹ لیں گے، آپ کا بال بینکا نہ ہوگا۔

① انبیائے سابقین کو جھٹلانے کی خبر دے کر آپ ﷺ کو تسلی دینا اور صبر پر اُبھارنا مقصود ہے۔ (بیضاوی)

سوالات اقسامِ انشائے طلبی

① اگر یہ انشاء، انشائے طلبی ہے تو اس کی چھ قسموں میں سے کیا ہے؟

② اگر امر ہے تو اس کی تعریف کیا ہے؟ اس کے چار صیغوں میں سے کونسا صیغہ ہے؟

③ امر کے (تیئیس) معانئ مجازیہ میں سے کون سا معنیٰ مراد ہے؟

④ اگر نہی ہے تو اس کی تعریف کیا ہے؟ اور اس کے (بارہ) معانی مجازیہ میں سے کون سا معنیٰ مراد ہے؟

⑤ اگر استفہام ہے تو استفہام کا کونسا ادات ہے؛ نیز یہ حرفِ استفہام طلبِ تصور کے لیے ہے یا طلبِ تصدیق کے لیے؟

⑥ اداتِ استفہام کے (چوبیس) معانئ مجازیہ میں سے کون سا معنیٰ مراد ہے؟

⑦ تمنی کسے کہتے ہیں؟ اور اس کے چار ادوات: لیت، ہل، لو اور لعل میں سے کونسا ادات ہے؟

⑧ اداتِ تمنی ''لیت'' سے دیگر ادات کی طرف عدول کی کیا حکمت ہیں؟

⑨ ترجی کس کو کہتے ہیں؟ اور اس کے ادوات: لعل اور عسیٰ میں سے کون ہے؟

⑩ اگر ندا ہے تو ندا کی تعریف کیا ہے؟ اور ادوات ندا میں سے کون ہے؟

⑪ ندا کی (چودہ) اغراض مجازیہ میں سے کون سی غرض ہے؟

انشاء واقسامِ اِنشائے طلبی

اِنشاء: وہ کلام ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہہ سکیں، جیسے: ﴿إِذْهَبْ بِكِتٰبِيْ هٰذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ﴾① [النمل:۲۸]۔

انشاء کی دو قسمیں ہیں: انشائے طلبی، انشائے غیر طلبی۔

انشاءِ طلبی: وہ کلامِ انشاء ہے جو ایسے مطلوب کو چاہے جو طلب کے وقت حاصل نہ ہو، جیسے ﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا﴾② [هود: ۳۷]

انشاءِ غیر طلبی: وہ کلامِ انشاء ہے جو کسی مطلوب کو نہ چاہتا ہو جیسے: ﴿وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ۝﴾③ [الشعراء:۱۲۹]

انشائے طلبی کی چھ قسمیں ہیں: امر، نہی، استفہام، تمنی، ترجی، ندا۔

فصل اوّل: بیانِ امر

① **امر:** کسی بلند رُتبہ کا اپنے آپ کو بلند سمجھتے ہوئے کم رُتبہ سے کسی ایسی چیز کے لازمی طور پر وجود میں لانے کا مطالبہ کرنا جو طلب کے وقت نہ ہو، جیسے ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۝﴾ [الحجر: ۹۴]؛ وَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: بَشِّرِ المَشَّائِينَ في الظُّلَمِ إلى المَسَاجِدِ بالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ القِيَامَةِ.④ [الترمذي في الصلاة]

---

① ترجمہ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُد ہُد سے کہا: میرا یہ خط بلقیس کے پاس لے جاؤ، اور ان کے پاس ڈال دینا۔

② اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو فرمایا: تم ایک کشتی ہمارے رُو برو (ہماری حفاظت ونگرانی میں) ہمارے حکم اور تعلیم والہام کے موافق تیار کرو؛ کیوں کہ عنقریب پانی کا سخت طوفان آنے والا ہے، جس میں سب ظالمین ومکذّبین غرق کیے جائیں گے۔

③ قوم ہود کو بڑا شوق تھا اُونچے مضبوط منارے بنانے کا جس سے کچھ کام نہ نکلے؛ مگر نام ہو جائے، اور رہنے کی عمارت بھی بڑی تکلّف کی بناتے تھے؛ گویا اُن کو توقع تھی کہ: ہمیشہ یہیں رہنا ہے؛ اور یہ یادگاریں اور عمارتیں کبھی برباد نہ ہوں گی؛ لیکن آج دیکھو تو ان کے کھنڈر بھی باقی نہیں۔ جن آیتوں میں قسمیں کھائی گئی ہیں وہ بھی انشائے غیر طلبی کے قبیل سے ہیں۔

④ جو احکام آپ کی طرف نازل ہوئے ہیں ان کو کہنے میں کوتاہی نہ کیجیے، خوب کھول کھول خدائی پیغامات پہنچائیے۔

صیغہائے امر

امر کے چار صیغے ہیں:

① فعلِ امر، جیسے باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَ"أَعِدُّوْا" لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ [الأنفال:٦٠]؛ ﴿أَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾① [مريم: ١٢]

② فعلِ مضارع مقرون بہ لامِ اَمر: ﴿"لِيُنْفِقْ" ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ، وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَـ"لْيُنْفِقْ" مِمَّا اٰتٰهُ اللهُ﴾② [الطلاق: ٧]

③ اسمِ فعلِ اَمر، جیسے: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا "عَلَيْكُمْ" أَنْفُسَكُمْ لَايَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾③ [المائدة: ١٠٥]

④ مصدر جو فعلِ امر کا قائم مقام ہو، جیسے: ﴿وَاعْبُدُوا اللهَ وَلَاتُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئاً

⊃ مشرکین آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

ملحوظہ: کہیں صیغۂ امر وارد ہوتا ہے؛ لیکن اس سے کوئی معین مامور مراد نہیں ہوتا؛ بلکہ ہر وہ آدمی جس کے سامنے یہ امر پہنچے وہ اس کا مامور ہوتا ہے، جیسے: حضرت نبی کریم ﷺ کا فرمان: "بَشِّرِ المَشَّائِينَ فِي الظُّلَمِ إِلَى المَسَاجِدِ بِالنُّورِ التَّامِّ يَوْمَ القِيَامَةِ". [الترمذي]؛ اندھیروں میں مساجد کی طرف جانے والوں کو قیامت میں نور تام کی خوش خبری سنا دیجئے! یہاں امر سے عموم مراد ہے، حتی کہ امت کا ہر فرد لوگوں کو بشارت دینے والا ہوگا؛ اس امر کی عمومیت سے مساجد کی طرف جانے والوں کا اکرام مقصود ہے۔ (علم المعانی)

① اور دشمنوں کی لڑائی کے واسطے جو کچھ قوت اور پلے ہوئے گھوڑوں (وغیرہ سامانِ جہاد) میں سے جمع کرسکو تیار کرو! کہ اس سے اللہ کے دشمنوں پر اور تمھارے دشمنوں پر (اور ان کے علاوہ دوسروں پر جن کو تم نہیں جانتے، اللہ جانتے ہیں) دھاک پڑے۔

② بچوں کی تربیت کا خرچ باپ پر ہے، وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق اور کم حیثیت کو اپنی حیثیت کے مناسب خرچ کرنا چاہیے؛ اگر کسی شخص کو زیادہ فراخی نصیب نہ، ہو محض نپی تولی روزی اللہ نے دی ہو وہ اس میں سے اپنی گنجائش کے مطابق خرچ کیا کرے۔ (فوائد)

③ اے ایمان والو! تم پر اپنی جان کی فکر لازم ہے، اگر (امتِ دعوت میں سے) کوئی (امر بالمعروف کے بعد بھی) گمراہ ہوا اور تم راہ راست پر ہو تو تمھارا کچھ نہیں بگڑتا۔ ہاں! امتِ اجابت کے حق میں مقدور بھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہنا ہے۔

وَّبِالْوَالِدَيْنِ "إِحْسَانًا"﴾① "أيْ: وأحْسِنُوْا بِهِمَا". [النساء: ٣٦]

ملحوظ: کبھی نہی کے اسلوب میں امر مراد ہوتا ہے، جیسے:﴿وَوَصّٰى بِهَآ إِبْرٰهِيمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ إِنَّ اللهَ اصْطَفٰے لَكُمُ الدِّيْنَ "فَلاَتَمُوْتُنَّ" إِلاَّ وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾② [البقرة:١٣٢].

امر کے معانی مجازیہ

صیغۂ امر کبھی اپنے حقیقی معنی کے علاوہ دوسرے مجازی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جب کہ قرائن پائے جائیں؛ اُن میں سے چند یہ ہیں:

الدُّعَاء، الالِتمَاس، التَمَنِّي، التَهْدِيْد، الزَّجْر والتَوْبِيْخ، التَعْجِيْز، التَّسْوِيَة، التَّحْقِيْر والإهَانَة، الإبَاحَة، التَّخْيِيْر، الامْتِنَان، الدَّوَام، النُّصْح والإرْشَاد، الإثَارَة، الحَثُّ عَلَى الاتِّصَاف، تَصْوِيْر الحَال، الإكْرَام.

① **دعاء**: بندے کا تواضع اور نہایت عاجزی سے باری تعالیٰ کے حضور سوال کرنا، جیسے: ﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ○ وَيَسِّرْ لِيْ أَمْرِيْ○ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِسَانِيْ○ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ○﴾③ [طٰہٰ: ٢٥-٢٨].

② **التماس**: مرتبے میں ہم پلّہ آدمی سے -بلا تواضع و بلندی کے- نرمی کے ساتھ کسی چیز کا سوال کرنا، جیسے: ﴿وَقَالَ مُوْسیٰ لِأَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ، وَاَصْلِحْ﴾④ [الأعراف:١٤٢]

---

① اور اللہ کی عبادت کرو! اور کسی کو اس کا شریک نہ کرو! اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو!۔ (علم المعانی)

② اور اسی بات کی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی، اور یعقوب نے بھی اپنے بیٹوں کو کہ: اللہ نے یہ دین تمھارے لیے منتخب فرمالیا ہے؛ لہٰذا تمھیں موت بھی آئے اس حال میں کہ تم مسلم ہو!۔

③ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی: اے اللہ تو میرے سینہ کو کشادہ فرما، اور میرا کام آسان فرما، اور میری زبان سے گرہ کھول دے! کہ لوگ میری بات سمجھے!

④ اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ھارون علیہ السلام سے کہا کہ: میرے پیچھے تم میرے قائم مقام بن جانا!

③ **تمنی**: غیر مقدور (غیر ممکن الحصول) یا غیر متوقع امر محبوب و مرغوب کو طلب کرنا، جیسے: ﴿رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظٰلِمُوْنَ۝﴾① [المؤمنون: ۱۰۷]

④ **تهدید**: مامور بہ سے عدمِ رضامندی کے موقع پر تہدید (ڈرانا اور دھمکانا) مراد ہوتا ہے، جیسے ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ أَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ، قُلْ "تَمَتَّعُوْا" فَإِنَّ مَصِيْرَكُمْ إِلَى النَّارِ۝﴾② [إبراهيم: ۳۰].

⑤ **زجر و توبیخ**: مخاطب کو ڈانٹنا اور اس کے فعل پر اظہارِ ناراضگی کرنا، جیسے ملحدین کو الحاد اور عناد و سرکشی پر ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا ﴿"اِعْمَلُوْا" مَا شِئْتُمْ، إِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۝﴾③ [حم السجدة: ۴۰]

⑥ **تعجیز**: کسی کام کے کرنے پر قادر ہونے کے دعوے دار کو محض عاجز اور بے بس ظاہر کرنے کے لیے حکم دینا؛ حالاں کہ وہ کام اس کے بس میں نہ ہو، جیسے ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَـ "أْتُوْا" بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾④ [البقرة: ۲۳]

⇦ تمام معاملات درست رکھنا۔ دیکھیے! یہاں "اخلفني" امر کا صیغہ ضرور ہے؛ لیکن وہ اپنے معنیٔ حقیقی (طلب علی وجہ الاستعلاء) میں مستعمل نہیں ہے؛ کیوں کہ مخاطب یہ متکلم کا مساوی ہے اور جب مساوی اپنے مساوی سے کوئی چیز طلب کرتا ہے تو علی وجہ الاستعلاء نہیں کرتا؛ بلکہ علی وجہ التماس طلب کرتا ہے۔ (تیسیر البلاغۃ)

① کفار جہنم سے نکلنے کی درخواست کریں گے؛ لیکن ان کا جہنم سے خروج امر محال ہے جس کو وہ بھی جانتے ہوں گے؛ لہٰذا یہ درخواست صرف تمنا کے قبیل سے ہوگی۔ (علم المعانی)

ملحوظہ: تمنی کا معنی اس وقت بھی مراد لیا جاسکتا ہے جب کہ کام کے کرنے کا مطالبہ کسی غیر عامل سے کیا جائے، جیسے یَا لَيْلُ طُلْ وَيَا نَوْمُ زُلْ، اے رات لمبی ہوجا اور اے نیند چلی جا۔

② اللہ پاک فرماتے ہیں کہ: ان مشرکین کا حال یہ ہے کہ: احسانات الٰہی سے ہو کر متأثر منعمِ حقیقی کے شکر گذار تو کیا ہوتے، اُلٹے بغاوت پر کمربستہ ہوگئے اور خدائی اختیارات دوسروں کے لیے ثابت کرنے لگے! مزید اپنے ساتھ دوسروں کو بہکا کر اپنے دامِ سیادت میں پھنسائے رکھا۔ ٹھیک ہے! چند روز جی خوش کرلو اور دنیا کے مزے اُڑالو پھر دوزخ میں تمھیں ہمیشہ رہنا ہے۔ یہاں مشرکین کو سرکشی پر ڈانٹنا مقصود ہے، امتثال مقصود نہیں (علم المعانی)

③ اللہ کی آیتوں میں ٹیڑھا راستہ اختیار کرنے والے کافرو! تم جو چاہو، کرلو! یقین جانو کہ: وہ اللہ تمھارے ہر کام کو دیکھ رہا ہے۔

④ یہاں قرآن جیسی سورت پیش کرنے کا مکلف بنانا مقصود نہیں ہے، اور نہ ہی اس جیسی سورت پیش کرنے کو لانا ⇦

⑦ **تسویہ:** دو امروں (معاملوں) میں سے ایک کے دوسرے پر راجح ہونے کے گمان کے موقع پر دونوں ہی امروں کا برابری کے ساتھ حکم دینا، جیسے: ﴿قُلْ "أَنْفِقُوْا" طَوْعاً أَوْ كَرْهاً لَّنْ يُتَقَبَّلَ مِنْكُمْ﴾ [التوبة:٥٣]؛ ﴿قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ أَوْ لَا تُؤْمِنُوْا﴾ ① [بني إسرائيل:١٠٧]

⑧ **تحقیر واھانت:** مخاطب کی بے عزتی کرنے کے مقام پر حکم دینا، جیسے ﴿ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ۝﴾ ② [الدخان:٤٩].

⑨ **اِباحت:** سامع کو کسی کام کی مُمانعت کا وہم ہو ایسے موقع پر کام کے کرنے نہ کرنے کا اختیار دینا؛ قرآن مجید میں امر کو اِباحت کے لیے بکثرت استعمال فرمایا گیا ہے، جیسے ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ ③ [البقرة: ١٨٧]

⑩ **تخییر:** دو یا چند چیزوں میں سے ایک کو دوسری پر ترجیح دینے یا منتخب کرنے کے لیے حکم دینا، جیسے ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ

⊃ کرنا ہے؛ بلکہ قرآن جیسی سورت پیش کرنے پر ان کے عجز کو ظاہر کرنا مقصود ہے، یعنی: اگر تم کو اس کلام کے بارے میں کلامِ بشری ہونے کا خیال ہے تو تم بھی تو ایک سورت فصیح وبلیغ تین آیت کی مقدار بنا دیکھو! اور جب تم باوجود کمال فصاحت وبلاغت کے چھوٹی سورت کے مقابلے سے عاجز ہوجاؤ تو پھر سمجھ لو کہ یہ اللہ کا کلام ہے کسی بندے کا ہرگز نہیں! (علم المعانی)

① آیتِ اولیٰ: منافقین میں سے بعض نے کہا تھا کہ: مَیں بذاتِ خود جنگ میں نہیں آسکتا؛ لیکن مالی اعانت کرسکتا ہوں! اس کا جواب دیا کہ: بے اعتقاد کا مال خواہ ناخوشی سے دے یا بالفرض خوشی سے بھی خرچ کرے؛ ہمیں قبول نہیں۔ (علم المعانی)

آیتِ ثانیہ: آپ (اِن کافروں سے) کہہ دو کہ: چاہے تم اس قرآن پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، جب یہ قرآن اُن لوگوں کے سامنے پڑھا جاتا ہے جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا تھا تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گرجاتے ہیں۔

② دوزخ کا عذاب چکھ! تو وہی ہے جو دنیا میں بڑا معزز ومکرم سمجھا جاتا اور اپنے کو سردار ثابت کیا کرتا تھا، اب وہ عزت وسرداری کہاں گئی!۔

③ یعنی طلوعِ صبح صادق سے رات تک روزہ پورا کرو! اور جیسے رات بھر مجامعت کی اجازت دی گئی ہے اسی طرح رمضان کی رات میں تم کو کھانے پینے کی بھی اجازت ہے صبح صادق تک؛ دیکھیے! یہاں لفظِ اِباحت کے بجائے صیغۂ امر ﴿كلوا واشربوا﴾ سے اِباحت کو تعبیر کرنا سحر کے مطلوب ومرغوب ہونے پر دال ہے۔ (علم المعانی) اور جیسے جَالِسِ الْحَسَنَ أَوْ ابْنَ سِيْرِيْنَ حسن بصری کی صحبت اختیار کرو یا محمد ابن سیرین کی۔

سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾① [البقرة:۲۳۱].

ملحوظہ: اِباحت وتخییر میں فرق یہ ہے کہ: اباحت میں فعل اور ترکِ فعل دونوں کی ایک ساتھ اجازت ہوتی ہے، جب کہ تخییر میں دو چیزوں میں سے کسی ایک غیر متعین چیز کی اجازت ہوتی ہے؛ لہٰذا تخییر میں دونوں چیزوں کو جمع کرنا صحیح نہیں، جب کہ اباحت میں دونوں کو جمع کرنے کی اجازت ہوگی۔ (علم المعانی)

⑪ **امتنان**: احسان جتاتے ہوئے کسی چیز کا حکم دینا، جیسے﴿كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلاً طَيِّبًا، وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ أَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ○﴾② [المائدة: ۸۸]

⑫ **دوام**: ہمیشگی وبقا کے ساتھ تھامے رکھنے کا حکم دینا، جیسے﴿يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ﴾ [الأحزاب:۱] ﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَأَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ﴾③ [الحديد:۷]

⑬ **نصح وارشاد**: مخلصانہ رائے دینا اور ہمدردی کے ساتھ ایسی راہ نمائی کرنا جس میں مامور کا فائدہ ہو، جیسے: ﴿يٰبُنَيَّ أَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا أَصَابَكَ؛ إِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ○﴾ [لقمان:۱۷]؛ آپ ﷺ

---

① یعنی: عدت کے ختم ہونے تک خاوند کو اختیار ہے کہ اس عورت کو موافقت اور اتحاد کے ساتھ پھر ملا لے یا خوبی اور رضامندی کے ساتھ بالکل چھوڑ دے؛ یہ ہرگز جائز نہیں کہ: قید میں رکھ کر اس کو ستانے کے قصد سے رجعت کرے، جیسا کہ بعض اشخاص کیا کرتے تھے۔

② اے مؤمنو! تم دو شرطوں کے ساتھ (حد تجاوزی کیے بغیر اور تقویٰ اختیار کرتے ہوئے) اللہ کی دی ہوئی حلال پاکیزہ چیزیں کھاؤ! اعتداء کے دو مطلب ہیں: نصاریٰ کی طرح رھبانیت اختیار مت کرو! کہ انہوں نے حلال چیزوں کے ساتھ حرام کا معاملہ کیا۔ اور یہود کی طرح لذات وشہوات میں منہمک ہو کر دنیا کو اپنا مطمحِ نظر نہ بناؤ!۔ یہاں امتنان کا قرینہ فرمانِ الٰہی ﴿مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ ہے۔

③ آیتِ اولیٰ: اے نبی جی! تقویٰ والی زندگی پر ہمیشہ مستقیم رہیے!۔

آیتِ ثانیہ: یعنی اے لوگو! اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ، اور جو کچھ اس نے تم کو اپنا نائب بنا کر دیا ہے اُسے خرچ کرو! مطلب یہ ہے کہ: جن لوگوں میں یہ صفت وخصلت نہیں ہے وہ اپنے اندر پیدا کریں اور جن میں موجود ہے وہ اس پر ہمیشہ مستقیم رہیں۔

فرمان ہے: "يَا عَلِيُّ! مِنْ هٰذا فأَصِبْ؛ فإنَّه أوْفَقُ لكَ".① [الترمذي]

⑭ **اِثارہ:** یعنی کبھی امر کو بجالانے والے مامور کو جوش دلانے کے لیے بھی حکم دیا جاتا ہے، جیسے ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ﴾② [الأحزاب:۱] .

⑮ **حثّ علی الاتّصاف:** کسی معین صفت کے ساتھ ابتداءً متصف ہونے یا ہمیشگی کے ساتھ متصف رہنے پر اُبھارنا مقصود ہو، جیسے ﴿وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝﴾③ [البقرة: ۱۳۲].

⑯ **تصویر الحال:** کبھی آمر کے حال کی منظر کشی کرنے اور پریشانی کے اظہار کے لیے امر کو لایا جاتا ہے، جیسے: ﴿وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ: اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا

---

① اس مثال پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ: آیت میں مامور بہ چیزیں نماز اور امر بالمعروف وغیرہ تو واجب ہیں، لہٰذا امر بھی وجوب کے لیے ہے! کیوں کہ: اگر یہ اوامر مقامِ امر میں استعمال کئے جائیں، تو وجوب کے لیے ہوں گے؛ لیکن یہاں انھیں اوامر کو حضرت لقمان علیہ السلام کی زبانی نقل کیا جارہا ہے، لہٰذا مقام کا تقاضہ خیر خواہی اور راہنمائی کرنا ہوگا۔ (علم المعانی) نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے: لايَمشِيَنَّ أحدُكم في نَعل واحدٍ، "لِيَنعَلْهما جميعًا أوليحفهما جَميعا". (شمائل ترمذي)

② مثالِ اوّل: یعنی اب تک معمول رہا ہے آئندہ بھی ہمیشہ ایک اللہ سے ڈرتے رہیے اور کافروں اور منافقین کا کبھی کہا نہ مانئے! گویا ایسے اوامر ونواہی، حکم اور روک کے لیے نہیں ہے؛ کیوں نبی ﷺ کا معمول تو پہلے سے یہی رہا ہے؛ بلکہ ان صفات کو دوام واستمرار کے ساتھ تھامے رکھنے کے لیے حکم ہوا ہے۔ یہی دوام واستمرار کی غرض اس قسم کی دیگر آیات میں بھی سمجھنا چاہیے۔ (علم المعانی) مثالِ ثانی: آپ ﷺ حضرت علی کو فرمانا: يَا عَلِيُّ! مِنْ هٰذَا فَأَصِبْ؛ فإنه أوفق لك". (ترمذی، ابواب الأطعمة)؛ حضرت علیؓ بیماری سے ابھی ابھی اُٹھے تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ کھجور کھانی شروع کی، تو آپ ﷺ نے احتیاطاً فرمایا: علی رکو! تم ابھی بیماری سے اٹھے ہو؛ پھر جب جَو کا کھچڑا اور چقندر پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے علی! (اگر کھانا ہے تو) اِس میں سے کھاؤ! یہ آپ کے لیے زیادہ موافق ہے۔

ملحوظہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوام واثارہ کا مفہوم قریب قریب ہے۔

③ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ: اللہ نے تمھارے لیے دینِ الٰہی (جو حکم اللہ نے نبی کے ہاتھ بھیجے اُسے قبول کرنا) چن لیا ہے، سو تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان ہو کر! چنانچہ ایک مدت تک حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں پیغمبری رہی، اب ابراہیمؑ کے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں پہنچی ہے؛ لہٰذا مسلمان 'ملت ابراہیمی' پر ہیں، اور یہود کا کہنا کہ: حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہودیت کی وصیت فرمائی تھی سو وہ جھوٹے ہیں! جیسا کہ اگلی آیت میں مذکور ہے۔

مِنَ الْمَآءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾[1] [الأعراف: ٥٠]

⑭ **اِکرام:** مخاطب کے احترام یا خاطر مدارات کے لیے امر کو استعمال کرنا، جیسے:

﴿اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ آمِنِيْنَ۝﴾[2] [الحجر: ٤٦]

فصل ثانی: بیانِ نہی

نھی: بلند رتبہ کا اپنے آپ کو بلند سمجھتے ہوئے کم رتبہ کو کسی کام کے کرنے سے علیٰ سبیل الالزام روکنا؛ یہ نہی کا معنیٰ حقیقی ہے، جیسے﴿لَاتُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا﴾ [الأعراف:٥٦]؛ ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَاتَقْرَبُوْهَا﴾[3] [البقرة:١٨٧]

ملحوظہ: صیغۂ نہی وہ فعلِ مضارع ہے جس کے شروع میں لائے نہی ہو۔

نہی کے معانی مجازیہ

صیغۂ نہی کبھی اپنے حقیقی معنی کے علاوہ مجازی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے، جب کہ قرائن پائے جائیں؛ ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں۔

التَّحْقِيْر والاِهَانَةُ، التَّفْظِيْع والتَّهْوِيْل، الدُّعَاء، الالْتِمَاس، التَّمَنِّي، التَّهْدِيْد، التَّوْبِيْخ، النُّصْحُ والاِرْشَاد، التَّيْئِيْس، بَيَان العَاقِبَة، الاِئْتِنَاسُ، الدَّوَام.

---

① دوزخی نہایت سخت عذاب سے بے قرار، بدحواس اور مضطرب ہو کر اہلِ جنت کے سامنے دستِ سوال دراز کریں گے کہ: ہم جلے جا رہے ہیں! تھوڑا سا پانی ہم پر بہاؤ، یا اللہ نے تمھیں جو نعمتیں دی ہیں اس کا کوئی حصہ (ہم تک بھی پہنچادو)؛ جواب ملے گا کہ کافروں کے لیے ان چیزوں کی بندش ہے۔ (علم المعانی، فوائد)

② متقیوں (کفر و شرک اور معاصی و ذنوب سے پرہیز کرنے والوں) کو کہا جائے گا: تم لوگ جنت میں سلامتی (فی الحال تمام عیوب و آفات سے صحیح سالم) اور امن (آئندہ ہمیشہ کے لیے ہر قسم کی فکر، پریشانی، گبھراہٹ اور خوف و ہراس سے بے کھٹکے) جنت میں جاؤ!۔ یہ جملہ ایسا ہی ہے جیسے میزبان کھانے پینے والے مہمان کو کہتا ہے: کُلْ واشْرَبْ.

③ آیت اولیٰ: جب دنیا میں معاملات کی سطح درست ہو تو تم اس میں گڑبڑی نہ ڈالو۔ آیتِ ثانیہ: روزہ و اعتکاف کے متعلق جو حکم دربارۂ حلت و حرمت مذکور ہوئے، یہ قاعدے اللہ کے مقرر فرمائے ہوئے ہیں ان سے ہرگز باہر نہ نکلنا؛ بلکہ ان کے قریب بھی نہ جانا۔ اس آیت میں زمین میں فساد پھیلانے اور اللہ کی باندھی ہوئی حدود کے ارتکاب سے؛ بلکہ اس کے قریب جانے سے بھی منع کیا ہے (علم المعانی)

① **تحقیر واہانت:** خوب ذلیل اور بے عزتی کرنے کے لیے، جیسے ﴿قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ۝﴾ [المؤمنون:۱۰۸] ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ ① [توبة: ۲۸]

② **تفظیع وتہویل:** کسی چیز کا بھیانک اور ہولناک ہونا بیان کرنے کے لیے نہی کو استعمال کرنا، جیسے ﴿لَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ۝﴾ ② [البقرة: ۱۱۹]

ملحوظہ: کبھی انتہائی نعمت وآسائش کو بھی تہویلاً بیان کیا جاسکتا ہے، جیسے تُو کہے لَا تَسْأَلْ عَنْ فُلَانٍ، أَيْ: حَلَّ بِهِ مِنَ الْخَيْرِ وَالنَّعِيمِ مَا لَا يُوْصَفُ لِكَثْرَتِهِ وَوَفْرَتِهِ③.

---

① آیتِ اولیٰ: جہنمی لوگ کل قیامت کو جہنم سے نکلنے کی تمنا کریں گے اور یہ اعتراف کریں گے کہ: بے شک ہماری بدبختی نے دھکا دیا جو سیدھے راستے سے بہک کر ابدی ہلاکت کے گڑھے میں آپڑے؛ اب ہم نے سب کچھ دیکھ لیا، ازراہِ کرم ایک دفعہ ہم کو یہاں سے نکال دیجئے! پھر دوبارہ ایسا کریں تو جو چاہے عذاب دیجئے گا۔ جواب ملے گا: پھٹکارے ہوئے جہنم میں پڑے رہو! اور مجھ سے بات نہ کرو! (علم المعانی)

آیتِ ثانیہ: حق تعالیٰ نے شرک کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کا صدر مقام (مکہ معظّمہ) فتح کرادیا اور قبائل جوق درجوق دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے، تب سن ۹ ھ میں یہ اعلان کرادیا کہ: آئندہ کوئی مشرک (یا کافر) مسجدِ حرام میں داخل نہ ہو؛ بلکہ حدودِ حرم میں بھی نہ آنے پائے! کیوں کہ ان کے قلوب شرک وکفر کی نجاست سے اس قدر پلید اور گندے ہیں کہ وہ اس مقدس مقام اور مرکزِ توحید وایمان میں داخل ہونے کے لائق نہیں (فوائد)

② ایک قراءت کے مطابق ﴿لَا تُسْئَلْ﴾ صیغۂ نہی مجزوم ہے، یعنی: جہنمیوں کے عذاب کی شدت وزیادتی اور اس کی عبرت ناک سزا کو نہ کوئی بیان کرسکتا ہے اور نہ ہی اس کی ہولناکی کو سنا جاسکتا ہے! بلکہ دنیا میں اس کا تصوُّر بھی نہیں کیا جاسکتا! اللّٰهُمَّ احفظنا منه (علم المعانی)

ملحوظہ: کبھی منہی عنہ کو کسی قید سے مقید یا کسی وصف سے متصف کیا جاتا ہے؛ حالاں کہ وہاں مطلق نہی مراد ہوتی ہے؛ ہاں اس قید یا وصف کو ذکر کرنے سے اس منہی عنہ کی قباحت وقاحت میں اور اضافہ ہوجاتا ہے، جیسے ﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ [النور:۳۳]، لونڈیوں سے بدکاری کروانا ہر حال میں حرام ہے؛ لیکن محض دنیا کے حقیر فائدے کے لیے زبردستی ان کو مجبور کرنا اور بھی زیادہ وبال اور انتہائی وقاحت کی دلیل ہے جس کو ﴿إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ اور ﴿لِتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ سے بیان فرمایا ہے۔ (علم المعانی، فوائد عثمانی)

③ فلاں کے بارے میں مت پوچھو! یعنی: وہ اس قدر زیادہ مال واسباب اور آسائش والا ہے جن کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ (علم المعانی)

③ **دعاء**: جب نہی کا صیغہ ادنیٰ کی طرف سے اعلیٰ کے حضور نہایت ہی عاجزی سے صادر ہوتو وہ دعا کے معنیٰ میں ہوگا، جیسے: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِنْ نَّسِيْنَآ أَوْ أَخْطَأْنَا، رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا، رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ﴾①

[البقرة: ٢٨٦].

④ **اِلتماس**: دو ہم عمر یا ہم رُتبہ میں سے ایک کا دوسرے کو بدونِ استعلاء اور بغیر تواضع وانکساری کے (نرمی کے ساتھ) روکنا، جیسے﴿قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَأْسِيْ﴾②

[طٰهٰ: ٩٤]

⑤ **تمنی**: کسی ایسے محال یا شبیہ بالمحال (بعید الوقوع) امرِ محبوب ومرغوب (ترکِ فعل) کو طلب کرنا جس کا وقوع یقینی ہو، جیسے شاعر کا شعر: يَا لَيْلُ طُلْ، يَا نَوْمُ زُلْ، يَا صُبْحُ قِفْ! "لَا تَطْلُعِ"③.

⑥ **تهدید**: کسی بری حرکت سے باز نہ آنے پر مخاطب کو دھمکانا، جیسے﴿لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ﴾④ [التوبة: ٦٦]

---

① اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے کوئی بھول چوک ہوجائے تو ہماری گرفت نہ فرمائیے! اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر اس طرح کا بوجھ نہ ڈالیے جیسا آپ نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا؛ اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیے جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ دیکھیے! مؤمنین کا تضرّع اور عاجزی سے اللہ کے سامنے گڑگڑانے سے مقصود دعاء کرنا ہے۔

② یہاں حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام دونوں قدر ومنزلت میں مساوی تھے؛ لہٰذا استعلاء والزام اور عاجزی ومسکنت مراد نہیں ہے؛ بلکہ التماس مراد ہے (علم المعانی)

③ اے رات تو لمبی ہوجا، اے نیند اُڑ جا، اے صبح ٹھہر جا، مت نکل؛ دیکھیے! یہاں شاعر کے قول میں "لا تطلع" صیغۂ نہی اپنے حقیقی معنیٰ میں نہیں ہے؛ اس لیے کہ خطاب صبح سے ہے اور وہ امتثال امر کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی؛ یہاں صبح کا طلوع نہ ہونا شاعر کی ایسی محبوب شئ ہے جس کے پائے جانے کی امید نہیں۔

ملحوظہ: یہ معنیٰ اس وقت مراد لیا جاسکتا ہے جب کہ کام سے رک جانے کا مطالبہ کسی غیر عاقل سے کیا جائے۔

④ منافقین اپنی حرکاتِ شنیعہ سے باز نہ آتے تھے اور ہر وقت اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑتے، پھر کسی وقت حضرت ان کی دغابازی پکڑتے تو طرح طرح کے بہانے بناتے؛ ان کو دھمکایا گیا

⑦ **توبیخ**: ڈانٹ ڈپٹ یا اِظہارِ ناراضگی کرنا، جیسے:﴿قَالَ يٰنُوْحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ، إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ؛ "فَلَا تَسْئَلْنِ" مَالَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾[1] [هود:٤٦]

⑧ **نصح وارشاد**: مخلصانہ رائے دینا اور ہمدردی کے ساتھ ایسی راہ نمائی کرنا جس میں مخاطب کا فائدہ ہو، جیسے:﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَسْئَلُوْا عَنْ أَشْيَآءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾[2] [المائدة: ١٠١]؛ نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے: لَايَمْشِيَنَّ أَحَدُكُمْ فِيْ نَعْلٍ وَاحِدٍ، لِيَنْعَلْهُمَا جَمِيْعًا أَوْ لِيُحْفِهِمَا جَمِيْعًا.

⑨ **تیئیس**: مایوس کرنے کے لیے نہی کو بیان کرنا، جیسے﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا "لَاتَعْتَذِرُوا" الْيَوْمَ، إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝﴾[3] [التحريم: ٧].

کہ: حق وصداقت کی پیروی کرو! طغیان وسرکشی سے باز رہو! جھوٹے عذر تراشنے اور حیلے حوالوں سے کچھ فائدہ نہیں! جن کو نفاق واستہزاء کی سزا ملنی ہے وہ مل کر رہے گی۔ ہاں جو لوگ اب بھی صدق دل سے توبہ کرکے اپنے جرائم سے باز آجائیں گے انھیں خدا معاف کردے گا۔ (علم المعانی، فوائد)

① نوح علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ: میرے اہل کو اس دنیوی عذاب سے محفوظ رکھنے کے لیے ایمان شرط نہیں اور إلا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مجمل تھا، بناءعلیہ شفقتِ پیدری کے جوش میں عرض کیا: الٰہ العالمین میرا بیٹا میری اہل میں داخل ہے جس کے بچانے کا آپ وعدہ کرچکے ہیں! جواب ملا کہ: تمھارا پہلا ہی مقدمہ﴿إِنَّ ابْنِيْ مِنْ أَهْلِيْ﴾ غلط ہے جس اہل کے بچانے کا وعدہ تھا اس میں یہ داخل نہیں؛ کیوں کہ اس کے کرتوت بہت خراب ہیں، ﴿إِلاَّ مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ﴾، کے مصداق کا تمھیں علم نہیں کہ وہ کون لوگ ہیں! پھر جس کا علم تم نہیں رکھتے اس کی نسبت یہ محاجّہ کے رنگ میں سوال یا درخواست کرنا تمھارے لیے زیبا نہیں! (فوائد عثمانی)

② صحیح حدیث میں ہے کہ: پہلی قومیں کثرتِ سوال اور انبیاء سے اختلاف کرنے کی بدولت ہلاک ہوئیں۔ ان آیات میں لوگوں ترغیب دیتے ہوئے متنبہ فرمایا کہ: جو چیزیں شارع نے تصریحاً بیان نہیں فرمائیں ان کے متعلق فضول سوالات مت کیا کرو! جس طرح تحلیل وتحریم کے سلسلہ میں شارع کا بیان موجب ھدایت وبصیرت ہے اس کا سکوت بھی ذریعۂ رحمت وسہولت ہے؛ کیوں کہ ممکن ہے کہ: فضول سوال سے کوئی سخت حکم آجائے یا حکم میں کوئی قید آجائے، یا ایسے واقعہ کا اظہار ہو جس سے تمھاری فضیحت ہو، یہ بے ہودہ سوالات پر ڈانٹ بتلائی گئی ہے؛ ہاں! ضروری بات پوچھنے یا شبہ ناشی عن دلیل کے فرع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں (فوائد وعلم المعانی)؛ نیز حدیثِ رسول میں ایک جوتا پہن کر چلنے کی ممانعت بھی از قبیلِ ارشاد ہے۔

③ قیامت کے دن جب جہنم کا عذاب سامنے ہوگا اس وقت منکروں سے کہا جائے گا: "اے منکر ہونے والو! آج کے دن بہانے مت بتلاؤ! وہی بدلہ پاؤگے جو تم کرتے تھے"۔ یہاں معذرت کرنے سے روکنا مقصود نہیں؛ بلکہ انہیں مایوس

⑩ **بیان عاقبت:** انجام سے آگاہ کرنا، جیسے: ﴿وَ"لا تَحْسَبَنَّ" الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتاً﴾ ① [آل عمران: ۱۶۹]

⑪ **امتنان:** مانوس بنانے کے لیے، جیسے ﴿لا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ ② [التوبة: ۴۰]

⑫ **دوام:** ہمیشگی کے ساتھ منہی عنہ سے روکنا، جیسے ﴿لا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسىٰٓ أَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ... وَلا تَلْمِزُوْٓا أَنْفُسَكُمْ وَلا تَنَابَزُوْا بِالْأَلْقَابِ﴾ ③ [حجرات: ۱۱]

فصل ثالث: بیانِ استفہام

استفہام: کسی چیز کے علم کو مخصوص اَدات کے ذریعے طلب کرنا جو پہلے سے حاصل نہ تھا، جیسے ﴿ءَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰإِبْرٰهِيْمُ﴾ [الأنبياء: ۶۲]، ﴿أَقَتَلْتَ نَفْسًا

⇐ کرنے اور یہ بتلانے کے لیے کہا جائے گا کہ: آج تمھارے کفر وضلالت کی پوری پوری سزا بھگتنے کا دن ہے۔ (علم المعانی)

① اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو مُردے گمان نہ کرو! بلکہ ان کا انجام تو یہ ہے کہ: وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے ہیں۔

② آپ ﷺ ہجرت کے وقت غار میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اطمینان دیتے ہوئے مانوس کر رہے تھے: تم غم نہ کرو! اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

③ اللہ پاک نے مسلمانوں میں آپسی نزاع واختلاف کو روکنے اور جذباتِ منافرت ومخالفت زیادہ تیز اور مشتعل نہ ہو اس کی تدابیر بتلائی ہے کہ: ایک جماعت دوسری جماعت کے ساتھ نہ مسخرا پن کرے، نہ ایک دوسرے پر آوازے کسے جائیں، نہ کھوج لگا کر عیب نکالے جائیں، اور نہ بُرے ناموں اور بُرے القاب سے فریق مقابل کو یاد کیا جائے؛ کیوں کہ ان باتوں سے دشمنی اور نفرت میں اور ترقی ہوتی ہے اور فتنہ وفساد کی آگ اور تیزی سے پھیلتی ہے۔ سبحان اللہ! کیسی بیش بہا ہدایات ہیں آج اگر مسلمان سمجھیں تو ان کے سب سے بڑے مرض کا مکمل علاج اسی ایک سورۂ حجرات میں موجود ہے۔ (یہ وہ منہیات ہیں جن سے دائمی طور پر دور رہنا ضروری ہے)۔

اس کے بعد والی آیتوں ﴿لا تَجَسَّسُوْا وَلا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ میں حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں: "الزام لگانا اور بھید ٹٹولنا اور پیٹھ پیچھے برا کہنا کسی جگہ بہتر نہیں مگر جہاں اس میں دین کا فائدہ ہو اور نفسانیت کی غرض نہ ہو" وہاں اجازت ہے، جیسے رجال حدیث کی نسبت ائمۂ جرح وتعدیل کا معمول رہا ہے؛ کیوں کہ اس کے بدون دین کا محفوظ رکھنا محال تھا۔ (ملخص من فوائد عثمانی)

زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾① [الكهف:۷۴]

طلبِ تصوُّر، طلبِ تصدیق: کسی ایسی چیز (جزوِ جملہ یا نسبتِ جملہ) کے متعلق جانکاری طلب کرنا جس کی واقفیت نہ ہو؛ پھر اگر دو چیزوں کے درمیان وُقوع یا لاوقوع نسبت کا سوال ہے تو اُسے "طلب تصدیق" کہتے ہیں؛ لیکن اگر نسبت کا یقین ہو، اور سوال کسی جزوِ جملہ کے بارے میں ہو تو اُسے "طلب تصور" کہتے ہیں۔

استفہام کے کل اَدوات یہ ہیں: همزة الإستفهام، (طلب تصور وتصدیق) هلْ (طلبِ تصدیق) مَا، مَنْ، مَتیٰ، أَيَّانَ، كَيْفَ، أَيْنَ، أَنّٰى، كَمْ، أَيٌّ (طلب تصدیق)۔

فائدہ: مستفہم عنہ (جس چیز کے بارے میں سوال کیا گیا ہے) کے اعتبار سے ادوات استفہام کی تین قسمیں ہیں: ① ہمزہ استفہام، ② ھل، ③ دیگر اَدوات۔

① ہمزہ استفہام، طلب تصور اور طلب تصدیق دونوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے، جیسے برائے طلب تصوّر: ﴿ءَأَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗ أَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ۝﴾ [واقعة:۵۹]؛ برائے طلب تصدیق: ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۝﴾② [ألم نشرح:۱]

① آیتِ اولیٰ: جب وہ لوگ شہر سے باہر میلے میں گئے تب ابراہیم علیہ السلام نے بُت خانہ میں جا کر بُتوں کو توڑ ڈالا، صرف ایک بُت کو باقی رہنے دیا جو باعتبار جثہ کے یا تعظیم وتکریم کے ان کے نزدیک سب سے بڑا تھا اور جس کلہاڑی سے توڑا تھا وہ اس بڑے کے گلے میں لٹکا دی؛ جب انہوں نے صورتِ حال دیکھی تو بول اُٹھے: کیا اے ابراہیم ہمارے معبودوں کے ساتھ تو نے یہ گڑبڑی کی ہے؟ آیتِ ثانیہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر سے ایک لڑکے کو مار ڈالنے پر دریافت کیا کہ: اول تو نابالغ قصاص میں بھی قتل نہیں کیا جاسکتا، اس پر مزید یہ کہ یہاں قصاص کا بھی کوئی قصہ نہ تھا؛ تو آخر اس لڑکے کو مار ڈالنے کی کیا وجہ؟ (فوائد) بزیادۃ

② آیتِ اولیٰ: یعنی رحم مادر میں نطفہ سے انسان کون بناتا ہے؟ (مَیں حقیقی خالق! یا تم مخلوق!) وہاں تو تمھارا کسی کا ظاہری تصرُّف نہیں چلتا؛ پھر ہمارے سوا کون ہے جو پانی کے قطرہ پر ایسی خوب صورت تصویر کھینچتا اور اس میں جان ڈالتا ہے؟! (فوائد عثمانی) طلب تصور میں جواب تعیین کے ذریعے ہوگا، کہ: تُو ہی پیدا کرنے والا ہے۔

آیتِ ثانیہ: کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا! کہ اس میں علوم ومعارف کے سمندر اُتار دیے اور لوازمِ نبوّت اور فرائضِ رسالت برداشت کرنے کا بڑا وسیع حوصلہ دیا کہ بیشمار دشمنوں کی عداوت اور مخالفوں کی مزاحمت سے گھبرانے نہ پائیں۔ (فوائد عثمانی) طلب تصدیق میں جواب: "نعم، لا" کے ذریعے دیا جائے گا، کہ: ہاں! تُو نے سینہ کھلا دیا ہے۔

ہمزۂ استفہام جب طلبِ تصور ① کے لیے ہو تو مستفہم عنہ کو ہمزہ سے متصل رکھنا ضروری ہے؛ ہاں! اکثر وبیشتر معادِل②(مقابل) کو اَم کے بعد ذکر کرتے ہیں، اس ''اَم'' کو اَمِ متصلہ کہتے ہیں؛ لیکن کہیں ایسے مواقع پر معادل کو حذف بھی کردیتے ہیں جب کہ معادل پر کوئی قرینہ دلالت کرتا ہو، جیسے ذکر معادل کی مثال ﴿يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ أَمِ اللهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾[یوسف:۳۹]؛ حذفِ معادِل کی مثال: ﴿ءَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰإِبْرٰهِيْمُ﴾③ [الأنبياء: ٦٢]، أي: ءَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا أَمْ غَيْرُكَ؟.

ہمزۂ تصور کے بعد آنے والے اَم کو ''اَمِ متصلہ④''؛ اور ہمزۂ تصدیق اور هَلْ کے بعد آنے والے اَم کو ''اَمِ منقطعہ'' کہا جاتا ہے۔

---

① طلبِ تصور: اجزائے جملہ میں سے کسی ایک (مفرد) کے بابت دریافت کرنا، جب کہ سائل کو حکم (یعنی: طرفین کے درمیان واقع ہونے والی ثبوتی یا سلبی نسبت) کا یقین ہو؛ لیکن اجزائے جملہ – مثلاً– یہ حکم کس کے لیے ثابت ہے؟ اس کو دریافت کرنا مقصود ہو تو اُسے ''طلبِ تصور'' کہا جاتا ہے۔

② طلبِ تصور کی صورت میں ہمزہ سے جو چیز متصل ہوگی اس کو ''مسئول عنہ'' کہیں گے، اور اس کا ایک مقابل ذکر کیا جائے گا جو اَم متصلہ کے بعد آئے گا، اس کو ''معادِل'' کہتے ہیں، جیسے: أعَلِي مُسافر أم سعيدٌ، اس مثال میں عَلِيّ مسئول عنہ ہے، اور سَعِيْد مسئول عنہ کا معادل ہے۔

طلبِ تصدیق: طرفین کے درمیان واقع ہونے والی ثبوتی یا سلبی نسبت کے بارے میں دریافت کرنا؛ اور یہ طلب اس وقت ہوتی ہے جب کہ سائل کو اَجزائے جملہ کے بابت تو علم ہوتا ہے؛ لیکن وہ حکم (جملے کی ثبوتی یا سلبی نسبت) سے ناواقف ہوتا ہے؛ لہٰذا اس حکم پر واقفیت حاصل کرنے کے لیے سوال کرتا ہے؛ اس کو ''طلبِ تصدیق'' کہا جاتا ہے۔

فائدہ: تصدیق کی صورت میں نسبت ہی ''مسئول عنہ'' ہوگی اور اس کے ساتھ کوئی معادل ذکر نہیں کیا جائے گا جیسا کہ اوپر ذکر کردہ مثال ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ سے ظاہر ہے۔

③ آیتِ اولیٰ: حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے قید خانے کے دو ساتھیو! کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں، یا وہ ایک اللہ جس کا اقتدار سب پر چھایا ہوا ہے (وہ بہتر ہے)؟ آیتِ ثانیہ: جب ابراہیم علیہ السلام کو لایا گیا تو وہ (کافرین) بولے: ابراہیم! کیا ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت تم ہی نے کی ہے؟ (علم المعانی، فوائد)

④ اَم متصلہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ: اس میں ماقبلِ اَم یہ مابعد ہمزہ سے موافق ہوتا ہے، نیز دونوں مفردات معنوی طور پر باہم مربوط ہوتے ہیں؛ جب کہ اَمِ منقطعہ دو جملوں کے درمیان ہوتا ہے؛ اور اس وقت وہ ''اَم'' بہ معنیٰ: بل ہوگا۔

خلاصۂ کلام: ہمزۂ تصور کے بعد آنے والا ''اَم'' متصلہ ہوگا اور ہمزۂ تصدیق اور ''هل'' کے بعد آنے والا ''اَم'' منقطعہ ہوگا۔

② **هَلْ** صرف طلبِ تصدیق (وقوعِ نسبت اور لاوُقوعِ نسبت کو جاننے) کے لیے مستعمل ہوتا ہے، جیسے:﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ﴾① [فاطر:۳]؛اس کے ساتھ کوئی معادل ذکر نہیں کیا جاتا۔

هَلْ کی دو قسمیں ہیں: هَلْ بَسِيْطَه،هَلْ مُرَكَّبَه.

هَلْ بَسِيْطَه: وہ حرفِ استفہام ہے جس کے ذریعے وجودِ شئ کا سوال کیا جائے، جیسے: هَلِ الْعَنْقَآءُ مَوْجُوْدَةٌ، کیا عنقاء پرندے کا وجود ہے؟۔

هَلْ مُرَكَّبَه: وہ حرف استفہام ہے جس کے ذریعے ایک موجود چیز کی صفت کا سوال کیا جائے، جیسے هَلْ تَبِيْضُ الْعَنْقَآءُ، کیا عنقاء پرندہ انڈے دیتا ہے؟۔

③ بقیہ ادواتِ استفہام صرف طلبِ تصور کے لیے آتے ہیں، مگر وہ تصور اُن کے معانی کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔

ہمزہ اور ھَل کے درمیان فرق

ہمزہ اور ھل کے مابین فرق مندرجہ ذیل ہے:

① ھل صرف طلبِ تصدیق کے لیے آتا ہے؛ لہٰذا اس کے بعد اِم متصلہ (وہ ام جس کے بعد مفرد ہو) نہیں آئے گا؛ ہاں! ام منقطعہ (جس کے بعد جملہ واقع ہوتا ہے) آسکتا ہے؛ لہٰذا جب ھل کے بعد اَم متصلہ واقع ہو تو اس مفرد کو جملہ کی تاویل میں کرنا ضروری ہوگا، جیسے أَتَى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِجَابِرٍ: هَلْ تَزَوَّجْتَ بِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا؟② [البخاري]

---

① کیا اللہ کے سوا کوئی بنانے والا ہے، وہ اللہ تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے۔ یعنی مانتے ہو کہ: پیدا کرنا اور روزی کے سامان بہم پہنچا کر زندہ رکھنا سب اللہ کے قبضہ اور اختیار میں ہے پھر معبودیت کا استحقاق کسی دوسرے کو کدھر سے ہو گیا! جو خالق ورازق حقیقی ہے وہی معبود بھی ہونا چاہیے۔

ملحوظہ: ھل یہ طلب تصدیق (نسبت) کے دریافت کرنے کے لیے آتا ہے جس کا جواب اثبات یا نفی میں آئے گا، اسی وجہ سے "اَم" متصلہ لاکر اس کے مُعادل کو ذکر کرنا صحیح نہیں ہے؛ چناںچہ ھل جاء أبوك أم أخوك" کہنا صحیح نہیں۔

② یہاں "أم ثيبا" یہ عبارت دراصل "بل هل تزوَّجتَ ثيباً" کی تاویل میں ہے۔

② هل یہ مستفہم عنہ مثبت کے ساتھ خاص ہے، جب کہ ہمزہ مثبت و منفی دونوں پر داخل ہوگا؛ لہٰذا "هَلْ مَا جَاءَ زَيْدٌ" نہیں کہہ سکتے، اور "أَمَا جَاءَ زَيْدٌ؟" کہہ سکتے ہیں۔

③ هل جب مضارع پر داخل ہو تو اس کو مستقبل کے ساتھ خاص کر لیتا ہے①۔

---

① یہاں بقیہ ادوات کو اتماما للفائدہ ذکر کیا جاتا ہے:

بقیہ ادوات استفہام

مَنْ: ذوی العقول کی تعیین کے لیے وضع کیا گیا ہے، جیسے ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللهَ قَرْضاً حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيْرَةً﴾ [البقرة:۲۴۵]؛ کون شخص ہے جو اللہ کو قرض حسن (اچھا قرض) دے، پھر اللہ اس کے قرض (کے ثواب) کو کئی گنا بڑھا دے۔

ملحوظہ: استفہام کے اسلوب میں کبھی نفی کے معنیٰ بھی ہوتے ہیں، جیسے ﴿وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلاَّ اللهُ﴾ [آل عمران: ۱۳۵]؛ ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ إِلاَّ بِإِذْنِهٖ﴾ [بقرة: ۲۵۵] ﴿فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ أَضَلَّ اللهُ﴾ [روم:۲۹]؛ اللہ کے علاوہ کوئی ہے جو گناہ کو بخشے؟ یعنی: سوائے اللہ کے کوئی گناہ بخشنے والا نہیں!

ملحوظہ: یاد رہے کہ مَن کے جواب میں مستفہم عنہ کی ذات کو ذکر کیا جائے گا یا پھر ایسے اوصاف ذکر کیے جائیں گے جو مستفہم عنہ کے ساتھ خاص ہوں، جیسے: ﴿قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ أَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى۝﴾ [طٰہٰ: ۴۹]؛ فقد أجاب موسىٰ ببيان الصفات الخاصة برب العزة المنفرد بها سبحانه وتعالىٰ؛ وقوله تعالىٰ: ﴿فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً؛ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾ [حٰمٓ السجدة:۱۵]، فالجواب هنا قد اشتمل علىٰ ذكر الذات المستفهم عنها. (علم المعانی)

ما: غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے، اور تین جگہوں میں استعمال ہوتا ہے:

① کبھی ما سے ذات کی وضاحت مقصود ہوتی ہے، جیسے ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى۝﴾ [طٰہٰ: ۱۷]؛ ﴿إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ۝ قَالُوْا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ۝﴾ [الشعراء: ۷۰، ۷۱]۔

② کبھی ما سے مسمّٰی کی حقیقت اور اس کی صفت کو طلب کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے ﴿مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ أَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ۝﴾ [الأنبياء:۵۲]۔

③ اور کبھی ما سے مسمّٰی کی محض صفت کو طلب کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۝ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ۝﴾ [الشعراء: ۲۳، ۲۴]؛ دوسری آیت میں سوال حقیقتِ مسمّٰی کے بارے میں ہے، لیکن جواب مقتضائے استفہام کے خلاف ہے؛ اور تیسری آیت میں سوال صفتِ مسمّٰی کے بارے میں ہے، لیکن جواب سائل کی توقع کے خلاف ہے (علم المعانی)

متیٰ: متیٰ سے زمانہ کی تعیین کے بابت دریافت کیا جاتا ہے، چاہے ماضی کا سوال ہو یا مضارع کا، جیسے: ﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝﴾ [یٰسٓ: ۴۸]۔

←

ↄ **أَيَّانَ:** زمانۂ مستقبل کی تعیین کے لیے آتا ہے، اور امورِ عظیمہ کے ساتھ خاص ہے، جیسے﴿يَسْئَلُوْنَ أَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ﴾ [الذاريات: ۱۲]؛ قیامت کا ہولناک دن کب ہے (علم المعانی)

أَيْنَ: مکان (جگہ) کی تعیین کے بابت دریافت کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے﴿فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝ يَقُوْلُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ ۝﴾ [القيامة: ۷-۱۰]؛ یعنی: حق تعالی کی تجلی قہری سے جب آنکھیں چندھیانے لگیں گی اور مارے حیرت کے نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی اور سورج بھی سر کے قریب آجائے گا، اس وقت آدمی کہے گا: بھاگ کر کہاں چلا جاؤں (علم المعانی)

أَنّٰى: یہ تین معنوں میں مستعمل ہے:

① بمعنی کیف استعمال ہوتا ہے، جیسے: ﴿قَالَ رَبِّ أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِيْ عَاقِرٌ﴾ [آل عمران: ۴۰]؛ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا: میرے پروردگار! میرے یہاں بچہ کیسے پیدا ہوگا! میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری عورت بانجھ ہے؛ یہ غیر معتاد طور پر اولاد کا ملنا کیسے ہوگا؟ (فوائد)

② بمعنی: مِنْ أَيْنَ، جیسے: ﴿يٰمَرْيَمُ أَنّٰى لَكِ هٰذَا؟ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ [آل عمران: ۳۷]؛ مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم میوے آتے، گرمی کے پھل سردی میں، سردی کے گرمی میں؛ اب کھلم کھلا مریم کی برکات و کرامات اور غیر معمولی نشانات ظاہر ہونا شروع ہوئے، جن کا بار بار مشاہدہ ہونے پر زکریا علیہ السلام سے رہا نہ گیا اور ازراہِ تعجب پوچھنے لگے کہ: مریم! یہ چیزیں تم کو کہاں سے پہنچتی ہیں؟

③ بمعنی: متی، جیسے: ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ﴾ [البقرة: ۲۲۳]؛ تمھاری عورتیں تمھارے لیے بمنزلۂ کھیتی کے ہیں؛ سو اپنی کھیتی (محل حرث) میں — نہ کہ موضعِ فرث میں — جہاں سے (جس وقت یا جیسے) چاہو، ملو! یہاں "أنى" کے بارے میں تینوں اقوال ہیں: بمعنی: من أين شئتم، بمعنی: متی، أي في أيِّ وقت شئتم اور بمعنی: کیف شئتم. (الکواکب الدریہ، علم المعانی)

كَيْفَ: کسی چیز کی کیفیت و حالت دریافت کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے﴿قَالَ رَبِّ أَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى﴾ [البقرة: ۲۶۰]؛ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے پروردگار! آپ مُردوں کو کیسے زندہ کریں گے! یہاں کیف سے احیاء کی کیفیت بیان کرنا مقصود ہے؛ یعنی: عین الیقین کے خواست گار تھے جو مشاہدہ پر موقوف ہے؛ ورنہ یقین تو پورا ہی تھا۔

كَمْ: چیز کی مبہم تعداد معلوم کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے﴿وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ، قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ [الكهف: ۱۹]. (علم المعانی)

أَيٌّ: یہ کسی ایک وصف عام میں شریک ہونے والی دو چیزوں میں سے ایک چیز کی تعیین کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے، جیسے﴿أَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّأَحْسَنُ نَدِيًّا﴾ [مریم: ۷۳]؛ دونوں جماعتوں میں کی کونسی جماعت مقام و مرتبہ کے اعتبار سے بہتر ہے؟ دیکھیے: یہ دونوں جماعتیں وصف فریقیت میں شریک ہیں؛ مگر خیریت کس کے لیے ثابت ہے، اس کی تعیین کا سوال کیا جا رہا ہے۔

استفہام کے معانیٔ مجازیہ

کبھی ادواتِ استفہام اپنے حقیقی معنی کے علاوہ دیگر حاصل ہونے والے مجازی معنوں میں مستعمل ہوتے ہیں جب کہ قرائن پائے جائیں۔ اُن میں سے بعض حسب ذیل ہیں۔

التَّسْوِيَة، النَّفْي، الإنْكَار: (إنْكَارِيٌّ تَوْبِيْخِيّ، إنْكَارِيّ تَكْذِيْبِي)، الأَمْرُ، النَّهْي، التَّشْوِيْق، التَّعْظِيْم، التَّحْقِيْر والاسْتِخْفَاف، التَّوْبِيْخ، التَّعَجُّب، التَّقْرِيْر: (طَلَبُ الإقْرَار، التَّحْقِيْق والإِثْبَات)، التَّهَكُّم، الاسْتِبْطَاء، الاسْتِبْعَاد والتَّعْجِيب، التَّنْبِيْه عَلَى الخَطأ، التَّنْبِيْه عَلَى الضَّلال، التَّهْوِيْل، التَّمَنِّي، الوَعْيْد والتَّهْدِيْد، التَّحَسُّر، العِتَاب، التَّذْكِيْر، الافتِخَار، التَّرْغيْب.

① **تسویہ:** یعنی ادات استفہام کے ذریعے دو چیزوں میں برابری ثابت کرنا، جیسے:
﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لا يُؤْمِنُوْنَ۝﴾[1] [يٰس: ١٠].

② **نفی:** کسی چیز کے نہ ہونے کو بتلانا، جیسے ﴿هَلْ جَزَآءُ الإِحْسَانِ إِلاَّ الْإِحْسَانُ۝﴾[2] [الرحمٰن: ٦٠]

---

① وہ لوگ جو کافر ہو چکے (اور دولت ایمان سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیے گئے، جیسے ابو جہل ابولہب وغیرہ) برابر ہے کہ تم ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہ لائیں گے۔ یہاں ﴿لا يُؤْمِنُوْنَ﴾ کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ استفہام تسویہ کے لیے ہے۔

② نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے۔ یعنی نیک بندگی کا بدلہ نیک ثواب کے سوا کیا ہوسکتا ہے؟ یہاں "ھل" یہ "ما" نافیہ کے معنیٰ میں ہے۔

ملحوظہ: نفی صریحی اور نفی بطریق استفہام میں فرق یہ ہے کہ: استفہام کی صورت میں مخاطب کو نفی کے ساتھ منفی عنہ سے رُکنے پر اُبھارنا، نیز منفی عنہ کے بابت بار بار سوچنے اور غور وفکر کرنے پر آمادہ کرنا بھی مقصود ہوتا ہے، تاکہ بار بار سوچنے اور غور وفکر کرنے کے نتیجے میں مخاطب کے سامنے غلطی واضح ہو جائے اور اس کام سے ہمیشہ دور رہے؛ دیکھیے! باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهُ وَسَعىٰ فِيْ خَرَابِهَا﴾ [البقرة:١١٤] اور ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللهِ كَذِبًا﴾ [العنكبوت:٦٨] میں کس بلیغ اسلوب سے مخاطب کو سوچنے پر آمادہ کیا جا رہا ہے؛ یہ فائدہ معروف نفی میں ندارد۔ (علم المعانی)

③ **اِنکار:** کسی چیز کی برائی بتا کر اُس سے روکنا، جیسے﴿أَغَيْرَ اللهِ تَدْعُوْنَ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝﴾① [أنعام:٤٠].

استفہامِ انکاری کی دو قسمیں ہیں: اِنکاری توبیخی، اِنکاری تکذیبی۔ پھر دونوں کی دو دو صورتیں ہیں: باعتبارِ ماضی، باعتبارِ مستقبل②۔

④ **اَمر:** کسی کام کے کرنے پر بلیغ انداز میں اُبھارنا اور اس کا حکم دینا، جیسے﴿فَهَلْ أَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۝﴾ [المائدة:٩١]؛ أي انتهوا؛ ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۝﴾③ [القمر:١٧]

---

① مشرکین سے آپ کہہ دیجیے: اگر تم پر اللہ کا عذاب آجاوے یا قیامت آجائے تب بھی تم اللہ کے علاوہ کو پکاروں گے؟ اگر تم سچے ہوں!

② انکاری توبیخی باعتبارِ ماضی: اس کا مطلب ہے "ما كان ينبغي أن يقع" یعنی: ماضی میں ہونے والی چیز کا وقوع مناسب نہ تھا، جیسے﴿هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَأَخِيْهِ إِذْ أَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ۝﴾ [يوسف: ٨٩].

انکاری توبیخی باعتبارِ مستقبل: اس کا مطلب ہے "ينبغي أن لا يكون" یعنی: مستقبل میں یہ نہ ہونا چاہیے جس کا مستفہم کو خطرہ ہے، جیسے:﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا۝﴾ [النساء: ١٤٤]، مؤمنون سے اس ارادہ کا وقوع نہیں ہوا تھا؛ لیکن مستقبل میں اس کے وقوع کا خطرہ تھا۔

انکاری تکذیبی باعتبارِ ماضی: اس کا مطلب ہے "لم يكن" یہ معاملہ ماضی میں نہیں ہوا، جیسے: ﴿أَفَأَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ إِنَاثًا إِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا۝﴾ [بني إسراءيل:٤٠]، اس استفہام سے مشرکین کے قول کی تکذیب ہوتی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ: اللہ کی طرف سے یہ کام بالکل نہیں ہوا۔

انکاری تکذیبی باعتبارِ مستقبل: اس کا مطلب ہے "لن يكون" یہ تو ہرگز نہ ہوگا؛ جیسے:﴿أَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَأَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ۝﴾ [هود: ٢٨]، یعنی ہم تمہیں ہدایت پر مجبور کریں یہ ہرگز نہ ہوگا؛ کیوں کہ ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ یہ سنت اللہ ہے۔ (ملخص علم المعانی)

③ آیتِ اولیٰ: کیا تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گے؟ (یعنی: اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ)۔ آیتِ ثانیہ: اور حقیقت یہ ہے کہ: ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے نہایت آسان بنا دیا ہے، اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے! اِن دونوں جگہوں پر مقصود حکم دینا (امر) ہے؛ لیکن استفہام کے اسلوب کو اختیار کر کے مخاطب کو قبولِ امر پر رغبت دلانا اور اُکسانا مقصود ہے۔ (علم المعانی)

⑤ **نهي:** کسی کام کے ترک کرنے کا حکم دینا، جیسے ﴿أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ﴾ ① [التوبة: ۱۳]

⑥ **تشویق:** جب متکلم مخاطب کو کسی بات کی ترغیب دینا چاہتا ہے اور اپنی بات کی طرف مائل کرنا چاہتا ہے تو کبھی رغبت اور شوق دلانے کے لیے استفہام کا اسلوب اختیار کرتا ہے، جیسے:
﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ ۝﴾ ② [الصف: ۱۰]
﴿"هَلْ أَتٰكَ" حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ إِذْ نَادٰهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝﴾ [النازعات: ۱۵].

⑦ **تعظیم:** کسی کی شان و شوکت یا احترام کو بتلانے کے لیے، جیسے ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلاَّ بِإِذْنِهِ﴾ ③ [بقرة: ۲۵۵].

⑧ **تحقیر و استخفاف:** کسی کی توہین و تذلیل کرنے کے لیے اداتِ استفہام کو لانا، جیسے: ﴿أَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللهُ رَسُوْلاً ۝﴾ ④ [الفرقان: ۴۱]؛ ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرٰهِيْمَ ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ وَقَوْمِهِ: "مَا تَعْبُدُوْنَ" ۝﴾ [الشعراء: ۷۰]

---

① اے مؤمنو! کیا تم ان (مشرکین) سے ڈرتے ہو (جنہوں نے پیغمبر علیہ السلام کو وطنِ مقدس سے نکالا، مکہ میں بے قصور مسلمانوں پر مظالم کی ابتدا کی اور صلح حدیبیہ کے بعد بھی عہد شکنی کی ابتدا کی!) حالاں کہ تم کو زیادہ اللہ سے ڈرنا چاہیے (کیوں کہ کوئی مخلوق ادنیٰ سے ادنیٰ نفع و ضرر پہنچانے پر بدون اس کی مشیت کے قادر نہیں!) یہاں ﴿أَتَخْشَوْنَهُمْ﴾ "لا تَخْشَوْهُمْ" کے معنیٰ میں ہے۔

② اے ایمان والو! میں تمھیں ایسی سوداگری بتلاؤں جو تمھیں دردناک عذاب سے بچائے!۔ اس جیسی آیات میں مخاطب کو شوق و رغبت دلانے کے لیے استفہام کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے تا کہ اوّلاً مخاطب خود اس کا جواب سوچے، پھر جب طلب کے بعد جواب دیا جائے گا تو اچھی طرح دل میں راسخ ہو جائے گا۔ (علم المعانی)

③ یعنی اس اللہ کے سامنے — جو تمام مخلوقات کا موجد ہے، ہر طرح کے نقصان سے منزہ ہے، کائنات پر پوری قدرت ہے اور اعلیٰ درجہ کی عظمت اس کو حاصل ہے؛ — کیا کسی کو اتنا استحقاق یا مجال ہے کہ بغیر اس کے حکم کے کسی کی سفارش بھی اس سے کر سکے؛ اس سے الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهُ بِإِذْنِهِ کا احترام بھی مقصود ہے۔

④ مشرکینِ مکہ اپنے سفرِ شام میں قومِ لوط کے کھنڈرات پر سے گذرتے ہیں اور بجائے عبرت حاصل کرنے کے ان کا مشغلہ تو یہ ہے کہ: پیغمبر سے ٹھٹھا کرتے ہیں، چنانچہ آپ کو دیکھ کر استہزاءً کہتے ہیں: کیا یہی بزرگ ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ بھلا یہ حیثیت؟ اور منصب رسالت!

⑨ **توبیخ**: ڈانٹ ڈپٹ اور اظہارِ ناراضگی کرنا، جیسے: ﴿أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَه﴾[①] [الزمر: ٣٦]

⑩ **تعجب**: یعنی کسی چیز پر اظہارِ حیرت کرنا، جیسے: ﴿قَالَتْ يٰوَيْلَتٰىٓ ءَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخاًؕ إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ۝﴾[②] [هود:٧٢]

⑪ **تقریر**: اس کے دو مطلب ہیں: طلب اِقرار، تحقیق واِثبات۔

① طلب اِقرار: یعنی گناہ وجرم کا اعتراف کرانا، جیسے: ﴿قَالُوْٓا ءَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓإِبْرٰهِيْمُ۝﴾[③] [الأنبياء:٦٢]؛ ﴿ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [المائدة:١١٦]

---

① ﴿ضَرَبَ اللّٰه مَثَلاً رَّجُلاً فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلاً سَلَمًا لِّرَجُلٍ، هلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلاً؟﴾ [الزمر:٢٩] میں شرک کا رد اور مشرکین کا جہل بیان کیا گیا تھا، اس پر مشرکین پیغمبر کو ڈراتے تھے کہ: دیکھو تم ہماری دیوتاؤں کی توہین کر کے ان کو غصہ نہ دلاؤ، کہیں تم کو (معاذ اللہ) بالکل خبطی اور پاگل نہ بنادیں۔ اس کا جواب دیا گیا کہ: جو شخص ایک زبردست خدا کا بندہ بن چکا، اُسے ان عاجز اور بےبس خداؤں سے کیا ڈر ہوسکتا ہے؟ کیا اُس عزیز ومستقم کی امداد وحمایت اس کو کافی نہیں!؛ اس آیت میں استفہامی اُسلوب اختیار فرما کر مشرکین کو ڈانٹ پلائی ہے؛ یہ بھی ان مشرکین کا خبط وضلال اور مستقل گمراہی ہے کہ خدائے واحد کے پرستار کو اس طرح کی گیدڑ بھبکیوں سے خوف زدہ کرنا چاہے۔
(فوائد عثمانی) بزیادۃ

② ابراہیم کا ایک بیٹا ہاجرہ کے بطن سے پہلے ہی موجود تھا، سارہ کو تمنا تھی کہ مجھے بھی بیٹا ملے؛ مگر اب بوڑھی ہو کر مایوس ہوچکی تھی — کہتے ہیں کہ: سارہ کی عمر اس وقت ننانوے سال تھی اور حضرت ابراہیم سو یا اس سے متجاوز تھے — اس وقت یہ بشارت ملی، اس پر حضرت سارہ بول پڑی: ارے کیا مَیں بچہ جنوں گی (یعنی اس عمر میں!)؛ ایسا ہوا تو بڑی انوکھی اور عجیب وغریب بات ہوگی؛ حضرت سارہ کے اسی تعجب کو باری تعالیٰ نے دوسری جگہ بیان فرمایا ہے: ﴿أَتَعْجَبِيْنَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ﴾
(علم المعانی، فوائد) بزیادۃ

③ مشرکین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا: اے ابراہیم! کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ تُونے یہ (برتاؤ) کیا ہے؟ ﴿قَالُوْا فَأْتُوْا بِهِ عَلٰٓى أَعْيُنِ النَّاسِ﴾ یعنی: ''اس کو بُلا کر بَرمَلا مجمع عام میں بیان (اقرار) لیا جائے''، تا کہ معاملہ کو سب لوگ دیکھ کر اور خود اس کی باتیں سن کر گواہ رہیں کہ: جو سزا اس کو قوم کی طرف سے دی جائے گی بے شک وہ اس کا مستحق تھا۔ یہ تو ان کی غرض تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود بھی یہی ہوگا کہ: مجمع عام میں ان کو موقع ملے کہ: مشرکین کو عاجز ومبہوت کریں اور علی رؤس الخلائق غلبۂ حق کا اظہار ہو؛ اسی وجہ سے حضرت نے فرمایا: ﴿بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَاسْئَلُوْهُمْ إِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ۝﴾ [الأنبياء:٦٣]۔ (فوائد)

⑪ **تحقیق واِثبات:** یعنی ثابت کرنا اور منوانا، جیسے: ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ○ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ○﴾ [ألم نشرح:۱،۲]؛ ﴿أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ○﴾ ① [الفيل:۲]

⑫ **تہکُّم:** مخاطب کی تحقیر کرنا اور مذاق اڑانا، جیسے: ﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ أَصَلٰوتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ أَوْ أَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ أَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا﴾ ② [هود: ۸۷].

⑬ **اِستِبطاء:** کسی کام کا دیر سے ہونا سمجھنا، جیسے: ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ: "مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ"﴾ ③ [البقرة: ۲۱۴].

⑭ **استبعاد وتعجیب:** استفہام سے کبھی استبعاد مراد ہوتا ہے، یعنی مستفہم عنہ کو ناممکن اور خارج از اِمکان بتلانا، جیسے: ﴿فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ○ ءَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ○﴾ ④ [ق:۲]؛ ﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ

---

① آیتِ اولیٰ: کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا!؛ آیتِ ثانیہ: کیا تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کی کُل تدبیروں (چالوں) کو بے اثر وبے کار نہیں کیا؟۔ اس جیسی آیات میں تقریر بمعنی تحقیق واثبات کی غرض ہوتی ہے۔ اور تحقیقی بات کو استفہامی انداز میں پیش کرنے کا مقصد مخاطب کو تدبر کرنے پر اُبھارنا اور متنبہ کرنا ہوتا ہے (علم المعانی)

② کیا تیری نماز پڑھنے نے تجھ کو یہ سکھلایا کہ ہم چھوڑ دیں ان معبودوں کو جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے رہے۔ یعنی: حضرت شعیب علیہ السلام کو لوگ — بطور استہزاء وتمسخر — یہ کہتے تھے: بس زیادہ بزرگ نہ بنئے! کیا ساری قوم میں ایک آپ ہی بڑے عقل مند، باوقار اور نیک چلن رہ گئے ہیں؟ اور ہمارے بزرگ سب جاہل اور احمق ہی رہے!۔ (علم المعانی، فوائد عثمانی)

③ صحابۂ کرام سے خطاب ہے کہ: کیا تم کو اس بات کی طمع ہے کہ بلا آزمائش جنت میں داخل ہوجاؤ حالاں کہ اللہ کی سنت تو یہ ہے کہ: اپنے بندوں کو بڑی سخت آزمائش میں مبتلا کرتا ہے، جیسے اگلی امتوں کو ایذائیں پیش آئیں کہ: ان کو فقر وفاقہ ومرض اور خوفِ کفار اس درجہ پیش آئے کہ مجبور اور عاجز ہو کر خود نبی (جو اللہ کو — اپنی امت کے بالمقابل — بخوبی جانتے تھے اور اللہ کے وعدوں پر مکمل بھروسہ رکھتے تھے) اور اس کی امت بھی بول اٹھی کہ: اللہ نے جس مدد اور اعانت کا وعدہ فرمایا تھا، وہ کب آئے گی! (گویا انہوں نے مدتِ عذاب اور نصرتِ الٰہی کو بہت لمبا گمان کیا)۔ یعنی: بمقتضائے بشریت (جس میں کوئی الزام ان پر نہیں) پریشانی کی حالت میں مایوسانہ کلمات سرزد ہونے لگے۔ (فوائد، علم المعانی)

④ کفار ومشرکین بعث بعد الموت کو مستبعد سمجھتے تھے اور اس کے وقوع کے سخت منکر تھے، چنانچہ انہوں نے اس کو بصیغۂ استفہام تعبیر کر کے اس کا استبعاد ظاہر کیا۔ (علم المعانی)

أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ﴾ [البقرة: ۲۸].

ملحوظہ: استبعاد اور استبطاء میں فرق یہ ہے کہ: استبعاد کے متعلّق کی توقع نہیں ہوتی، جب کہ استبطاء کے متعلّق کی توقع ہوتی ہے؛ مزید یہ کہ: استبطاء میں مسؤل عنہ کے ظہور اور وقوع کا انتظار ہوتا ہے۔ (علم المعانی)

⑮ **تنبیہ علی الخطأ:** غلطی سے آگاہ کرنا، جیسے: ﴿أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾[1] [البقرة: ٦١]

⑯ **تنبیہ علی الضلال:** مخاطب کو گمراہی پر متنبہ کرنا، جیسے ﴿فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ○ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ○﴾[2] [التكوير: ۲۶]

⑰ **تہویل:** کسی چیز کو سنگین اور ہولناک بتانے اور مخاطب کو انتہائی خوف زدہ کرنے کے لیے استفہامی اسلوب اختیار کرنا، جیسے: ﴿اَلْحَاۗقَّةُ○ مَا الْحَاۗقَّةُ○ وَمَآ أَدْرٰكَ مَا الْحَاۗقَّةُ○﴾[3] [الحاقة: ۱۔۳].

---

① جب فرعون غرق ہو چکا اور بنی اسرائیل بحکمِ الٰہی مصر سے شام کی طرف چلے، جنگل میں اناج نہ رہا تو مَن (ترنجبین کے مشابہ شیریں دھنیے کے سے دانے) اور سلویٰ (ایک پرندہ جس کو بٹیر کہتے ہیں) مدتوں تک کھاتے رہے۔ بنی اسرائیل اس طعامِ آسمانی سے اکتا گئے تو کہنے لگے: ہم سے ایک طرح کے کھانے پر صبر نہیں ہو سکتا! ہم کو تو زمین کا اناج، ترکاری، ساگ، سبزی چاہیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: من وسلویٰ جو ہر طرح بہتر ہے، لہسن اور پیاز سے بدلتے ہو! (فوائد عثمانی)

② باری تعالیٰ نے مشرکین کو غلط بیانی اور ضلالت وگمراہی پر متنبہ کیا؛ چناںچہ غافل کو متنبہ، سرکش کو ڈرانے اور حق کے سلسلے میں بغض وعناد رکھنے والے کو غور وفکر پر ابھارنے کی غرض سے استفہامی اسلوب اختیار فرمایا۔ اور کہا: اے مشرکین! بعثت سے پہلے تم ہمیشہ آپ ﷺ کے صدق وامانت اور عقل ودانائی کے معترف رہے ہو، اب بلا وجہ اُسے جھوٹا یا دیوانہ کیوں کر کہتے ہو؛ لہٰذا آپ ﷺ کے بارے میں جھوٹ، دیوانگی، تخیل، توہم اور کہانت وغیرہ سب احتمالات مرفوع ہوئے تو بجز صدق وحق کے اور کیا باقی رہا! پھر اے مشرکین! اس روشن اور صاف راستہ کو چھوڑ کر کدھر بہکے چلے جاتے ہو! (فوائد، علم المعانی)

③ وہ ثابت ہو چکنے والی، کیا ہے وہ ثابت ہو چکنے والی! یعنی وہ قیامت کی گھڑی جس کا آنا ازل سے علمِ الٰہی میں ثابت اور مقرر ہو چکا ہے، اور قیامت کے وجود کے بارے میں جھگڑا کرنے والے سب اُس وقت مغلوب ومقہور ہو کر ⟵

⑱ **تمنی**: جب کہ سائل محال یا شبیہ بالمحال (بعید الوقوع) امور کا سوال کرے، جیسے: جہنمیوں کا قول: ﴿فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ﴾ [الأعراف: ٥٣]؛ ﴿هَلْ إِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ۝﴾[1] [الشوریٰ:٤٤].

⑲ **وعید وتہدید**: ڈرانے اور دھمکانے کے لیے استفہامی (انشائی) اسلوب اختیار کرنا، جیسے: ﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيْلِ۝﴾[2] [الفیل:١]؛ ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ۝ أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِيْنَ۝﴾ [المرسلات:١٦].

⑳ **تحسّر**: مستفہم استفہام کے ذریعے گزرے ہوئے زمانے پر حزن وملال اور افسوس ظاہر کرے، جیسے: ﴿فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ۝ وَخَسَفَ الْقَمَرُ۝ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ۝ يَقُوْلُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ۝﴾[3] [القیامۃ: ١٠-٧].

⊃ رہیں گے؛ جانتے ہو وہ گھڑی کیا چیز ہے؟ اور کس قسم کے احوال وکیفیات اپنے اندر رکھتی ہے؟ یعنی کوئی بڑے سے بڑا آدمی چاہے کتنا ہی سوچے اس کے ہولناک مناظر کا پوری طرح اِدراک نہیں کرسکتا؛ وہ گھڑی جو تمام زمین، آسمان، پہاڑوں اور انسانوں کو کوٹ کرر کھ دے گی، اور سخت سے سخت مخلوق کو ریزہ ریزہ کرڈالے گی! (فوائد، علم المعانی)

① جہنمی جب عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے اس وقت ایسے سفارشیوں کی تلاش ہوگی جو خدا کی سزا معاف کرا دیں؛ لیکن کافروں کو کوئی ایسا سفارشی نہ ملے گا؛ پھر وہ اس ہولناک اور سخت عذاب کو دور کرنے کے لیے ایک غیر ممکن الحصول چیز کی تمنا کریں گے کہ: ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیج کر امتحان لیا جائے کہ: اس مرتبہ ہم کیسی نیکی اور پرہیزگاری کا کام کرتے ہیں؛ لیکن اب اس تمنا سے کیا حاصل (علم المعانی، فوائد)

② یہاں کافروں کو دھمکی دینے، کفر کا قلع قمع کرکے صدائے حق کی طرف تیزی سے سبقت کرنے کے لیے اصحاب فیل کا واقعہ یاددلا کر دھمکایا ہے کہ کہیں تم پر بھی وہ عذابِ الٰہی نازل نہ ہوجائے؛ دیکھیے! یہاں مقتضائے حال کے مطابق اِخباری کلام ہونا چاہیے تھا کہ: اے مکہ والو! تم ماضی قریب میں پروردگارِ عالم کا ہاتھی والوں کے ساتھ معاملہ دیکھ چکے ہو! اسی مضمون کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے استفہامی اُسلوب میں یوں فرمایا: کیا تم لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ تمھارے پروردگار نے ہاتھی والوں کو (نافرمانی کے سبب) کیسے عذاب میں مبتلا کیا تھا؟ یعنی: اگر تم بھی نافرمانی کروگے تو تم پر بھی ایسا ہی عذاب آوے گا جیسا اُن پر آیا تھا۔ (فوائد، علم المعانی)

③ یعنی جب حق جل مجدہ کی تجلی قہر سے آنکھیں چندھیانے لگیں گی اور مارے حیرت کے نگاہیں خیرہ ہوجائے گی، چاند بےنور ہوجائے گا، سورج سر سے قریب آجائے گا، اس وقت انسان بدحواس ہوکر کہے گا کہ: آج کدھر بھاگوں! کہاں پناہ لوں! یہاں استفہام، انسان کی گذشتہ زندگی پر حسرت وندامت کو خوب واضح کررہا ہے۔ (فوائد، علم المعانی)

⑳ **عتاب:** کسی سے تعلق کی بناء پر اس لیے اِظہارِ ناگواری کرنا تاکہ وہ اپنے فعل کی اصلاح کرلے جو باعثِ ناگواری ہوا ہے، جیسے ﴿أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ أَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللهِ﴾[①] [الحدید:١٦]۔

㉒ **تذکیر:** وعظ ونصیحت کرنا، جیسے: ﴿هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَأَخِيْهِ إِذْ أَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ۝﴾[②] [یوسف:٨٩]

㉓ **افتخار:** فخر کرنا، جیسے: فرعون کی بات نقل کرتے ہوئے اللہ پاک نے فرمایا: ﴿أَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ﴾[③] [الزخرف:٥١]۔

㉔ **ترغیب:** شوق دِلانے کے لیے، جیسے ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ [البقرۃ:٢٤٥]؛ ﴿هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ۝﴾[④] [الصف:١٠]

---

① اوپر منافقوں کے متعلق — جو زبان سے تو کلمۂ توحید کا اقرار کرتے تھے اور دل سے ایمان نہیں لائے تھے — خبر دی کہ: دوزخ ہی ان کا ٹھکانہ ہے اور وہی ان کا رفیق ہے؛ اب مؤمنین سے جو ان کے اقوال کو سنتے تھے اور ان کی عادات کو دیکھتے تھے خطاب ہو کر فرمایا کہ: تُم ان کے پیچھے نہ چلنا، کیا تمھارے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ: تمھارے دل قرآن اور اللہ تعالیٰ کی یاد کے سامنے جھک جائے! اور نرم ہو کر گڑگڑانے لگے! (الزیادۃ، فوائد)

② اللہ اکبر! صبر ومروّت واخلاق کی حد ہوگئی کہ: تمام عمر بھائیوں کی شکایت کا ایک حرف زُبان پر نہ لائے! اتنا سوال بھی اس لیے کیا کہ وہ لوگ اپنے ذہنوں میں بیسیوں برس پہلے کے حالات کو ایک مرتبہ مستحضر کرلیں تاکہ ماضی وحال کے موازنہ سے خدا تعالیٰ کے ان احسانات کی حقیقت روشن ہو جو یوسف علیہ السلام پر ان مصائب وحوادث کے بعد ہوئے جن کی طرف آگے ﴿قَدْ مَنَّ اللهُ عَلَيْنَا﴾ میں اشارہ ہے؛ پھر سوال کا پیرایہ ایسا نرم اختیار فرمایا جس میں ان کے جرم سے زیادہ معذرت کا پہلو نمایاں ہے، یعنی: جو حرکت اس وقت تم سے صادر ہوئی ناسمجھی اور بے وقوفی سے ہوگئی۔ تمھیں کیا معلوم تھا کہ: یوسف علیہ السلام کا خواب پورا ہو کر اور ھلال ایک روز بدر بن کر رہے گا۔ (الزیادۃ)

③ مصر کے گرد وپیش ملکوں میں مصر کا حاکم بہت بڑا سمجھا جاتا تھا، اور نہریں اس نے بنائی تھی، دریائے نیل کا پانی کاٹ کر اپنے باغ میں لایا تھا، مطلب یہ کہ: ان سامانوں کی موجودگی میں کیا ہماری حیثیت ایسی ہے کہ موسیٰ جیسے معمولی آدمی کے سامنے گردن جھکادے؛ اس میں فرعون استفہام کی صورت میں فخر کر رہا ہے۔

④ آیتِ اولیٰ: کون ہے جو اللہ کو اچھا قرضہ دے۔ قرضۂ حسنہ اسے کہتے ہیں جو قرضہ دے کر تقاضہ نہ کرے اور اپنا احسان نہ رکھے اور بدلہ نہ چاہے اور اسے حقیر نہ سمجھے، اور خدا کو دینے سے جہاد میں خرچ کرنا مراد ہے یا محتاجوں کو دینا۔ آیتِ ثانیہ: اے ایمان والو! میں تم کو ایسی سوداگری نہ بتلاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے بچائے۔

فصل رابع: تمنی

تمنی: کسی ایسے امرِ محبوب ومرغوب محال یا شبیہ بالمحال کو طلب کرنا جس کے حصول کی امید نہ کی جاسکے، محال کی مثال: جیسے جہنمیوں کا قول: ﴿لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا﴾ [البقرة:١٦٧]؛ أي: لَيْتَ لَنَا كَرَّةً؛ ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا﴾ [الفرقان: ٢٧]؛ شبیہ بالمحال (بعید الوقوع) کی مثال: ﴿يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوْتِيَ قَارُوْنُ، إِنَّهُ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾[1] [القصص:٧٩].

ادواتِ تمنی چار ہیں: اُن میں سے ایک اصلی ہے اور وہ لَیْتَ ہے، اور باقی تین غیر اصلی ہیں۔

① **لیت:** کے ذریعے تمنا کرنا، جیسے ﴿قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا

---

① آیتِ اولی: یعنی: وہ وقت ایسا ہوگا کہ: بے زار ہوجائیں گے متبوع اپنے تابعداروں سے اور بت پرستوں اور بتوں میں کوئی علاقہ باقی نہ رہے گا۔ عذاب الٰہی دیکھ کر ایک دوسرے کے دشمن ہوجائیں گے۔ اور مشرکین اس وقت کہیں گے کہ: اگر اسی طرح ہم کو پھر دنیا میں لوٹ جانا نصیب ہوتو ہم بھی ان سے اپنا انتقام لیں، اور جیسا یہ آج ہم سے جدا ہو گئے ہم بھی ان کو جواب دے کر جدا ہوجائیں؛ لیکن اس آرزوئے محال سے بجز افسوس کچھ نفع نہ ہوگا۔ یہاں "لو" ادات تمنی برائے محال مستعمل ہے۔

آیتِ ثانیہ: جب روزِ قیامت ظاہراً وباطناً صورۃً ومعنیً اکیلے رحمان کی بادشاہت ہوگی تب کافر بڑی سخت مشکل اور مصیبت سے مارے حسرت وندامت کے اپنے ہاتھ کاٹ کھائے گا اور افسوس کرے گا کہ: کیوں دنیا میں رسولِ خدا کا راستہ اختیار نہ کیا! اور کیوں شیاطین الانس والجن کے بہکاوے میں آگیا کہ آج یہ دن دیکھنا پڑا! لیکن تب اس امید کا پورا ہونا محال ہوگا۔

آیتِ ثالثہ: ظالم حکومتوں کا دستور ہے کہ: کسی قوم کا خون چوسنے کے لیے انہی میں سے بعض افراد کو اپنا آلۂ کار بنالیتے ہیں، فرعون نے بنی اسرائیل میں سے قارون کو چُن لیا تھا، قارون نے اس وقت موقع پا کر دونوں ہاتھوں سے خوب دولت سمیٹی اور دنیوی اقتدار بھی حاصل کیا۔ ایک دن وہ لباسِ فاخرہ پہن کر بہت سے حشم وخدم کے ساتھ بڑی شان وشوکت اور ٹیپ ٹاپ سے نکلا، جسے دیکھ کر طالبین دنیا کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ کہنے لگے: کاش ہم بھی دنیا میں ایسی ترقی اور عروج حاصل کرتے! بے شک یہ بڑا صاحبِ اقبال اور بڑی قسمت والا ہے! دیکھیے قارون کا سا خزانہ حاصل کرنا محال نہیں تھا؛ لیکن قوم کے دیگر افراد کے لیے بعید الوقوع ضرور تھا۔

مَّنْسِيًّا﴾[1] [مریم: ۲۳]۔

② **هَلْ**: سے تمنی بیان کرتے ہوئے مستحیل الوقوع کی طرف اپنی شدتِ رغبت اور کمالِ توجہ ظاہر کرنا، جیسے: ﴿قَالُوْا رَبَّنَآ أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ إِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾[2] [غافر:۱۱] ۔

③ **لَوْ** کے ذریعے: جیسے: ﴿أَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِيْ كَرَّةً فَأَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾[3] [الزمر: ۵۸]۔

④ **لَعَلَّ** کے ذریعے: جیسے: ﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ أَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَأَطَّلِعَ إِلٰٓى إِلٰهِ مُوْسٰى وَإِنِّيْ لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا﴾[4] [المؤمن: ۳۶]

---

① حضرت مریم علیہا السلام کو جب دردِ زہ کی تکلیف ہوئی تو ایک کھجور کی جڑ کا سہارا لینے کے لیے اس کے قریب جا پہنچی۔ اُس وقت درد کی تکلیف، تنہائی و بے کسی، سامانِ ضرورت وراحت کا فقدان اور سب سے بڑھ کر ایک پاکباز عفیفہ خاتون کو دینی حیثیت سے آئندہ بدنامی اور رسوائی کا تصور، سخت بے چین کیے ہوئے تھا! حتی کہ اسی کرب واضطراب کے غلبہ میں کہہ اٹھی: اے کاش! میں اس وقت کے آنے سے پہلے ہی مرچکی ہوتی! کہ دنیا میں میرا نام ونشان نہ رہتا۔ شدت کرب واضطراب میں گذشتہ بشارات کو جو فرشتہ سے سنی تھیں یاد نہ آئی۔ (علم المعانی، فوائد)

② افسوس! اب تو بظاہر یہاں سے چھوٹ کر نکل بھاگنے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ ہاں آپ قادر ہیں کہ جہاں دو مرتبہ موت وحیات دے چکے ہیں، تیسری مرتبہ ہم کو پھر دنیا کی جانب واپس بھیج دے۔ تا کہ اس مرتبہ وہاں سے ہم خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں۔ دیکھیے! حشر ونشر کے بعد دوبارہ دنیا میں آنا محال ہے؛ یہاں استفہامی انداز میں تمنی کا اظہار کرکے مستحیل الوقوع کو ممکن الوقوع کی شکل میں ظاہر کرکے شدتِ رغبت اور کمال توجہ کی طرف اشارہ ہے۔ (علم المعانی)

ملحوظہ: ادواتِ استفہام میں "أین، ومتی" سے بھی تمنی کو مراد لیا جاتا ہے، جیسے باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿يَقُوْلُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ﴾ [القيامة: ۱۱]، قیامت کے دن انسان بدحواس ہوکر کہے گا: آج کدھر بھاگوں! کہاں پناہ لوں!۔

③ جب حسرت واعتذار دونوں بے کار ثابت ہوں گے اور دوزخ کا عذاب آنکھوں کے سامنے آجائے گا اس وقت شدتِ اضطراب سے کہے گا: کسی طرح مجھ کو ایک مرتبہ پھر دنیا میں جانے کا موقع دیا جائے، دیکھو! میں کیسا نیک بن کر آتا ہوں۔

④ فرعون نے اپنے وزیر ہامان سے انتہائی بے شرمی وبے باکی سے کہا کہ: اچھا اینٹوں کا ایک پزاوہ (بھٹا) لگاؤ تا کہ پکی اینٹوں کی خوب اونچی عمارت بنوا کر اور آسمان کے قریب ہوکر میں موسیٰ کے خدا کو جھانک آؤں کہ: کہاں ہے اور کیسا ہے؟ کیوں کہ زمین میں تو کوئی خدا اپنے سوا نظر نہیں آتا۔ یہ بات ملعون نے استہزاء وتمسخر سے کہی؛ سچ ہے جب چیونٹی کی موت آتی ہے تو پَر لگ جاتے ہیں۔

اداتِ تمنی لیت سے عدول کی حکمت

هَلْ: متمنّٰی، متمنّٰی کی طرف کمال توجہ ظاہر کرنے کے لیے متمنّٰی کو بذریعے هل شئ ممکن کی صورت میں ظاہر کرتا ہے، جیسے: ﴿هَلْ إِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ ① [المومن:۱۱]

لو: متمنّٰی کی نُدرت اور اس کے قلیل الوقوع ہونے کو ظاہر کرنے کے لیے متمنّٰی کو بذریعہ لوْ غیر موجود چیز کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ ② [الحشر:۲۱]

لعل کے ذریعے مَرْجُوعنہ کا ایسا بُعد بیان کیا جاتا ہے جس کے حصول کی امید نہ کی جاسکے، جیسے: ﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشٰى﴾ ③ [طٰه:۴۴]

ملحوظہ: یہاں آسمان کے رستوں میں جا پہنچنا امر محال ہے جو لَیتَ کا تقاضا کرتا ہے؛ لیکن اس کو امرِ ممکن، قریب الحصول بتلانے کے لیے لعل کو استعمال کیا۔ (فوائد علم المعانی)

① وہ کافر کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندگی دی، اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں، ''تو کیا (ہمارے دوزخ سے) نکلنے کا کوئی راستہ ہے!!!''۔

یعنی افسوس! اب تو یہاں سے چھوٹ کر نکل بھاگنے کی بہ ظاہر کوئی راہ نظر نہیں آتی، ہاں! آپ قادر ہیں کہ جہاں دو مرتبہ موت وحیات دے چکے ہیں، تیسری مرتبہ ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس بھیج دیں؛ تا کہ اس مرتبہ وہاں سے ہم خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں۔ ایک مرتبہ کی موت سے مراد تو پیدائش سے پہلے کا وہ وقت ہے جب انسان وجود ہی میں نہیں آیا تھا، اور اُس وقت گویا مردہ تھا، اور دوسری موت سے مراد وہ موت ہے جو زندگی کے آخر میں آئی۔

② دیکھیے! اللہ تعالیٰ کی چاہت (تمنا) تو یہ تھی کہ: انسان قرآنِ مجید کی عظمت کے سامنے دَب جاتا؛ لیکن مقامِ حسرت وافسوس ہے کہ: (عام) آدمی کے دل پر قرآن کا کچھ اثر نہ ہوا! حالاں کہ قرآن کی تاثیر تو اس قدر زبردست اور قوی ہے کہ: اگر (بالفرض) وہ پہاڑ جیسی سخت چیز پر اُتارا جاتا، اور اس میں سمجھ کا مادہ موجود ہوتا؛ تو وہ بھی متکلم کی عظمت کے سامنے دَب جاتا، اور مارے خوف کے پھٹ کر پارہ پارہ ہو جاتا!

③ یعنی دعوت وتبلیغ اور وعظ ونصیحت کے وقت نرم، آسان، رقت انگیز اور بلند بات کہو، گو اس کے تمرّد وطغیان کو دیکھتے ہوئے قبول کی امید نہیں۔ تاہم فرعون سے اس خیال سے نرم گفتگو کرو! کہ: کچھ سوچ سمجھ کر نصیحت حاصل کرلے، یا اللہ کے جلال وجبروت کو سن کر ڈر جائے اور فرماں برداری کی طرف جھک پڑے۔ اسی سے دُعاۃ ومبلغین کے لیے بہت بڑا دستور العمل معلوم ہوتا ہے، چناں چہ دوسری جگہ صاف ارشاد ہے: ﴿اُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ﴾ [نحل:۱۲۵]۔

ملحوظہ: باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا۝﴾ ① [کہف:٦] میں لعل محض رجا کے لیے نہیں ہے؛ بلکہ نہی (حکمِ واجبی) کے لیے ہے۔

هَلَّا، لَوْلَا، لَوْمَا: بھی هَلْ اور لَوْ سے ماخوذ ہیں، اور فعلِ ماضی پر دخول کے وقت تندیم کا معنیٰ اور فعلِ مضارع پر دخول کے وقت تحضیض کا معنیٰ دیتے ہیں۔ (جواہر، علم المعانی)

فصل خامس: ترجّی

تَرَجِّي: کسی امرِ مرغوب متوقّع الحصول (ہوسکنے والے) کا منتظر رہنا، جیسے ﴿وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰ۝ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرَىٰ۝﴾ [عبس:٣،٤]؛ ﴿عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ﴾ ② [المائدة:٥٢]

---

① یہ کافر اگر قرآن کی باتوں کو نہ مانیں تو آپ غم میں اپنے آپ کو بالکل گھلایئے نہیں! آپ تبلیغ ودعوت کا فرض ادا کر چکے اور کررہے ہیں؛ لہٰذا آپ کو اس قدر ہمدردیِ خلائق میں اس قدر گھٹنے اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں! آپ تو بہر حال کامیاب ہیں، اشقیاء اگر قبول نہ کریں تو ان ہی کا نقصان ہے۔ (اعراب القرآن، فوائد)

② آیتِ اولیٰ: پیغمبر نے ایک اندھے کے آنے پر چیں بجبیں ہو کر منہ پھیر لیا حالاں کہ وہ طالب صادق تھا، تمھیں کیا معلوم کہ تمھارے فیضِ توجّہ سے اس کا حال سنور جاتا اور اس کا نفس مُزکّیٰ ہو جاتا؛ یا تمھاری کوئی بات کان میں پڑتی اس کو اخلاص سے سوچتا، سمجھتا اور آخر وہ بات کسی وقت اس کے کام آجاتی۔ یہاں مخاطب کی غایت کرامت کا لحاظ کرتے ہوئے اول کلام بطرزِ غیبوبت تھا اور آگے شبہ اعراض کو دور کرتے ہوئے بطورِ التفات خطاب کا صیغہ استعمال فرمایا گیا۔ (علم المعانی، فوائد)

آیتِ ثانیہ: یعنی ہوسکتا ہے کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کو فیصلہ کن فتوحات اور غلبہ عطا فرمائے، اور مکہ معظّمہ میں بھی — جو تمام عرب کا مسلمہ مرکز تھا — حضور کو فاتحانہ داخل کرے؛ یا اپنی قدرت اور حکم سے کچھ اور اُمور بروئے کار لائے جنھیں دیکھ کر ان منافقین کی ساری باطل توقعات کا خاتمہ ہو، اور انھیں منکشف ہو جائے کہ: دشمنانِ اسلام کی مُوالات کا نتیجہ دنیوی ذلت ورسوائی اور اُخروی عذابِ الیم کے سوا کچھ نہیں! (علم المعانی، فوائد عثمانی)

ملحوظہ: یاد رہے کہ: باری تعالیٰ نے جہاں افعالِ رجا کو ذکر فرمایا ہے اس سے مراد — العیاذ باللہ — یہ نہیں ہے کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ اس امر کی توقع کررہے ہیں؛ بلکہ اس لیے افعالِ رجا کو ذکر فرمایا ہے تاکہ بندے اس امر کے امیدوار رہیں، جیسے: ﴿عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ﴾ [الأعراف:١٢٩]، أي: كُونُوا رَاجِيْن فِيْ ذٰلك. (مفردات القرآن)

ادواتِ ترجی دو ہیں: لَعَلَّ اور عَسٰی.

① **لَعَلَّ**، جیسے: ﴿وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكّٰى ۝ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝﴾[①] [عبس:۳،۴]

② **عَسٰی**: جیسے: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلاَّ اللّٰهَ، فَعَسٰٓى أُولٰٓئِكَ أَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝﴾[②] [التوبة: ۱۷].

فصل سادس: نداء

نداء: متکلم کا مخاطب کی توجہ طلب کرنا ہے ایسے حرف کے ذریعہ جو أَدْعُوْا فعل محذوف کے قائم مقام ہو،[③] جیسے: ﴿يٰٓأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ

---

① تفصیل ابھی اوپر گذر چکی۔ (علم المعانی)

② خدا کی مساجد حقیقۃً ایسے ہی اولوالعزم مسلمانوں کے دم سے آباد رہ سکتی ہیں جو دل سے خدائے واحد پر اور آخرت کے دن پر ایمان لا چکے ہیں، جوارح سے نمازوں کی اقامت میں مشغول رہتے ہیں، اموال میں باقاعدہ زکوۃ ادا کرتے ہیں اور خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے؛ پس ایسے لوگوں کی نسبت توقع (وعدہ) ہے کہ: وہ اپنے مقصود یعنی جنت ونجات تک پہنچ جاویں گے؛ کیوں کہ ان کا عمل بوجہ ایمان مقبول ہوگا اس لیے آخرت میں نفع ہوگا، اور مشرکین اس شرط سے محروم ہیں پس ثمرۂ عمل سے بھی محروم ہیں، اور عمل بے ثمر پر فخر لا حاصل!۔ (فوائد، بیان القرآن)

③ ملحوظہ: معلوم ہونا چاہیئے کہ عبارت میں حروفِ ندا کو — جو ادعو کے قائم مقام ہیں — ذکر کیا جاتا ہے، جیسا کہ ذکر کردہ آیات سے معلوم ہوا؛ لیکن کبھی ایجازاً حرفِ ندا کو حذف بھی کر دیا جاتا ہے، جیسے ﴿يُوْسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا﴾ [يوسف:۲۹]، ﴿يُوْسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيْقُ﴾ [يوسف:۴۶]، ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝﴾ [الذاريات:۳۱]؛ کہ اصل میں یا یوسف، یا أیها الصدیق اور یا أیها المرسلون تھا۔

فائدہ: قرآن مجید کے طرزِ بیان میں لفظِ رب سے پہلے حرفِ ندا کو حذف کر دیا گیا ہے، جو داعی کے حق جل مجدہٗ سے غایتِ قرب کی طرف مشیر ہے، اور صرف دو جگہوں پر "یا رب" فرمایا گیا ہے، غالباً یہ اسلوب آقا ﷺ پر طاری ہونے والی مخصوص نفسانی کیفیت کی تعبیر کے لیے ہے، کہ آقا ﷺ نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف دعوت دینے میں اپنی مقدور بھر کوشش صرف کر دی، انھیں عاقبت کا ڈر سناتے رہے؛ لیکن ضدی قوم نے کسی طرح کان نہ دھرے، تب بارگاہِ الٰہی میں حزن وملال کے ساتھ شکایت کی: ﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝﴾ [الفرقان: ۳۰]، ﴿وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ [الزخرف: ۸۸]، باری تعالیٰ! ہمیں قرآنِ کریم کی تلاوت، تصحیح ←

فَطَهِّرْ۝﴾① [المدثر: ٤-١].

ندا کا مقصد یہ ہے کہ: منادیٰ کو کسی مہتم بالشان امر کی طرف متوجہ کرے؛ لہٰذا عموماً ندا کے بعد امر، نہی، استفہام یا کسی حکم شرعی کو بیان کیا جاتا ہے، جیسے﴿يٰٓأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۝﴾ [المدثر:٤-١]؛ ﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ أَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا، إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۝﴾ [المائدة:٨٧]؛ ﴿يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ [التحريم:١]؛ ﴿يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾② [الطلاق:١].

ندا کے ادوات آٹھ ہیں: أَ (هَمْزه)، أَيْ، يَا، أَيَا، هَيَا، وَا؛ قرآن مجید میں عموماً ندا کے لیے "یا" کو استعمال کیا گیا ہے؛ ادواتِ ندا کی دو قسمیں ہیں: همزه، أي منادیٰ قریب کے لیے مستعمل ہوتے ہیں، اور بقیہ ادوات منادیٰ بعید کے لیے③۔

◄ قراءت، اس میں تدبُّر اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہجرانِ قرآن سے ہماری اور ہماری نسلوں کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

لفظِ اللہ کے منادی ہونے کی حالت میں بجائے حرفِ ندا کے اخیر میں میم مشدد لایا جاتا ہے، جیسے﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ﴾ [آل عمران: ٢٦] (علم المعانی)

① اے وحی کے ثقل اور فرشتہ کی دہشت سے لحاف میں لپٹنے والے! آپ کا کام تو یہ ہے کہ: سب آرام وچین چھوڑ کر دوسروں کو خوفِ خدا سناؤ اور کفر ومعصیت کے برے انجام سے لوگوں کو ڈراؤ!؛ اور اپنے پروردگار کی تکبیر بیان کرو، اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو!

② آیتِ اولیٰ: اس کا ترجمہ ابھی گذرا۔ آیتِ ثانیہ: اے ایمان والو! اللہ پاک نے جو پاکیزہ چیزیں تمھارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام قرار نہ دو، اور حد سے تجاوز نہ کرو، یقین جانو اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، یعنی: جس طرح حرام چیزوں کو حلال سمجھنا گناہ ہے اسی طرح حلال کو حرام سمجھنا بھی بڑا گناہ ہے۔

آیتِ ثالثہ: اے نبی! جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے تم پر حلال کی ہے، تم اپنی بیویوں کی خوش نودی حاصل کرنے کے لیے کیوں حرام کرتے ہو!، یعنی: آپ اپنی (شہد نہ پینے کی) قسم کو توڑ دیں اور کفارہ ادا کردیں۔

آیتِ رابعہ: اے نبی جب تم لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دینے لگو تو انھیں ان کی عدت کے وقت طلاق دو! یعنی: ایسی پاکی کی حالت میں طلاق دو جس میں جماع نہ کیا ہو۔ (علم المعانی، توضیح القرآن)

③ معلوم ہونا چاہیے کہ: اداتِ ندا "یاء" کو بلاغتی خوبیوں کی وجہ سے منادی قریب کے لیے استعمال کرنا بہ کثرت ◄

فائدہ: ① منادیٰ قریب کو کبھی حرفِ نداء بعید کے ذریعے پکارا جاتا ہے، اور یہ تین مواقع میں کیا جاتا ہے: ① مخاطب کے علوِّ مرتبت ② مخاطب کی غفلت ③ مخاطب کے گھٹیا ہونے کی طرف اِشارہ کرنے لیے، جیسے ﴿يَاَبَتِ لاَتَعْبُدِ الشَّيْطٰن﴾[1] [مریم: ٤٤].

ملحوظہ: باری تعالیٰ کا اپنے بندوں کو باوجود غایتِ قرب کے بذریعہ "یا" پکارنے کی حکمت یہ ہے کہ: ایسے مواقع میں امرِ مدعولہ کی عظمت اور علوِ شان پر متنبہ کرنا ہوتا ہے، جیسے ﴿يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ [المائدۃ:٦٧]؛ ﴿يٰمُوْسٰى اَقْبِلْ وَلاَتَخَفْ﴾؛ ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ وغیرہ۔

فائدہ: ② منادی بعید کو کبھی حرفِ ندا قریب کے ذریعے پکارا جاتا ہے، اور یہ دو مواقع میں کیا جاتا ہے: منادیٰ بعید ذہن میں مستحضر ہو، یا منادِی کی طرف کان لگائے ہوئے ہو؛ اول کی مثال شعر: أَسُكَّانَ نَعْمَانِ الأَرَاكِ تَيَقَّنُوْا بِأَنَّكُمْ فِيْ رَبْعِ قَلْبِي سُكَّان[2]؛ ثانی کی مثال دور کھڑے زہیر کو أَيْ زُهَيْرُ! کہہ کر پکارنا۔

نداء کی اغراضِ مجازیہ

کبھی حرفِ نداء کو اپنے اصلی معنیٰ (مخاطب کی توجہ طلب کرنا) کے علاوہ دوسرے مجازی معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہے، جب کہ معنیٔ مجازی مراد لینے پر قرینہ پایا جائے؛ اُن معانیٔ مجازیہ

ـ ہے، جیسے باری تعالیٰ نے غایت درجہ قریب ہونے کے باوجود "یاء" کو استعمال فرمایا ہے؛ جب کہ نحات نے استعمال کو دیکھتے ہوئے اسے مشترک اداتِ ندا (قریب وبعید) میں شمار کرایا ہے؛ ورنہ وضع تو منادی بعید کے لیے ہے (علم المعانی)

① باپ کا درجہ بیٹے سے بڑھا ہوا ہوتا ہے اس کے لحاظ سے حرفِ ندا "یاء" کو استعمال فرمایا۔

② مثالِ اول: اے وادیٔ عراق کے باشندو! تم یقین کرلو کہ: تم میرے دل کی بستی میں آباد ہو؛ دیکھیے! شاعر جہاں بیٹھ کر کلام کر رہا ہے وہاں سے وادیٔ نُعمان الاراک کوسوں اور میلوں دور ہے؛ لہٰذا اصلی وضع کے اعتبار سے شاعر کو چاہیے تھا کہ حروفِ ندا بعیدہ کا استعمال کرے؛ لیکن اس نے "ہمزہ" برائے ندائے قریب کا استعمال کیا ہے، سامع پر یہ تاثر ڈالنے کے لیے کہ: میرے منادی (سکان وادیٔ نعمان) کا خیال وتصور میرے دل ودماغ پر چھایا ہوا ہے۔

مثالِ ثانی میں دیکھیے زہیر تو دور ہے پھر بھی حرفِ ندا قریب کا استعمال کیا گیا اس لیے کہ زُہیر متکلم کی بات کی طرف پہلے ہی سے کان لگائے ہوئے تھا۔

میں سے بعض یہ ہیں:

الإغْرَاء، التَّأْنِيس والملاطَفَة، التَّحْرِيْض، التَّنْبِيْه، الزَّجْر، التَّرَحُّم والتَّرْقِيْق، التَّأَسُّف، الاسْتِغَاثَة، النُّدْبَة، التَّعَجُّب، التَّحَسُّر والتَّحَزُّن، التَّحَيُّر والتَّضَجُّر، التَّوَجُّع، التَّذَكُّر.

① **إغراء**: مخاطب کو کسی اچھے کام کرنے پر اُبھارنا ہو، جیسے ﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾① [الزمر: ۵۳].

② **تأنيس وملاطفت**: مانوس کرنے اور لاڈ پیار کے اِظہار کے لیے، جیسے: ﴿يٰأَيُّهَا الْمُدَّثِّرْ○ قُمْ فَأَنْذِرْ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ○ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ○﴾② [المدثر:۱-۴]

③ **تحريض**: کسی کام پر آمادہ کرنے اور رغبت دِلانے کے لیے، جیسے: آقا ﷺ کا فرمان: "وَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ يَا مُوَفَّقَةُ!"③ [جمع الوسائل]

④ **تنبيه**: مخاطب کو محض آگاہ کرنے اور متنبہ کرنے کے لیے؛ یہ غرض اس وقت ہوتی ہے جب کہ حرفِ ندا حروف پر داخل ہوں، جیسے آپ ﷺ کا فرمان: "يَا رُبَّ كَاسِيَةٍ فِيْ

---

① وسیع مغفرت والی ذات نے اپنے گنہ گار بندوں کو استغفار پر اُبھارنے کے لیے مذکورہ اسلوبِ خطابی استعمال فرمایا ہے۔

② تأنیس وملاطفت: ندا کی ایک غرض تأنیس بھی ہے، جیسا کہ بعض روایات کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ: کفار نے دار الندوہ میں جمع ہو کر مشورہ کیا کہ: آپ ﷺ حالت کے مناسب کوئی لقب تجویز کیا جائے، کسی نے کاھن کہا، کسی نے ساحر، تو کسی نے مجنون کہا؛ مگر اتفاق رائے نہ ہوا، اخیر میں ساحر کی طرف رجحان تھا۔ آپ ﷺ اِس خبر سے رنجیدہ اور غمگین ہوئے اور کپڑوں میں لپٹ گئے؛ اس پر باری تعالیٰ نے تأنیس وملاطفت کے لیے ﴿يٰأَيُّهَا الْمُدَّثِّرْ﴾ اے کپڑے میں لپٹنے والے! عنوان سے خطاب فرمایا۔ اور جیسے: آپ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت علیؓ کو "قم أبا تُراب!" فرمایا تھا، جب کہ وہ گھر سے رنجیدہ ہو کر چل دیے تھے اور مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ (فوائد)

③ حضرت عائشہؓ فرماتی ہے: آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں جس کے دو فرط (پیش رَو) ہوں اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے اس کو جنت میں داخل کریں گے۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ! جس کا ایک فرط ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے خیر کی باتیں معلوم کرنے کی توفیق دی ہوئی عورت! جس کا ایک فرط ہو اس کے لیے بھی وہی ثواب ہے۔ یہاں "يَا مُوَفَّقَةُ!" تحریض علی السوال کے لیے ہے۔

الدُّنْيَا عَارِيَةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ''[1] [البخاري].

⑤ **زجر**: مخاطب کو جھڑکنا اور ملامت کرنا، جیسے﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ۝﴾[2]

[طه:٩٥].

⑥ **ترحم وترقیق**: کسی پر رحم وکرم کا اظہار کرنے یا رحم دِل بنانے کے لیے، جیسے:

﴿يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَأْسِيْ﴾[3] [طه:٩٤].

⑦ **تأسُّف**: افسوس کرنا، کفِ افسوس مَلنا، جیسے:﴿فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ: يٰقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ۝﴾[4] [اعراف:٩٣]

⑧ **استغاثہ**: کسی سے فریاد طلب کرنا اور مدد چاہنا، جیسے حضرت سلمہ بن الاکوع —رضی اللہ عنہ— کا فرمان يَا صَبَاحَاه![5].

---

① قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ: بہت سی عورتیں دنیا میں (بظاہر) کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی؛ لیکن (کپڑے کے تنگ ہونے، باریک ہونے، چھوٹے ہونے یا پھر عمل سے کوری ہونے کی وجہ سے) قیامت کے دِن ننگی ہوں گی۔ یہاں حرف ِندا ''ربّ'' پر داخل ہے اور مخاطب کو متنبہ اور آگاہ کرنا مقصود ہے رواه البخاري في التهجد، رقم:١١٢٦ (علم المعانی)

② حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے سامری! تیری کیا حقیقت ہے؟ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو ڈانٹ بتلائی اور فرمایا کہ اب تُو اپنی حقیقت بیان کر کہ: یہ حرکت تُو نے کس وجہ سے کی ہے؟ اور کیا اسباب پیش آئے کہ بنی اسرائیل تیری طرف جھک پڑے!۔ اسی طرح آپ ﷺ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمانا يا مُعاذُ! أتريدُ أن تكونَ فتّانا. [مصنف عبدالرزاق]

③ اے میری ماں کے جنے! نہ میری ڈاڑھی پکڑ! اور نہ میرا سر! دیکھیے! استرحام کے لیے ''ابن اُمّ'' کہنا بھی کافی تھا؛ لیکن ''یاء'' حرف ِندا لاکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بلند رُتبہ ہونے کی طرف اِشارہ فرمایا، اور یہ بتایا کہ: آپ مرتبے میں مجھ سے بڑے ہیں! اور بڑا اپنے سے چھوٹے پر رحم کیا کرتا ہے؛ یہ بھی استرحام کا ایک اُسلوب ہے۔

④ حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کے ہلاک ہوجانے کے بعد اُن پر افسوس کرتے ہوئے فرمایا: میں تو اپنے رب کا پیغام بھی پہنچا چکا اور خیر خواہی بھی کر چکا؛ لیکن افسوس کہ تم نے نہ مانا! پھر فرمایا: ایسی قوم پر افسوس کرنے سے کیا حاصل!

⑤ یہاں حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے قول میں ندا برائے استغاثہ ہے؛ کیوں کہ اُس زمانے میں اکثر صبح میں غفلت کے وقت دشمن کی جانب سے حملہ ہوتا تھا تب مستغیث ''يا صَبَاحَاه'' کہہ کر اپنی قوم سے مدد چاہتا تھا؛ [مشکوۃ کتاب الجہاد]، اور اسی طرح باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿رَبِّ إِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ﴾ اے میرے پروردگار! میری قوم نے تو مجھے جھٹلا دیا۔

⑨ **نُدْبہ**: مُردے کے محاسن بیان کرکے رونا، جیسے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا فرمان یَا أَبَتَاهُ! أَجَابَ رَبًّا دَعَاه. [البخاري، باب مرض النبيﷺ] ۔

⑩ **تعجُّب**: کسی چیز پر اظہارِ حیرت کرنا، جیسے: غیر متوقع موقع پر ٹھنڈا میٹھا پانی میسر آجانے پر کہا جائے: "یَالَلْمَاءِ"۔

⑪ **تحسُّر وتحزُّن**: افسوس ظاہر کرنا، دردمند ہونا، جیسے ﴿يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا۝﴾ [الفرقان:۲۸]؛ وفات نبوی ﷺ پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فرمان: "وَانَبِيَّاه! وَاصَفِيَّاه! وَاخَلِيْلَاه!"①۔ [شمائل الترمذي]

ملحوظہ: حروفِ ندا کو جب قِیام گاہوں، سواریوں، قبروں، مُردوں اور وَیل وحسرت کے مقامات پر استعمال کیے جائیں تو وہ تحسُّر وتحزُّن کے لیے ہوتے ہیں، جیسے: ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا۝﴾② [الفرقان:۲۷-۲۸]

⑫ **تحیُّر وتضجُّر**: سخت گھٹن اور حیرانی وپریشانی بتلانے کے لیے اداتِ ندا کو استعمال کرنا، جیسے: ﴿يٰأَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ﴾③ [یوسف:۸٤]

---

① مثالِ اول: یعنی جن کی دوستی اور اغواء سے گمراہ ہوا تھا یا گمراہی میں ترقی کی تھی، اس وقت پچھتائے گا کہ افسوس! افسوس کو میں نے اپنا دوست کیوں سمجھا۔ کاش میرے اور ان کے درمیان کبھی دوستی اور رفاقت نہ ہوتی! مثالِ ثانی: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کو وفات کے بعد بوسہ دیا، اپنا منہ آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان رکھا اور اپنے دونوں ہاتھ آپ ﷺ دونوں کلائیوں پر رکھے اور کہا: ہائے نبی! ہائے مخلص دوست! ہائے جگری دوست!۔

② جس دن گنہ گار مارے حسرت وندامت کے اپنے ہاتھ کاٹ کھائے گا، اور افسوس کرے گا: اے کاش مَیں نے رسول کا رستہ پکڑا ہوتا! اے خرابی میری! میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا! یعنی: جن کی دوستی اور اِغواء سے گمراہ ہوا تھا یا گمراہی میں ترقی کی تھی، اس وقت پچھتائے گا۔ اس جیسی آیات میں حسرت ووَیل کو پکارنا حسرت وندامت کا فائدہ دے گا، گویا وہ شدت وہولناکی سے یہ گمان کرے گا کہ: وَیل وحسرت دونوں اس کے سامنے کھڑے اس کی آواز سُن رہے ہیں اور اس کا جواب بھی دیں گے، اب ان کو پکارے گا یا ویلتی ویا حسرتی أقبلا فهٰذا أوانكما. (علم المعانی، فوائد)

③ یعقوب علیہ السلام کے قلب میں یوسف علیہ السلام کی فوق العادت محبت ڈال دی گئی، پھر ایسے محبوب اور ہونہار بیٹے کو — جو خاندانِ ابراہیمی کا چشم وچراغ تھا — ایسے دردناک طریقے سے جدا کیا گیا، غم زدہ اور زخم خوردہ یعقوب علیہ السلام ⇐

⑬ **توَجُّع:** مصیبت سے تکلیف محسوس کرنا، جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمان: "وَا رَأْسَاهْ!"① [البخاري]

⑭ **تذکُّر:** یعنی پرانی یادوں کو تازہ کرنا، جیسے: ﴿يٰأَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ﴾② [يوسف:۸٤]

⇐ کے جگر کو اس روح فرسا صدمہ نے کھالیا تھا، وہ کسی مخلوق کے سامنے نہ حرفِ شکایت زبان پر لاتے تھے کسی سے انتقام لیتے، نہ غصہ نکالتے، نہ غم کی بات منہ سے نکلتی!

ہاں! جب بہت گھوٹتے تو دل کا بخار آنکھوں کی راہ سے ٹپک پڑتا، بیسیوں برس تک چشم گریاں اور سینہ بریاں کے باوجود ادائے فرائض وحقوق میں کوئی خلل نہ پڑنے دیا، ان کا دل جتنا یوسف کے فراق میں روتا تھا اُتنا ہی خدا کے حضور میں زیادہ گڑگڑاتا تھا، دردوغم کی شدت اور اشک باری کی کثرت جس قدر ان کی بصارت کو ضعیف کرتی اسی قدر نور بصیرت کو بڑھا رہی تھی، بے تابی اور اضطراب کا کیسا ہی طوفان اُٹھتا، دل پکڑ کر اور کلیجہ مسوس کر رہ جاتے، زبان سے اُف نکالتے! بنیامین کی جدائی سے جب پُرانے زخم میں نیا چرکا لگا، تو اس وقت بے اختیار ﴿يٰأَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ﴾ ہائے افسوس یوسف! صرف اتنا لفظ زبان سے نکلا۔ بقول حضرت شاہ صاحب: ایسا درد اتنی مدت دبا رکھنا پیغمبر کے سوا کس کا کام ہوسکتا ہے؟ (فوائد)

① ہائے درد سر! البخاري، باب قول المريض: إني وجع.

② حضرت یعقوب علیہ السلام پر فراق یوسفؑ کی بے تابی اور اضطراب کا کیسا ہی طوفان اُٹھتا دل پکڑ کر اور کلیجہ مسوس کر رہ جاتے، زبان سے اُف تک نہ نکالتے! بنیامین کی جدائی سے جب پُرانے زخم میں نیا چرکا لگا تو اس وقت بے اختیار ﴿يٰأَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ﴾ ہائے افسوس یوسف! بول اُٹھے؛ نیز اسی طرح شاعر کا قول: أَيَا مَنْزِلَيْ سَلْمٰى سَلَامٌ عَلَيْكُمَا، هَلِ الْأَزْمُنُ اللَّاتِيْ مَضَيْنَ رَوَاجِعُ؛ اے سلمیٰ کے دو ٹھکانو! تم پر سلامتی ہو، کیا وہ زمانے جو گذر گئے ہیں لوٹ آئیں گے؟ یہاں ندا کی غرض: سلمیٰ کی منزلوں کو متوجہ کرنا نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ متوجہ ہونے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے؛ بلکہ یہاں ندا کے مجازی معانی میں سے تذکر کا معنی مراد ہے۔

سوالاتِ انشائے غیر طلبی

① یہ جملہ اگر انشائے غیر طلبی میں سے ہے تو اس کی (سات) قسموں میں سے کیا ہے؟
② کیا خبر، انشاء کی جگہ یا انشاء، خبر کی جگہ واقع ہوئی ہے؟ اگر واقع ہے تو کیوں؟
③ خبر کو انشاء کی صورت میں لانے کی (تین) غرضوں میں سے کیا ہے؟
④ انشاء کو خبر کی صورت میں لانے کی (تین) غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟

انشائے غیر طلبی

انشاءِ غیر طلبی: وہ انشائی کلام ہے جس میں کسی مطلوب کا تقاضہ نہ ہو۔ انشاءِ غیر طلبی کی سات قسمیں ہیں:

تَعَجُّب، قَسَم، صِيَغ العُقُوْد، أفْعَال الرَّجَا، أفْعَال المدْح والذَّمّ، رُبَّ، كَمْ الخَبَرِيَّة.

① **تعجُّب:** کسی چیز پر اظہارِ حیرت کرنا؛ اس کے دو صیغے ہیں مَاأَفْعَلَهُ، أَفْعِلْ بِه، اول کی مثال، جیسے: ﴿قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ۝﴾ [عبس:۱۷]؛ ثانی کی مثال: ﴿اَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ﴾[1] [مریم:۳۸]

ملحوظہ: تعجب کا صیغہ جب باری تعالیٰ سے وارد ہو تو اُس کا مقصد صرف سامعین کے دلوں میں اس متعجب منہ کو بڑا دکھلانا مقصود ہوتا ہے (الزیادۃ والاحسان)

② **قسم:** اپنے قول کو مضبوط کرنے کے لیے خدا تعالیٰ کا نام لینا، یا اپنے عقیدے کے مطابق کسی طاقت ور شے کا ذکر کرنا اور اپنی بات کی سچائی کا یقین دِلانا، جیسے: ﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا﴾[2] [یوسف:۹۱]

③ **صِیَغ عقود:** معاہدات کی مخصوص عبارتیں اور الفاظ، مثلاً: بیع وشراء، نکاح وطلاق

---

① تعجب: کسی چیز کی ظاہری خصوصیت کو دیکھ کر بہت بڑا محسوس کرنا جس کا سبب مخفی ہو۔ تعجب کے دو وزن ہیں: ماأفعله، أفعله به؛ مثالِ اوّل: یعنی انسان نے قرآن جیسی نعمتِ عظمیٰ کی کچھ قدر نہ کی، اور اس نے اللہ کا کچھ حق نہ پہچانا؛ مارا جائیو انسان! انسان کیسا ناشکرہ ہے!۔ مثالِ ثانی: کیا خوب سنتے اور دیکھتے ہوں گے جس دن ہمارے پاس آئیں گے! یعنی آج جب کہ سننا اور دیکھنا مفید تھا، بالکل اندھے بہرے بنے ہوئے ہیں، اور قیامت کے دن جب دیکھنا سننا کچھ فائدہ نہ دے گا آنکھیں اور کان کھل جائیں گے۔

② اِخوانِ یوسف کو جب یقین ہو گیا کہ یہی یوسف ہے تو بولے: (عالی شان ذات) اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے تم کو ہر حیثیت سے ہم پر فضیلت دی اور تو اس لائق تھا، ہماری غلطی اور بھول تھی کہ تیری قدر نہ پہچانی؛ آخر تیرا خواب سچا اور ہمارا حسد بے کار ثابت ہوا!

اور ہبہ واعتاق میں: بِعْتُ، اِشْتَرَيْتُ، نَكَحْتُ، طَلَّقْتُ، وَهَبْتُ، أَعْتَقْتُ، وغیرہ کہنا، جیسے:﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا "زَوَّجْنٰكَهَا"﴾① [الأحزاب:۳۷].

④ **افعالِ رَجاء:** (برائے اِشفاق) ناپسندیدہ خطرہ سے (بربنائے ہمدردی) فکر مند رہنا کہ کہیں یہ خطرہ لاحق نہ ہوجائے، جیسے:﴿وَعَسٰى أَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ﴾② [البقرة:۲۱٦]

ملحوظہ: افعالِ رجا(لعلّ وعسیٰ) جب ترجی کے لیے استعمال ہوں تو انشائے طلبی کے قبیل سے ہوں گے، اور جب اِشفاق من مکروہ کے قبیل سے ہوں تو انشائے غیر طلبی کے قبیل سے ہوں گے۔

⑤ **افعالِ مدح وذم:** تعریف اور برائی پر دلالت کرنے والے افعال، جیسے فعل مدح کی مثال:﴿فَنِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ۝﴾ [الزمر:۷٤]؛ فعل ذم کی مثال:﴿فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ۝﴾③ [الزمر:۷۲].

⑥ **رُبَّ:** یہ تقلیل وتکثیر دونوں کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جس کی تعیین حسب موقع سیاقِ کلام سے کی جاتی ہے، جیسے آپ ﷺ کا فرمان: رُبَّ كَاسِيَةٍ فِيْ الدُّنْيَا عَارِيَةٍ يَوْمَ القِيَامَةِ④ [البخاري]

---

① پھر جب زید نے اپنی بیوی سے تعلق ختم کرلیا تو ہم نے اس سے تمھارا نکاح کرادیا۔

② یعنی: یہ بات ضروری نہیں کہ: جس چیز کو تم اپنے حق میں نافع یا مضر سمجھو وہ واقع میں بھی تمھارے حق میں ویسی ہی ہوا کرے؛ بلکہ ہوسکتا ہے کہ: تم ایک چیز کو اپنے لیے مضر سمجھو اور وہ تمھارے حق میں مفید ہو، اور کسی چیز کو مفید خیال کرلو اور وہ مضر ہو، جیسے تم نے سمجھ لیا کہ: جہاد میں جان ومال کا نقصان ہے، اور ترکِ جہاد میں دونوں کی حفاظت ہے! اور یہ نہ جانا کہ جہاد میں دنیا وآخرت کے کیا کیا منافع ہیں، اور "اس کے ترک میں کیا کیا نقصانات ہیں" ! بس تم اپنا خیال چھوڑ دو! اور حکمِ خدا کو برحق سمجھو!۔ (فوائد، النحو الوافی)

③ آیتِ اولیٰ: مؤمنین سے کہا جائے گا: جنت میں جہاں چاہو، رہو! سو کیا خوب بدلہ ہے محنت کرنے والوں کا۔ آیتِ ثانیہ: کافرین سے کہا جائے گا کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہوجاؤ ہمیشہ ہمیش کے لیے؛ سو کیا بُری جگہ ہے غرور والوں کے رہنے کی۔

④ رواه البخاري في الفتن، رقم الحديث:۷۰٦۹.

⑦ **کم خبریہ:** جس سے بڑی تعداد (عدد میں زیادتی) بیان کی جاتی ہے، جیسے:
﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِإِذْنِ اللهِ﴾[1] [بقرة:۲۴۹]

خبر وانشاء کو ایک دوسرے کی جگہ لانا

وضع الخبر موضع الإنشاء: جملہ خبریہ کا انشائیہ کی جگہ کسی نہ کسی غرض وفائدے کے لیے استعمال کرنا؛ اس کی بنیادی تین غرضیں ہیں: ① تفاؤل (نیک فالی) ② ادب (صیغۂ امر ونہی سے احتراز کرنا)، ③ حث علی الامتثال (اظہار حرص ورغبت میں مخاطب کو اُبھارنا):

① **تفاؤل:** مخاطب کو خوش کرنے اور معنیٔ انشائی کے وقوع میں حرص ورغبت کا اظہار کرنے کے لیے انشاء کی جگہ خبر کو استعمال کرنا، جیسے: دعا کے موقع پر متکلم صیغۂ طلب (امر ونہی) سے اعراض کرے، اور وقوعِ فعل کے یقینی ہونے کو بتلانے کے لیے صیغۂ ماضی (اِخبار) کو لاکر یہ بتلائے کہ: مخاطب کے لیے یہ دعا حاصل ہوچکی ہے، جیسے آپ ﷺ دعا:
نَضَّرَ اللهُ إمْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِيْ وَحَفِظَهَا فَوَعَاهَا وَأَدَّاهَا كَمَا سَمِعَهَا؛ أي: اللّٰهُمَّ! نَضِّرْ إمْرَأً، إلخ[2].

② **ادباً:** امر کی صورت سے احتراز کرنے کے لیے خبر کو انشاء کی جگہ استعمال کرنا، جیسے غلام اپنے آقا سے یوں کہے: يَنْظُرُ مَوْلَايَ فِيْ أَمْرِيْ، میرے آقا میرے معاملے میں

---

① حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل پر جالوت نامی کافر بادشاہ مسلط ہوا، جس نے بنی اسرائیل کو شہر سے نکال دیا، تب بنی اسرائیل نے حضرت شموئیل علیہ السلام سے کسی بادشاہ کے مقرر کرنے کی درخواست کی، اس پر حضرت شموئیل نے طالوت کو بادشاہ بنایا؛ ہوس سے طالوت کے ساتھ چلنے کو سب بنی اسرائیل تیار ہوگئے تاکہ جالوت سے مقابلہ کریں؛ لیکن آزمائش کے بعد صرف تین سَو تیرہ رہ گئے، جن میں حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے چھ بھائی بھی تھے، حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو مار ڈالا؛ بس یہی اللہ کی رحمت ہے کہ: بارہا تھوڑی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب ہوئی ہے۔

② اسی طرح اللّٰهُمَّ وفقه، وسدِّد خطاه، وارحمه؛ اور اللّٰهُمَّ لاتسمعه مكروها، ولا تره شرا کے بجائے: "وفّقك الله للتقوى، والعمل الصالح، وسدَّد خطاك، ورحمك" اور "لاسمعتَ مكروها، ولا تره شرا" کہنا۔

غور فرمائیں گے!

③ **حثّ علی الامتثال:** حکم کی بجا آوری پر مخاطب کو اُبھارنے کے لیے خبر کو انشاء کی جگہ استعمال کرنا، جیسے: ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِيْ إِسْرَآءِيْلَ "لاتَعْبُدُوْنَ إِلاَّ اللّٰهَ..."، وَإِذْأَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ "لَاتَسْفِكُوْنَ" دِمَآءَكُمْ "وَلَاتُخْرِجُوْنَ" أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ﴾[1] [البقرة:۸٤]

وضع الانشاء موضع الخبر: اہم اغراض میں سے کسی غرض وفائدے کے لیے خبر کی جگہ انشاء کو استعمال کرنا، مثلاً: الاهْتِمَام بِالشَّيْءِ، الرِّضَا بِالوَاقِعِ كَأَنّه مَطْلُوْب، الاِمْتِنَان، الاحْتِرَاز عَنْ مُسَاوَاة اللاَّحِق بِالسَّابِق، تَجَاهُل العَارِف.

① **الاهتمام بالشئ:** کسی چیز کی اہمیت ظاہر کرنا، جیسے﴿قُلْ أَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ "وَأَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ" عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾[2] [الأعراف:۲۹].

② **الرضا بالواقع کأنہ مطلوب:** کسی چیز کا مطلوب ہونا بتانے کے لیے خبر کی جگہ انشاء کو استعمال کرنا، جیسے آقا ﷺ کا فرمان: "مَن كذَب عليَّ متعمِّدًا فليتبوَّأْ مقعده مِن النَّار"[3].

---

① جب ہم نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا کہ: وہ اللہ کے علاوہ کی عبادت نہ کریں گے، نہ آپس میں خون ریزی کریں گے اور نہ اپنوں کو اپنے وطن سے نکالیں گے۔ یہاں حالت کا تقاضہ کلام کو انشائی صورت میں بصیغۂ نہی لانے کا تھا، یعنی: "لاتعبدوا إلا الله ولاتسفِكوا دِماءكم، ولاتخرِجوا أنفسَكم"؛ لیکن مخاطبین کو جلدی سے حکم کی بجا آوری پر اُبھارنے کے لیے اس مضمون کو کلام خبری سے تعبیر فرمایا۔(علم المعانی، وجواہر)

② آپ کہہ دیجیے کہ میرے رب نے حکم دیا ہے انصاف کرنے کا، اور یہ کہ ہر نماز کے وقت اپنے رُخ کو سیدھا کروں! یہاں مامور بہ (نماز) کے حکم کی اہمیت جتانے کے لیے"وَإِقَامَةِ وُجُوْهِكُمْ" نہیں فرمایا؛ بلکہ صیغۂ امر کو استعمال فرمایا۔(علم المعانی)

③ حدیث: جس نے میرے اوپر بہتان باندھا اُسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالینا چاہیے، (یعنی: اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیا!) یہاں پر "تَبوَّأَ" (بصیغۂ ماضی) خبر کے بجائے (فَلْيَتَبَوَّأْ) صیغۂ امر استعمال فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ: آقا ﷺ بہتان باندھنے والے کا ٹھکانا جہنم ہو، یہ آقا ﷺ کا مطلوب بھی ہے! نعوذ باللہ کس قدر سخت وعید ہے! کہ آقا ایک امتی کی دنیوی ادنی تکلیف برداشت نہ کرسکتے تھے؛ لیکن بہتان تراشنے والے کے جہنم میں جانے پر رضامند ہے!(علم المعانی)

③ **اِمتنان:** احسان جتانے کے لیے بجائے خبر کے انشاء لانا، جیسے﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الأَرْضَ ذَلُوْلاً، فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا﴾[1] [ملك:١٥]

④ **الاحتراز عن مساواة اللاحق بالسابق:** کلامِ لاحق کی کلامِ سابق سے برابری ہوجانے سے احتراز کرنے کے لیے خبر کی جگہ انشاء کو استعمال کرنا، جیسے﴿قَالَ إِنِّيْ أُشْهِدُ اللّٰهَ، وَاشْهَدُوْٓا أَنِّيْ بَرِيْءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾[2] [هود:٥٤]

⑤ **تجاهل العارف:** یعنی تعجب، مبالغہ یا توبیخ وغیرہ اغراض میں سے کسی غرض کی وجہ سے ایک جانی ہوئی چیز کو کسی انجان شئ کی جگہ لانا؛ تفصیل کے لیے ''بدیع القرآن''، فصلِ ثامن در تحسینِ مضمونِ کلام ملاحظہ فرمالیں۔

---

① ترجمہ: وہ ایسا (منعم) ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو مسخر کرلیا؛ سو تم اس کے راستوں میں چلو! یعنی: تاکہ تم اس کے راستوں میں چلو۔ یہاں بجائے لِتَمْشُوْا خبر کے﴿فَامْشُوْا﴾ انشاء کو استعمال کرنا برائے امتنان ہے۔

② حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: مَیں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو! کہ: میں اُن معبودوں سے بے زار ہوں جن کو تم شریک کرتے ہوں۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی بے زاری پر اللہ کو اور مشرکین کو گواہ بنایا تھا؛ لیکن مشرکین کی گواہی اللہ عزوجل کی گواہی کے ہم پلہ نہیں ہوسکتی؛ لہٰذا ''إني أُشْهِدُ اللهَ وأُشْهِدُكُمْ'' کے بجائے﴿إني أُشْهِدُ اللهَ وأشْهَدُوْا﴾ فرمایا۔ (علم المعانی)

باب ثانی

تعریف وتنکیر

سوالات تعریف وتنکیر

① تعریف وتنکیر کی تعریفات کیا ہیں؟

② اگر کلام کا کوئی جزو بہ صورتِ معرفہ ہے تو معرفہ کی سات قسموں میں سے کیا ہے؟

③ اگر کلام کا کوئی جزو معرفہ ہے اور بہ صورتِ ضمیر ہے تو اس کی (تین) اغراض میں سے کون سی غرض ہے؟

④ اگر کوئی جزو بہ صورتِ علَم ہے تو اس کی (پانچ) اغراض میں سے کیا ہے؟

⑤ اگر کوئی جزوِ کلام معرفہ بہ صورتِ اسم اشارہ ہے تو اس کی (گیارہ) اغراضیں سے کون سی غرض ہے؟

⑥ اگر کوئی جزو معرفہ بہ صورتِ اسم موصول ہے تو اس کی (چودہ) اغراضیں سے کیا ہے؟

⑦ اگر کوئی جزو معرف باللام ہے تو وہ اجمالی (دو) اور تفصیلی (چھ) قسموں میں سے کیا ہے؟

⑧ اگر کوئی جزو مضاف ہے تو اس کی (نو) اغراض میں سے کیا ہے؟

⑨ اگر کوئی جزو منادی ہے تو اس کی (دو) اغراض میں سے کیا ہے؟

⑩ اگر کسی جزو کو بجائے معرفہ کے نکرہ لایا گیا ہے تو اس کے (تیرہ) مقاصد میں سے کیا ہے؟

⑪ جملے مسند نکیرہ ہے یا معرفہ؟ اگر نکرہ ہے تو اس کی (چار) اغراض، اور معرفہ ہے تو اس کی (تین) اغراض میں سے کیا ہے؟

تعریف وتنکیر

معرفہ: وہ اسم ہے جو کسی معین (خاص) چیز کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے: خالد، مکہ، مدینہ وغیرہ۔

ملحوظہ: معلوم ہونا چاہیے کہ: مسند الیہ میں تعریف اصل ہے، اومسند میں تنکیر اصل ہے؛ لیکن چند اغراض کی وجہ سے مسند الیہ میں تنکیر اختیار کی جاتی ہے جس کے دواعی آگے مذکور ہے، اور مسند میں تنکیر اصل ہے؛ لیکن افادۂ حصر وغیرہ فوائد کے لیے تعریف کا اُسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ۝﴾[1] [الإخلاص:۱-۲].

معرفہ کی سات قسمیں ہیں: ضمیر، علم، اسم اِشارہ، اسم موصول، معرف باللام، مضاف اِلی المعرفہ اور منادیٰ۔

فصل اوّل: ضمیر

ضمیر: وہ اسم غیر متمکن ہے جو متکلم، مخاطب یا ایسے غائب پر اختصاراً دلالت کرے جس کا ذکر لفظاً، یا معنیً، یا حکماً آچکا ہو۔

مسند الیہ کو ضمیر کی شکل میں معرفہ لائے جانے کے چند اسباب یہ ہیں:

① تَعْيِيْنُ المسْنَدِ إِلَيْه ② كَوْنُ المقَامِ للتَّكَلُّمِ: للإِيْنَاسِ أو الطُّمَانِيْنَةِ؛ ③ كَوْنُ المقَامِ للخِطَابِ، ④ كَوْنُ المقَامِ للغَيْبُوْبَةِ مَعَ الاخْتِصَارِ لتَقْدِيْمِ ذِكْرِهِ.

① **تعیین المسند إلیہ:** مسند الیہ کے متعین ہونے کو واضح کرنے کے لیے، جیسے: ﴿هُوَ الْحَيُّ لَآ إِلٰهَ إِلاَّ هُوَ﴾ [غافر:۶۵].

---

① یہاں پر ﴿أَحَدٌ﴾ کی تنکیر اور ﴿الصَّمَدُ﴾ کی تعریف میں مختلف حکمتیں بیان کی جاتی ہیں، ان میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ: ﴿هُوَ اللّٰهُ﴾ –ایک قول کے مطابق– ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ دونوں ترکیبیں مبتدا خبر ہیں اور خبر کی تعریف سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا ہے، اور ﴿أَحَدٌ﴾ کے بغیر ہی ﴿هُوَ اللّٰهُ﴾ میں حصر ہو گیا ہے؛ لہٰذا ﴿أَحَدٌ﴾ مسند اپنی اصل کے مطابق نکیرہ مستعمل ہوا ہے۔ (الاتقان)

② **کون المقام للتکلم:** تکلم کا موقع ہونا، جیسے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ۝﴾ [الحجر:۹]؛ تکلم کے ساتھ اختصار مدنظر ہو، جیسے: ﴿وَإِنَّا لَهُ لَنٰصِحُوْنَ۝﴾① [یوسف:۱۱]

ملحوظہ: جب متکلم اپنے ہی بارے میں کوئی بات بیان کرے تو یہ "مقامِ تکلُّم" کہلاتا ہے، اور جب اپنے سامنے موجود کسی شخص سے بات کرے تو یہ "مقامِ خطاب" کہلاتا ہے، اور اگر کسی غائب کے بارے میں گفتگو کرے تو یہ "مقامِ غیبوبت" کہلاتا ہے، جس میں اس غائب کا تذکرہ لفظاً یا حکماً پہلے ہونا ضروری ہوتا ہے یا پھر کسی قرینے (سیاق وسباق یا احوال) سے اس غائب کا علم ہوجائے۔ (علم المعانی)

تکلم کی ضمیر لانے کی دو اغراضِ مجازیہ ہیں: الإِيْنَاسُ، الطُّمَانِيْنَةُ.

① **اِیناس:** مخاطب کو مانوس کرنے کے لیے ضمیر متکلم کو لایا جاتا ہے، جیسے ﴿فَلَمَّآ أَتٰهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى، إِنِّيْٓ أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ، إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى۝ وَ"أَنَا" اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى۝﴾② [طٰهٰ: ۱۱-۱۳]

---

① (اے مشرکین! تمہارا استہزاء وتعنُّت اور حاملِ قرآن کی طرف جنون کی نسبت کرنا، قرآن اور حاملِ قرآن پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوسکتا؛ یاد رکھو! (اس قرآن کو اتارنے والے ہم ہیں (قیامت تک) اس کی (تحریفِ لفظی ومعنوی ہر طرح سے) حفاظت کرنے والے ہم ہیں، زبان کی فصاحت وبلاغت اور علم وحکمت کی موشگافیاں کتنی ہی ترقی کر جائیں، پر قرآن کی صوری ومعنوی اعجاز میں اصلاً ضعف وانحطاط محسوس نہ ہوگا؛ لہٰذا مؤمنین کو بھی مطمئن رہنا چاہیے۔

اسی طرح اُنسیت اور مہربانی کے مقام میں ضمیرِ تکلم سے خطاب فرماتے ہوئے فرمایا: ﴿فَلَمَّآ أَتٰهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى⑪ إِنِّيْٓ أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى⑫ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى⑬ إِنَّنِيْٓ أَنَا اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ⑭﴾ [طٰهٰ:۱۱، ۱۴] چناں چہ جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو انھیں ندا دی گئی کہ: اے موسیٰ! یقین سے جان لو کہ میں ہی تمہارا رب ہوں، اب تم اپنے جوتے اُتار دو! تم اس وقت طویٰ کی مقدس وادی میں ہو، اور میں نے تمھیں (نبوت کے لیے) منتخب کیا ہے؛ لہٰذا جو بات وحی کے ذریعے کہی جارہی ہے اسے غور سے سنو! حقیقت یہ ہے کہ: میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے؛ اس لیے میری عبادت کرو! اور مجھے یاد رکھنے کے لیے نماز قائم کرو! (علم المعانی)

آیت ثانیہ: اِخوانِ یوسف نے تمام بھائیوں کا نام لینے کے بجائے ﴿إنا﴾ ضمیر کی صورت میں اختصاراً بیان فرمالیا۔

② اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلی مرتبہ پکارا تھا؛ معلوم ہوا کہ: یہ مقام مانوس کرنے کا تھا؛

② **طُمانِینت**: مخاطب کو اِطمینان وبھروسہ دینے کے لیے ضمیرِ تکلم کو ذکر کرنا، جیسے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ۝﴾ [الحجر:٩]؛ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: "أَنَا" النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، "أَنَا" ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ①.

③ **كون المقام للخطاب**: خطاب کا مَوقع ہونا، جیسے: ﴿وَلَوْ تَرٰى إِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَأُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ۝﴾② [سبا: ٥١]

ملحوظہ: عموماً متکلم معین مخاطب سے بات کرتا ہے؛ لیکن کبھی مستقبل میں آنے والے ہر مخاطب بننے کی صلاحیت رکھنے والے کو ملحوظ رکھتے ہوئے عام خطاب کرنا، جیسے ﴿وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا۝﴾ [الدھر:٢٠]؛ اور آپ ﷺ کا فرمان: "يَخْرُجُ (أَيْ:الدَّجَّالُ) مَا بَيْنَ الشَّامِ وَالعِرَاقِ، فَعَاثَ يَمِيْنًا وَشِمَالًا؛ يَا عِبَادَ اللهِ! اُثْبُتُوْا.③ [الجامع الترمذي]

④ **كون المقام للغيبة مع الاختصار لتقديم ذكره**: مقامِ غیبوبت میں (مرجع کے مذکور ہونے کی حالت میں) اختصار ملحوظ ہو جیسے: ﴿فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ

⊃ لہٰذا ضمیرِ تکلم ﴿أَنَا﴾ سے تعبیر فرمائی۔ (علم المعانی)

① یہاں نزولِ قرآن اور اس کی حفاظت کے بابت مؤمنین کے دلوں میں اعتماد وبھروسہ رکھوانے کے لیے ضمیرِ تکلم ﴿إِنَّا﴾ کا اسلوب اختیار کیا؛ نیز حدیثِ رسول اللہ ﷺ میں نبی ہوں، یہ کوئی خلاف واقع بات نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں؛ چونکہ کفار میں یہ بات مشہور تھی کہ: عبدالمطلب کی اولاد میں ایک شخص پیدا ہوگا جس سے لوگوں کو ہدایت ہوگی اور وہ خاتم النبیین ہوں گے، اس وجہ سے آپ ﷺ نے کفار کو یہ مشہور چیز یاد دلائی؛ یعنی: اللہ کی مدد ضرور آئے گی! آپ حضرات بالکل مطمئن رہیں۔ (بخاری، شمائل ترمذی)

② (اے پیغمبر! تمھیں اُن کی حالت عجیب وغریب نظر آئے گی) اگر تم وہ منظر دیکھو، جب یہ گھبرائے پھرتے ہوں گے! اور بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا، اور انھیں قریب ہی سے پکڑ لیا جائے گا۔ (علم المعانی)

③ مثالِ اول: (جنت کا حال کیا کہا جائے!) جب تم وہ (ایک ادنیٰ درجے کے جنتی کو نصیب ہونے والی) جگہ دیکھو گے تو تمہیں نعمتوں کا ایک جہاں اور ایک بڑی سلطنت نظر آئے گی! یہ بات اِس قدر واضح ہوگی جو کسی سے مخفی نہ ہوگی کہ کسی مخصوص کو نظر آئے اور دوسرے کو نہیں! لہٰذا خطاب میں عمومیت ہے۔ مثالِ ثانی: قربِ قیامت میں دجال سے مقابلہ کرنے والے (مستقبل میں آنے والے) مسلمانوں سے آپ ﷺ نے خطاب فرماتے ہوئے اِرشاد فرمایا: "اے اللہ کے بندو! جم جاؤ! ڈٹ کر اِس کا مقابلہ کرو!"۔ (ترمذی، فی فتنۃ الدجال)

اللّٰهُ بَيْنَنَا، "وَهُوَ" خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ۝﴾① [الأعراف:۸۷].

ملحوظہ: یہاں ایک قاعدہ ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے کہ: "أَسْمَاءُ الظَّوَاهِرِ كُلُّهَا غُيَّبٌ"، اسم ظاہر کو غائب کے درجے میں رکھا جاتا ہے اگرچہ وہ خود موجود ہی کیوں نہ ہو، جیسے ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ "رَفَعَ" السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾② [الرعد:۲].

فصل ثانی: علَم

علَم: وہ اسم ہے جو کسی معین چیز کے لیے وضع کیا گیا ہو اور اس وضع میں وہ کسی دوسرے کو شامل نہ ہو، جیسے: ﴿"مُحَمَّدٌ" رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾③ [الفتح:۲۹].

فائدہ: سامع کے ذہن میں مسند الیہ کے مدلول کو معین ومشخص صورت میں لانے کا تقاضہ ہو تو مدلول کے خاص نام (علَم) کو ذکر کیا جاتا ہے، جیسے ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۝ "اَللّٰهُ" الصَّمَدُ۝﴾④ [الإخلاص:۱-۲]

---

① (اگر تم نے میرے لائے ہوئے دین کے بارے میں اختلاف ہی کی ٹھان رکھی ہے اور اسے تم متفقہ طور پر قبول نہیں کرتے) تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ رب العالمین ہمارے درمیان فیصلہ کرے، وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔
یہاں پہلے لفظ اللہ کا ذکر ہو چکا ہے اور قاعدہ ہے "اَسْمَاء الظَّوَاهِرِ كُلُّها غُيَّبٌ"، اس کے پیش نظر ضمیر غائب راجع فرمائی ہے۔(علم المعانی) ;ومنه قوله تعالیٰ: ﴿اِعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾[المائدة:۸]، أي: العَدْل المفْهوم مِن قوْله: ﴿اِعْدِلُوْا﴾، وقوله عز وعلا: ﴿وَإِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ أَزْكٰى لَكُمْ﴾ [النور: ۲۸]، أي: الرجوع المفهوم من قوله: فارجِعُوا (علم المعانی)

② دیکھیے! باری تعالیٰ تو ہر جگہ ہر آن موجود ہے پھر بھی اسم ظاہر ہونے کی بناء ﴿رَفَعَ﴾ میں باری تعالیٰ کی طرف ضمیر غائب کو راجع فرمایا۔

③ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؛ دیکھیے! جب آپ ﷺ کے لیے وصفِ رسالت کے اثبات کا موقع آیا تو باری تعالیٰ نے آپ کے مخصوص نام "محمد" کو ذکر فرمایا، نہ کسی اور صفت کو؛ تاکہ آپ کی رسالت پر شہادت پختہ ہو جائے۔

④ (جو لوگ اللہ کی نسبت پوچھتے ہیں کہ: وہ کیسا ہے؟) آپ کہہ دو! بات یہ ہے کہ اللہ (ذات وصفات) ہر لحاظ سے ایک ہے؛ چوں کہ یہ مقام بے دین لوگوں پر رد کا ہے اور ان کے سامنے توحیدِ الٰہی کو واضح کرنے کا ہے؛ لہٰذا ذات باری کی مخصوص نام سے تذکرہ زیادہ موزوں اور مناسب تھا، اس وجہ سے لفظ ﴿اَللّٰهُ﴾ کو ذکر کیا گیا۔

مسند الیہ کو علم کی شکل میں معرفہ لائے جانے کے چند اسباب یہ ہیں:

إحْضَار المعْنیٰ فِي ذِهْن السَّامِع بِاسْمِه الخَاصِّ، التَّعْظِيْم، الإهَانَة والتَّحْقِير، الاسْتِلْذَاذ، لبَيَان الاخْتِصَاص.

① **إحضار المعنى في ذهن السامع باسمه الخاص**: مسند الیہ کو اس کے خاص نام کے ساتھ مخاطب کے ذہن میں مستحضر کرنا مقصود ہو، تاکہ وہ دوسروں سے ممتاز ہو جائے، جیسے: ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ "إِبْرٰهِيْمُ" الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ "وَإِسْمٰعِيْلُ"﴾① [البقرة:۱۲۷]۔

② **التعظيم**: عظمت ظاہر کرنا مقصود ہو جب کہ وہ مدح، کنیت یا لقب پر مشتمل ہو اور اس میں عظمت کا معنی پایا جاتا ہو، جیسے: ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلاًّ لِّبَنِيْ إِسْرَآءِيْلَ إِلاَّ مَا حَرَّمَ إِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰةُ﴾ [آل عمران:۹۳]؛ ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾② [الفتح:۲۹]۔

③ **الإهانة والتحقير**: حقارت ظاہر کرنا مقصود ہو جب کہ اس میں حقارت کا معنی پایا جاتا ہو، جیسے: ﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ○﴾③ [أبي لهب:۱]۔

---

① اور جب ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے۔ یہاں ابراہیم واسماعیل مسند الیہ کو خاص نام سے ذکر کیا ہے، تاکہ دیگر حضرات سے ممتاز ہو جائیں۔

② مثالِ اول: بنی اسرائیل کے لیے سب چیزیں حلال تھیں مگر وہ چیز (اونٹ کا گوشت اور دودھ) جو اسرائیل (اللہ کے بندے یعقوبؑ) نے تورات کے نزول سے پہلے (عرق النساء بیماری کی وجہ سے بطور نذر) اپنے اوپر حرام کر لی تھی۔ یہاں ﴿إِسْرَآءِيْل﴾ بمعنی: عبد اللہ، حضرت یعقوب کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے استعمال فرمایا ہے۔ مثالِ ثانی: اس میں باری تعالی نے محمد ﷺ عظمتِ شان کو بیان کیا ہے کہ: محمد ﷺ (جن کی تعریف اللہ سبحانہ وتعالی اور ملائکہ کرتے ہیں وہ) تو اللہ کے رسول ہیں؛ چاہے تم مانو، یا نہ مانو!

③ ابولہب (انگاروالا) کے دونوں ہاتھ ٹوٹ چکے؛ ابولہب کا نام عبد العزی بن عبد المطلب ہے، آنحضرت ﷺ کا چچا تھا؛ لیکن اپنے کفر وشقاوت کی وجہ حضور ﷺ کا شدید ترین دشمن تھا؛ اس کے ہاتھ ٹوٹ چکے، یعنی: اس کی سرداری ہمیشہ کے لیے مٹ گئی، اس کے اعمال اکارت ہوئے، اس کا زور ٹوٹ گیا اور خود تباہی کے گڑھے میں پہنچ چکا۔ اس آیت میں یہ کنایہ ہے کہ: ابولہب انگاروالی جہنم میں جائے گا۔

④ **استلذاذ:** لذت حاصل کرنا ہو جب کہ وہ قابلِ لذت ہو، جیسے: قَالَتِ العَاشِرةُ: زَوْجِيْ مَالِكٌ، وَمَا مَالِكٌ! "مَالِكٌ" خَيْرٌ مِنْ ذٰلِكَ①۔

⑤ **بیانِ اختصاص:** معین ذات کے ساتھ مخصوص امر کو ذکر کرتے ہوئے اس معین ذات کو بصورتِ علم تعبیر کرنا، جیسے:﴿"اَللّٰهُ" الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ [الرعد:۲]؛ ﴿اَللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾② [الأنعام: ۱۲٤]۔

فصل ثالث: اسمِ اشارہ

اسم اشارہ: وہ اسمِ غیر متمکن ہے جو کسی محسوس چیز کی طرف اِشارہ کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہو؛ اسی طرح جب کسی چیز کو مکمل ممتاز کرنا مقصود ہو تو اسمِ اشارہ سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے: ﴿إِنَّ "هٰذَا" الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ﴾③ [بني إسرائيل:۹]۔

ملحوظہ: جب مسند الیہ کی تعظیم یا تحقیر واہانت مقصود ہو تو اس وقت کنیتوں اور اچھے برے القاب کو ذکر کیا جاتا ہے، چوں کہ عربی النسل لوگ طبعی طور پر القاب مذمومہ سے نفرت کرتے ہیں، ان کی طرف نسبت کو ناپسند کرتے ہیں؛ اور اچھے القاب کو قبول کرتے ہیں، ان کی طرف نسبت کو پسند کرتے ہیں اس لیے القاب محمودہ میں ابوالخیر، ابوالمعالی وغیرہ کہتے ہیں، اور القاب مذمومہ میں ابوالجہل، آنف الناقۃ وغیرہ لاتے ہیں۔ (علم المعانی)

① حدیثِ اُمِّ زرع میں دسویں عورت نے کہا تھا: "میرا شوہر مالک ہے، مالک کے کیا کہنے! مالک تو ان تمام عورتوں کے شوہروں سے بہتر ہے (جن کا ذکر اب تک ہوا ہے)"؛ یہاں تیسری جگہ مالک کا تذکرہ کرنا برائے استلذاذ ہے۔ (شمائل ترمذی)

② آیتِ اولیٰ: اللہ کی ذات وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے قائم رکھا ہے؛ دیکھیے: آسمانوں کو بلند کرنا، صرف اسی کی طرف منسوب ہے؛ لہٰذا لفظ اللہ کو بصورتِ علم ذکر کیا۔ (علم المعانی)۔ آیتِ ثانیہ: اور جب اہلِ مکہ کے پاس (قرآن کی) کوئی آیت آتی ہے تو یہ کہتے ہیں: ہم اس وقت تک ہر گز ایمان نہیں لائیں گے جب تک اُس (پیغمبری) جیسی چیز خود ہمیں نہ دے دی جائے جیسی اللہ کے پیغمبروں کو دی گئی تھی؛ حالاں کہ "اللہ تعالیٰ کی ذات ہی بہتر جانتی ہے کہ وہ اپنی پیغمبری کس کو سپرد کرے"۔ دیکھیے! رسول کی تعیین کرنا صرف اُسی کی طرف منسوب ہے۔

③ بے شک یہ قرآن وہ راہ بتلاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔ یعنی: یوں تو توراۃ بھی بنی اسرائیل کو راہ بتلانے والی تھی جیسا کہ فرمایا ہے ﴿هُدًى لِّبَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ﴾؛ لیکن یہ قرآن ساری دنیا کو سب سے زیادہ اچھی سیدھی اور مضبوط راہ بتلاتا ہے۔ تمام قویم راہیں اس "أَقْوَمُ" کے تحت مندرج ہوگئیں؛ دیکھیے! قرآنِ مجید کو مکمل ممتاز کرنے کے لیے اِشارہ قریب کا اُسلوب اختیار فرمایا۔

مسند الیہ کو اسم اشارہ کی شکل میں معرفہ لائے جانے کے چند اسباب یہ ہیں:

تَعَيَّن طَرِيْقا لإحْضَار مَعْنَاه، لمعْنىً تُسْتَفَاد بالقَرِيْنَة كَالقُرْب، لبُعْدِ المرْتَبَة، للتَّعْظِيْم، للتَّحْقِيْر، لِكَمَال العِنَايَة بِهِ، لإظْهَار الاسْتِغْرَاب، التَّعْرِيْض بغَبَاوَة السَّامِع، تَمْيِيْز المسْنَد إلَيْه أكْمَل تَمْيِيْز، تَجْسِيْد المعْنَوِيَّات فِي صُوْرَة مَحْسُوْسَة، تَلْخِيْص الكَلَام.

① **تعین طریقا لإحضار معناه:** سامع کے ذہن میں مشار الیہ کا معنیٰ حاضر کرنے اور اس کا تصوّر جمانے کے لیے اِشارہ کا طریقہ متعین ہو، مثلاً: جب مشار الیہ کا نام یا صفت سے ناواقفیت ہو، جیسے ﴿ءَأَنْتَ فَعَلْتَ "هٰذَا" بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ۝﴾ [الأنبياء:٦٢]؛ ﴿يٰبُشْرٰى "هٰذَا" غُلٰمٌ﴾[1] [يوسف:١٩].

② **لمعنىً تُستَفاد بالقرينة كالقرب:** مشار الیہ کے قرب، بعد اور توسط کے حال کو بیان کرنا، جیسے: ﴿قَالَ أَنَا يُوْسُفُ وَ"هٰذَآ" أَخِيْ﴾ [يوسف:٩٠]؛ ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا۝﴾[2] [مريم: ٦٣].

③ **بُعدِ مرتبت:** اسمِ اشارہ بعید کو کبھی بعد مرتبت اور علوّ مکان کے لیے بھی استعمال فرماتے ہیں، جیسے: ﴿الٓمّٓ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾[3] [البقرة:١-٢].

---

① آیت اولیٰ: کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ تُو نے یہ برتاؤ کیا ہے؟ تفصیل انشائے طلبی میں استفہام کے تحت "تقریر" کے ضمن میں ملاحظہ فرمالیں۔ آیتِ ثانیہ: جب قافلے والوں میں سے ایک شخص نے اپنا ڈول کنویں میں ڈالا تو وہ (یوسف علیہ السلام کو) دیکھ کر (بے ساختہ) پکار اُٹھا: لو خوش خبری سنو! یہ تو ایک لڑکا ہے؛ دیکھیے: ڈول ڈالنے والا یوسف علیہ السلام کے نام سے ناواقف تھا؛ لہٰذا اس نے اشارہ کا اسلوب اختیار فرمایا۔

② آیتِ اولیٰ: (جب بھائیوں کو یہ احتمال پیدا ہوا کہ یہی یوسف ہیں،) تو وہ بول اُٹھے: ارے کیا تم ہی یوسف ہو؟ یوسف علیہ السلام نے کہا: ہاں! میں یوسف ہوں، اور یہ (میرے قریب مَوجود) میرا بھائی ہے۔ آیتِ ثانیہ: یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو متقی ہو؛ دیکھیے! یہاں جنت کے بُعد کو (تلک) سے تعبیر فرمایا۔ اس آیت میں شاید لفظ میراث اس لیے اختیار فرمایا ہو کہ وہ اَقسام تملیک میں یہ سب سے زیادہ اتم واحکم قسم ہے، جس میں نہ فسخ کا احتمال، نہ لوٹائے جانے کا، نہ ابطال واقالہ کا۔ (فوائد علم المعانی) ←

④ **التعظیم**: مشارٌ الیہ کی عظمت وجلالتِ شان کو بیان کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ﴾ [بني إسرائيل:۹]؛ ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾[1] [مريم: ٦٣].

⑤ **التحقیر**: مشارالیہ کی حقارت ودَناءت ظاہر کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿وَمَا "هٰذِهِ" الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ إِلاَّ لَهْوٌ وَّلَعِبٌ، وَإِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ، لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ [العنكبوت:٦٤]؛ ﴿أَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَـ"ذٰلِكَ" الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ﴾[2] [الماعون:١-٢]

ملحوظہ: یادرہے کہ اسم اشارہ قریب کے ذریعے دومتضاد امور کی طرف اشارہ ہوتا ہے: کہیں پر مشارالیہ کی تحقیر، ہلکا پن اوراس کے گھٹیا پن کی طرف اِشارہ ہوتا ہے تو کہیں مشارالیہ کے

⬅ ③ ترجمہ: الٓمٓ، یہ ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں!۔

① آیتِ اولیٰ: حقیقت یہ ہے کہ یہ (قیامت تک ساری دنیا کو ہدایت دینے والا) قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب (کتبِ سماویہ کی راہوں) سے زیادہ سیدھا ہے۔ یعنی یوں تو "تورات" بھی ﴿هُدًى لِّبَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ﴾ تھی؛ لیکن یہ قرآن ساری دنیا کو سب سے زیادہ اچھی، سیدھی اور مضبوط راہ بتلاتا ہے، تمام "قویم راہیں" اس ﴿أَقْوَمُ﴾ کے تحت میں مندرج ہوگئیں؛ لہٰذا اگر کامیابی اور نجات چاہتے ہو تو خاتم الانبیاء کی پیروی میں اسی سیدھی سڑک پر چلو! یہاں ہادی (قرآن) کو اسم اشارہ کے ذریعے بالکل قریب ہی بتلایا ہے، اور ہادی جتنا قریب ہوتا ہے اتنا ہی کامیاب ہوتا ہے۔

آیتِ ثانیہ: اللہ تعالیٰ جناتِ عدن کا تذکرہ فرما کر ارشاد فرماتے ہیں: یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو متقی ہو؛ یہاں اسمِ اشارہ بعید (تلک) برائے تعظیم ہے۔

② آیتِ اولیٰ: اور یہ (چند روزہ) دنیوی زندگی کھیل کود کے سوا کچھ بھی نہیں! اور حقیقت یہ ہے کہ دارِ آخرت (اور اس کی لامحدود زندگی) ہی اصل زندگی ہے، اگر یہ لوگ جانتے ہوتے۔ یعنی: یہ دنیا انتہائی درجہ حقیر اور گھٹیا ہے! مؤمن کو اس میں دل نہ لگانا چاہیے۔ یہاں دنیا کی دنائت اوراس کے گھٹیا پن کو تعبیر کرنے کے لیے (ہٰذہ) اسمِ اشارہ برائے قریب کو استعمال فرمایا۔

آیتِ ثانیہ: کیا تو نے اس آدمی کو دیکھا جو جزا وسزا (یا بقولِ بعض: دین وملت) کو جھٹلاتا ہے اور یتیم کو (اس کے ساتھ غم خواری وہم دردی کرنے کے بجائے) دھکے دیتا ہے۔ یہاں مکذِّب اور یتیم کو دھکا دینے والے کی تحقیر ظاہر کرنے کے لیے اس کو اسمِ اشارہ بعید سے تعبیر فرمایا (علم المعانی)

غایتِ قرب کو بتلا کر یہ واضح کیا جاتا ہے کہ اس سے فائدہ اٹھانا اور راہنمائی حاصل کرنا نہایت آسان ہے، جیسے: تعظیم وتحقیر دونوں کی مثالوں سے واضح ہے۔ ایسا ہی حال اسم اشارہ بعید میں بھی ہے، جیسے:﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ "فَأُولٰئِكَ" هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ "فَأُولٰئِكَ" الَّذِيْنَ خَسِرُوْا أَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ۝﴾① [المؤمنون: ۱۰۲- ۱۰۳]

⑥ **كمال العناية به:** مشارٌ الیہ کی طرف دوسروں کو مکمل طور پر متوجّہ کرنا اور اس کو ہم جنسوں سے ممتاز و نمایاں کرنا مقصود ہو، جیسے فرزدق کا شعر:

هٰذَا الَّذِيْ تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَه ۞ وَالْبَيْتُ يَعْرِفُه وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ②

⑦ **إظهار الاستغراب:** یعنی کسی شیٔ کو اس کے انوکھا و نادر ہونے کو ظاہر کرنے کے لیے اسم اشارہ کی صورت میں لانا، جیسے:

كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ أَعْيَتْ مَذَاهِبُهٗ ۞ وَجَاهِلٍ جَاهِلٍ تَلْقَاهُ مَرْزُوْقًا

هٰذَا الَّذِيْ تَرَكَ الْأَوْهَامَ حَائِرَةً ۞ وَصَيَّرَ الْعَالِمَ النِّحْرِيْرَ زِنْدِيْقًا③

⑧ **تعريض بغباوت السامع:** سامع کی غباوت کی طرف اشارہ کرنا، کہ اس کے سامنے مسند الیہ اِشارہ حسیہ ہی سے ممتاز ہوگا، جیسے:﴿"هٰذَا" خَلْقُ اللّٰهِ، فَأَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ

---

① اس جگہ اول اسم اشارہ برائے تعظیم ہے، اور ثانی برائے تحقیر ہے(علم المعانی)

② "یہ (حضرت زین العابدین علی بن حسین کی) وہ شخصیت ہے جن کے نشانِ قدم کو ارض بطحاء (مکہ مکرمہ کی سر زمین) پہچانتی ہے، اور بیت اللہ اور حل وحرم انھیں جانتے ہیں"؛ دیکھیے! فرزدق شاعر نے امام رضی اللہ عنہ کے لیے اسم اِشارہ قریب استعمال فرما کر بتلایا کہ: حضرت تو ذات کے اعتبار سے بڑی شان والے ہیں، اور عالی نسب سے ان کا تعلق ہے؛ اسی وجہ سے وہ لوگوں سے بہت زیادہ قریب بھی ہیں؛ یہاں شاعر نے اسمِ اشارہ لاکر دوسروں کو بھی حضرت کی طرف متوجہ کیا ہے۔(علم المعانی)

③ ترجمہ: کتنے ہی عقلمند ایسے ہیں کہ ان کو کسبِ معاش کے طریقوں نے پریشان کر رکھا ہے اور کتنے ہی نرے جاہلوں کو اے مخاطب تو خوش عیش اور تونگر دیکھے گا، اسی چیز نے تو عقلوں کو چکر میں ڈال دیا ہے اور عالم باکمال کو کافر بنا دیا ہے؛ اس دوسرے شعر میں لفظِ "ھذا" کا استعمال کرنے کی غرض نُدرت اور غرابت کا اظہار کرنا ہے۔

الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾① [لقمٰن:۱۱]

⑨ **تمییز المسند إلیه أكمل تمییز:** سامع کے ذہن میں مسند الیہ کو کامل طور پر ممتاز کرنے کے لیے اسم اشارہ کو لایا جاتا ہے، جیسے ﴿إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ﴾② [بني اسرائیل:۹].

⑩ **تجسید المعنویات في صورة محسوسة:** امورِ معنویہ کو امورِ محسوسہ کی صورت میں پیش کرنے کے لیے بھی اسم اِشارہ کو لایا جاتا ہے، جیسے ﴿يُقَلِّبُ اللّٰهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ، إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ۝﴾③ [النور: ٤٤].

ملحوظہ: کبھی کسی چیز کے متعدد صفات ذکر کرنے کے بعد اسم اشارہ لاکر یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ: وہ چیز مذکورہ متعدد صفات کی وجہ سے اس لائق ہے کہ اس کو اسم اشارہ کے بعد ذکر کیا جائے،

---

① یعنی بغیر ستونوں کے آسمانوں کو پیدا کرنا، زمین میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دینا، زمین سے ہر قسم کی پُر رونق خوش منظر اور نفیس وکار آمد درخت زمین سے اُگانا؛ "یہ سب کچھ" اللہ کا بنایا ہوا ہے، اب ذرا مجھکو دِکھاؤ کہ: اس کے سوا اَوروں نے کیا بنایا؟

② یعنی: حقیقت یہ ہے کہ: یہ قرآن وہ راستہ دِکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے؛ دیکھیے! یہاں مسند الیہ (قرآن مجید) کو مکمل طور پر ممتاز کرنے کے لیے اسمِ اشارہ کو ذکر کیا گیا جو أعرف المعارف ہے؛ نیز اسم اشارہ قریب لاکر یہ بتلایا کہ: اس کتابِ ھدایت سے فائدہ اُٹھانا اور ھدایت پانا نہایت قریب (آسان) ہے۔

ملحوظہ: یہ مقصد اس جگہ ہوتا ہے جہاں مشار الیہ پر ایسا حکم لگانا مقصود ہو جس حکم کا اظہار مرغوب ہو اور حکم میں زیادتی تاکید مطلوب ہو، اس بنا پر آیت کریمہ میں "إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ" کے بجائے مذکورہ اسلوب اختیار فرمایا۔ (اتقان، علم المعانی)

③ ترجمہ: وہی اللہ رات اور دن کا اُلٹ پھیر کرتا ہے، یقیناً ان سب باتوں (رات دن کے اُلٹ پھیر، ان کو گھٹانے بڑھانے اور سردی وگرمی کو ایک دوسرے سے بدلنے) میں ان لوگوں کے لیے نصیحت کا سامان ہے جن کے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہیں۔ یہاں اسم اشارہ کے ذریعے معنوی چیز (رات ودن کا اُلٹ پھیر) کو محسوس صورت میں پیش کیا ہے؛ ہاں! اسم اشارہ بعید لاکر یہ بھی اشارہ فرمایا کہ: یہ وہ نصیحت ہے جس کو صرف مؤمنین ہی حاصل کرتے ہیں۔ اسی قبیل سے ہے باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿قَالَ لَا يَأْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيْلِهٖ قَبْلَ أَنْ يَّأْتِيَكُمَا، "ذٰلِكُمَا" (أي: عِلْمُ التَّأْوِيْلِ) مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ﴾ [یوسف:۳۷].

جیسے: ﴿أُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[1] [البقرة: ٥].

⑪ **تلخيص الكلام**: متکلم کئی جملوں کا اِعادہ کرنے؛ بلکہ بسا اوقات پورے صفحے کے مضمون کا اِعادہ کرنے کے بجائے اس مضمون کو اختصاراً اسمِ اشارہ کے ذریعے سمیٹ لے، جیسے: ﴿ذٰلِكَ مِمَّآ أَوْحٰى إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ﴾[2] [بني اسرآءيل:٣٩].

فصلِ رابع: اسمِ موصول

اسم موصول: وہ اسمِ غیر متمکن ہے جو بغیر صلے کے جملے کا جز نہ بن سکے، جیسے: الذِي، التِي؛ اور مسند الیہ وغیرہ کو اسمِ موصول کی صورت میں معرفہ اس وقت لایا جائے گا جب کہ متکلم ومخاطب دونوں صلہ کے بابت جانکاری رکھتے ہوں۔

مسند الیہ کو اسمِ موصول کی صورت میں معرفہ لائے جانے کے چند اسباب یہ ہیں:

تَعَيَّن طَرِيْقًا لِإحْضَار مَعْنَاه، عَدَم العِلْمِ عَنْ أَمْرِهِ سِوَى الصِّلَة، التَّفْخِيْم، التَّهْوِيْل، قَصْدُ الهِدَايَة، التَّوْبِيْخ، إخْفَاء الأَمْرِ عَن غَيْرِ المخَاطَب، التَّنْبِيْه عَلَى الخَطَأ، التَّهَكُّم، الكَرَاهِيَة، زِيَادَة التَّقْرِيْر والإِيْضَاح، التَّعْلِيْل (الإِيْمَاء إلى وَجْه الخَبَر)،

① ترجمہ: یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں؛ اس آیت سے قبل متقیوں کے ایمان بالغیب کا تذکرہ کیا جو قلبی اطاعت ہے، پھر اِقامت صلاۃ کا ذکر کیا جو بدنی عبادت ہے، پھر اِیتاءِ زکوۃ کا ذکر فرمایا جو مالی عبادت ہے؛ گویا ان لوگوں نے اللہ کا، لوگوں (فقراء) کا اور دیگر انبیاء کا حق ادا کیا ہے؛ چناں چہ وہ اس لائق ہیں کہ ان کو ہدایت اور کامیابی کا مژدہ سنایا جائے۔ اسی قبیل سے یہ آیات بھی ہیں: ﴿أُولٰئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ⑩﴾ [المؤمنون: ١٠]، ﴿أُولٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ⑳﴾ [البقرة: ٢٧]۔ (علم المعانی)

② یعنی اوپر جو پُر مغز اور بیش بہا نصیحتیں کی گئیں ﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللهِ إِلٰهًا اٰخَرَ۔۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ۔۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى۔۔ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً وَلَا تَبْسُطْهَا۔ لَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكُمْ۔۔ وَلَا تَقْرَبُوْا الزِّنٰى۔۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ۔۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ۔۔ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ۔۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ۔۔ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا﴾ یہ تمام علم وحکمت اور تہذیبِ اخلاق کی باتیں ہیں، جنھیں عقل سلیم قبول کرتی ہے اور جو وحی کے ضمن میں نبی امی ﷺ کی طرف بلا واسطہ اور امتِ امیہ کی طرف بواسطۂ حضور ﷺ بھیجی گئیں۔ دیکھیے ایک اسمِ اشارہ میں کس قدر نصائح کو سمیٹ لیا گیا ہے؛ یہ اسلوب بھی کلامِ الٰہی کے اسالیبِ عالیہ میں سے ایک اسلوب ہے۔ اللّٰھُمَّ ارزقنا تلاوته وحلاوته! (علم المعانی)

إِرَادَة العُمُوْم، الاخْتِصَار.

① **تعيّن طريقا لإحضار معناه:** سامع کے ذہن میں اس کا معنیٰ حاضر کرنے اور تصور جمانے کے لیے یہی ایک طریقہ متعین ہوجائے، جیسے جنت کی نعمتوں کے بارے میں حدیث قُدسی ہے: "أَعَدْتُّ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ "مَا" لا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلاخَطَرَعَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ"①. [مسلم]

② **عدم العلم عن أمره سوى الصلة:** مخاطب کو مسند الیہ کے صلہ کے علاوہ خاص احوال کا علم نہ ہو، جیسے: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى، أُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ۝﴾② [الأنبياء:۱۰۱].

③ **تفخيم:** کسی چیز کی قدر ومنزلت بڑھانے کے لیے اسمِ موصول کو ذکر کرنا، جیسے: ﴿إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ "مَا" يَغْشٰى۝﴾③ [النجم: ۱۶].

④ **تهويل تعظيماً أوتحقيراً:** کسی چیز کی عظمت یا حقارت کے اعتبار سے

① دیکھیے! محدود سوچ رکھنے والے انسان کے دل ودماغ میں جنت کی لامحدود وغیر متصور نعمتوں کا کسی حد تک تصوُّر جمانے کے لیے "مَا لا عَيْنٌ رَأَتْ..." کا اُسلوب اختیار فرمایا ہے، اور واقعی اس کے لیے یہی ایک طریقہ متعین معلوم ہوتا ہے۔ (مسلم شریف، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا)

② جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے بھلائی پہلے سے مقدّر (لکھی جاچکی) ہے (یعنی: نیک مؤمن)، اُن کو جہنم سے دور رکھا جائے گا؛ دیکھیے! حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے لوگوں میں سے وہ بے حساب لوگ جنھیں جہنم سے دور رکھ کر جنت میں بھیجا جائے گا؛ اُن لوگوں کے خاص اَحوال (علاقے، زمانے اور شرائع) سے مخاطب ناواقف ہے؛ لہٰذا ﴿الذين سَبَقَتْ لهمْ مِنَّا الحُسنىٰ﴾ کا اُسلوب اختیار فرمایا ہے۔ اس کی ایک بہترین مثال اسی مضمون میں "تنبیہ علی الخطا" میں بھی ہے۔ اسی طرح: الذي كانَ مَعَنا بالأَمْسِ رَجُلٌ صَالِحٌ.

③ ترجمہ: (معراج کے) وقت اُس بیری کے درخت پر وہ چیزیں چھائی ہوئی تھیں جو کچھ اس پر چھائی ہوئی تھیں۔ یہ آیت عربی محاورہ کے مطابق ہے جس کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ اس کے صحیح تأثر کے ساتھ بہت مشکل ہے کہ درخت پر کیا چیزیں چھائی ہوئی تھیں۔ اس کا مطلب آقا ﷺ کی فرمائی ہوئی تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ: اس وقت لاتعداد فرشتے سنہرے پروانوں کی شکل میں آقا ﷺ کی زیارت میں جمع ہوگئے تھے، اور اس کا حسن وجمال ایسا تھا کہ کسی مخلوق کی طاقت نہیں کہ لفظوں میں بیان کرسکے؛ دیکھیے! یہاں ﴿مَا يَغْشىٰ﴾ کے ابہام سے تفخیم پیدا ہوئی ہے۔

سنگینی وہولناکی کو بیان کرنے کے لیے اسم موصول کولایا جاتا ہے، جیسے﴿فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ۝﴾[①] [طٰهٰ: ۷۸].

⑤ **قصد الهدایت:** کبھی متحدث عنہ (جس کے بارے میں گفتگو ہورہی ہے اس) کے نام کو چھپایا جاتا ہے تاکہ متحدث عنہ اور دوسرے لوگ بھی حق وہدایت کی طرف مائل ہوں، جیسے: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ أَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ﴾[②] [نور:۱۹].

⑥ **للتوبیخ:** ڈانٹ ڈپٹ اور اظہارِ ناراضگی کے لیے، جیسے﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ أَرِنَا الَّذَيْنِ أَضَلَّنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ﴾[③] [فصلت:۲۹].

⑦ **إخفاء الأمر عن غير المخاطب:** غیرِ مخاطب سے بات کو پوشیدہ رکھنا ہو، جیسے: ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ "مَآ أَفَضْتُمْ" فِيْهِ عَذَابٌ أَلِيْمٌ۝﴾[④] [النور:۱۴]

---

① عربی محاورے کے مطابق "وہ چیز" کہہ کر اس کے ناقابلِ بیان حد تک خوفناک ہونے کی طرف اشارہ ہے، یعنی: کل تک جو لوگ حکومت وسلطنت پر مغرور تھے ظلم وجور اور جبر وتسلط کے خوگر تھے، کچھ نہ پوچھو کہ سمندر کی موجوں نے ان سب کو کس طرح ہمیشہ کے لیے ڈھانپ دیا۔ دیکھیے! اس آیت میں "مَا" اسم موصول ہے جو بڑائی اور ہولناکی ظاہر کرنے کے لیے لایا گیا ہے کہ: وہ موجیں اتنی بڑی تھیں کہ اُن کی ہولناکی وخوفناکی کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔

② بدکاری پھیلے یا بدکاری کی خبریں پھیلے، یہ چاہنے والے منافقین تھے؛ لیکن منافقین کا تذکرہ کیے بغیر اسم موصول لاکر مؤمنین کو بھی متنبہ فرمادیا کہ: اگر فرض کرو! کسی کے دل میں خطرہ گذرا تو اب چاہیے کہ ایسی مہمل بات کا چرچہ کرتا نہ پھیرے! اگر خواہی نہ خواہی کسی مؤمن کی آبرو ریزی کرے گا وہ خوب سمجھ لے! کہ: اس کی آبرو بھی محفوظ نہ رہے گی۔

③ یعنی کافرین جہنمین کہیں گے: خیر ہم تو آفت میں پھنسے ہیں؛ لیکن آدمیوں اور جنوں میں سے جن شیطانوں نے ہم کو بہکا بہکا کر اس آفت میں گرفتار کیا ہے، ذرا انہیں ہمارے سامنے کردیجیے کہ ان کو ہم اپنے پاؤں تلے روند ڈالیں اور نہایت ذلت وخواری کے ساتھ جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں دھکیل دیں؛ تاکہ انتقام لے کر ہمارا دل کچھ ٹھنڈا ہو۔ اسی طرح: والذي أحسنَ إليكَ أسأتَ إليه! وہ شخص جو تجھ پر احسان کرتا ہے تو اس سے بدسلوکی کرتا ہے!

④ عبد اللہ بن اُبَی بڑا خبیث بدباطن اور دشمنِ رسول تھا، اُسے واقعۂ اِفک کی ایک بات ہاتھ لگ گئی اور بدبخت نے واہی تباہی بکنا شروع کردیا؛ اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی منافقین کی مُغویانہ پروپیگنڈا سے متاثر ہوکر اس قسم کے افسوس ناک تذکرے کرنے لگے، ایک مہینہ تک یہی چرچہ رہا۔

ملحوظہ: کبھی متحدث عنہ کوراہِ راست پر لانے اور حق وہدایت کی طرف مائل کرنے میں رغبت کی وجہ سے اس متحدث عنہ کو اسمِ موصول سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے﴿وَ"مِنَ" النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ﴾① [الحج:٨].

⑧ **التنبیه علی الخطأ:** مخاطب کو غلطی پر متنبہ کرنا ہو، جیسے﴿وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ [النور:١١]؛ ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ﴾ [الأعراف:١٩٤]؛ ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا﴾② [الحج:٧٣].

⑨ **تهكُّم:** اسمِ موصول کے ذریعے کسی کی استہزاء اور تمسخر کا اظہار مقصود ہو، جیسے: ﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ﴾③ [حجر:٦].

⇐ اسی کو یہاں﴿فِيْ مَآ أَفَضْتُمْ﴾ سے تعبیر فرمایا، کہ: جو کچھ مؤمنین مخلصین نے چرچہ کیا تھا غیر مخاطب سے مخفی رکھا اور پیغمبر کے طفیل امت کو معاف فرمادیا۔

① اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑے کرتے ہیں، حالانکہ اُن کے پاس نہ کوئی علم ہے، نہ ھدایت، اور نہ ہی کوئی روشنی دینے والی کتاب؛ یعنی: ایسے واضح دلائل وشواھد سننے کے بعد بھی بعض کج رَو اور ضدی لوگ اللہ کی باتوں میں یوں ہی بے سند جھگڑے کرتے رہتے ہیں، اُن کے پاس نہ کوئی علمِ ضروری ہے، نہ دلیل عقلی وسمعی، محض اَوھام وظنون کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ دیکھیے! یہاں کج رَو اور ضدی لوگوں کو — اُن کے نام یا اَوصاف بیان کیے بغیر — راہِ حق کی طرف مائل کرنا مقصود ہے؛ اِسی لیے تعریضی اُسلوب اختیار فرما کر اُن کو اسمِ موصول سے ذکر فرمایا۔

② آیتِ اولی: یعنی بڑا بوجھ اُٹھانے والا منافقوں کا سردار عبد اللہ بن اُبَی تھا، یہی خبیث لوگوں کو جمع کرتا اور اُبھارتا اور نہایت چالاکی سے دامن بچا کر دوسروں سے اس کی اشاعت کرایا کرتا تھا، سادہ لوگ مؤمنین اس کی ظاہری حالت سے دھوکہ میں پڑے؛ اس غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے آیتِ کریمہ میں﴿وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ﴾ سے اشارہ فرمایا، اور اس غلط فہمی کو دور کیا۔ آیتِ ثانیہ: میں مشرکین کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کی غلطی پر متنبہ کیا ہے(علم المعانی) آیتِ ثالثہ: لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو! تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن جن کو دعا کے لیے پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کرسکتے، چاہے اس کام کے لیے سب کے سب اکٹھے ہوجائیں، اور اگر مکھی ان سے چھین کرلے جائے تو وہ اس سے چھڑا بھی نہیں سکتے؛ ایسا دُعا مانگنے والا بھی بودا ہے اور جس سے دُعا مانگی جارہی ہے وہ بھی بودا ہے۔ یہاں مخاطب کو متنبہ کرنے کے لیے ان معبودانِ باطلہ کی حقیقت کھولی گئی ہے، نیز یہ مثال عدم العلم سوی الصلۃ کی بھی ہوسکتی ہے۔

③ ترجمہ: اے وہ جس پر قرآن نازل کیا گیا تو تو مجنون ہے۔ یہاں موصول وصلہ کے ذکر کرنے سے کفار کی غرض العیاذ باللہ حضرت نبیٔ کریم ﷺ کا استہزاء وتمسخر ہے کہ: آپ ہی بڑے رہ گئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسالت کے لیے منتخب کرلیا۔

⑩ **کراھیت:** نام لینے میں ناگواری محسوس ہو، جیسے ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ، وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا؛ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۝﴾① [لقمٰن:٦]؛ ﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ [يوسف: ٢٣]

⑪ **زيادة التقرير:** کسی چیز کو پختگی کے ساتھ ثابت کرنا، جیسے ﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ﴾② [يوسف: ٢٣]

⑫ **التعليل** (اِیماء اِلی وجہ الخبر) آنے والے انجام کی علت کی طرف اِشارہ کرنے کے لیے بھی اسم موصول کو لایا جاتا ہے، جیسے ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ۝﴾ [المؤمن:٦٠]؛ ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا۝﴾③ [الكهف:١٠٧]

⑬ **إرادة العموم:** مسند الیہ کو کبھی اسمِ موصول کے ذریعے معرفہ لانا عمومیت کی غرض

---

① اور کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ سے غافل کرنے والی باتوں کے خریدار بنتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے بے سمجھے بوجھے اللہ کے راستے سے بھٹکائیں اور اُس کا مذاق اُڑائیں؛ ان لوگوں کو وہ عذاب ہوگا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ یہاں نضر بن حارث کے نام کو تحقیراً چھپایا گیا ہے جو اسی کوشش میں غیر ملکوں کا سفر کرتا تھا۔ نیز آیتِ ثانیہ میں زلیخا کے نام کی تصریح نہیں فرمائی؛ کیوں کہ عورت کا نام لینا معیوب اور ناشائستہ قرار دیا جاتا ہے، لہٰذا قرآن مجید میں سوائے مریم کے کسی عورت کا نام مذکور نہیں؛ اور مریم کا ذکر بھی نصاریٰ کے عقیدہ "عیسیٰ ابن اللہ" کی تردید کے لیے ہے۔

② اور جس عورت (زلیخا) کے گھر میں حضرت یوسف علیہ السلام (ہر وقت) رہتے تھے اس نے ان کو (اسبابِ عیش وعشرت میں نہایت محبت اور پیار سے) ورغلانے اور پھسلانے کی کوشش کی؛ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے —زاہد کے تقویٰ کو پاش پاش کرنے والے اسباب ودواعی اور خلوت کے باوجود— اعراض کرتے ہوئے صرف ایک ﴿مَعَاذَ اللّٰهِ﴾ خدا کی پناہ! کہہ کر اپنے آپ کو شیطانی جال سے بچانے کے لیے اسی قادرِ مطلق سے مدد لی۔ یہاں ﴿الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا﴾ یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کو اچھی طرح ثابت کرتا ہے (علم المعانی)

③ آیتِ اولیٰ: بے شک جو لوگ تکبر کرتے ہیں میری بندگی سے، اب داخل ہوں گے دوزخ میں ذلیل ہو کر۔ گویا تکبر کی بناء پر اللہ کی عبادت سے منہ موڑنا دخولِ جہنم کا سبب ہے؛ یہاں صلہ ﴿يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ﴾ آنے والے انجام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ (علم المعانی) آیتِ ثانیہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے ہیں (اُن کے ایمان واعمال کی بناء پر) ان کی مہمانی کے لیے ٹھنڈی چھاؤں کے باغات ہوں گے۔ یہاں ایمان اور اعمال صالحہ پر جنت الفردوس کا وعدہ ہے؛ لہٰذا اگر یہ علت نہ پائی جائے تو جنت الفردوس میں داخلہ نہ ہوگا۔

سے ہوتا ہے، جیسے:﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾① [العنکبوت:۶۹]۔

⑭ **اختصار**: مسند الیہ یا اس کے علاوہ کو شمار کرنا دشوار ہو تو اسم موصول کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جیسے:﴿لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا...﴾② [الأحزاب:۶۹]

فصل خامس: معرف باللام

معرَّف باللام: وہ اسم ہے جس کو الف لام داخل کر کے معرفہ بنایا گیا ہو، جیسے اَلرَّجُلُ؛ الف لام کے ذریعے معرفہ بنانا دو غرضوں کے لیے ہوتا ہے: ① مدخول کی حقیقت کے افراد میں سے کسی معہود (بین المتکلم والمخاطب) فرد کی طرف اِشارہ کرنا؛ ② مدخول کی حقیقت کی طرف اِشارہ کرنا؛ اول کو "لامِ عہدِ خارجی" اور ثانی کو "لامِ حقیقت" یا "لامِ جنس" کہتے ہیں۔

الف لام کی دو قسمیں ہیں: عہدِ خارجی اور حقیقی۔

① **لامِ عہدِ خارجی**: جس سے متکلم ومخاطب کے درمیان کسی ایک متعین فرد کی طرف اشارہ ہو؛ جس کے مدخول کا ذکر کلام میں پہلے صراحتاً ہوا ہو، یا کنایتاً ہوا ہو، یا پھر نہ صراحتاً ہوا ہو اور نہ ہی کنایتاً ہو۔

اس کی تین قسمیں قرآن میں مستعمل ہیں: ① صریحی، ② کنائی، ③ علمی۔

۱- **لامِ عہدِ خارجی صریحی**: وہ لام ہے جس کے مدخول کا تذکرہ صراحتاً کلام میں پہلے گذر چکا ہو، جیسے:﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ،

---

① یعنی جو لوگ (بھی) اللہ کے واسطے محنت اٹھاتے اور سختیاں جھیلتے ہیں اور طرح طرح کے مجاہدات میں سرگرم رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ایک خاص نورِ بصیرت عطا فرماتا ہے اور اپنے قرب ورضا کی یا جنت کی راہیں سمجھاتا ہے؛ چاہے وہ عربی ہو یا عجمی، مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا، کالا ہو یا گورا؛ ہر ایک کو یہ حکم عام ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن)

② یہاں اگر قائلین کے ناموں کو شمار کرایا جاتا تو کلام طویل ہو جاتا؛ اور تمام بنی اسرائیل پر حکم لگایا جاتا تو دُرست نہیں تھا؛ کیوں کہ سبھی حضرات اس بات کے قائل نہ تھے؛ لہٰذا اختصار کے لیے یہ اسلوب اختیار کیا گیا۔ (الاتقان فی علوم القرآن)

"اَلْمِصْبَاحُ" فِي زُجَاجَةٍ، "اَلزُّجَاجَةُ" كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾① [النور:۳۵]۔

۲- لامِ عهدِ خارجی کنائی: وہ لام ہے جس کے مدخول کا تذکرہ صراحتاً نہ ہو؛ بلکہ کنایۃً پہلے گذر چکا ہو، ان دونوں کی مثال باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿إِذْ قَالَتِ امْرَأَةُ عِمْرٰنَ رَبِّ إِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۝ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّيْ وَضَعْتُهَآ أُنْثٰى وَاللهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ "الذَّكَرُ"

---

① نورِ الٰہی سے مومنین ومتقین کو جو خصوصی حصہ ملتا ہے اس کی مثال: ایسی سمجھو گویا مومن قانت کا جسم ایک طاق کی طرح ہے جس کے اندر ایک ستارہ کی طرح چمک دار شیشہ (قندیل) رکھا ہو— یہ شیشہ اس کا قلب ہوا جس کا تعلق عالمِ بالا سے ہے—، اس قندیل میں معرفت وھدایت کا چراغ روشن ہے، یہ روشنی ایسی صاف وشفاف اور لطیف تیل سے حاصل ہو رہی ہے جو ایک نہایت ہی مبارک درخت (زیتون) سے نکل کر آیا ہے۔ یہاں ﴿اَلْمِصْبَاحُ﴾ اور ﴿اَلزُّجَاجَةُ﴾ دونوں معرف باللام ہیں جس سے ماقبل میں مذکور ﴿مِصْبَاحٌ﴾ اور ﴿زُجَاجَةٍ﴾ کی طرف اشارہ ہے۔

ملحوظہ: معلوم ہونا چاہیے کہ: جب ایک ہی اسم کو دو مرتبہ ذکر کیا جاتا ہے تو اس کی چار حالتیں ہوتی ہیں:

۱- دونوں معرفہ ہوں تو اسمِ ثانی سے عموماً عینِ اول مراد ہوتا ہے، جیسے: ﴿اِهْدِنَا "الصِّرَاطَ" الْمُسْتَقِيْمَ۝ "صِرَاطَ الَّذِيْنَ" أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ [الفاتحۃ:۶-۷]۔

۲- دونوں نکرہ ہو تو ثانی سے عموماً غیرِ اول مراد ہوتا ہے، جیسے: ﴿اَللهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ "ضُعْفٍ"، ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ "ضُعْفٍ" قُوَّةً، ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ "ضُعْفًا" وَّشَيْبَةً﴾ [الروم:۵۴]؛ آیت کریمہ میں ضعف اول سے مراد نطفہ ہے اور ثانی سے طفولیت اور ثالث سے مراد شیخوخت ہے۔

مذکورہ دونوں قاعدوں کی مثال باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۝﴾ [الم نشرح:۵-۶]؛ اس طور پر کہ: عسر ثانی عین عسر اول ہے اس وجہ سے کہ دونوں معرفہ ہیں؛ اور یسر ثانی غیر یُسر اول ہے کیوں کہ دونوں نکرہ ہیں۔

۳- پہلا نکرہ اور دوسرا معرفہ ہو تو ثانی سے عموماً عینِ اول مراد ہوتا ہے، جیسے ﴿أَرْسَلْنَآ إِلٰى فِرْعَوْنَ "رَسُوْلًا"۝ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ "الرَّسُوْلَ"﴾ [المزمل:۱۵-۱۶]

۴- پہلا معرفہ اور دوسرا نکرہ ہو تو اس کا کوئی قاعدۂ کلیہ نہیں ہے؛ ہاں قرائن کے ذریعے تعیین ہوگی، چنانچہ دوسرا پہلے کا غیر ہو، جیسے: ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ "السَّاعَةُ" يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ، مَا لَبِثُوْا غَيْرَ "سَاعَةٍ"﴾ [الروم:۵۵]؛ اور جیسے: ﴿يَسْئَلُكَ أَهْلُ "الْكِتٰبِ" أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ "كِتٰبًا"﴾ [النساء:۱۵۳]؛ اور ثانی اول کا عین ہو، جیسے: ﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا "الْقُرْاٰنِ" مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۝ "قُرْاٰنًا" عَرَبِيًّا﴾ [الزمر:۲۸-۲۷] (الاتقان فی علوم القرآن)

كَالْأُنْثٰى﴾① [آل عمران: ٣٥-٣٦].

۳- **لامِ عہدِ خارجی علمی**: جس کے مدخول کا تذکرہ نہ صراحتاً پہلے ہوا ہو، اور نہ ہی کنایۃً، جیسے: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ ''الشَّجَرَةِ''﴾② [الفتح: ١٨].

② لامِ حقیقت: اس کی تین صورتیں ہیں: جنسی، استغراقی اور عہدِ ذہنی۔

۱- **الف لام جنسی**: وہ الف لام حقیقی ہے جس سے مدخول کی حقیقت و ماہیت مراد ہو، جیسے: ﴿وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ ''النَّاسُ''﴾ [البقرة:١٣]؛ ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾③ [النساء:٣٤].

---

① (چناں چہ اللہ کے دعا سننے کا وہ واقعہ یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا تھا کہ: ''اے میرے رب! میں نے نذر مانی ہے کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے میں اُسے ہر کام سے آزاد کر کے تیرے لیے وقف رکھوں گی، میری اس نذر کو قبول فرما! بے شک تو سننے والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے''۔
پھر جب اس سے لڑکی پیدا ہوئی تو وہ (حسرت سے) کہنے لگیں: ''یا رب یہ تو مجھ سے لڑکی پیدا ہوئی ہے!'' — حالاں کہ اللہ کو خوب علم تھا کہ ان کے یہاں کیا پیدا ہوا ہے — اور (مطلوبہ) لڑکا، (قابلِ مبارکباد و مسعود نعمت) لڑکی جیسا نہیں ہوتا۔ آیتِ مذکورہ میں ﴿الذَّكَرُ﴾ مسندالیہ کے شروع میں الف لام عہدِ خارجی کنائی ہے جس کا تذکرہ کنایۃً ﴿مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا﴾ سے ہو چکا ہے؛ کیوں کہ بیت المقدس کی خدمت کے لیے لڑکا ہبہ کیا جاتا تھا، اور ﴿الْأُنْثٰى﴾ میں الف لام عہدِ خارجی صریحی ہے؛ کیوں کہ اس کا تذکرہ پہلے ﴿رَبِّ إِنِّيْ وَضَعْتُهَآ أُنْثٰى﴾ میں ہو چکا ہے۔ (علم المعانی)

② یقیناً اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان مؤمنین سے بڑا خوش ہوا جب وہ درخت کے نیچے سے بیعت کر رہے تھے، یہاں درخت کا تذکرہ نہ صراحۃً پہلے ہوا ہے اور نہ ہی کنایۃً۔ (علم المعانی)

③ آیتِ اولیٰ: اور جب ان (منافقین) سے کہا جاتا ہے کہ: تم ایمان لاؤ جس طرح سب لوگ ایمان لائے، تو کہتے ہیں الخ۔ یہاں الناس میں الف لام جنس کے لیے ہے أي: كما اٰمَنَ جنسُ الناسِ یعنی جیسے: جنس ناس ایمان لائے ویسا ایمان لاؤ۔ اس الف لام کو برائے جنس ماننے سے یہ لطیف معنی پیدا ہوئے کہ: درحقیقت کامل مؤمنین ہی انسانیت میں کمال رکھنے والے ہیں؛ رہے منافقین و مشرکین کہ وہ انسانیت کے شمار ہی میں نہیں اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُخْلِصِيْن.
ملحوظہ: النَّاسُ کا الف لام جیسے جنسی ہو سکتا ہے عہدی علمی بھی مان سکتے ہیں اور عبارت یوں ہوگی: ﴿كَمَا اٰمَنَ النَّاسُ﴾ أي: كَمَا اٰمَنَ الرَّسُوْلُ ﷺ وَمَنْ مَعَه مِنَ الصَّحَابَة۔ (علم المعانی)
آیتِ ثانیہ: مرد عورتوں کے نگران ہیں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک (جنس) کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔

۲ **الف لام استغراقی:** وہ الف لام حقیقی ہے جس سے (قرائن کی وجہ سے) مدخول کی حقیقت کے تحت داخل ہونے والے تمام افراد مراد ہوں، جیسے ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ [الرعد:۹]؛ ﴿إِنَّ الإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ○ إِلاَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ [العصر:۲]؛ ﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ○﴾① [البقرة:۱۹۵].

۳ **الف لام عهد ذهنی:** وہ لام حقیقی ہے جس سے مدخول کی حقیقت کے افراد میں سے ایک مبہم (غیر معین) فرد مراد ہو، جس کا معہود ذہن میں ہو، جیسے ﴿وَأَخَافُ أَنْ يَّأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ○﴾② [یوسف: ۱۳].

فصل سادس: معرفہ بہ اِضافت

مضاف الی المعرفہ: جو معرفہ بہ ندا کے علاوہ معرفہ کی پانچ قسموں میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو۔

مسند الیہ کو اضافت کے ساتھ معرفہ لانے کی اغراضِ بلاغیہ یہ ہیں:

---

① آیتِ اولیٰ: اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام پوشیدہ اور ظاہری باتوں کا جاننے والا ہے؛ اس آیت میں علم الٰہی کی لامحدود وسعت کا بیان ہے کہ: دنیا کی کوئی کھلی چھپی چیز اس سے پوشیدہ نہیں، اور تمام عالم اس کے زیرِ تصرف ہے۔ اسی قبیل سے باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿خُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا﴾ [النساء:۲۸].

آیتِ ثانیہ: درحقیقت (تمام) انسان بڑے گھاٹے میں ہیں، سوائے ان لوگوں کے جو چار اوصاف کے جامع ہوں: ① اللہ و رسول پر ایمان لائے اور ان کے وعدوں پر پورا یقین رکھے۔ ② اس ایمان ویقین کا اثر محض قلب ودماغ تک محدود نہ رہے؛ بلکہ اعضاء وجوارح میں ظاہر ہو۔ ③ محض اپنی صلاح وفلاح پر قناعت نہ کرے؛ بلکہ قوم وملک کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے۔ ④ شخصی وقومی اصلاح کے راستے میں جس قدر سختیاں اور دُشواریاں پیش آئیں یا خلاف طبع اُمور کا تحمل کرنا پڑے پورے صبر واستقامت سے تحمل کریں۔ اس جگہ ﴿إِلاَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ کا استثناء قرینہ ہے کہ ﴿الْإِنْسَانَ﴾ میں الف لام استغراق کے لیے ہے۔

② اور مجھے (یوسف علیہ السلام کی جدائی کے غم کے ساتھ) یہ اندیشہ بھی ہے کہ یوسف کو بھیڑیا کھا جائے اور تم اس کی طرف سے غافل ہو۔ یہاں بھیڑیے کی حقیقت کے افراد میں سے ایک غیر معین فرد مراد ہے؛ اور اس کو لامِ حقیقی اس لیے کہا گیا؛ کیوں کہ مدخول کی حقیقت اس معہود پر مشتمل ہے۔

الإيجَاز والاختِصَار، لتَعْظِيْم المضَافِ، لتَعْظِيْم المضَاف إلَيْه، لتَحْقِيْر المضَافِ، لتَحْقِيْر المضَافِ إلَيْه، لِتَعَذُّر التَّعَدُّد، لتَعَسُّر التَّعَدُّد، للخُرُوْج مِن تَبِعَة تَقْدِيْم البَعْض عَلَى البَعْض، الاختِصَار لضِيْقِ المقَام، للاسْتِعْطَاف وَالحَثِّ عَلَى الشَّفقَة، لقَصْد العُمُوْم.

① **ایجاز واختصار:** کلام کو مختصر کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿"وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ" الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا﴾① [الفرقان: ٦٣].

② **تعظیم مضاف:** مضاف کی عظمت ظاہر کرنا مقصود ہو، یعنی: اضافت کرنے سے مضاف کی تعظیم مستنبط ہو، جیسے: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ "رَّسُوْلَ اللهِ" وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ [الأحزاب:٣٩]؛ ﴿يٰقَوْمَنَآ أَجِيْبُوْا "دَاعِيَ اللهِ"﴾② [الأحقاف:٣١]

③ **تعظیم مضاف الیہ:** مضاف الیہ کی عظمت ظاہر کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ أَسْرٰى بِـ"عَبْدِهِ"﴾③ [الإسراء:١].

④ **تحقیر مضاف، تحقیر مضاف الیہ:** مضاف یا مضاف اِلیہ کی حقارت ظاہر کرنا مقصود ہو؛ اول کی مثال، جیسے: ﴿قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلاً، إِنَّكَ مِنْ "أَصْحٰبِ النَّارِ"○﴾ [زمر:٨]؛ ﴿وَلاَتَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ "الشَّيْطٰنِ"﴾① [البقرة:١٦٨]

---

① ترجمہ: اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں، اس جگہ ﴿عِبَادُ الرَّحْمٰنِ﴾ مسند الیہ کو سامع کے ذہن میں لانے کی مختصر راہ ہے، اس عبارت کے بنسبت کہ یوں کہا جائے "والعِبَاد الذين يَعْبُدُوْن الرَّحْمٰن هُمْ" الذين إلخ؛ نیز اس اضافت سے مضاف کی تعظیم بھی حاصل ہوتی ہے۔ (علم المعانی)

② (مسلمانو!) محمد ﷺ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہے، لیکن وہ اللہ (بلند وبالا ذات) کے رسول ہیں اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں؛ یہاں رسول کی اضافت اللہ کی طرف برائے تعظیم ہے۔ (علم المعانی)

③ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصی لے گئی؛ اس جگہ معراج کے واقعے کی طرف اشارہ ہے، جس کی تفصیل حدیث اور سیرت کی کتابوں میں آئی ہے اس آیت میں اللہ رب العزت اپنی عظمت وجلال کو بیان فرماتے ہیں۔

① آیتِ اولیٰ: تو کہہ: (اے انسان!) اچھا کافرہ کر چند روز یہاں اور عیش اُڑا لے، اور خدا نے جب تک ←

⑤ **تعذُّر التعدُّد یا تعسُّر التعدد:** کسی معدودی چیز کی گنتی اور شمار کرنا دشوار یا مشکل ہو؛ اول کی مثال جیسے: ﴿"أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ" يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّأَحْسَنُ مَقِيْلاً﴾ [الفرقان:۲٤]؛ دوسرے کی مثال جیسے: ﴿وَإِنْ كَانَ "أَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ" لَظٰلِمِيْنَ﴾[1] [الحجر:۷۸]

⑥ **خروج من تبعة تقديم البعض على البعض:** یعنی بعض افراد کو دوسرے بعض پر مقدم کرنے کی صورت میں پہنچنے والے کسی شر اور ضرر سے بچنا مقصود ہو، جیسے: حَضَرَ أُمَرَاءُ الْجُنْدِ[2].

⑦ **الاختصار لضيق المقام:** یعنی تنگئ مقام کے سبب کلام کو مختصر کرنا، جیسے شاعر کا شعر:

هَوَايَ مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِيْنَ مُصْعِد ❁ جَنِيْبٌ وَجُثْمَانِيْ بِمَكَّةَ مُوْثَقٌ[3]

ــ مہلت دے رکھی ہے دنیا کی نعمتوں سے تمتع کرتا رہ، اس کے بعد تجھے دوزخ میں رہنا ہے جہاں سے کبھی چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔ (فوائد)

آیتِ ثانیہ: شیطان ملعون کی پیروی ہرگز نہ کر جس کو چاہا حرام کرلیا جیسے: بتوں کے نام کے سانڈ وغیرہ، اور جس کو چاہا حلال کرلیا جیسے: ما اہل لغیر اللہ وغیرہ۔ اس میں "شیطان" مضاف الیہ کی تحقیر مراد ہے۔

① آیتِ اولیٰ: میں اصحاب جنت کو شمار کرنے کے بعد ان پر فرداً فرداً حکم لگانا ہمارے حق میں دُشوار (متعذّر) تھا؛ لہٰذا جنتیوں پر حکم لگانے کے لیے اضافت کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ آیتِ ثانیہ: تحقیق کہ بن کے رہنے والے (یعنی قوم شعیب شہر "مدین" میں رہتے تھے جس کے نزدیک درختوں کا بن تھا کچھ وہاں رہتے ہوں گے) گنہگار تھے، یہاں "أصحاب الأيكة" کی گنتی متعسر ہے۔

فائدہ: تعذر اور تعسر کے درمیان فرق یہ ہے کہ: بڑی دشواری کو تعذر اور نسبتاً کم دشواری کو تعسر کہتے ہیں۔ تعذر کی مثال: ﴿يٰأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ﴾ [آل عمران:۷۱]، اور تعسر کی مثال: ﴿إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ﴾ [العنكبوت:۳۱]، أي: قَرْيَة لُوْط، واسمُها "سُدُوْم".

② اُمرائے لشکر آئے: یہاں امراء الجند کو ترکیب اضافی کی شکل میں معرفہ لاکر متکلم نے اپنے آپ کی حفاظت کی پیشگی تدبیر اختیار کرلی؛ کیوں کہ ظاہر ہے کہ: اگر امراء الجند نہ کہا جاتا تو لامحالہ متکلم ان کے نام ذکر کرتا اور ان کے ناموں کے ذکر کرنے میں تقدیم وتاخیر ضرور ہوتی، تب جن امیروں کے نام مؤخر ہوتے شاید وہ برا مان جاتے اور ہوسکتا ہے کہ: ان میں سے کسی کی طرف سے اس متکلم کو اس کا عتاب بھی برداشت کرنا پڑ جائے۔

③ ترجمہ: میرا محبوب یمنی قافلے والوں کے ساتھ جارہا ہے اس کو آگے چلایا جارہا ہے دراں حالاں کہ میرا جسم

⑧ **الاستعطاف والحثُّ على الشفقة**: اضافت سے کبھی مہربانی کو طلب کرنا اور شفقت پر اُبھارنا مقصود ہوتا ہے، جیسے ﴿لَاتُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِـ "وَلَدِهَا" وَلَامَوْلُوْدٌ لَّهُ بِـ "وَلَدِهِ"﴾ ① [البقرة: ۲۳۳]۔

⑨ **قصد العموم**: اِضافت کے اُسلوب سے کبھی عمومیت مقصود ہوتی ہے، جیسے: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ "أَمْرِهِ"﴾ ② [النور:٦٣]۔

فصل سابع: نداء

معرفه بنداء: وہ اسم جو پکارنے کی وجہ سے معرفہ بن جائے، جیسے: یا رَجُلُ، اس میں "یا" حرف نداء ہے، اور "رَجُلُ" منادیٰ ہے۔

کلام کا کوئی جزو معرفہ بہ صورتِ منادی ہے تو اس کی اغراض یہ ہیں: لَمْ يُعْرَفْ لِلمُخَاطَب عُنْوَان خَاصٌّ، الإشَارَة إِلَى العِلَّة.

① **لم يُعرَف للمخاطَب عُنْوان خاصّ**: جب کہ متکلم مخاطب کے کسی خاص

ء مکہ کے قید خانے میں مقید ہے۔ یہاں لفظ "هَوَايَ" بہ معنیٰ: حَبِيْبِي (مضاف مضاف الیہ) کو شاعر نے "الَّذِي أَهْوَاهُ" کی جگہ استعمال کیا ہے؛ کیوں کہ محبوب سے فراق وجدائی کے وقت شدّت رنج وملال کی وجہ سے وقت میں تنگی آ گئی ہے؛ لہٰذا شاعر نے اختصار کو پسند کیا ہے۔

① ترجمہ: (میاں بیوی کے درمیان جدائیگی کے بعد دودھ پینے والے بچے کے بارے میں) فرمایا: نہ ماں کو اپنے بچے کے بابت ستایا جائے، اور نہ ہی باپ کو اپنے بچے کے بابت ستایا جائے؛ یعنی: اگر بچہ ماں کے پاس ہے تو باپ سے کہا گیا کہ: اگر ماں "اپنے بچے" کو دودھ پلانے پر راضی ہے تو اس سے بچے کو چھین کر ستایا نہ جائے؛ کیوں کہ یہ آخر عورت کا بھی حقیقی بچہ ہے؛ اور اگر بچہ باپ کے پاس ہے تو ماں سے کہا گیا کہ: اگر شوہر "اپنے بچے" کے بارے میں پریشان ہے، اور "تیرا" بچہ کسی اور کا دودھ نہیں لیتا تو تو ہی دودھ پلا دے! آخر یہ بھی تو شوہر کا حقیقی بیٹا ہے۔

یہاں ﴿وَلَدٌ﴾ کی اضافت ماں اور باپ میں سے ہر ایک کی طرف کر کے بتلایا کہ: میاں بیوی میں سے کسی ایک کو تکلیف دینا درحقیقت بچے کو تکلیف دینا ہے اور آپسی اختلاف سے اپنے پیارے کو کیوں تکلیف پہونچائے۔ (حلم المعانی)

② یعنی اللہ ورسول کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے۔ یہاں ﴿أَمْرِهِ﴾ سے "کل أمر الله والرسول" مراد ہے، یعنی اس مختصر لفظ میں اللہ ورسول ﷺ کے تمام اوامر کا اِحاطہ کر لیا ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن)

عنوان (علَم یا صلہ وغیرہ) کو نہ جانتا ہو، جیسے: ﴿ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ "أَيَّتُهَا الْعِيْرُ" إِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ○﴾① [یوسف:۷۰].

④ الإشارة إلی العلة: کسی چیز کی علت کی طرف ایماء واشارہ کرنے کے لیے منادیٰ مخاطب کو بجائے اس کے خاص نام کے کسی ایسے وصف سے پکارنا جس سے دیے جانے والے حکم کی علت کی طرف اشارہ ہو، جیسے: ﴿"يٰأَيُّهَا الرَّسُوْلُ" بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ، وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾② [المائدۃ:۶۷].

ملحوظہ: کبھی ندا میں خطاب عام ہوتا ہے جس میں حاضرین وغائبین تمام شامل ہوتے ہیں، جیسے خروج دجال کے وقت کے مخاطبین سے آپ ﷺ کا خطاب: يَا عِبَادَ اللهِ! اِلْبَثُوْا؛ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے تمام خطابات بھی اس میں شامل ہیں جن کا تعلق پوری اُمت سے ہے۔

تنکیر: فصل اوّل: تنکیر مسند الیہ

نکرہ: وہ اسم ہے جو کسی غیر معین چیز کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے فَرَسٌ کوئی گھوڑا۔

جب مسند الیہ کو معرفہ کی سات صورتوں سے متعلق اغراض میں سے کوئی بھی غرض وابستہ نہ ہو؛ بلکہ نکرہ استعمال کرنے کی کوئی غرض وابستہ ہو تو اس وقت مسند الیہ کو نکرہ لایا جاتا ہے۔

مسند الیہ کو بجائے معرفہ کے نکرہ لانے میں بلغاء کی اغراض یہ ہیں:

تَنْكِيْر المسْنَد إِلَيْه، قَصْد الإِفْرَاد، قَصْدُ النَّوْعِيَّة، قَصْد الجِنْس، التَّقْلِيْل، التَّكْثِيْر، التَّعْظِيْم، التَّحْقِيْر، التَّهْوِيْل والتَّخْوِيْف، العُمُوْم بَعْد النَّفْي، إخْفَاء الأَمْر،

① پھر پکارا ایک پکارنے والے نے: اے قافلہ والو! تم ہی چور ہو؛ دیکھیے یہاں پکارنے والے کو قافلہ والوں کا مطلق کوئی علم نہ تھا؛ لہٰذا یہ اسلوب اختیار کیا۔

② یعنی: اے پیغمبر (پیغام پہنچانے والے) آپ پر جو کچھ پروردگار کی طرف سے اُتارا جائے —خصوصاً فیصلہ کُن اعلانات— آپ بے خوف وخطر اور بلا تامل پہنچاتے رہیے! اگر بفرضِ محال کسی ایک چیز کی تبلیغ میں بھی آپ سے —بحیثیت رسول آپ کو رسالت و پیغام رسانی کا جو منصب جلیل تفویض ہوا ہے— کوتاہی ہوئی تو سمجھا جائے گا کہ: آپ نے اس کا حق کچھ بھی ادا نہ کیا؛ دیکھیے! یہاں پیغمبر کو پیغام رسانی پر اُبھارنے کے لیے انہیں منصب رسالت سے پکارا گیا۔

انْتِفَاء الحَصْر، تَجَاهُل العَارِف.

① **تنکیر مسند الیہ**: یہ بتانا کہ مسند الیہ ایک فردِ غیر معین ہے؛ اور مسند الیہ کو نکرہ اس وقت لایا جاتا ہے جب کہ اس کو بصورتِ معرفہ لانے کی کوئی غرض وابستہ نہ ہو، جیسے:﴿وَجَآءَ "رَجُلٌ" مِّنْ أَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى﴾ [القصص: ۲۰]؛ ﴿وَقَالَ "رَجُلٌ" مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيْمَانَهُ أَتَقْتُلُوْنَ رَجُلاً أَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ﴾① [المؤمن:۲۸]

② **قصد اِفراد**: وحدت کا معنی بیان کرنا مقصود ہو، جیسے:﴿لَا تَتَّخِذُوْآ إِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ إِنَّمَا هُوَ "إِلٰهٌ" وَّاحِدٌ﴾② [النحل:۵۱]

③ **قصد النَّوْعِيه**: یعنی عبارت میں ذکر کردہ اسم نکرہ ایک ایسی مخصوص نوع سے تعلق رکھتا ہے جو مخاطب کے نزدیک مشہور ومعروف نوع سے علاحدہ ہے، جیسے﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى أَبْصَارِهِمْ "غِشَاوَةٌ"﴾③ [البقرۃ:۷]

---

① آیت اولیٰ: شہر کے بالکل دور دراز علاقے سے ایک (نیک طینت) شخص دوڑتا ہوا آیا۔ آیت ثانیہ: اور فرعون کے خاندان میں سے ایک (نیک طینت) مؤمن شخص (شمعان) جو ابھی تک اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، فرعون کی سازش: ﴿ذَرُوْنِيْ أَقْتُلْ مُوْسٰى﴾ کے جواب میں بھری مجلس میں بول اٹھا: کیا تم ایک (ایسے عظیم الشان) شخص کو صرف اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے: "میرا پروردگار اللہ ہے"۔ یہاں مسند الیہ (رجل) کی تعیین سے کوئی غرض متعلق نہیں ہے؛ لہٰذا اس کو نکرہ کی صورت میں لایا گیا ہے؛ بلکہ اس نکرت کی صورت میں تعظیم بھی مترشح ہوتی ہے جیسا کہ ذکر کردہ وضاحت سے معلوم ہو گیا۔ (علم المعانی، فوائد)

مذکورہ دونوں آیتوں میں﴿رَجُلٌ﴾ کی تعیین سے کوئی غرض وابستہ نہیں ہے، صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کس طرح تائید فرمائی اور کس طرح سے فرعون کے مشورے کی اِطلاع پہونچائی۔

② اور اللہ نے فرمایا ہے کہ: "دو دو معبود نہ بنا بیٹھنا! وہ تو بس ایک ہی معبود ہے؛ یہاں﴿واحد﴾ کا لفظ برائے تاکید ہے، نہ برائے عدد؛ کیوں کہ عدد (وحدت) کا مقصد تو لفظِ (اِلٰہ) سے پورا ہو گیا ہے (علم المعانی) اور جیسے: وَيْلٌ أَهْوَنُ مِنْ وَيْلَيْنِ، ایک ہلاکت دو ہلاکتوں سے آسان ہے۔

③ ترجمہ: اللہ نے ان (مخصوص کفار) کے دلوں پر مہر کردی (یعنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے حق بات نہیں سمجھتے) اور ان کے کانوں پر مہر کردی (یعنی سچی بات کو متوجہ ہو کر نہیں سنتے) اور ان کی آنکھوں پر (ایسا مخصوص غارت کرنے والا) پردہ پڑا ہوا ہے (جس کی وجہ سے وہ راہِ حق کو نہیں دیکھ پاتے)۔ (علم المعانی) اس کی دوسری مثال﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ﴾ [البقرۃ:۷] ہے، یہاں وہ مخصوص دردناک عذاب مراد ہے جو انسان کی سوچ سے بالاتر ہے۔

④ **قصدِ جنس**: کبھی نکرہ کی صفت ذکر کی جاتی ہے اور اس سے مراد پوری جنس ہوتی ہے، جیسے: ﴿وَمَا مِنْ "دَآبَّةٍ" فِي الْأَرْضِ وَلَا "طٰٓئِرٍ" يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ﴾① [الأنعام: ۳۸].

⑤ **تقلیل**: قلت وکمی بتلانا، جیسے: ﴿وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ "نَفْحَةٌ" مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ۝﴾ [الأنبياء:٤٦]؛ ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللهِ أَكْبَرُ﴾② [التوبة:۷۲]

⑥ **تکثیر**: زیادتی بتلانا، جیسے: ﴿وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ، قَالُوْٓا إِنَّ لَنَا لَـ "أَجْرًا" إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ۝﴾ [الأعراف:۱۱۳]؛ ﴿وَإِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ "رُسُلٌ" مِّنْ قَبْلِكَ﴾③ [فاطر:٤]

⑦ **تعظیم**: عظمت ظاہر کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ "حَيٰوةٌ" يّٰٓأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝﴾ [البقرة:۱۷۹]؛ ﴿وَعَلٰٓى أَبْصَارِهِمْ غِشٰوَةٌ﴾④

---

① اور زمین میں جتنی قسم کے جانور چلتے ہیں اور جتنی قسم کے پرندے اپنے پروں سے اڑتے ہیں وہ سب مخلوقات کی تم جیسی ہی "اصناف" ہیں؛ اس آیت میں ﴿دَآبَّة﴾ اور ﴿طٰٓئِر﴾ کی جنس مراد ہیں۔ اور جیسے: لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ، ہر قسم کی بیماری کے لیے کوئی نہ کوئی دواء ہے۔

② آیتِ اولیٰ: اور اگر تمہارے پروردگار کے عذاب کا جھونکا (یعنی: عذابِ الٰہی کی ذراسی بھنک کان میں پڑ جائے یا خدا کے قہر وانتقام کی ادنیٰ بھاپ چھو جائے) تو یہ کہہ اٹھیں گے کہ: ہائے ہماری کم بختی! واقعی ہم لوگ ظالم تھے۔ آیتِ ثانیہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے معمولی رضامندی بھی دنیا کی ہر قسم کی نعمت سے بڑھ کر ہے۔ (علم المعانی)

③ آیتِ اولیٰ: اور جادوگر فرعون کے پاس آگئے (اور) انہوں نے کہا کہ: اگر ہم (موسیٰ) پر غالب آگئے تو ہمیں بہت زیادہ اجر تو ضرور ملے گا! اس پر فرعون نے کہا: مزدوری کیا چیز ہے؟ وہ تو ملے گی، اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ تم ہمارے مقربینِ خاص اور مصاحبینِ خاص میں داخل کر لیے جاؤ گے۔ (علم المعانی) آیتِ ثانیہ: آپ سے پہلے بہت سے بڑے بڑے رسولوں کی تکذیب کی جا چکی ہے؛ یہ مثال تعظیم وتکثیر دونوں ہی کی ہے؛ کیوں کہ یہ آپ ﷺ کو تسلی دینے کا مقام ہے۔

④ آیتِ اولیٰ: اور اے عقل رکھنے والو! تمہارے لیے قصاص میں بڑی زندگانی (کا سامان) ہے، تاکہ تم (کسی کو قتل کرنے سے یا قصاص کے سبب عذابِ آخرت سے) بچتے رہو؛ دیکھیے! یہاں قصاص کا حکم دے کر بتایا کہ اس میں حیاتِ عظیمہ ہے؛ کیوں کہ قصاص کے خوف سے ہر کوئی کسی کو قتل کرنے سے رُکے گا تو دونوں کی جانیں محفوظ رہیں گی۔

[البقرة:۷]، أيْ: غِشَاوَةٌ عَظِيمَةٌ.

⑧ **تحقیر:** حقارت ظاہر کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ﴾ [عبس:۱۹]؛ ﴿إِنْ نَظُنُّ إِلاَّ ظَنًّا﴾ [الجاثية:۳۲]؛ ﴿إِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْا﴾[1] [الحجرات:٦]

⑨ **تهويل وتخويف:** کسی کو دہشت زدہ کرنے اور ڈرانے کے لیے مسند الیہ کو نکرہ لانا، جیسے: ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ﴾[2].

⑩ **عموم بعد النفی:** نفی کے بعد عموم کا فائدہ پہنچانے کے لیے مسند الیہ کو نکرہ لانا، جیسے: ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ، لَا "رَيْبَ" فِيْهِ﴾[3] [البقرة:۲].

⑪ **اِخفاءِ اَمر:** یعنی کسی خاص بات کو لوگوں سے مخفی رکھنا، جیسے قَالَ رَجُلٌ إِنَّكَ انْحَرَفْتَ عَنِ الصَّوَابِ؛ تُخْفِيْ اسْمَهُ حَتّٰى لاَيَلْحَقُهُ أذىً[4].

⑫ **انتفاء حصر:** خبر کا مبتدا میں حصر کرنا مقصود نہ ہو، ایسی صورت میں خبر کو نکیرہ لانا،

⇐ قصاص کے سبب قاتل ومقتول دونوں کی جماعتیں بھی قتل سے محفوظ اور مطمئن رہیں گی اور ہزاروں جانیں ضائع ہونے سے بچ جائیں گی جیسا کہ عرب میں ہوتا تھا۔ (علم المعانی) اسی طرح تکثیر میں ذکر کردہ آیت ﴿وَإِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ "رُسُلٌ" مِنْ قَبْلِكَ﴾ میں ﴿رُسُلٌ﴾ کی تنکیر بھی برائے تعظیم ہے۔

① آیتِ اولیٰ: ذرا اپنی اصل پر تو غور کیا ہوتا، کہ: تو آخر پیدا کس چیز سے ہوا؟ ایک ناچیز اور بے قدر قطرۂ آب سے، جس میں حس وشعور، حسن وجمال، عقل وادراک کچھ نہ تھا! سب کچھ اللہ نے اپنی مہربانی سے عطا فرمایا۔ آیتِ ثانیہ: کفار یہ کہتے تھے کہ: ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیسی ہوتی ہے! تم جو کچھ قیامت کے عجیب وغریب احوال بیان کرتے ہو ہم کو کسی طرح ان کا یقین نہیں ہوتا؛ یوں سنی سنائی باتوں سے کچھ "ضعیف سا امکان اور دُھندلا سا خیال" کبھی آجائے تو وہ دوسری بات ہے۔

② اس آیت میں ﴿أَلِيْمٌ﴾ کی تنکیر مخصوص دردناک عذاب سے دھمکانے اور ڈرانے کے لیے ہے۔

③ یعنی: قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے اور اس کے جملہ مضامین کے واقعی ہونے میں کچھ شبہ نہیں!۔ اس کی دوسری مثال: ﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلاَّ يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ، وَلٰكِنْ لاَّتَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ [الإسراء:٤٤]، یعنی: "ہر قسم کی مخلوق" زبان سے یا حال سے اس کی پاکی اور خوبیاں بیان کرتی ہیں؛ لیکن تم اسے سمجھتے نہیں! یہاں ﴿مِنْ شَيْءٍ﴾ نکرہ تحت النفی مبتدا واقع ہے۔

④ ترجمہ: ایک شخص نے مجھ سے یوں کہا کہ: تو راہِ حق سے ہٹ گیا ہے۔ تو اس قول کے قائل کا نام چھپایا جا رہا ہے تا کہ اُسے کسی کی طرف سے کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔

جیسے حضرت ہود علیہ السلام کا فرمان: ﴿قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ "سَفَاهَةٌ" وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝﴾[1] [الأعراف:٦٧]

⑬ **تجاھل عارفانہ**: متکلم کا کسی مسند الیہ کے بابت لاعلمی کا اظہار کرنا، اور یہ بتانا کہ: مَیں نہ اس کا نام جانتا ہوں، اور نہ ہی اس کی حقیقت جانتا ہوں، جیسے: ﴿هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى "رَجُلٍ" يُّنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ، إِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ۝﴾[2] [السبأ:٧]

فصل ثانی: تنکیر وتعریف مسند

مسند کو نکرہ لانے کی اغراض ① الإصَالَة ② اِنْتِفَاء الحَصْر والعَهْد ③ تَفْخِيْمُ المسْنَد.

① **اِصالت**: یعنی مسند میں اصل تنکیر ہے اس وجہ سے نکرہ لانا، یہ غرض اکثر وبیشتر ہوتی ہے۔

② **انتفاء حصر وعھد**: یعنی تعریف سے حاصل ہونے والا حصر مقصود نہ ہو، اور نہ ہی معہود کی طرف اِشارہ کرنا مقصود نہ ہو، جیسے: زَيْدٌ كَاتِبٌ، عَمْرٌو شَاعِرٌ[3].

③ **تفخیمِ مسند**: مسند کی علوِ شان بتلانا مقصود ہو، جیسے: ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾[4].

مسند کو معرفہ لانے کی اغراض ① إرَادَةُ العَهْد ② إفَادَةُ القَصْر ③ إفَادَةُ اللَّطَائِف، ④ تَعْظِيْم المسْنَدِ إليْه.

① **ارادۂ عھد**: جب کہ مخاطب کو مسند کا وقوع معلوم ہو، لیکن اس کا مسند الیہ معلوم نہ

---

① حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! مَیں بے عقل نہیں ہوں؛ بلکہ پروردگارِ عالم کی طرف سے بھیجا ہوا ایک رسول ہوں۔

② کفارِ قریش نبیِ کریم ﷺ کی شان میں یہ گستاخی کرتے تھے، یعنی: آؤ! تمھیں ایک شخص دکھلائیں جو کہتا ہے کہ: تم گل سڑ کر اور ریزہ ریزہ ہو کر جب خاک میں مل جاؤ گے پھر تم کو از سرِ نَو بھلا چنگا بنا کر کھڑا کر دیا جائے گا؛ بھلا ایسی مہمل بات کون قبول کرے گا؟۔

③ اسی مثال میں اگر تخصیص کا اِرادہ ہوتا تو زَيْدٌ الكَاتِبُ، عَمْرٌو الشَّاعِر کہا جاتا؛ اسی طرح متکلم ومخاطب کے درمیان معہود کے بابت بات ہو تو کہا جائے گا: فُلان الكَاتِبُ، فُلانٌ الشَّاعِر. (علم المعانی)

④ اس آیت میں ﴿هُدًى﴾ مسند کی تنکیر نے ہدایت القرآن کی تعظیم وتفخیم کا فائدہ دیا ہے، یعنی قرآن مجید کی ہدایت اس درجہ پہونچی ہوئی ہے جس کی کنہ وحقیقت کا ادراک کرنا ممکن ہی نہیں!۔ سبحان اللہ العظیم!

ہو، جیسے: زَیْدٌ المُنْطَلِقُ①۔

② **افادۂ قصر:** مسند کو مسند الیہ پر منحصر ہونے کا فائدہ دینا، جیسے﴿فَأَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهِ خِيْفَةً مُّوْسٰى قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ "الْأَعْلٰى"○﴾② [طٰهٰ: ٦٨].

③ **افادۂ لطائف:** مسند کے مسند الیہ پر منحصر ہونے سے بڑھ کر ایسے لطائف ودقائق بیان کرنا جس کا اِدراک ایک بُلند اَسالیب اور عمدہ تعبیرات سے باخبر آدمی کر لے؛ اور یہ فائدہ خبر کو معرفہ بذریعۂ اسم موصول لانے سے حاصل ہوگا، جیسے﴿وَهُوَ الَّذِيْ أَنْشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ، قَلِيْلاً مَّا تَشْكُرُوْنَ○﴾؛ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ○﴾③ [المؤمنون: ٧٨،٨٠]

④ **تعظیمِ مسند الیہ:** مسند نکرہ کی اضافت کسی عظمت وشرافت اور رفیع المرتبت ذات کی طرف کر کے مسند الیہ میں تعظیم پیدا کرنا، جیسے:﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ [الفتح: ٢٩]؛

---

① دیکھیے! جب مخاطب کو انطلاق کا علم ہی نہ ہو تب "زَيْدٌ مُنْطَلِقٌ" کہا جائے گا اور اس وقت یہ اشارہ ہوگا کہ: یہاں انطلاق (مسند) کا وقوع معہود نہیں ہے؛ لیکن اگر پہلے سے انطلاق معہود ومعلوم ہو تو اس وقت "زید المنطلق" کہا جائے گا یعنی: چلنے والا زید ہی ہے۔

② موسیٰ علیہ السلام کو ساحروں کی نظربندی سے یہ خیال ہونے لگا کہ: گویا رَسّیاں اور لاٹھیاں سانپوں کی طرح دوڑ رہی ہیں؛ اس پر اللہ پاک نے فرمایا: آپ دل سے ڈر کو نکال دیجیے! آپ ہی غالب اور سربلند رہوگے، نہ کہ ساحرین! دیکھیے! یہاں (الاعلیٰ) مسند کی تعریف سے مسند الیہ پر حصر وقصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ (علم المعانی، فوائد)

③ ان آیات میں خبر کو بذریعۂ اسمِ موصول ذکر کرتے ہوئے صلہ میں مشہور چیزوں کو ذکر فرمایا ہے، اور﴿قَلِيْلاً مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾، ﴿أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ لا کر مخلوق کو صلہ میں ذکر کردہ امور میں مشغول ہونے اور تدبر کرنے پر ابھارا ہے، یعنی: اللہ نے تمھارے کان، آنکھیں اور دل بنائے ہیں؛ پس کانوں سے اس کی آیاتِ تنزیلیہ کو سنو! اور آنکھوں سے آیاتِ تکوینیہ کو دیکھو! اور دلوں سے دونوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ ان نعمتوں کا شکر یہ تو یہ تھا کہ: اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو کام میں لاتے؛ لیکن ایسا نہ ہوا! اکثر آدمیوں نے اکثر اوقات میں ان قوتوں کو بے جا خرچ کیا۔ آیتِ ثانیہ میں بتلایا کہ: زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ، یا اندھیرے سے اُجالا اور اُجالا سے اندھیرا کر دینا جس کے قبضہ وقدرت میں ہے، اس کی قدرتِ عظیمہ کے سامنے کیا مشکل ہے کہ تم کو دوبارہ زندہ کردے۔

﴿قَالَ إِنِّيْ عَبْدُ اللهِ﴾[1] [مریم:۳۰]

① دیکھیے یہاں ﴿رَسُوْل﴾ اور ﴿عَبْد﴾ مسند کی اضافت باری عز اسمہ کی طرف فرما کر ﴿مُحَمَّد﴾ اور ﴿عَبْدُ﴾ میں تعظیم پیدا کرنا مقصود ہے۔

باب ثالث

تقدیم وتاخیر

سوالاتِ تقدیم وتاخیر

① کلامِ مذکور میں مسند الیہ یا مسند کی تقدیم ہوئی ہے؟

② اگر مسند الیہ کی تقدیم ہوئی ہے تو اس کے (تیرہ) دواعی میں سے کون سا داعیہ ہے؟

③ اگر مسند کی تقدیم ہوئی ہے تو اس کے (تیرہ) دواعی میں سے کون سا داعیہ ہے؟

④ اگر فعل اور اس کے معمولات کی ترتیب میں تقدیم وتاخیر ہوئی ہے تو اس کی (نو) اغراض میں سے کس غرض سے ہوئی ہے؟

فصل اوّل: تقدیم مسندالیہ

متکلم اپنے کلامِ ذہنی (کلامِ نفسی) کو کلامِ لفظی میں دفعۃً واحدۃً تعبیر نہیں کرسکتا؛ لہٰذا وہ لامحالا اجزائے کلام میں سے کسی جزو کو دوسرے سے مقدم ومؤخر کرنے کا محتاج ہوگا، اور فصیح متکلم کی یہ تقدیم وتاخیر کسی نہ کسی داعیہ سے ہوگی؛ تقدیمِ مسندالیہ کے اسباب ودواعی مندرجہ ذیل ہیں:

للأَهَمِّيَّة، لاتِّبَاعِ القَوَاعِد، التَّشْوِيْق إِلَى المتَأَخِّر، تَعْجِيْل المَسَرَّة، تَعْجِيْل المسَاءَة، مُرَاعَاة التَّرْتِيْب الوُجُوْدِيّ، النَّصُّ عَلى عُمُوْم السَّلْب، النَّصُّ عَلى سَلْب العُمُوْم، التَّخْصِيْص، تَقْوِيَة الحُكْم بِتَكْرَار الاسْنَاد، تَاكِيْد الحَكْم بِغَيْر الاخْتِصَاص، الاسْتِلْذَاذ، التَّبَرُّك.

① **اَهَمِّيَّة:** جملۂ اسمیہ میں مسندالیہ کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کی تقدیم اصل ہے، جیسے ﴿اللّٰهُ الصَّمَدُ۝﴾ ① [الإخلاص:۲].

② **اِتباع القواعد:** قواعد کی رعایت میں مسندالیہ کو مقدم کرنا جیسا کہ ان الفاظ میں جن کے لیے صدرِ کلام ہے، جیسے ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ؛قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ﴾ ② [الشعراء:۲۳]

③ **التشویق الی المتأخر:** نُدرت وغرابت کی جانب اِشارہ کرنے والے لفظ کو شروع میں لانا تا کہ مخاطب آنے والے کلام کو شوق ورغبت اور دھیان سے سنے، جیسے ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ﴾ ③ [الحجرات:۱۳]

---

① اے نبی ﷺ! کہہ دو! اللہ ہی ایسا ہے کہ سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ جملہ اسمیہ میں مسندالیہ (مبتدا) اہم ہوتا ہے؛ لہٰذا لفظ ﴿اللہ﴾ کو مقدم کیا گیا ہے۔

② فرعون نے کہا: اور یہ ربّ العالمین کیا چیز ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: وہ سارے آسمانوں اور زمین کا، اور اُن ساری چیزوں کا پروردگار ہے جو اُن کے درمیان پائی جاتی ہیں؛ اس جگہ ﴿ما﴾ مبتداء، مسندالیہ کو صدارت کلام کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے؛ کیوں وہ استفہامی معنیٰ ادا کرتا ہے۔

③ اصل انسان کا بڑا، چھوٹا اور معزز وحقیر ہونا اس کی ذات وخاندان سے تعلق نہیں رکھتا؛ بلکہ جو شخص جس قدر نیک خصلت اور مؤدب ہو اسی قدر اللہ کے یہاں معزز ومکرم ہے۔ یہاں "أَكْرَمَكُمْ" مسندالیہ سنتے ہی یہ شوق پیدا ہوگا کہ ایسا کون ہے جو رب العالمین کے دربار میں معزز ہے؟۔ اس کی نظیر (تقدیم مسند برائے تشویق) آپ ﷺ کا فرمان: ⇐

④ **تعجیل المَسَرَّة**: اچھی چیز سے مخاطب کو جلدی باخبر کرنے کے لیے مسندالیہ کو مقدم کرنا، جیسے: ﴿حَتّٰٓى إِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا: "سَلٰمٌ" عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ، فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ۝﴾[①] [الزمر:۷۳]

⑤ **تعجیل المساءة**: کسی بُری چیز سے مخاطب کو جلدی سے باخبر کرنا ہو، جیسے: ﴿"اَلنَّارُ" مَثْوٰكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾[②] [الانعام:۱۲۸]

⑥ **مُراعاةُ الترتيب الوُجُودِيّ**: چند مسندالیہ کو ذکر کرتے وقت واقعی اور فطری ترتیب کی رعایت کرنا، جیسے: ﴿إِنَّ "الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ" مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ [البقرة:۱۵۸]؛ ﴿لَا تَأْخُذُهٗ "سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ"﴾[③] [البقرة: ۲۵۵]

⇐ كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ، خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ۔ اس جگہ "کلمتان" موصوف مع صفات ثلاثہ خبر مقدم ہے اور "سبحان الله" مبتدائے مؤخر ہے۔

① جنتیوں کو جنت میں داخل ہوتے وقت فرشتے کلماتِ سلام ودعا سے ان کا استقبال کریں گے اور جنت میں ہمیشہ رہنے کی بشارت سنائیں گے؛ یہاں مسندالیہ (سلامٌ) کو برائے تعجیل المسرت مقدم کیا ہے، اسی طرح اَلْحَبِيبُ أَقْبَلَ، دوست آ گیا۔

② (اے بت پرستو!) آگ تمھارا ٹھکانا ہے، اسی میں تم ہمیشہ رہو گے؛ مگر جب اللہ چاہے۔ یعنی: جب وہ چاہے موقوف کرنے پر قادر ہے؛ لیکن وہ ایک چیز چاہ چکا اور اس کی خبر پیغمبروں کی زبانی دی جا چکی، اب وہ ٹل نہیں سکتی۔

مسند کی تقدیم برائے تعجیل المساءت ہو اس کی مثال آپ ﷺ کا فرمان ہے: "مِنْ اقْتِرَابِ السَّاعَةِ" هَلَاكُ الْعَرَبِ". [ترمذي، في فضل العرب]، اُمّ الحریر کا حال یہ تھا کہ جب کسی عرب کا انتقال ہوتا تو ان کو سخت صدمہ ہوتا تھا، اِن سے پوچھا گیا کہ: جب کبھی کسی عرب کا انتقال ہوتا ہے تو آپ کو سخت صدمہ پہنچتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے میرے آقا طلحہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: قربِ قیامت (کی علامت) میں سے عربوں کا ھلاک ہونا ہے؛ دیکھیے! یہاں "مِنْ اقْتِرَابِ السَّاعَةِ" خبر (مسند) کی تقدیم برائے تعجیل المساءۃ ہے۔

ملحوظہ: یہ حدیث ام الحریر کے مجہولہ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

③ آیتِ اولیٰ: یہاں دو مسندالیہ میں سے صفا کا ذکر مروہ سے پہلے فرمانا ترتیب واقعی کے پیش نظر ہے، اسی بنا پر آپ ﷺ نے سعی کی ابتدا کے بابت فرمایا: نبدأ بما بدأ الله به (الاتقان)۔ آیتِ ثانیہ: حق تعالیٰ نے قرآن میں مضامین ثلاثہ (علمِ توحید وصفات، علمِ احکام اور علمِ قصص وحکایات) کو جگہ جگہ بیان فرمایا ہے؛ چنانچہ آیت الکرسی میں ــ جس کو حدیث میں اعظم آیات کتاب اللہ فرمایا ہے ــ توحیدِ ذات وتقدس غایتِ عظمت ووضاحت کے ساتھ مذکور ہے کہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں! وہ زندہ ہے، سب کو تھامنے والا ہے، نہ اسے اونگھ آتی ہے اور نہ ہی نیند۔ دیکھئے پہلے اونگھ آتی ہے پھر نیند،

⑦ **نص علی عموم السلب**: مسندالیہ کے ہر ہر فرد سے نفیِ حکم کی صراحت کرنا؛ یہ مقصود اداتِ عموم کو اداتِ نفی پر مقدم کرنے سے حاصل ہوتا ہے، جیسے آپ ﷺ ارشاد گرامی ہے: "كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ"①۔ [مسلم، كتاب المساجد]۔

⑧ **نص علیٰ سلب العموم**: مسندالیہ کے جملہ افراد (افراد کے مجموعہ) سے حکم کے منفی ہونے کی تصریح کرنا، نہ کہ ہر ہر فرد سے؛ یہ مقصود اداتِ سلب کو اداتِ عموم پر مقدم کرنے سے حاصل ہوتا ہے، جیسے:

"مَا كُلُّ مَايَتَمَنَّى المرْأُ" يُدْرِكُهُ ۞ تَأْتِي الرِّيَاحُ بِمَا لاتَشْتَهِي السُّفُنُ②

ملحوظہ: سلب العموم میں بعض سے حکم کی نفی اور بعض کے لیے اِثبات ہونا اکثری واغلبی ہے، قاعدۂ کلیہ نہیں ہے؛ لہٰذا فرمانِ الٰہی: ﴿إِنَّ اللهَ لايُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ○﴾ [لقمان: ١٨] ﴿وَاللهُ لايُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيْمٍ○﴾③ [البقرة: ٢٧٦] وغیرہ میں یہ قاعدہ جاری نہیں ہوگا۔

⑨ **تخصیص**: کسی شے کے ساتھ کسی حکم کو خاص کرنا، جیسے ﴿لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ

⇦ ان دونوں مسندالیہ (اونگھ اور نیند) میں ترتیبِ واقعی کی رعایت کی ہے۔ نیز دو جملوں کے درمیان ترتیب کی رعایت کرنا، جیسے ﴿فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً، فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا، فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا، ثُمَّ أَنْشَأْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ﴾ [المؤمنون: ١٤]۔

① ذوالیدین صحابیؓ کے سوال: "أَقُصِرَتِ الصَّلاةُ أَمْ نَسِيْتَ يَارَسُوْلَ اللهِ"؟ کے جواب میں آپ ﷺ فرمان: "كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ"، یعنی ان دونوں چیزوں (قصر اور نسیان) میں سے کچھ بھی نہیں ہوا۔

② ترجمہ: انسان کی ساری تمنائیں اس دنیا میں پوری نہیں ہوا کرتیں؛ ہاں بعضے پوری ہوتی ہیں اور بعضے نہیں۔ یہاں جملہ افرادِ تمنا کے پورا ہونے کی نفی ہے، تمنا کے ہر ہر فرد کے پورا ہونے کی نفی مقصود نہیں ہے۔ دیکھیے! یہاں "ماكل مايتمنى المرأ" تک مبتدا ہے، اور اس میں "ما" کی تقدیم نص علی سلب العموم (مجموعے کی نفی) کے لیے ہے، جو جزئیت کی نفی کو مستلزم نہیں۔ نیز مسندالیہ کے علاوہ میں نص علی سلب العموم کی مثال آپ ﷺ فرمان ہے: مَا أُمِرْتُ كُلَّمَا بُلْتُ أَنْ أَتَوَضَّأَ، لَوْ فَعَلْتُ لَكَانَتْ سُنَّةً [مشكوة، أبوداؤد وابن ماجة]، مجھے ہر استنجاء کے بعد وضوء کا حکم نہیں اور نہ یہ عمل سنت ہو جائے گا۔ یہاں اداتِ نفی اداتِ عموم پر مقدم ہے؛ لہٰذا جملہ افرادِ استنجاء کے بعد وضو کی نفی ہے، نہ کہ ہر فردِ استنجاء کے بعد۔

③ آیتِ اولیٰ: یقین جانو! اللہ تعالیٰ کسی (بھی) اِترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا (برائے عموم السلب)۔

آیتِ ثانیہ: اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو ناپسند کرتا ہے جو ناشکرا گنہ گار ہو؛ یہ مثالیں سلب عموم کے قبیل سے ہیں؛ اس کے باوجود بعض کے لیے حکم کا اثبات نہیں ہے۔

كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ "وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ"۝ بَلْ تَأْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا "وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ"۝﴾① [الأنبياء:۳۹-۴۰]

ملحوظہ: تقدیمِ مسندالیہ کے باب میں تخصیص واختصاص سے مراد یہ ہے کہ: اس میں تین امور ملحوظ ہوں: ① منطوقِ کلام کے ذریعے مقدم مسندالیہ سے فعل کی نفی کرنا؛② مفہومِ کلام کے ذریعے (اس) غیرِ مسندالیہ کے لیے نفسِ فعل کو ثابت کرنا، جیسے ﴿وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ، وَمَآ "أَنْتَ" عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ۝﴾② [هود: ۹۱]؛③ مقدم مسندالیہ کے علاوہ کسی ایسے معنوی فاعل کا پایا جانا جس سے یہ فعل سرزد ہو۔

فائدہ: حصولِ تخصیص کی تین صورتیں ہیں: ① مسندالیہ اداتِ نفی کے بعد ہو اور خبر (یعنی مسند) فعل ہو، جیسے ﴿وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾؛② اداتِ نفی مسندالیہ سے مؤخر ہو اور مسند فعل ہو، جیسے: ﴿وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزٰى، وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ۝﴾ [فصلت:۱۶]، اور أَنَا مَاقُلْتُ؛ ③ مسندالیہ منفی نہ ہو اور خبر فعل ہو، جیسے ﴿إِنَّ وَلِيِّيَ اللهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ، وَ"هُوَ" يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ۝﴾ [الأعراف:۱۹۶]؛ اور أَنَا فَتَحْتُ البَابَ. (جواہر البلاغۃ شرح دروس البلاغۃ، علم المعانی)

---

① ترجمہ: کاش ان (کافروں) کو اس وقت کی کچھ خبر لگ جاتی جب یہ نہ اپنے چہروں سے آگ کو دور کر سکیں گے اور نہ اپنے پشتوں سے، اور نہ ان کو کوئی مدد میسر آئے گی، بلکہ وہ (آگ) ان کے پاس ایک دم آدھمکے گی، اور ان کے ہوش وحواس گم کر کے رکھ دے گی، پھر نہ یہ اسے پیچھے ہٹا سکیں گے اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔ اس آیتِ کریمہ میں ﴿وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ نے تخصیص کا فائدہ دیا ہے؛ اس لیے کہ اس دن کافروں کے لیے نصرت کی نفی ہے اور ان کے علاوہ (یعنی مؤمنین) کے لیے نصرت کا اثبات ہے؛ یعنی: عدمِ نصرت کا حکم صرف کافروں کے ساتھ خاص ہے۔ (علم المعانی)

ملحوظہ: تخصیص کا مذکورہ حکم اکثری ہے، کلی نہیں؛ کیوں کہ: آیتِ ثانیہ ﴿وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴾ "کافروں کو اس دن مہلت نہ دی جائے گی" اور مؤمنین کو مہلت دی جائے گی"؛ دیکھیے! قیامت آجانے کے بعد مہلت کا سوال ہی نہیں ہوتا! اس سے معلوم ہوا کہ تخصیص کا مذکورہ حکم اکثری واغلبی ہے، کلی نہیں (علم المعانی)

② اگر تیرے بھائی بند (جو ہمارے ساتھ ہیں) نہ ہوتے تو ہم تجھ کو سنگسار کر ڈالتے؛ اور ہماری نگاہ میں تیری کچھ عزت نہیں!۔ دیکھیے یہاں قومِ شعیب نے (۱) منطوقِ کلام کے ذریعے حضرت شعیب علیہ السلام سے عزت کی نفی کی (۲) (مسند الیہ کے علاوہ) کسی اَور کے لیے عزت کا اثبات کیا، (۳) مفہومِ کلام کے ذریعے رہطِ شعیب کے لیے عزت کا اِثبات کیا؛ اسی وجہ سے حضرت شعیب علیہ السلام نے افسوس کرتے ہوئے قوم کو جواب دیا ﴿أَرَهْطِيْ أَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللهِ﴾. (علم المعانی)

⑩ **تقوية الحكم بتكرار الإسناد مع الاختصاص:** تکرارِ اسناد کے ذریعے حکم کو پختہ کرنا، جب کہ خبر فعل ہو، جیسے﴿وَاللّٰهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾① [النحل: ٦٥]

⑪ **تاكيد الحكم بغير الاختصاص:** تکرار اسناد کے ذریعے محض حکم میں تاکید کا پیدا کرنا مقصود ہو، نہ کہ اختصاص، جیسے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّ"هُمْ" يُخْلَقُوْنَ۝﴾② [النحل: ٢٠]

ملحوظہ: جب کبھی تقدیم سے اختصاص کا فائدہ حاصل ہوگا تو وہاں تاکید وتقویۃ الحکم کا فائدہ بھی ضرور حاصل ہوگا؛ لیکن جہاں تاکید اور تقویۃ الحکم کا فائدہ حاصل ہو رہا ہو وہاں اختصاص کا فائدہ حاصل ہونا ضروری نہیں۔

⑫ **استلذاذ:** لذت حاصل کرنے کے لیے مسند الیہ کو مقدم کرنا جب کہ مسند الیہ قابلِ لذت ہو جیسے: ﴿وَ"اللّٰهُ" أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا...۝ وَ"اللّٰهُ" خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ...۝ وَ"اللّٰهُ" فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ...۝ وَ"اللّٰهُ" جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا...۝﴾③ [النحل]

---

① ترجمہ: اور اللہ ہی نے آسمان سے پانی برسایا اور زمین کے مردہ ہوجانے کے بعد اس میں جان ڈال دی۔
ملحوظہ: مبتدا یا معنیٔ مبتدا کے بعد خبر میں فعل کو لایا جائے گا تو وہ فعل دو مرتبہ مسند ہوگا، اولاً مبتدا کی طرف مسند ہوگا خبر ہونے کے اعتبار سے اور ثانیاً ضمیر فاعل کی طرف مسند ہوگا عامل ہونے کے اعتبار سے؛ دیکھیے اس مثال میں ﴿أَنْزَلَ﴾ اولاً ﴿اللّٰه﴾ کی طرف مسند ہے اور ثانیاً ضمیر فاعل کی طرف مسند ہے (علم المعانی)

② ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ (مشرکین) لوگ (حماقت میں) جن (دیوتاؤں) کو پکارتے ہیں وہ کچھ (تنکا بھی) پیدا نہیں کرتے وہ تو خود ہی مخلوق ہیں۔
اس آیت کے آخری جزو میں خود اُن دیوی دیوتاؤں کا مخلوق ہونا واضح کیا ہے، اور جو مخلوق ہو وہ خالق کیسے ہوسکتا ہے؟ اسی مفہوم کے لیے ﴿لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا﴾ ذکر کیا گیا ہے، گو ﴿هُمْ﴾ کی تقدیم سے تقویۃ الحکم کا فائدہ تو حاصل ہے؛ لیکن اختصاص (صرف وہی دیوی، دیوتا اللہ کی مخلوق ہوں یہ) مراد نہیں (علم المعانی)

③ اسی طرح "لَيْلٰى وَصَلَتْ وَسَلْمٰى هَجَرَتْ"، لیلیٰ مل گئی اور سلمیٰ چھوٹ گئی؛ اللّٰه ربي، اللہ میرے رب ہے۔

⑭ **تبرُّك:** برکت حاصل کرنے کے لیے مسند الیہ کو مقدم کرنا جب کہ مسند الیہ قابلِ برکت ہے، جیسے ﴿"اَللّٰهُ" نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ﴾[1] [الزمر: ٢٣]

فصل ثانی: تقدیم مسند

مسند الیہ کو جن اسباب کی وجہ سے مقدم کیا جاتا ہے، انہیں اسباب کی وجہ سے کبھی مسند کو بھی مقدم کر دیا جاتا ہے؛ تقدیم مسند کے دواعی مندرجہ ذیل ہیں:

كَوْنُه عَامِلًا، لاتِّبَاعِ القَوَاعِد، التَّخْصِيْص، التَّشْوِيْق إلى المتَأَخِّر، التَّقْدِيْم لِغَرَض، المحَافَظَة عَلى وَزْن، المحَافَظَة عَلى سَجْع، للتَّبَرُّك، للتَّفَاؤُل، كَوْن المقَدَّم محَطّ السُّوَال، كَوْن المقَدَّم محَطّ التَّعَجُّب، كَوْن المقَدَّم محَطّ الانْكَار، سُلُوْك سَبِيْل التَّرَقِّي.

① **کونهٗ عاملاً:** مسند کا اپنے مابعد (مسند الیہ) میں عامل ہونا، یہ اس کی تقدیم کا متقاضی ہو، جیسے: ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ۝﴾[2] [الصف:١].

② **اتباع القواعد:** قواعد کی رعایت میں مسند کو مقدم کرنا، جیسا کہ مسند صدرِ کلام کا متقاضی ہو، جیسے: ﴿يَسْئَلُ: "أَيَّانَ" يَوْمُ الْقِيٰمَةِ۝﴾[3] [القيامة:٦].

③ **تخصیص:** حصر (مسند کے مسند الیہ کے ساتھ مخصوص ہونے) کا فائدہ دینا مقصود ہو، جیسے: ﴿"لِلّٰهِ" مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ [البقرة: ٢٨٤] ﴿"لَكُمْ" دِيْنُكُمْ

---

① اللہ تعالیٰ نے بہتر بات یعنی آپس میں ملتی جلتی دوہرائی ہوئی کتاب اُتاری؛ یعنی: یہ کتاب صحیح، صادق، مضبوط، نافع، معقول اور فصیح وبلیغ ہونے میں بہتر ہے، دنیا میں کوئی بات اس کتاب کی باتوں سے بہتر نہیں! کتاب اللہ کو سن کر خوفِ الٰہی اور اس کے کلام کی عظمت سے اُن کے دل کانپ اٹھتے ہیں؛ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کھالیں نرم پڑ جاتی ہیں، مطلب یہ ہے کہ: اللہ کی یاد اُن کے بدن اور روح دونوں پر ایک خاص قسم کا اثر پیدا کرتی ہے۔ اس کی دوسری مثال: اِسْمُ اللّٰهِ اُهْتُدِيْتُ بِه، اللہ ہی نام سے ہدایت یاب ہوا ہوں۔ اسی طرح اَللّٰهُ رَبِّيْ، اللہ تعالیٰ میرے رب ہے۔

② آسمانوں اور زمین میں جو بھی کوئی چیز ہے، اس نے اللہ کی تسبیح کی ہے، اور وہی ہے جو اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ہے؛ دیکھیے: یہاں ﴿سَبَّحَ﴾ کی تقدیم اپنے معمولوں پر عامل ہونے کی وجہ سے ہے؛ کیوں کہ عامل بمنزلہ علت ہے اور معمول بمنزلہ معلول؛ اور علت اپنے معلول سے مقدم ہوا کرتی ہے۔

③ انسان یہ پوچھتا ہے کہ: کب آئے گا وہ؟ قیامت کا دن! یہاں ﴿أَيَّان﴾ اداتِ استفہام ہونے کی بنا پر صدرِ کلام کا متقاضی ہے۔

وَلِيَ دِيْنِ۝﴾ ① [الكٰفرون:٦]

④ **تشویق إلی المتأخر**: بعد میں آنے والے مسند الیہ کا شوق دِلانا مقصود ہو، جیسے آپ ﷺ کا فرمان: خَصْلَتَانِ لا تَجْتَمِعَانِ فِيْ مُؤمِنٍ: البُخْلُ وَسُوْءُ الخُلُقِ②. (ترمذی)

⑤ **التقدیم لغرض**: کسی خاص (لفظی یا معنوی) غرض کی وجہ سے خبر کو مقدم کرنا، جیسے: ﴿وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلٰى حِيْنٍ﴾③ [الأعراف: ٢٤]

⑥ **المحافظة علی وزن**: وزنِ شعری کی رعایت کرنا مقصود ہو، جیسے:

إِذَا نَطَقَ السَّفِيْهُ فَلَا تُجِبْهُ ۞ فَخَيْرٌ مِّنْ إِجَابَتِه السُّكُوْتُ④

⑦ **المحافظة علی سجع**: رعایتِ سجع کی غرض سے مسند کو مقدم کرنا، جیسے ﴿أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى۝ فَـ"لِلّٰهِ" الْآخِرَةُ وَالْأُوْلٰى۝﴾⑤ [النجم:٢٤-٢٥]

---

① آیتِ اولیٰ: آسمان وزمین کی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہے؛ اس میں مسند کی تقدیم، تخصیص کے لیے ہے۔ آیتِ ثانیہ: یعنی تمھارا دین یعنی شرک کرنا تم پر مقصور ہے، میری طرف متجاوز نہیں اور میرا دین، یعنی: توحید میرے ساتھ خاص اور مقصور ہے تمھاری طرف متجاوز نہیں۔

② دو خصلتیں ایسی ہیں جو مومن میں جمع نہیں ہوتیں: بخل اور بد خلقی؛ یہاں ابن الملک کے قول کے مطابق "البخل وسوء الخلق" مبتدائے مؤخر ہے اور "خصلتان" اپنے مابعد صفت سے مل کر خبر مقدم ہے؛ یہ تقدیم مسند برائے تشویق ہے۔ نعم اور بئس افعال مدح وذم کی مثالیں بھی اسی قبیل سے ہوں گی۔

③ کسی مخصوص غرض سے مسند کی تقدیم کرنا، مثلاً ابتدائے کلام میں اس بات پر متنبہ کرنا کہ: یہ لفظ، مسند (خبر) ہے نہ کہ صفت، جیسے مثالِ بالا میں "لکم" کی تاخیر سے "مستقر" کی صفت کا شبہ ہوسکتا تھا جو تقدیم کی صورت میں نہ رہا؛ کیوں کہ صفت اپنے موصوف پر مقدم نہیں ہوا کرتی؛ اسی طرح ابتدائے کلام میں تعجب، تعظیم، مدح، ذم، ترحم اور دعا کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو، جیسے: لله درُّك، عظيم أنت يا الله، نعم الزعيم سعد، بئس الرجل خليل، فقير أبوك، مبارك وصولك بالسلام.

④ جب بے وقوف تجھ سے بات کرے تو تُو اسے جواب نہ دے؛ کیوں کہ اس کو جواب دینے سے بہتر چُپ رہنا ہے۔ دیکھیے: اس شعر میں "خَيْرٌ" مسند کو وزنِ شعری کی حفاظت کے لیے "السُّكُوْتُ" مسند الیہ سے مقدم کیا گیا۔

⑤ کیا انسان کو ہر اُس چیز کا حق پہنچتا ہے جس کی وہ تمنا کرے؟ کیوں کہ آخرت اور دنیا تو تمام تر اللہ کے اختیار میں ہے؛ یہ خطاب اُن مشرکین سے ہے جو اپنے من گھڑت خداؤں کے بارے میں یہ کہا کرتے تھے کہ: یہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہماری سفارش کریں گے؛ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: تمھاری یہ تمنا ضرور ہوگی؛ لیکن ہر انسان کو ہر وہ چیز نہیں ملا کرتی

⑧ **تقدیم للتبرك:** حصول برکت کے لیے مسند کو مقدم کرنا، جیسے﴿وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ، فَأَنَّ "لِلّٰهِ" خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾① [أنفال:٤١].

⑨ **التفاؤل:** نیک فالی حاصل کرنے کے لیے خبر کو مقدم کرنا، جیسے: فِيْ عَافِيَةٍ أَنْتَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ؛ "سَعِدَتْ" بِغُرَّةِ وَجْهِكَ الْأَيَّامُ②.

⑩ **كون المقدّم محطّ السوال:** مقدم ہونے والے مسند کا محل سوال ہونا، جیسے: ﴿أَ "رَاغِبٌ" أَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ○﴾③ [مريم:٤٦].

⑪ **كون المقدّم محطّ التعجُّب:** مقدم ہونے والے مسند کا محل تعجب ہونا ظاہر کرنا، جیسے﴿كَيْفَ "يُحَكِّمُوْنَكَ" وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ﴾④ [المائدة:٤٣]

⊃ جس کی وہ تمنا کرے۔ یہاں ﴿لله﴾ مسند ہے﴿الآخرة والأولى﴾ مسند الیہ ہے، اور سجع کی رعایت میں مسند الیہ کی تاخیر اور مسند کی تقدیم ہوئی ہے؛ کیوں کہ فواصل کا حرف روی "الف" ہے۔ فواصل اور روی کی تعریف "بدیع القرآن" میں ملاحظہ فرمائیں۔

① یعنی جو مالِ غنیمت کافروں سے لڑکر ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ خدا کی نیاز ہے اور اُسے تو مال کی ضرورت نہیں، ہاں! خدا کی نیابت کے طور پر پیغمبر علیہ السلام پانچ جگہ خرچ کرسکتے ہیں: اپنی ذات پر اور اپنے اُن قرابت داروں پر جنہوں نے اسلام کی خاطر یا محض قرابت کی وجہ سے آپ ﷺ کا ساتھ دیا، یتیموں پر، حاجت مند مسلمانوں پر، مسافروں پر؛ پھر خمس نکالنے کے بعد غنیمت میں جو چار حصے باقی رہے وہ لشکر پر تقسیم کیے جائیں۔ یہاں ﴿لله﴾ مسند کی تقدیم ﴿خمسه﴾ مسند الیہ پر برائے تبرک ہے۔

② مثال اول: بیمار آدمی سے کہا جائے فِيْ عَافِيَةٍ أَنْتَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، عافیت سے ہیں آپ؛ اس مثال میں فِيْ عَافِيَةٍ مسند کو مقدم کیا گیا ہے تاکہ یہ فال لیا جائے کہ آپ کو عافیت مل گئی ہے۔

مثال ثانی: خوش حال ہوگیا زمانہ آپ کی پیشانی کی چمک (وجودِ بابرکت) سے۔

③ باپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقریر سن کر کہا: معلوم ہوتا ہے کہ تُو ہمارے معبودوں سے بدعقیدہ ہے! بس اپنی بے اعتقادی اور وعظ ونصیحت کو رہنے دے اور نہ تجھ کو کچھ اور سُننا پڑے گا؛ بلکہ میرے ہاتھوں سے سنگسار ہونا پڑے گا۔ دیکھیے! یہاں محلِ سوال (راغب) کو مقدم کیا گیا ہے۔

④ یہود نہ آپ پر ایمان رکھتے تھے اور نہ ہی قرآن پر ایمان رکھتے تھے، پھر تعجب کی بات ہے کہ آپ کو حَکَم ٹھہراتے ہیں اور جس تورات کو وہ خود آسمانی کتاب مانتے ہیں اس کے فیصلہ پر بھی راضی نہیں! تو حقیقت میں ان کا ایمان کسی پر بھی نہیں! نہ قرآن پر، نہ تورات پر! یہاں تحکیم کو محل تعجب ہونے کی وجہ سے مقدم کیا ہے (صفوۃ التفاسیر)

⑫ **كون المقدم محط الانكار**: مقدم ہونے والے مسند کا محلِ انکار میں ہونا ظاہر کرنا، جیسے: ﴿أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِيْ يٰٓإِبْرٰهِيْمُ﴾ [مریم:٤٦]؛ "أَفَعَمْيَاوَانِ" أَنْتُمَا! أَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ!① [مشکوٰۃ المصابیح]

⑬ **سلوك سبيل الترقي**: چند مسندوں کو ذکر کرتے وقت فطری تقاضے کے مطابق نیچے سے اوپر کی طرف جانا، جیسے: اوّلاً عام کو ذکر کرنا بعد ازاں خاص کو، جیسے: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِبْرٰهِيْمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا۝﴾② [مریم:٤١].

تنبیہ: مسند الیہ ومسند میں سے ہر ایک کی تقدیم دوسرے کی تاخیر کو بھی مستلزم ہے؛ لہٰذا مسند ومسند الیہ کی تاخیر کے دواعی بھی بعینہٖ وہی ہوں گے جو تقدیم میں گذر چکے، مثلاً مراعات ترتیب واقعی: جیسے ﴿إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [البقرۃ:١٨٠]. یہاں آقارب کو والدین سے مؤخر کرنا ترتیب واقعی کی رعایت میں ہے۔

فصل ثالث: ترتیب الفعل ومعمولاتہ

فعل اور اس کے معمولات کی ترتیب میں عامل کو معمول پر، نیز معمولات میں عمدہ کو فضلہ پر مقدّم کیا جائے گا، چناں چہ ترتیب یوں ہوگی: فعل، فاعل، مفعول بہ، مطلق، ظرف، مفعول لہ

---

① مثالِ اوّل: یہاں ابراھیم علیہ السلام کے والد اظہارِ تعجب کے ساتھ انکار بھی کر رہے تھے کہ: اے ابراھیم تو اپنی بداعتقادی اور وعظ ونصیحت کو رہنے دے؛ ورنہ تجھ کو کچھ اور سننا پڑے گا۔ مثالِ ثانی: آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ کو فرمایا تھا کہ: عبد اللہ بن ام مکتوم تو نابینا ہے، وہ تمھیں نہیں دیکھتے! لیکن کیا تم دونوں بھی نابینا ہیں؟ یعنی: تم دونوں تو نابینا نہیں ہوں؛ لہٰذا ان سے پردہ کرو! (مشکوٰۃ، باب النظر إلی المخطوبۃ وبیان العورات)

② صدیق کے معنیٰ ہیں: بہت زیادہ سچ کہنے والا جو اپنی بات کو عمل سے سچ کر دکھاوے، یا وہ راست باز پاک طینت جس کے قلب میں سچائی کو قبول کرنے کی نہایت اعلیٰ واکمل استعداد موجود ہو، اور جو بات خدا کی طرف سے پہنچے بلا توقُّف اس کے دِل میں اُتر جائے، شک وتردد کی گنجائش ہی نہ رہے؛ ابراہیم علیہ السلام ہر دو معنیٰ کے لحاظ سے صدیق تھے، اور چونکہ صدیقیت کے لیے نُبوت لازم نہیں، جب کہ نبوت کے لیے صدیقیت ہونا لازمی ہے؛ لہٰذا ترقی فرماتے ہوئے آگے (صدیقا) کے ساتھ (نبیا) بھی فرمایا۔ اور جیسے هٰذَا الْكَلَامُ صَحِيْحٌ فَصِيْحٌ بَلِيْغٌ؛ ونوقض بقوله تعالىٰ: ﴿وكَانَ رَسُوْلًا نَبِيًّا﴾، والجوابُ: أنَّ ﴿نَبِيًّا﴾ حَالٌ، لا صِفَة، أي: وكَانَ رَسُوْلًا حالَ كَوْنه نَبِيا. (الإتقان)

پھر بقیہ قیودات۔

فعل اوراس کے معمولات کی اِس ترتیب میں تقدیم وتاخیر کی اغراض یہ ہیں:

التَّاكِيد وتَقْرِيْر الحُكْم، الأَهَمِّيَّة، إرَادَة التَّخْصِيْص، الرَّدُّ إِلَى الصَّوَاب، لأمْرٍ مَعْنَوِيٍّ، لسَجْع وَوَزْن شِعْر، لإصَالَة التَّقَدُّم، الإخْلالُ فِي التَّأخِيْر بِبَيَان المعْنى، الإخْلالُ فِي التَّأخِيْر بِقَوَاعِد اللُّغَة.

① **التاكيد وتقرير الحكم:** کبھی تاکیداور حکم میں پختگی کے لیے مفعول کو مقدم کرتے ہیں، جیسے﴿فَأَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَأَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝﴾[1] [الضحی:۹-۱۰]

② **أهَمِّيّة:** متعلقاتِ فعل میں سے کسی ایک کی فضیلت وخصوصیت واضح کرنے کے لیے تقدیم ہوئی ہو، جیسے:۱- ﴿لَا تَقْتُلُوْآ أَوْلَادَكُمْ مِّنْ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ﴾ [الأنعام:۱۵۱]۲-﴿لَا تَقْتُلُوْآ أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ﴾[2] [الإسراء]

③ **إرادة التخصيص:** کسی شے کے ساتھ کسی حکم کو خاص کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾[3] [الفاتحة: ۵]

---

① اب جو یتیم ہے تم اُس پر سختی مت کرنا، اور جو سوال کرنے والا ہے اس کو مت جھڑکنا! آیت بالا میں یتیم وسائل کے معاملے میں رحم کرنے پر ابھارنے اور مذکورہ حکم (منہی عنہ) میں تاکید وپختگی پیدا کرنے کے لیے یتیم وسائل کو مقدم کیا ہے؛ نیز اس تقدیم کے ضمن میں دونوں آیتوں کے فواصل کی رعایت بھی ہوگئی ہے کہ دونوں میں حرف روی "راء" ہے۔ (علم المعانی)

② ترجمہ آیت اولی: غربت کی وجہ سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو ا ہم "تمھیں بھی رزق دیں گے" اور ان کو بھی ترجمہ آیت ثانیہ: اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو! ہم "انھیں بھی رزق دیں گے" اور تمھیں بھی۔

بعض عرب مفلسی کی وجہ سے اولاد کو قتل کرڈالتے تھے کہ خود ہی کھانے کو نہیں، اولاد کو کہاں سے کھلائیں! اول آیت میں ان فقراء سے خطاب تھا اس وجہ سے پہلے انھیں خوشخبری دی گئی کہ: ہم تمھیں بھی رزق دیں گے اور آنے والی اولاد کو بھی دیں گے۔ اور بعض عرب فی الحال مفلس نہ تھے؛ لیکن مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کردیتے تھے، یعنی ان کو عیال کی فکر تھی، ان لوگوں سے خطاب دوسری آیت میں تھا؛ لہٰذا اولاً عیال کے رزق کا وعدہ فرمایا پھر ان کے رزق کا۔ (علم المعانی)

③ ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ یعنی: ہم عبادت کو تیرے لیے مخصوص کرتے ہیں، تیرے علاوہ کی عبادت نہ کریں گے! اور تیرے لیے استعانت کو مخصوص کرتے ہیں، تیرے علاوہ سے استعانت ~~~

④ **الرد إلی الصواب:** صحیح بات کی رہبری کرنا، جیسے: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾[1] [الفاتحة]

⑤ **لأمرٍ معنوي:** معمولاتِ فعل میں سے کسی کو امرِ معنوی کی وجہ سے کسی پر مقدم کرنا، جیسے: ﴿وَجَآءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى﴾ [یٰس:۲۰]، ﴿وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى﴾[2] [القصص: ۲۰]

⑥ **لِسَجْعٍ أَوْوَزْنٍ:** کبھی معمول کی تقدیم سے ـ تخصیص کے فائدے کے ساتھ ـ فواصل یا وزنِ شعری کی رعایت مقصود ہوتی ہے، جیسے: ﴿خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ "الْجَحِيْمَ" صَلُّوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعاً فَاسْلُكُوْهُ﴾ [الحاقة:۳۰-۳۲] ﴿فَأَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهِ خِيْفَةً مُّوْسٰى﴾[3] [طٰهٰ:۶۷]

⇐ کریں گے۔ یہاں دونوں جگہوں پر مفعول کی تقدیم نے عبادت واستعانت کو باری تعالیٰ کے لیے مخصوص کرنے کا فائدہ دیا ہے۔(علم المعانی)

① یہاں عبادت میں غیر اللہ کو شریک کرنے کی نفی کرنے اور صحیح عقیدے کی طرف رہبری کے لیے فرمایا کہ: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، کسی اور کی نہیں! اور یہ فائدہ نعبدک میں حاصل نہ ہوتا؛ اسی طرح زَيْدًا كَلَّمْتُ: میں نے زید ہی سے بات کی ہے (عمرو سے نہیں)؛ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ مخاطب یہ گمان کررہا ہو کہ متکلم نے عمرو سے بات کی ہے؛ حالاں کہ متکلم نے عمرو سے بات نہیں کی تھی۔

② آیتِ اولیٰ: اور ایک شخص (جو مسلمان تھا) اس شہر کے کسی دور مقام سے (جو یہاں سے دور تھا، رسولوں کو عذاب دینے کی خبر سن کر) دوڑتا ہوا یہاں آیا۔ یہاں ﴿مِنْ أَقْصَى الْمَدِيْنَةِ﴾ متعلق کو ﴿رَجُلٌ﴾ فاعل پر مقدم کیا ہے، دیکھیے! یہاں رسولوں سے قریب رہنے والوں اور معجزات کا مشاہدہ کرنے والوں کے لیے سخت ڈانٹ ڈپٹ اور ملامت ہے کہ: قریب رہتے ہوئے، معجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود تم وہ کام نہ کرسکے جو ایک دور مقام رہنے والے نے کیا!

آیتِ ثانیہ: ترجمہ: اور ایک شخص (جو موسیٰ علیہ السلام کے محب اور خیر خواہ تھا وہ) شہر کے (اس) کنارے سے (جہاں قتلِ موسیٰ کا مشورہ ہورہا تھا، موسیٰ علیہ السلام کے پاس نزدیک کی گلیوں سے) دوڑے ہوئے آئے۔ اس آیت میں آیتِ سابقہ کی طرح جار مجرور کی تقدیم کا متقاضی (مقامِ توبیخ) نہ تھا؛ لہٰذا تقدیم نہ کی۔ (علم المعانی)

③ فرشتوں کو حکم ہوگا: اُسے پکڑو، طوق گلے میں ڈالو، پھر دوزخ کی آگ میں غوطہ دو اور اس زنجیر میں اس کو جکڑ دو جس کا طول ستر گز ہے؛ تاکہ جلنے کی حالت میں ذرا بھی حرکت نہ کرسکے، کہ اِدھر اُدھر حرکت کرنے سے بھی جلنے والا قدرے تخفیف محسوس کیا کرتا ہے۔ یہاں کافر کے دخول کو جہنم سے مختص فرمایا، یعنی: کافر کا جنت میں دُخول ہرگز ⇐

⑦ **إصالة التقدُّم:** کسی لفظ میں تقدیم کے اصل ہونے کی وجہ سے، جیسے ﴿وَمَآ أَظُنُّ "السَّاعَةَ" قَآئِمَةً﴾[1] [الكهف:٣٦].

⑧ **لإخلال في تأخيره ببيان المعنى:** معمول کو مؤخر کرنے پر معنی میں خلل واقع ہو، جیسے: ﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ "مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ" يَكْتُمُ إِيْمَانَهُ﴾[2] [غافر:٢٨]

⑨ **إخلال في التأخير بقواعد اللغة:** معمول کو مؤخر کرنے پر قواعد زبان میں خلل واقع ہو، جیسے: ﴿وَإِذِ ابْتَلَىٰٓ إِبْرٰهِيْمَ رَبُّهُ بِكَلِمٰتٍ فَأَتَمَّهُنَّ﴾[3] [البقرة:١٢٤].

ملحوظہ: مسند ومسند الیہ میں تقدیم کا ہونا ان کی تاخیر کو بھی مستلزم ہے؛ لہٰذا مسند ومسند الیہ کی تاخیر کے دواعی بھی بعینہٖ وہ ہوں گے جو تقدیم میں مذکور ہیں۔

⊃ نہ ہوگا؛ ساتھ ساتھ فواصل کی رعایت میں مفعول ﴿الْجَحِيْم﴾ اور جار مجرور ﴿فِيْ سِلْسِلَةٍ﴾ کو مقدم کیا گیا ہے، اور عبارت یوں ہوگی: ثم صلوه الجحيم فاسلكوه في سلسلة (علم المعانی)۔ اسی طرح آیتِ ثانیہ میں ﴿"فِيْ نَفْسِهٖ"، "خِيْفَةً"﴾ جار مجرور اور مفعول کی تقدیم فاعل: "موسیٰ" پر آیات کے فواصل (الف) کی رعایت میں ہوئی ہے۔

① بنی اسرائیل کا وہ آدمی جس کو باپ سے وراثت میں بڑی دولت ہاتھ آئی تھی، اس نے کافر ہو کر اسی دولت سے دل لگایا اور کہنے لگا: میں نہیں سمجھتا کہ: یہ باغ کبھی بھی تباہ ہوگا، اور میرا یہ خیال ہے کہ: قیامت کبھی نہیں آئے گی؛ یہاں ﴿أَظُنُّ﴾ افعال قلوب میں سے ہے جس کے دو مفعول آپس میں مبتدا خبر ہوتے ہیں جن میں مفعول اول کی تقدیم اس کے اصالۃً مبتدا ہونے کی وجہ سے ہے، اصل عبارت یوں ہوگی: "الساعة قائمة"۔

② اور فرعون کے لوگوں میں سے ایک ایمان دار مرد جو فرعون اور اس کی قوم سے اپنا ایمان چھپاتا تھا، بولا: ﴿أَتَقْتُلُوْنَ رَجُلاً أَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللهُ﴾ تم ایک مرد صالح کا ناحق خون کرنا چاہتے ہو اس بات پر کہ وہ کہتا ہے کہ: میرا رب اللہ ہے۔ یہاں اس مردِ خیر خواہ کی تین صفتیں بیان کیں: مؤمن ہونا، آل فرعون سے ہونا، ایمان کو چھپانا؛ اس جگہ اگر ﴿مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ صفتِ ثانیہ کو اگر ﴿يَكْتُمُ إِيْمَانَهُ﴾ صفتِ ثالثہ سے مؤخر کر دیا جاتا اور واقعہ یوں بیان ہوتا: "يَكْتُمُ إِيْمَانَهُ مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ" تو اس سے یہ وہم ہوتا کہ: وہ آدمی آل فرعون کے ڈر سے اپنا ایمان چھپاتا تھا؛ اس وقت اس مرد کا آل فرعون سے ہونا سمجھ میں نہ آتا؛ بلکہ آل فرعون کے ڈر سے ایمان کو چھپانا سمجھا جاتا، جو خلاف مقصود ہے (علم المعانی)

③ "جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے پروردگار نے کئی باتوں سے آزمایا"؛ یہاں اگر اصل کے مطابق مفعول ﴿إِبْرٰهِيْمَ﴾ کو ﴿رَبُّهُ﴾ سے مؤخر کیا جاتا تو اضمار قبل الذکر لازم آتا جو مشہور قاعدۂ نحویہ کے خلاف تھا؛ لہٰذا مفعول کو فاعل سے مؤخر کرنے (مرتب بہ ترتیب وضعی) کے بجائے مقدم کیا گیا ہے۔

باب رابع

ذکروحذف

سوالاتِ ذکر وحذف

① ذکر وحذف کی تعریفات کیا ہیں؟

② اگر کلامِ مذکور میں ذکر مسند الیہ وذکر مسند میں سے ذکر مسند الیہ ہے تو اُس کے (بارہ) دواعی میں سے کون سا داعیہ ہے؟

③ اگر مسند کو ذکر کیا ہے تو اس کے (آٹھ) دَواعی میں سے کونسا داعیہ ہے؟

④ اگر کوئی جزوِ کلام محذوف ہے تو مسند الیہ، مسند اور مفعول بہ میں سے کون محذوف ہے؟

⑤ اگر مسند الیہ کو حذف کیا ہے تو حذفِ مسند الیہ کے (تیرہ) دواعی میں سے کیا ہے؟

⑥ اگر مسند کو حذف کیا ہے تو اس کے (نو) دواعی میں سے کون سا داعیہ ہے؟

⑦ اگر مفعول بہ کو حذف کیا ہے تو اس کے (دس) دواعی میں سے کیا ہے؟

فصل اوّل: ذکر مسندالیہ

مسندالیہ جملے میں رکن کی حیثیت لیے ہوئے ہوتا ہے؛ لہٰذا اس کو ذکر کرنا اصل ہے؛ لیکن اس کے ساتھ دیگر اغراض بھی وابستہ ہوتی ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

عَدمُ وُجُوْدِ مَایَدُلُّ عَلَیْه، زَیادَة التَّقْرِیْر والایْضَاح، التَّسْجِیْل عَلَى السَّامِعِ، التَّعْرِیْض بِغَبَاوَةِ السَّامِعِ، قِلَّة الثِّقَة بالقَرِیْنَة لضُعْفِها أوْ لضُعْف فَهْمِ السَّامِعِ، التَّعَجُّب، التَّبرُّك، الاسْتِلْذَاذ، الرَّغْبَة فِیْ إطَالَة الكَلام، التَّعْظِیْم، التَّحْقِیْر، لإفَادَة الهَیْبَة.

① **عدم وجود مایدل علیہ:** مسندالیہ کے حذف پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ نہ ہو، جیسے: ﴿وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ ① [البقرة: ١٦٣].

② **زیادۃ التقریر والایضاح:** مسندالیہ کو مخاطب کے سامنے خوب واضح اور ظاہر کرنا ہو، جیسے: ﴿أُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ، وَ"أُولٰئِكَ" هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝﴾ ② [البقرة:٥]

اسی طرح فرزدق نے ہشام بن عبدالملک کے سامنے امام زین العابدین کی شان میں فرمایا تھا:

هٰذَا ابْنُ خَيْرِ عِبَادِ اللهِ كُلِّهِم ‌ ‌ ‌ "هٰذَا" التَّقِيُّ النَّقِيُّ الطَّاهِرُ العَلَمُ

"هٰذَا" الَّذِيْ تَعْرِفُ البَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ ‌ ‌ ‌ وَالبَيْتُ يَعْرِفُهُ وَالحِلُّ وَالحَرَمُ

اور آپ ﷺ کا فرمان:

أَنَا النَّبِيُّ لاكَذِب ‌ ‌ ‌ "أَنَا" ابْنُ عَبْدِ المُطَّلِبْ ①

---

① یعنی معبودِ حقیقی تم سب کا ایک ہی ہے، اس میں تعدُّد کا احتمال بھی نہیں ایہاں ﴿وإلٰهُكُمْ﴾ مسندالیہ کو ذکر کیا؛ کیوں کہ حذف کی صورت میں اس پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ نہ رہے گا؛ اسی طرح ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ﴾ [الفتح:٢٩] بھی ہے۔

② اور وہی لوگ (جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ ادا کرتے ہیں) اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں، اور وہی لوگ (جن کا تذکرہ ابھی گذرا) مراد کو پہونچنے والے ہیں۔ یہاں اول مؤمنین کو اسمِ اشارہ سے متعین کیا گیا، پھر مسندالیہ اسمِ اشارہ ﴿أُولٰئِكَ﴾ کو وضاحت و پختگی پیدا کرنے اور یہ بتانے کے لیے دوبارہ ذکر کیا گیا کہ: جس طرح وہ لوگ وصفِ ھدایت میں ممتاز ہیں، اسی طرح فلاح و بہبود بھی انہیں کے لیے ثابت ہے۔

① جب حنین کے موقع پر قبیلۂ ھوازن نے سخت تیراندازی شروع کی، اس وقت آپ خچر پر تشریف فرما تھے

③ **تسجیل علی السامع**: سامع کے سامنے کسی بات کو اس طور پر پختہ کر کے پیش کرنا کہ سامع کے لیے اس سے انکار کی گنجائش نہ رہے، جیسے﴿ وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ - وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا- فَلَمَّا جَاءَهُمْ "مَّا عَرَفُوْا" كَفَرُوْا بِهٖ؛ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ [البقرة:۸۹]؛ ﴿ ءَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ﴾ [۲] [الأنبياء:٦٢]

④ **تعریض بغباوۃ السامع**: سامع کی غباوت اور کند ذہنی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو، یعنی یہ بتلانا ہو کہ سامع اتنا غبی ہے کہ مسند الیہ کے حذف کی صورت میں وہ کلام کی مراد ہی نہیں سمجھے گا، جیسے:﴿ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ "هٰذَا"﴾ [الأنبياء:٦٣]، ﴿ ءَاِنَّكَ لَأَنْتَ

⊃ ابوسفیان بن الحارث اس کی لگام پکڑے ہوئے تھے، اور آپ ﷺ شعر پڑھ رہے تھے۔

اسی طرح قاضی گواہ سے کہے کہ: هلْ أَقَرَّ زَيْدٌ هٰذَا بِأَنَّ عَلَيْه كَذَا، کیا اسی زید نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ: میرے ذمہ اتنا قرضہ ہے، اور وہ گواہ جواب میں یوں کہے گا: نَعَمْ أَقَرَّ زَيْدٌ هٰذَا بِأَنَّ عَلَيْهِ كَذَا، ہاں! اسی زید نے اپنے ذمہ اتنے قرضہ کا اعتراف کیا ہے، یہاں زید کو دوبارہ اس لیے ذکر کیا تا کہ اس زید مدعیٰ علیہ پر دعویٰ پختہ ہو جائے۔

② آیتِ اولیٰ: دیکھیے! مشرکین نے ابتداءً آپ ﷺ رسالت کا انکار جہالت کی وجہ سے کیا تھا، جب کہ یہودیوں نے محض ہٹ دھرمی میں انکار کیا تھا، نہ کہ جہالت ونادانی میں؛ کیوں کہ وہ لوگ تو آپ ﷺ بعثت کے پہلے ہی سے علامات کے ذریعے پہچان چکے تھے؛ اسی بات کو پختہ کرنے کے لیے باری تعالی نے فرمایا: اور جب اُن (یہودیوں) کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آئی (یعنی قرآن) جو اس (تورات) کی تصدیق بھی کرتی ہے جو پہلے سے اِن کے پاس ہے، (تو اِن کا طرزِ عمل دیکھو!) باوجودیکہ یہ خود شروع میں کافروں (بت پرستوں) کے خلاف (اس کتاب کے حوالے سے) اللہ سے فتح کی دعا مانگا کرتے تھے، مگر جب وہ چیز ان کے پاس آ گئی "جسے انھوں نے پہچان لیا" تو اس کا انکار کر بیٹھے؛ پس پھٹکار ہے اللہ کی ایسے کافروں پر۔ یہاں یہودیوں کی ہٹ دھرمی کو واضح کرنے کے لیے اللہ پاک ﴿ جَاءَهُمْ﴾ فعل کی تکرار لائے؛ نیز مسند الیہ میں بجائے "كِتٰبٌ" کے ﴿ مَا عَرَفُوْا﴾ مسند الیہ ذکر فرما کر ان پر یہ بات پختہ کی ہے کہ: یہ کتاب برحق ہے، "جسے انھوں نے پہچان بھی لیا ہے"، لیکن محض اس وجہ سے کہ آپ بنی اسماعیل سے تعلق رکھتے تھے، آپ ﷺ انکار کر بیٹھے ہیں!

آیتِ ثانیہ: جب ابراہیم علیہ السلام نے سب بتوں کو توڑ ڈالا اور بڑے بت کو چھوڑ دیا اور اس کے سر پر کلہاڑی ڈال دی تا کہ وہ لوگ واپس آ کر یہ صورتِ حال دیکھے تو قدرتی طور پر ان کا خیال اس بڑے بت کی طرف ہو یا الزاماً اس کی طرف رجوع کرایا جا سکے؛ لیکن انھوں نے یہ سوال کیا: ﴿ ءَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ﴾ اے ابراہیم! کیا تو نے ہی ہمارے بتوں کے ساتھ یہ کھلواڑ کیا ہے؟

يُوْسُفُ، قَالَ: أَنَا يُوْسُفُ، وَ"هٰذَا" أَخِيْ﴾ ① [یوسف: ۹۰]

⑤ **قلة الثِّقَة بالقرينة**: محذوف پر دلالت کرنے والے قرینے کے غیر واضح ہونے سے مسند الیہ کو ذکر کرنا، جیسے﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ، وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ، سَيُؤْتِيْنَا "اللّٰهُ" مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ، إِنَّآ إِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ۝﴾ ② [التوبۃ:۵۹]۔

⑥ **تعجب**: انوکھے حکم کے اظہار پر مسند الیہ (وغیرہ) کو ذکر کرنا، جیسے﴿ءَإِنَّكَ لَـ"أَنْتَ" يُوْسُفُ﴾ ③ [یوسف:۹۰]

---

① آیتِ اولیٰ میں ﴿كَبِيْرُهُمْ﴾ فاعل کو ﴿هٰذَا﴾ اسمِ اشارہ کے ذریعہ متعین فرما کر سامع کی غباوت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آیتِ ثانیہ میں جب اِخوانِ یوسف کے سامنے متکلم (یوسف) کی تعیین ہوگئی تو بنیامین کی اُخوت بھی معلوم ہوگئی تھی؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے روشن کردہ چراغ کو کنویں میں ڈال کر گُل کرنے والے بے وقوف اِخوان کی غباوت اور اپنے بابت یوسف ہونے کی توثیق کے لیے ﴿هٰذَا أَخِيْ﴾ مسند الیہ کو ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح ماذا قَالَ أَحْمَدُ؟ کے جواب میں "أَحْمَدُ قَالَ كَذَا" کہنا؛ یہاں صرف "قال كذا" کہنا چاہیے تھا؛ لیکن "احمدُ قالَ كذا" کہہ کر مخاطب کے بلید اور غبی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

② -۱ بعض منافقین اور بعض اعراب (بدو) صدقات وغنائم کی تقسیم کے وقت دنیوی حرص اور خودغرضی کی راہ سے حضور کی نسبت زُبانِ طعن کھولتے تھے کہ: تقسیم میں انصاف کا پہلو ملحوظ نہیں رکھا گیا! (حالاں کہ رسول اللہ کی یہ تقسیم تو حکم الٰہی سے حکمتوں پر مبنی ہوتی تھی، رسول اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی؛ لہٰذا) بہتر طریقہ یہی ہے کہ: جو کچھ خدا پیغمبر کے ہاتھ دلوائے اس پر آدمی راضی وقانع ہو اور صرف خدا پر توکل کرے اور وہ سمجھے کہ: وہ چاہے گا تو آئندہ اپنے فضل سے بہت کچھ مرحمت فرمائے گا۔ یہاں ان اعراب کی کج فہمی کو دور کرنے کے لیے﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ، سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ میں دوبارہ اللہ مسند الیہ کا تذکرہ فرمایا کہ: "دینے والے رسول نہیں؛ بلکہ اللہ ہے"۔ نیز تجہیل علی السامع کی آیت میں ﴿مَاعَرَفُوْا﴾ بھی اسی قبیل سے ہے۔

اسی طرح زید کے تذکرہ کے ضمن میں "هو نِعْمَ الصَّدِيْق" کے بجائے "زَيْدٌ نِعْمَ الصدِيْقُ" کہنا؛ اس مثال میں: اگر زید کا ذکر سابق میں ہو چکا ہو، البتہ اس ذکر پر تھوڑا سا وقت گذر گیا ہو یا اس کے ساتھ ہی کسی دوسرے شخص کا بھی ذکر کیا گیا ہو؛ پھر بجائے "نعم الصديق"، کے یہ کہا جائے: "زيد نعم الصديق": "زید کیا ہی اچھا دوست ہے"۔

② -۲ مسند الیہ کے علاوہ کی مثال:﴿أَلَآ إِنَّ ثَمُوْدَاْ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ، أَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ۝﴾ [ھود:۶۸]، یہاں قوم ہود کی عاقبت، ان کے بُرے انجام کو ظاہر کرنے کے لیے ثمودِ ثانی کو حذف نہیں کیا؛ اگرچہ حذف پر ثمودِ اول قرینہ موجود ہے۔

③ بھائیوں نے سخت متعجب و حیرت زدہ ہو کر کہا﴿ءَ إِنَّكَ لَـ"أَنْتَ" يُوْسُفُ﴾، سچ بتاؤ! کیا تم ہی یوسف ہو؟ اس آیت میں "أ إنك يوسف" بھی کہہ سکتے تھے؛ لیکن تعجب کے اظہار کے لیے ﴿أَنْتَ﴾ مسند الیہ ثانی کو ذکر کیا۔

⑦ **تبرُّك:** مسند الیہ سے برکت حاصل کرنے کے لیے، جیسے﴿شَهِدَ اللّٰهُ -أَنَّهٗ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ- وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ﴾[1] [آل عمران:١٨]؛ اَللّٰهُ رَبِّيْ، اَللّٰهُ حَسْبِيْ.

⑧ **استلذاذ:** مسند الیہ سے لذت حاصل کرنا ہو جب کہ وہ قابلِ لذت ہو، جیسے حدیث اُمّ زرع میں ہے: قَالَتِ العَاشِرَةُ: زَوْجِيْ مَالِكٌ، وَمَا مَالِكٌ! "مَالِكٌ" خَيْرٌ مِنْ ذٰلِكَ[2]. [الترمذي في الشمائل]

⑨ **الرغبة في إطالة الكلام:** کلام کو طول دینے کی خواہش سے مسند الیہ کو ذکر کرنا، جیسے:﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى۝ قَالَ "هِيَ" عَصَايَ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ أُخْرٰى۝﴾[3] [طٰهٰ:١٧-١٨]

ملحوظہ: تعریف، بُرائی اور تاکید وغیرہ مقامات میں اِطناب سے کام لیا جاتا ہے۔

⑩ **تعظیم:** مسند الیہ کی عظمت و اِحترام کو ظاہر کرنے کے لیے – جب کہ اس میں عظمت کا معنی پایا جاتا ہو – ذکر کرنا، جیسے﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلاًّ لِّبَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ، إِلاَّ مَا حَرَّمَ "إِسْرَآءِيْلُ" عَلٰى نَفْسِهٖ﴾[4]. [آل عمران:٩٣]

⑪ **تحقیر:** مسند الیہ کی حقارت ظاہر کرنا ہو جبکہ اس میں حقارت کا معنی پایا جاتا ہو،

---

① یہاں ﴿اللّٰه﴾ کو ملائکہ اور اولوا العلم پر تبرُّکاً مقدم فرمایا ہے۔

② دسویں عورت نے کہا کہ: میرا خاوند مالک ہے، مالک کا کیا حال بیان کروں! مالک ان سب عورتوں کے ذکر کردہ صفات سے زیادہ صفات کا حامل ہے جنہوں نے اپنے شوہروں کی خوبیاں بیان کی ہیں؛ دیکھیے: یہاں تیسرے جملے میں مالک مبتدا کو ذکر کرنا برائے استلذاذ ہے۔

③ ترجمہ: موسیٰ! یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ (یہ سوال اس غرض سے تھا کہ موسیٰ لاٹھی کی حقیقت اور اس کے منافع کو خوب مستحضر کرلیں، تا کہ آنے والا معجزہ پوری طرح واضح، مستحکم اور اَوقع فی النفس ہو؛ مبادا سانپ بن جانے پر یہ وہم نہ ہو کہ میں لاٹھی کے علاوہ کوئی اور چیز لایا ہوں) موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یہ میری لاٹھی ہے، میں اس کا سہارا لیتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں پر (درخت سے) پتے جھاڑتا ہوں اور اس سے میری دوسری ضروریات بھی پوری ہوتی ہیں۔ (علم المعانی) یہاں باری تعالیٰ سے ہم کلامی کے شوق میں کلام کو طول دینے کے لیے مسند الیہ کو ذکر کیا ہے۔

④ یعنی: تورات کے نازل ہونے سے پہلے کھانے کی تمام چیزیں (جو مسلمانوں کے لیے حلال ہیں) بنی اسرائیل

جیسے: ﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ۝﴾① [لھب:١]؛ أَبُوْلَهَبٍ فَعَلَ كَذَا.

⑫ **اِفادة الهَيبة:** مسند الیہ کا جلال ووقار بتلانا مقصود ہو، جیسے: ﴿إِنَّ "اللّٰهَ" هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنِ۝﴾ [الذاریات:٥٨]؛ ﴿قَالَ يٰمُوْسىٰ إِنَّ "الْمَلَأَ" يَأْتَمِرُوْنَ بِكَ﴾② [القصص:٢٠].

فصل ثانی: ذکر مسند

کلام میں مسند کے محذوف ہونے پر دلالت کرنے والے قرینہ کے ہوتے ہوئے مسند کو ذکر کرنا اور حذف نہ کرنا چند اغراض کی بناء پر ہوتا ہے۔ ذکرِ مسند کے دواعی یہ ہیں:

تَعْيِيْن كَوْنِهِ فِعْلا، تَعْيِيْن كَوْنِهِ اِسْمًا، عَدَمُ وُجُوْد مَا يَدُلُّ عَلَيْه، ضُعْف تَنَبُّه السَّامِع، التَّعْرِيْض بِغَبَاوَةِ السَّامِع، زِيَادَة التَّقْرِيْر والاِيْضَاح، الحُدُوْث، الثُّبُوْت والدَّوَام.

① **تعيين كونه فعلا:** مسند کا فعل ہونا طے کرنا تاکہ وہ مسند تینوں زمانوں میں سے کسی ایک سے مقید ہوکر حدوث اور تجدُّد کا فائدہ دے، جیسے: ﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا﴾③ [البقرۃ:١٤٢]

② **تعيين كونه اسما:** مسند کا اسم ہونا طے کرنا، تاکہ وہ مسند دائمی طور پر مسند الیہ

⊃ کے لیے (بھی) حلال تھیں، سوائے اس چیز کے جو اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) نے اپنے اوپر حرام کرلی تھی؛ دیکھیے: اسرائیل کے معنی: معزز و شریف آدمی، سخی، صاحبِ مروت ہے، یہاں بجائے یعقوب کے لفظِ اسرائیل سے ان کی تعظیم مقصود ہے۔

① ترجمہ: ابولہب (عبد العزی بن عبد المطلب) کے ہاتھ برباد ہوں، اور وہ خود برباد ہو چکا ہے؛ یہاں بجائے عبد العزی اسمِ علم کے کنیت ﴿أَبِيْ لَهَبٍ﴾ کا تذکرہ فرما کر اس کے جہنمی ہونے سے کنایہ کیا ہے (الاتقان فی علوم القرآن)

② آیتِ اولیٰ: اللہ تو خود ہی رزّاق ہے۔ یہاں بھی بجائے ضمیر کے اسمِ ذات کو ذکر کرنا افادۃ الہیبۃ کے لیے ہے۔ آیتِ ثانیہ: شہر کے دور کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا کہ: اے موسیٰ! سردار لوگ تمھارے بارے میں مشورہ کررہے ہیں کہ تمھیں قتل کرڈالیں؛ دیکھیے ﴿اَلْمَلَأُ﴾ "وہ جماعت جو ایک رائے پر متفق ہو اور لوگوں کے دلوں میں جلال ورُتبہ لیے ہوئے ہو"؛ اس آیت میں ﴿اَلْمَلَأُ﴾ مسند الیہ کو اس مخصوص لفظ سے ذکر کرنے کی غرض اِفادۃ الہیبت ہے۔

③ اب کہیں گے بے وقوف لوگ کہ: کس چیز نے مسلمانوں کو ان کے قبلۂ اوّل سے پھیر دیا، جس پر وہ پہلے تھے! دیکھیے! مخالفوں کی طرف سے مستقبل میں ہونے والے اس اعتراض کو مع جواب اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بیان فرما دیا تاکہ کسی کو موقع پر کوئی تردُّد نہ ہو اور جواب میں تأمل نہ ہو۔

کے لیے ثابت ہو، جیسے ﴿إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خٰدِعُهُمْ﴾ ① [النساء: ١٤٢]

③ **عدم وجود ما يدل عليه**: مسند کے حذف پر کوئی قرینہ نہ ہو تو اُسے ذکر کرنا اصل ہے، جیسے ﴿قَالَ يٰمُوْسٰى إِنَّ الْمَلَأَ "يَأْتَمِرُوْنَ" بِكَ﴾ ② [القصص: ٢٠]

④ **ضعف تنبُّه السامع**: سامع کی سمجھ میں کمزوری کی بناء پر، جیسے: "أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا ثَابِتٌ" ③.

⑤ **تعريض بغباوة السامع**: سامع کے فہم پر اعتماد نہ ہونے کی وجہ سے احتیاطاً مسند کو ذکر کرنا، جیسے ﴿قَالُوْا ءَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰإِبْرٰهِيْمُ○ قَالَ بَلْ "فَعَلَهُ" كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَاسْئَلُوْهُمْ إِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ○﴾ ④ [الأنبياء: ٦٢-٦٣]

---

① منافقین دل سے کافر ہیں اور ظاہر میں مسلمان، تا کہ دونوں طرف کی مضرت وایذاء سے محفوظ رہیں، اور دونوں سے فائدہ اٹھاتے رہیں؛ حق تعالیٰ نے ان کی اس دغابازی کی یہ سزا دی کہ ان کی تمام شرارتوں اور مخفی خباثتوں کو اپنے نبی پر ظاہر فرما کر ایسا ذلیل کیا کہ کسی قابل نہ رہے اور سب دغابازی مسلمانوں پر کھول دی، اور آخرت میں جو اس کی سزا ملے گی وہ بھی ظاہر فرما دی، چنانچہ آیتِ آئندہ میں ذکر آتا ہے؛ خلاصہ یہ ہے کہ: ان کی وقتی دھوکا بازی سے کچھ نہ ہوا (یہ تعیین کو نہ فعلا کی مثال ہے)، اور اللہ نے ان کو ایسا دائمی دھوکہ میں ڈالا کہ دنیا و آخرت دونوں غارت ہوئی (یہ تعیین کو نہ اسما کی مثال ہے)۔

دیکھیے! منافقین کی دھوکا بازی عارض ہے اس لیے مسند ﴿يُخَادِعُوْنَ﴾ کو بصورتِ فعل ذکر کیا، اور اللہ تعالیٰ کا منافقین کو دھوکا میں رکھنا دائمی تھا اس لیے مسند کو بصورتِ اسم ﴿خَادِعُهُمْ﴾ ذکر کیا۔

② یہاں مسند ﴿يَأْتَمِرُوْنَ﴾ کو ذکر کیا گیا ہے اس لیے کہ حذف کی صورت میں اس پر کوئی قرینہ نہیں ہے۔ اس کی وضاحت "ذکر مسند الیہ" برائے افادۃ الہیبۃ کے تحت مذکور ہے۔

③ یہاں کم فہم سامع کے سامنے اگر دوسرے "ثابت" کو حذف کیا جائے تو وہ اس پر متنبہ نہ ہوگا۔

④ ترجمہ: پھر جب ابراہیم علیہ السلام کو بلایا گیا تو وہ بولے اے ابراہیم! کیا ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت تم ہی نے کی ہے، ابراہیمؑ نے (ان کی حماقت وجہالت پر بطور الزام دعویٰ کیا) فرمایا: نہیں! بلکہ (بطور الزام یہ دعویٰ کیے دیتا ہوں کہ) یہ حرکت اُن کے اس بڑے سردار نے کی ہے، اب انہیں بتوں سے دریافت کرلو (کہ یہ ماجرا کس طرح ہوا) اگر وہ بولتے ہوں؛ یہاں ابراہیم علیہ السلام "بَلْ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا" فرماتے تو بھی مسند سمجھ میں آجاتا؛ لیکن حذف مسند کے بجائے مخاطبین کی غباوت اور کم عقلی پر متنبہ کرنے کے لیے "فعله" کو ذکر کیا؛ کیوں کہ مسند کو حذف کرنا مخاطب ذکی ہونے پر دلالت کرسکتا ہے؛ نیز ﴿كَبِيْرُهُمْ﴾ کے بعد ﴿هٰذَا﴾ سے فاعل کی تعیین بھی اُن کی غباوت کی طرف مشیر ہے۔ اور یہاں یہ بھی تاویل کی گئی ہے: ﴿بَلْ فَعَلَه -أي: فَعَلَهُ فَاعِل-؛ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا، فَاسْئَلُوْهُمْ إِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ﴾

(علم المعانی)

⑥ **زيادة التقرير والإيضاح**: مسند کو مخاطب کے سامنے خوب واضح اور ظاہر کرنا ہو، جیسے: ﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ، لَيَقُوْلُنَّ: "خَلَقَهُنَّ" الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ۝﴾[الزخرف:۹]؛ ﴿قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظٰمَ وَهِيَ رَمِيْمٌ۝ قُلْ "يُحْيِيْهَا" الَّذِيْٓ أَنْشَأَهَآ أَوَّلَ مَرَّةٍ، وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ۝﴾ ① [یٰس:۷۸-۷۹]

⑦ **حدوث**: مسند کا فعل کی صورت میں ذکر کرنا، تاکہ وہ فعل اختصار کے ساتھ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ میں مسند کے واقع ہونے کا فائدہ دے، جیسے: ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ﴾ ② [الرعد: ۳۹]

ملحوظہ: تعریف کے موقع پر استمرارِ تجددی کا فائدہ دینے کے لیے مسند کو فعلِ مضارع کی صورت میں لایا جاتا، جیسے: ﴿إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ۝﴾ ③ [ص: ۱۸]

⑧ **ثبوت ودوام**: مسند کا ذکر کرنا دوام وثبوت کا فائدہ دے، بہ شرطے کہ خبر اسمِ مشتق ہو، جیسے: ﴿إِنَّ "اللّٰهَ" عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ ④؛ ﴿اَلْحَمْدُ "لِلّٰهِ" رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝﴾

---

① آیتِ اولیٰ: اور اگر تم (مشرکین) سے پوچھو کہ سارے آسمان اور زمین کس نے پیدا کیے ہیں؟ تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ: انھیں اس ذات نے پیدا کیا ہے جو اقتدار کی بھی مالک ہے اور علم کی بھی مالک ہے۔ یہاں وضاحت اور پختگی کی زیادتی اور تسجیل علی الکفار کی وجہ سے ﴿خَلَقَهُنَّ﴾ کو جواب میں دوبارہ ذکر کیا گیا؛ کیوں کہ اللہ کی عظمت وقدرت اور کمال تصرف ایک حد تک ان کے نزدیک بھی مسلم تھا۔ (علم المعانی)

آیتِ ثانیہ: کیا انسان ہماری پیدائش کو بھولا بیٹھا ہے اور یہ کہتا ہے کہ: اِن ہڈیوں کو کون زندگی دے گا جب کہ وہ گل چکی ہوگی؟ کہہ دو کہ: وہی اللہ ان کو دوبارہ زندگی دے گا جس نے پہلی بار پیدا کیا تھا، اور وہ پیدا کرنے کا ہر کام جانتا ہے؛ دیکھیے یہاں ﴿يحييها﴾ کو ذکر فرمانا زیادۃ التقریر کے قبیل سے ہے۔

② اللہ تعالیٰ جس (حکم، قوم، رزق اور تاثیر اسباب) کو چاہے مٹاتا ہے اور جسے چاہے باقی رکھتا ہے۔

③ ترجمہ: ہم نے پہاڑوں کو اس کام پر لگا دیا تھا کہ وہ شام کے وقت اور سورج کے نکلتے وقت ان کے ساتھ تسبیح کرتے رہے۔ یہاں پہاڑوں کی تسبیح حیناً بعد حین ہوتی رہتی ہے جس میں استمرارِ تجددی کے ساتھ ثبوت ودوام بھی حاصل ہوگیا۔ (علم المعانی)

④ ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کو دلوں کی باتیں خوب معلوم ہیں؛ دیکھیے! یہاں خبر کا ثبوت دائمی ہے (علم المعانی)

[الفاتحة:۱] ؛أي: كائنٌ لله①.

ثبوت ودوام اور حدوث دونوں کی ایک مثال باری تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَٰٓفَّٰتٍ وَيَقْبِضْنَ﴾②[الملك: ۱۹]

ملحوظہ: مسند ومسند الیہ کے علاوہ دیگر اجزائے جملہ (مثلاً: مفعول بہ، لہ، معہ، حال، تمییز وغیرہ) کے ذکر کے دواعی ومقاصد ''اطلاق وتقیید'' کے ضمن میں ملاحظہ فرمالیں۔

---

① دوسری مثال میں﴿لله﴾ اپنے متعلَّق کائنٌ سے مل کر خبر بنے گا؛ دیکھیے! یہاں﴿لله﴾ کا متعلَّق فعل بھی مان سکتے ہیں؛ لیکن اس میں ثبوت کا فائدہ نہیں مل پائے گا، لہٰذا کائنٌ اسم کو محذوف مانا گیا ہے۔

② ترجمہ: کیا اِن (کافروں) نے پرندوں کو اپنے اوپر نظر اٹھا کر نہیں دیکھا کہ وہ پَروں کو پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں، اور سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ اس آیتِ کریمہ میں اُڑتے ہوئے پرندوں کے پَروں کے پھیلانے کو﴿صَٰٓفَّٰتٍ﴾ اسم سے تعبیر کیا جو دوام اور ثبوت پر دلالت کرتا ہے، اور پروں کے سمیٹنے کو﴿يَقْبِضْنَ﴾ فعل سے تعبیر کیا جو حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے؛ کیوں کہ اُڑتے پرندوں میں پروں کو پھیلانا دائمی ہوتا ہے، سمیٹنا کبھی کبھی ہوتا ہے۔(علم المعانی)

ملحوظہ: جس طرح اسم ثبوت اور دوام پر دلالت کرتا ہے اسی طرح جملہ اسمیہ بھی ثبوت اور دوام پر دلالت کرتا ہے؛ لہٰذا تاکیدی مقامات کو جملہ اسمیہ سے تعبیر کرنا مستحسن ہے۔ اور فعل جس طرح حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے اسی طرح جملہ فعلیہ بھی حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے؛ ایک ہی جگہ دونوں کی تعبیر کے لیے آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیں:﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوٓا "آمَنَّا"، وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَٰطِينِهِمْ قَالُوٓا "إِنَّا مَعَكُمْ" إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ⑭﴾ [البقرة: ۱۴]. (علم المعانی)

یہاں منافقین کا طرزِ عمل بتایا کہ: جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو چوں کہ ایمان ان کے دلوں میں ثابت وراسخ نہیں ہے، لہٰذا اس کو﴿آمَنَّا﴾ جملہ فعلیہ سے تعبیر کرتے تھے؛ اور جب شیاطین اور رؤسائے منافقین سے ملتے تھے تو چوں کہ ان کے دلوں میں کفر وشرک راسخ اور ثابت تھا تو اس کو﴿إِنَّا مَعَكُمْ﴾ جملہ اسمیہ سے تعبیر کرتے تھے۔

فصل ثالث: حذف

حذف: کسی حرف، کلمے یا جملے کو اس طرح حذف کرنا جو اعراب سے ظاہر نہ ہو①۔

حذف کے فوائد: معلوم ہونا چاہیے کہ ہر جگہ محذوف میں (چاہے وہ مسند ہو یا مسند الیہ ہو یا متعلقات فعل کے قبیل سے ہو) کچھ بلاغتی خوبیاں ضرور ہوتی ہیں جن میں سے اہم خوبیاں یہ ہیں: ایجاز واختصار، احتراز عن عبث، تحریکِ خیال، تنبیہ علی اعجاز، فوت مقاصد②۔

① ایجاز واختصار: یعنی کلام میں ایجاز واختصار سے کام لینا۔

② احتراز عن عبث: مخاطب کو دیکھتے ہوئے غیر مفید کلام (عبث) سے احتراز کرنا، یعنی: وہ کلمہ جس پر سیاق وسباق یا حالی قرینہ دلالت کر رہا ہو تو اس کلمے کو ذکر کرنا بلاغت کے مقتضی کے مطابق عبث شمار ہوتا ہے۔

③ تحریکِ خیال: مخاطب کے خیالات واحساسات کو حرکت دینا تاکہ وہ مسکوت عنہ عبارت پر واقف ہو جائے۔

④ تنبیہ علی اعجاز: اس بات پر متنبہ کرنا کہ: محذوف کی ادائیگی سے زمانہ قاصر ہے۔

---

① معلوم ہونا چاہیے کہ: حذف خلاف اصل ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: ۱- وہ محذوف جو اعراب سے معلوم ہو جائے، جیسے أهلا وسهلا، یہ بلاغت کی قسم نہیں ہے ۲- وہ حذف جو اعراب سے ظاہر نہ ہوتا ہو، جیسے زید يعطي ويمنع، یعنی: يعطي مايشاء، یہ وہ قسم ہے جس میں بلاغت کے رموز واسرار مخفی ہوتے ہیں، ان اسرار کا احاطہ کرنا دشوار ہے؛ اسی وجہ سے امام جرجانیؒ نے باب حذف کی بابت فرمایا ہے: إنه بابٌ دَقيقُ المَسْلك شَبيهٌ بالسِّحر، فإنَّك ترىٰ ترك الذكر أفصح۔ (جواہر البلاغت)

② ملحوظہ: یاد رہے کہ جملہ مسند اور مسند الیہ سے وجود میں آتا ہے، نیز کبھی متعلقات جملہ (مفعول، ظرف، مصدر اور جار مجرور وغیرہ) سے بھی جڑا ہوا ہوتا ہے، اب جہاں کہیں حذف ہوتا ہے تو وہاں دو بنیادی چیزوں کا ہونا ضروری ہے جن کے بغیر کلام کے جزو کو حذف کرنا بے کار اور نا معقول ہوتا ہے:

۱- محذوف پر دلالت کرنے والے قرینے کا ہونا جو محذوف کو طے کر لے۔

۲- بلاغت (حسن بیان) سے متعلق اسرار (بھیدوں) میں سے کسی بھید کا ہونا؛ یہ اسرار بہت سارے ہیں، جو کتب بلاغت میں نیز آئندہ صفحات میں مذکور ہیں۔

⑤ فوت مقاصد: محذوف کا ذکر کرنا متکلم کے اہم مقاصد کو فوت کرنے والا ہے[1]۔

ملحوظہ: اوپر ذکر کردہ پانچ بنیادی خوبیاں ہر حذف میں ملحوظ ہوتی ہیں؛ ورنہ اس سے زائد خوبیاں بھی حذف میں ملحوظ رہتی ہیں جو حذفِ مسند، حذفِ مسند الیہ اور حذفِ متعلقاتِ فعل میں مذکور ہوں گی[2]۔

حذف کی چار صورتیں ہیں:

① وہ محذوف لفظ جس پر لفظ اور معنیٰ کی صحت موقوف ہو، یعنی: لفظ ومعنیٰ کی صحت کے لیے محذوف کا اعتبار کرنا ضروری ہو، جیسے: ﴿وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ﴾ [يوسف:۸۲]، أي: أَهْلَهَا[3].

② وہ محذوف لفظ جس کے بغیر لفظ ومعنیٰ صحیح ہو، لیکن حکمِ شرعی محذوف پر موقوف ہو، جیسے: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾[4] [البقرة:۱۸٤]، أي: فأفطر فعدّةٌ إلخ.

③ وہ محذوف لفظ جس کے بغیر لفظ ومعنیٰ صحیح ہو؛ البتہ امورِ عادیہ میں سے کوئی امر عادی محذوف پر موقوف ہو، جیسے: ﴿اِضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ، فَانْفَلَقَ﴾[5] [الشعراء: ٦۳]، أي:

---

① جیسے کلامِ مجید میں واقعات کے تذکرہ کرتے ہوئے ہر واقعے سے اہم مقصود اجزاء ہی ذکر کرنے پر اکتفا فرمایا ہے، سارے ہی قصہ کو بتمامہ ذکر کرنا سوائے قصۂ یوسف وخضر کے نہیں ہوا۔

② عموماً کلامِ عرب میں اور بالخصوص آیاتِ قرآنیہ میں حذف کا اسلوب بہ کثرت اختیار کیا گیا ہے، کبھی حذفِ مضاف ہوتا ہے، جیسے ﴿وَأُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ﴾ أي: حبَّ العِجْل[البقرة: ۹۳]؛ حذفِ موصوف، جیسے: ﴿وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً﴾ أي آية مبصرة [الكهف:٥۹]؛ حذف مبتدا، جیسے ﴿اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ﴾ أي هذا الحق من ربك؛ حذف متعلّق، جیسے: حدیث میں ہے، "أَلَسْتُمْ فِيْ طَعَامٍ وَشَرَابٍ" أي: مُتَنَعِّمِيْنَ فِيْ طَعَام وشَرَاب؛ اسی طرح فاعل، مفعول، شرط، جوابِ شرط، جار، خبر، مضاف الیہ، صفت، معطوف، معطوف علیہ، مبدل منہ، ضمائر، حال، منادی، جوابِ قسم اور حرف وغیرہ کو حذف کرنا۔ اس کی تفصیل علم بیان میں "ایجازِ حذف" کے تحت ملاحظہ فرمالیں؛ نیز البرہان فی علوم القرآن، الاتقان فی علوم القرآن، نیز الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

③ یہاں سوال کی اسناد قریہ کی طرف کرنا لفظاً اور معنیً صحیح نہیں ہے۔

④ جو آدمی رمضان میں بیمار ہو یا سفر میں ہو (اور اس نے روزہ افطار کیا) تو بعد میں اس کے ذمے اس کی قضا واجب ہے۔ دیکھیے! "فأفطرَ" کے بغیر لفظ ومعنیٰ صحیح ہے؛ لیکن حکمِ شرعی (وجوبِ قضا) افطار کرنے پر موقوف ہے۔ ⇐

فَضَرَبَ فَانْفَلَقَ.

④ وہ محذوف لفظ جس کے بغیر عبارت (ترکیب) ومعنیٰ صحیح تو ہو؛ البتہ دلیل شرعی ودلیل عادی کے علاوہ کوئی اور چیز (مثلاً: دلیلِ واقعی) محذوف پر دلالت کرتی ہو، جیسے ﴿فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُوْلِ﴾① [طٰہٰ:۹۶]؛ أي: قَبْضَةً مِنْ "حَافِرِ فَرَسِ" الرَّسُوْل.

ملحوظہ: حذف کی ان چار قسموں میں سے صرف پہلی قسم مجازِ مرسل کے قبیل سے ہے۔

فصل رابع: حذفِ مسندالیہ

حذفِ مسندالیہ کے اسباب ودواعی مندرجہ ذیل ہیں:

إِخْفَاء الأَمْرِ عَن غَيْرِ المخَاطَب، تَأَتِّي الإِنْكَار عِنْد الحَاجَة، التَّنْبِيْه عَلى تَعْيِيْن المحْذُوْف، اخْتِبَار تَنَبُّه السَّامِع أَوْ مِقْدَار التَّنَبُّه، لِضِيْقِ المقَام، التَّعْظِيْم، التَّحْقِيْر، المحَافَظَة عَلى وَزْنٍ وَقَافِيَة، اِتِّبَاع القَوَاعِد، اِتِّبَاع الاسْتِعْمَال، كَوْنُ المسْنَد لايَلِيْق إلاَّ بِه، إِسْنَاد الفِعْل إِلَى النَّائِب، دَلالَةُ القَرَائِن، ظُهُوْر المسْنَد إِلَيْه.

① **إِخفاء الامر عن غير المخاطب**: مخاطب کے علاوہ دوسرے لوگوں سے کسی خاص بات کو مخفی رکھنا ہو، جیسے ﴿إِنْ تَتُوْبَا إِلَى اللهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا، وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾② [التحریم:۴]

⇦ ⑤ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ: آپ اپنی لاٹھی سمندر پر ماریے! (چناں چہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حسبِ حکمِ الٰہی لاٹھی سمندر پر ماری) پس سمندر پھٹ گیا۔

① سامری نے کہا: میں نے جبریل کے (گھوڑے کے) پاؤں کے نیچے سے ایک مٹھی بھر لی تھی، یہاں دلیل شرعی وعادی کے علاوہ دلیل واقعی محذوف پر دلالت کرتی ہے۔ (الزیادۃ والاحسان)

② یعنی: اگر تم دونوں اللہ کے حضور توبہ کرلو (تو یہی مناسب ہے)؛ کیوں کہ تم دونوں کے دِل (توبہ کی طرف) مائل ہوگئے ہیں؛ اور اگر تم نے نبی ﷺ کے مقابلے میں ایک دوسری کی مدد کی تو (یاد رکھو! کہ:) اُن کا ساتھی اللہ ہے جبریل ہے اور نیک مسلمان ہیں؛ یہاں ﴿تتوبا﴾ کے بابت خود مفسر قرآن عبداللہ بن عباسؓ ایک عرصے تک خواہش مند رہے کہ: ان دو عورتوں سے کون مراد ہیں؟ پھر ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے ساتھ سفرِ حج کا موقع میسر آیا تو حضرت عمرؓ سے پوچھ لیا: حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: وہ حفصہ وعائشہ مراد ہیں۔ (ترمذی شریف)؛ ایسا ہی جب متکلم اور مخاطب ⇦

② **تأتي الإنكار عند الحاجة:** ضرورت کے وقت انکار کیا جاسکے، جیسے: بکر نامی شخص کا تذکرہ ہو رہا تھا اور درمیان میں کسی نے کہا لَئِیْمٌ خَسِیْسٌ، وہ کمینہ اور ذلیل ہے①۔

③ **تنبیہ علی تعیین المحذوف:** محذوف کے متعین ہونے پر متنبہ کرنا؛ اگرچہ اِدّعاءً ہی کیوں نہ ہو، جیسے: ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ: وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ؟ قَالَ: رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ﴾ [الشعراء:۲۳-۲۴]، أي: رَبُّ العَالَمِيْنَ هُوَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ؛ ﴿فَإِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتٰنِ﴾② [البقرة:۲۸۲]؛ أي: فَالشَّاهِد رَجُلٌ وامْرَأَتَانِ.

④ **اختبار تنبُّه السّامع، أو مِقداره:** یعنی مخاطب کی دانشمندی اور ذکاوت کو یا اس کی مقدار کو آزمانا اور جانچنا مقصود ہو، جیسے نُوْرُهُ مُسْتَفَادٌ مِّنْ نُّوْرِ الشَّمْسِ③۔

⇐ درمیان کسی خاص شخص کے آنے کا (مثلاً علی) کے آنے کا تذکرہ ہو چکا ہو، اب علی کے آجانے پر متکلم مخاطب ہی کو اطلاع دینا چاہتا ہے اور دوسروں سے مخفی رکھنا چاہتا ہے تو علی کو حذف کر کے کہے أَقْبَلَ، وہ آ گیا۔

① اس مثال میں بکر مسند الیہ کو حذف کر دیا گیا تا کہ متکلم بکر کی طرف سے پکڑ ہونے پر انکار کر سکے کہ: میں نے آپ کے بارے میں تھوڑی کہا! اور میں نے تو آپ کا نام ہی نہیں لیا!۔

② آیتِ اولیٰ: اپنی بابت رُبوبیت کا دعویٰ کرنے والے فرعون نے پوچھا: رب العالمین کون ہے؟ باری تعالیٰ نے فرمایا: آسمان وزمین کی سب چیزیں جس کے زیرِ تربیت ہے وہی رب العالمین ہے؛ اگر تمھارے قلوب میں کسی چیز پر بھی یقین لانے کی استعداد موجود ہو تو فطرتِ انسانی سب سے پہلے اس چیز کا یقین دلانے کے لیے کافی ہے۔ یہاں ﴿ربُّ السَّماوات﴾ سے پہلے ﴿ربُّ العالمین﴾ کو حذف کر دیا ہے؛ اور متنبہ کیا کہ ربّ العالمین تو وہی ہو سکتا ہے جو ربّ السماوات والارض ہو۔

آیتِ ثانیہ: (اے ایمان والو! اگر تم اُدھار معاملہ پر تحریر نہ لکھوا سکو) تو اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو، ہاں! اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہوں میں سے ہو جائیں۔

اسی طرح "خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ"، "وَوَهَّابُ الْأُلُوْفِ": یہاں مخاطب کو اس بات پر متنبہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ محذوف کلمہ پہلے سے حقیقۃً یا ادعاءً متعین ہی ہے، ذکر کرنے سے بھی یہی تعیین کا فائدہ حاصل ہوگا، اور وہ خود بخود حاصل ہے۔

③ اس (چاند) کی روشنی سورج کی روشنی سے حاصل ہوتی ہے؛ دیکھیے! یہاں مخاطب کی ذکاوت کو آزمانے کے لیے متکلم نے "القمر" مبتدا کو حذف کر دیا ہے، اس قرینے کی وجہ سے کہ القمر نہ ماننے کی صورت میں "نورہ" کی ضمیر بلا مرجع رہ جائے گی۔

⑤ **ضیق المقام**: مقام تعجب، حیرت اور استبعاد میں مسند الیہ کو حذف کرنا، اسی طرح موقع کے فوت ہوجانے کے خوف سے یا حزن وملال کے موقع پر مسند الیہ کو حذف کرنا، جیسے:

﴿فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ، وَبَشَّرُوْهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ۝ فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ: عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ۝﴾① [الذاريات: ۲۸، ۲۹]

⑥ **تعظیم**: کسی کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے نام نہ لینا، جیسے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ۝﴾② [البقرة: ٤]

⑦ **تحقیر**: کسی کی ذلت مدنظر رکھتے ہوئے اپنی زبان کو اس کے نام سے بچانا، جیسے: ﴿وَإِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ۝﴾ [حٰم السجدة:٤٩]، أي: فالإنسان يئووس قنوط؛ ﴿أُذِنَ لِلَّذِيْنَ "يُقٰتَلُوْنَ" بِأَنَّهُمْ "ظُلِمُوْا"، وَإِنَّ اللهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ۝﴾③ [الحج:٣٩]

---

① ترجمہ: (جب دو فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں کھانا تناول نہ فرمایا) تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دل میں ڈر محسوس کیا، انہوں نے کہا: ڈریئے نہیں: اور انہیں ایک ہوشیار لڑکے کی خوش خبری دی؛ اس بشارت کو سن کر حضرت سارہ علیہا السلام تعجب واستغراب میں (أَنَا عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ) میں تو بڑھیا بانجھ ہوچکی ہوں! کہنے کے بجائے متعجب ہوکر بول پڑیں: ﴿عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ﴾ بڑے تعجب کی بات ہے: ایک بانجھ بڑھیا! چوں کہ یہ مقام تعجب، حیرت اور استبعاد کا تھا، لہٰذا مقتضائے حال کے مطابق مسند الیہ (أنا) کو حذف کردیا اور فرمایا: ﴿عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ﴾۔

فوتِ فرصت کی مثال: جیسے کوئی شخص شکاری کو شکار کی اطلاع دیتے ہوئے غَزَالٌ (یہ ہرن ہے)، اصل میں ذٰلك غَزَالٌ، یہاں سے مسند الیہ کو وقت کی تنگی کی وجہ سے حذف کرلیا گیا ہے۔ حزن وملال کی مثال، جیسے قَالَ لِي كَيْفَ أَنْتَ، قُلْتُ "عَلِيْلٌ" میں بیمار ہوں، اصل میں تھا أَنَا عَلِيْلٌ؛ کیوں کہ بیمار آدمی طویل کلام کرنے سے عاجز ہوتا ہے اور بسا اوقات طویل کلام سے اُسے تکلیف بھی ہوا کرتی ہے۔

② یہاں عبارت یوں تھی: "يُؤْمِنُوْنَ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ إِلَيْكَ" یہاں سے ایمان والوں کے نزدیک بُلند وبرتر، عالی شان ذات کا عَلَم (لفظِ جلالہ) کو تعظیماً واحتراماً حذف کردیا گیا ہے؛ یہی حال اگلی آیت کا بھی ہے۔ (علم المعانی)

③ آیتِ اولیٰ: (انسان کا حال یہ ہے کہ وہ بھلائی مانگنے سے تھکتا نہیں) اور اگر اُسے کوئی بُرائی چھوجائے تو (وہ) ایسا مایوس ہوجاتا ہے کہ ہر امید چھوڑ بیٹھتا ہے۔ آیتِ ثانیہ: مکی زندگی میں تیرہ سال تک مظالم برداشت کرنے والے مسلمانوں کو اجازت دی جاتی ہے (کہ وہ اپنے دفاع میں لڑے)؛ کیوں کہ ان پر (کفار کی طرف سے) ظلم کیا گیا ہے، اور یقین رکھو کہ اللہ ان کو فتح دلانے پر پوری طرح قادر ہے؛ یہاں ﴿أُذِنَ﴾ کے فاعل اللہ کو تعظیماً حذف کیا گیا ہے، نیز ﴿يُقٰتَلُوْنَ، ظُلِمُوْا﴾ کے فاعل کفار یا منافقین کو تحقیراً حذف کیا ہے۔

⑧ **محافظت علی وزن أو قافیۃ:** نظم میں وزنِ شعری کی اور نثر کے جملوں کے آخری حرف (فاصلہ) کی رعایت کرنا ہو، جیسے: ﴿وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى○﴾[1] [اللیل:۱۹]

⑨ **اِتباع القواعد أو الاستعمال:** قواعدِ عربیہ یا استعمالِ عرب کی رعایت میں مسندالیہ کو حذف کرنا، جیسے ﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ﴾[2] [یوسف:۱۸]، أي: صَبْرِيْ صَبْرٌ جَمِيْلٌ.

⑩ **کونُ المسند لایلیق إلا به:** مسند کا کسی خاص مسندالیہ ہی کے لائق ومناسب ہونا، جیسے: ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ○﴾[3] [الرعد:۹]؛ ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ○﴾ [البروج:۱٦]

ملحوظہ: کبھی متکلم کے اعتقاد میں مسندالیہ طے ہوتا ہے؛ لہٰذا وہ مسندالیہ کو حذف کر دیتا ہے؛ اگرچہ وہ خلافِ واقع ہو، جیسے ﴿فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ○﴾[4] [المؤمن:۲۴]

---

① کسی کا اس پر احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے؛ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ان کا آقا (امیہ بن خلف) ان کے ایمان کی بنا پر بہت سزا دیتا تھا جس کی بنا پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال کو اس مصیبت سے چھڑانے کے لیے امیہ سے خرید کر آزاد کر دیا۔ اس پر کفار کہنے لگے "ابوبکر پر بلال کا کوئی احسان تھا اس وجہ سے انہوں نے اس احسان کا بدلہ چکانے کے لیے ان کو خرید کر آزاد کیا ہے"؛ چنانچہ کفار کے اس جھوٹے دعوے کی تردید کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ: کسی کا ابوبکر پر کوئی احسان نہ تھا کہ وہ اس کا بدلہ دے رہے ہیں؛ بلکہ خالص رضائے مولا کی طلب اور دیدارِ الٰہی کی تمنا میں گھر بار لُٹا رہے ہیں؛ اور وہ اطمینان رکھے انھیں خوش کر دیا جائے گا۔ اس جگہ اصل عبارت "من نعمة يجزيها" ہے جس میں فعل کا مسندالیہ ضمیر ہے جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف عائد ہے؛ لیکن رعایتِ فواصل میں ضمیر مسندالیہ کو حذف کر کے ﴿مِن نِّعْمَةٍ تُجْزٰى﴾ فرمایا ہے۔ اور ترکیبی اعتبار سے (تجزی)، (نعمة) کی صفت ہے۔

② حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: حقیقت یہ نہیں جو تم کہتے ہو؛ بلکہ تمھارے دلوں نے اپنی طرف سے ایک بات بنالی ہے، اب میرے لیے صبرِ جمیل ہی بہتر ہے؛ دیکھیے! یہاں صبری مبتدا محذوف ہے، اور مبتدا کو وجوبا حذف کرنے کی آٹھ جگہوں میں سے ایک یہ ہے کہ: خبر ایسا مصدر ہو جو فعل کے قائم مقام ہو، أي: صَبَرْتُ صَبْرًا جَمِيْلًا۔ (شرح ابن عقیل)

اتباع الاستعمال کی مثال: رَمْيَةٌ مِن غَيْرِ رامٍ، أي: هٰذِهِ رَمْيَةٌ مِن غيرِ رامٍ

③ ترجمہ: (وہ اللہ) غائب وحاضر تمام باتوں کا جاننے والا ہے، اس کی ذات بہت بڑی ہے، اس کی شان بہت عالی ہے۔ مذکورہ صفات باری تعالیٰ کے علاوہ کسی میں نہیں؛ گویا مسندالیہ ادعاءً طے ہے۔ (علم المعانی)

④ أي: هٰذا ساحِرٌ كذَّاب، فرعون، ہامان اور قارون نے کہا کہ: (یہ موسیٰ اپنے معجزات دکھانے میں)

⑪ **إسناد الفعل إلى النائب:** نائب فاعل کی طرف فعل کی نسبت کرنا بھی حذف مسند الیہ کے قبیل سے ہے، جیسے:﴿ "فَغُلِبُوْا" هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ۝ وَ"أُلْقِيَ" السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ۝﴾ ① [اعراف:۱۱۹-۱۲۰]

ملحوظہ: فعل کا فاعل بالکل ظاہر اور واضح ہو تو اسے بھی حذف کر دیا جاتا ہے، جیسے: باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿كَلَّآ إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ﴾ ② [القيامة: ۲۶]

⑫ **دلالة القرائن:** مسند الیہ پر قرائن دلالت کرتے ہوں، جیسے:﴿فَصَكَّتْ وَجْهَهَا، وَقَالَتْ: عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ۝﴾ ③ [الذاريات:۲۹]

⑬ **ظهور المسند إليه:** سامع کی نظر میں مسند الیہ بالکل ظاہر ہو تو اس کو ذکر نہیں

⇐ جھوٹا ہے، (دعوۂ رسالت میں) جادوگر ہے (علم المعانی)

① (اس موقع پر یعنی جب عصائے موسیٰ سانپ بن کر ان کی تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا تو) وہ مغلوب ہوئے اور ذلیل ہو کر پلٹ گئے۔ اور اس واقعہ نے سارے جادوگروں کو بے ساختہ سجدہ میں گرا دیا۔

یہاں ﴿فَغُلِبُوْا﴾ اور ﴿أُلْقِيَ﴾ دونوں کو مجہول لایا گیا ہے، اول میں حکمت یہ ہے کہ ساحروں پر غالب آنے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام نہیں تھے؛ کیوں کہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے﴿وَأَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى﴾ [طٰهٰ: ۶۷] کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس واقعہ پر اپنے دل میں کچھ خوف محسوس ہوا تھا جب کہ انھوں نے لاٹھیوں اور رسیوں کو دوڑتی ہوئی محسوس کی تھیں، گویا غالب آنے والی ذات تو صرف اللہ کی ہے (كَوْنُ الْمُسْنَد لا يَلِيْقُ إلا بِه) جس نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ایک خارق عادت چیز کو ظاہر فرمایا؛ اسی طرح﴿أُلْقِيَ﴾ کو مجہول استعمال کرنا یہ بتلاتا ہے کہ: کوئی ایسا قوی حال اُن جادوگروں پر طاری ہوا تھا جس نے ان کے دلوں سے سرکشی و کفر کو نکال پھینکا، جس کے بعد بجز خضوع واستسلام کوئی چارہ نہیں رہا۔

فائدہ: فعل کی نسبت مفعول کی طرف کرنا بھی حذف مسند الیہ کی ایک قسم ہے، اور اس کی اغراض بہت ساری ہیں، مثلاً: فاعلِ حقیقی پر نقصان کا خوف ہو یا نام لینے کی صورت میں اس کی طرف سے نقصان کا اندیشہ ہو، فاعل کو ذلیل وحقیر سمجھتے ہوئے ذکر نہ کیا جائے، یا فاعل کا علم ہی نہیں وغیرہ۔

② أي: إِذَا بَلَغَتِ الرُّوْحُ التَّرَاقِيَ، خبردار جب (جان) ہنسلیوں تک پہونچ جائے گی (علم المعانی)

③ حضرت سارہ حضرت ابراہیم کی بیوی ایک طرف گوشہ میں کھڑی مہمان (فرشتے) کی بات سن رہی تھیں، لڑکے کی بشارت سن کر چلاتی ہوئی دوسری طرف متوجہ ہوئیں اور تعجب سے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہنے لگیں: (کیا خوب!) میں بڑھیا بانجھ جس کی جوانی میں اولاد نہ ہوئی، اب بڑھاپے میں بچہ جنے گی! یہاں قرینۂ حال کی وجہ سے بجائے "أنا عجوز عقیم" کے صرف﴿عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ﴾ فرمایا۔

کیا جاتا، جیسے:﴿وَمَآ أَدْرٰكَ مَاهِيَهْ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ۝﴾① [القارعة:۱۰-۱۱]

ملحوظہ: حذف کی قسمیں اور اس کی مختلف صورتیں "ایجازِ حذف" میں ملاحظہ فرمالیں۔

فصل خامس: حذفِ مسند

مسند الیہ کو جن اسباب کی وجہ سے حذف کیا جاتا ہے، انہیں اسباب کی وجہ سے کبھی مسند کو بھی حذف کردیا جاتا ہے، اُن میں سے بعض یہ ہیں:

اِتِّبَاع القَوَاعِد، دَلالَةُ قَرِيْنَةٍ عَلى تَعْيِين المسْنَد، تَعْظِيْم المسْنَد إلَيْه، تَحْقِيْر المسْنَد، الاحْتِرَاز عَن العَبَث، بِنَاء الجُمْلَة عَلى كَلِمَة، مُحْتَمَل الوَجْهَيْن، المحَافَظَة عَلىٰ وَزْن، لفَوَاتِ الفُرْصَة.

① **اتباع القواعد:** قواعدِ عربیہ کی رعایت میں مسند کو حذف کرنا، جیسے:﴿لَوْلا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ﴾② [سبأ:۳۱]، أي: لَوْلا أَنْتُمْ مَوْجُوْدُوْنَ.

② **دلالة القرينة على تعيين المسند:** محذوف مسند کی تعیین پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ موجود ہو، چاہے وہ متکلم کے کلام میں ہو یا دوسرے کے کلام میں ہو، جیسے: ﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا؟ قُلْ: الَّذِيْ فَطَرَكُمْ﴾ [بني اسرآءيل:۵۱]؛ ﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ، لَيَقُوْلُنَّ: اللّٰهُ﴾③ [لقمان:۲۵]۔

③ **تعظیمِ مسند الیہ:** مسند الیہ کی عظمت ورفعت کو ظاہر کرنے کے لیے مسند کو

① أي: هي نارٌ حاميةٌ. ترجمہ: جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے اس کا ٹھکانا ایک گہرا گڑھا ہوگا، اور تمھیں کیا معلوم کہ وہ گہرا گڑھا کیا چیز ہے؟ (وہ) ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔ (کنز الایمان لزیادۃ والاحسان)

② جن کافروں کو دنیا میں کمزور سمجھا گیا تھا وہ اُن لوگوں سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے: "اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مؤمن بن جاتے"؛ اس مثال میں "مَوْجُوْدُوْنَ" مسند کو حذف کردیا گیا ہے، کیوں کہ اہلِ عرب کے نزدیک لَوْلا کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔ (شرح ابن عقیل)

③ کسی فعل کے بابت سوال کے جواب میں فعل کو حذف کرلیا جاتا ہے مثالِ اول: أي: يُعِيْدُكم الذي فَطَرَكم؛ مثالِ ثانی: لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ اللّٰهُ.

حذف کرنا، جیسے: ﴿وَمَا نَقَمُوْٓا إِلَّآ أَنْ أَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾[1] [التوبة:۷٤]

④ **تحقیرِ مسند:** کسی مسند کو تحقیراً حذف کردینا، جیسے ﴿أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾[2] [الزمر:۲۲]

⑤ **احترازعن عبث:** لغو اور بے کار کلام سے بچتے ہوئے؛ کیوں کہ وہاں مسند کے حذف پر دلالت کرنے والا قرینہ موجود ہے، جیسے ﴿أَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ﴾[3] [التوبة:۳]

⑥ **بناء الجملة على كلمة:** جملے کی بنیاد صرف ایک کلمہ پر کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿وَلَوْ تَرٰٓى إِذْ فَزِعُوْا "فَلَا فَوْتَ"، وَأُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ۝﴾ [السبأ:۵۱] ﴿لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِيْنَ۝ قَالُوْا: "لَا ضَيْرَ"، إِنَّآ إِلٰى

---

① یعنی: منافقین کو حضور ﷺ دعا سے خدا نے دَولت مند کردیا، قرضوں کے بار سے سبک دوش ہوئے، مسلمانوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے غنائم میں حصہ ملتا رہا، حضور ﷺ برکت سے پیداوار اچھی ہوتی رہیں؛ ان احسانات کا بدلہ یہ دیا کہ: خدا اور رسول کے ساتھ دغابازی کرنے لگے، اور ہر طرح پیغمبر اور مسلمانوں کو ستانے کے لیے کمر باندھ لی۔ اللہ پاک نے فرمایا: یہ لوگ اب بھی توبہ کرکے اپنی شرارتوں اور احسان فراموشیوں سے باز آجائے تو اُن کے لیے بہتر ہے؛ ورنہ خدا دنیا اور آخرت میں وہ سزا دے گا جس سے بچانے والا روئے زمین پر کوئی نہ ملے گا۔ روایت میں ہے کہ: جلاس نامی ایک شخص یہ آیات سن کر صدقِ دل سے تائب ہوا اور آیندہ زندگی خدمتِ اسلام میں قربان کردی۔ دیکھیے! یہاں مشہور ترکیب کے مطابق ﴿رسوله﴾ کا عطف ﴿الله﴾ پر ہے؛ لیکن دوسری ترکیب یہ بھی ہے کہ: ﴿رَسُوْلُهٗ﴾ سے پہلے "أَغْنٰهُمْ" مسند کو محذوف مانیں، اور عبارت یوں مانیں: "إلا أنْ أغناهم اللهُ من فَضله، وأغْناهمْ رَسُوْله مِن فضْله" تو یہاں "رسوله" سے پہلے "أغناهم" مسند کو حذف کرنا مسند الیہ کی تعظیم پر دلالت کرے گا؛ اور اس وقت رسول اللہ ﷺ کے اِغناء کو اللہ تعالیٰ کے اِغناء کے قبیل سے بنادیا ہے۔

② بھلا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے، جس کے نتیجہ میں وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روشنی میں آچکا ہے، (سنگ دلوں کے برابر ہوسکتا ہے؟ أي: كمَنْ "أقسىٰ" قَلبَه وجَعَل صدْرَه ضَيِّقا حَرَجا، أوْ: كمَنْ لَيْس كذٰلك.

③ حج اکبر کے دِن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ: اللہ بھی مشرکین سے دست بردار ہوچکا ہے اور اس کا رسول (بھی دست بردار ہوچکا ہے)؛ اصل میں تھا "وَرَسُوْلُهٗ أَيْضاً بَرِيْءٌ مِنهُمْ"، اس مثال میں دوسرے "بَرِيْءٌ" کو حذف کردیا گیا ہے؛ کیوں کہ پہلا "بَرِيْءٌ" دوسرے کے حذف پر دلالت کررہا ہے۔ (جواہر)

رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ﴾① [الشعراء:۴۹-۵۰].

⑦ **محتمل الوجهين**: کسی جگہ مسند اور مسند الیہ میں سے ہر ایک کے محذوف ہونے کا احتمال ہو، جیسے: ﴿"سُوْرَةٌ أَنْزَلْنٰهَا" وَفَرَضْنٰهَا﴾[النور:۱]؛ ﴿أَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَإِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ، قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا! "طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ"﴾②[النور:۵۳]

⑧ **المحافظة على وزن**: وزنِ شعری کی رعایت میں مسند کو حذف کرنا، جیسے: نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا، وَأَنْتَ بِمَا - عِنْدَكَ رَاضٍ، وَالرَّأْيُ مُخْتَلِفُ③.

⑨ **حذراً من فوات الفرصة**: فرصت کے فوت ہوجانے کے خوف سے مسند کو حذف کرنا، جیسے: ﴿فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ "نَاقَةَ اللّٰهِ"﴾④[الشمس:۱۳]، أي: ذَرُوا نَاقَةَ اللّٰهِ.

---

① آیتِ اولی: یعنی یہ کفار یہاں ڈینگیں مارتے ہیں مگر وہ وقت قابلِ دید ہوگا جب یہ لوگ محشر کا ہولناک منظر دیکھ کر گبھرائیں گے اور (وہ لوگ) "کہیں بھاگ نہ سکیں گے"؛ بلکہ نہایت آسانی سے فوراً جہاں کے تہاں گرفتار کر لیے جائیں گے؛ یہاں تقدیری عبارت: فلا فوت لهم ہے۔ آیتِ ثانیہ: یعنی جب فرعون نے ساحروں کو کہا: میں تمھارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور سولی پر چڑھاؤں گا تب یہ بولے: "کچھ ڈر نہیں (تیری سزا کا)" ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے؛ یہاں تقدیری عبارت "لا ضَيْرَ عَلَيْنَا فِيْمَا تَصْنَعُهُ بِنَا" ہے۔ (علم المعانی)

② آیتِ اولی: یعنی (یہ) ایک سورت ہے جس کو ہم نے اُتاری، اور ذمہ پر لازم کی ہے؛ اس میں دو تقدیریں نکل سکتی ہیں: حذفِ مسند الیہ کی صورت میں: "هٰذِهٖ سُوْرَةٌ أَنْزَلْنَاهَا"؛ حذفِ مسند کی صورت میں: "فِيْمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ سُوْرَةٌ أَنْزَلْنَاهَا"۔ آیتِ ثانیہ: یعنی منافقین اللہ کی بڑی سخت تاکیدی قسمیں کھا کر آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ: اگر آپ ہم کو حکم دیں تو سب گھر بار چھوڑ کر خدا کے راستے میں نکل جائیں گے! آپ فرما دیجیے: اس قدر منہ بھر کر لمبی چوڑی قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں، صرف سچے مسلمانوں کے دستور کے موافق حکم برداری کر کے دکھاؤ! زبانی قسمیں کھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہاں بھی دو تقدیریں نکل سکتی ہیں: حذفِ مسند الیہ کی صورت میں: "أَمْرُكُم طَاعَةٌ مَعْرُوْفَةٌ لا يُشَكُّ فيه ولا يرتاب"؛ حذفِ مسند کی صورت میں: "طَاعَةٌ مَعْرُوْفَةٌ أَوْلٰى بِكُم مِن هٰذِهِ الأَيْمَان الكاذبة". (علم المعانی)

③ ہم ہمارے پاس موجود چیزوں سے (راضی ہیں) اور تو اپنے پاس موجود چیزوں سے راضی ہے؛ اور دونوں کی رائیں مختلف ہیں۔ یہاں "نحن بما عندنا راضون" سے مسند "راضون" کو وزنِ شعری کی وجہ سے حذف کیا ہے۔

④ یعنی جب قومِ صالح کا بڑا بد بخت آدمی (قذار بن سالف) اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا، تو حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کی ہدایت اور نجات پر سخت حریص ہونے اور بُرے انجام سے ڈراتے ہوئے چیخ اُٹھے ﴿نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا﴾ یعنی: اللہ کی (بھیجی ہوئی) اونٹنی اور اس کو پانی کی باری سے (خبردار رہو!)۔

فصل سادس: حذف مفعول بہ

معلوم ہونا چاہیے کہ: فعلِ متعدی کے مفعول کا ہونا ضروری ہے جس پر فعل واقع ہوا ہو؛ اس مفعول کو حذف کرنا چند اغراض کی وجہ سے ہوتا ہے جس کا حال نے تقاضہ کیا ہو۔

حذف مفعول بہ کے دواعی مندرجہ ذیل ہیں:

المحَافَظَة عَلَى سَجْع، المحَافَظَة عَلَى وَزْن، تَعْمِيمٌ مَعَ الاخْتِصَار، الأَدَب، اسْتِهْجَانا للذِّكْر، تَنْزِيْل الفِعْل المتَعَدِّي مَنْزِلَة اللاَّزِم، طَلَبًا للاخْتِصَار، الإِيْضَاح بَعْدَ الإِبْهَام، لتَقَدّم ذِكْرِه، لوُضُوْح المفْعُوْل بِهِ.

① **المحافظة علی سجع:** سجع کی رعایت میں مفعول بہ کو حذف کرنا، جیسے: ﴿وَالضُّحٰى ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝﴾ [الضحی: ۱-۳]، أي: "وَمَا قَلاكَ"①.

② **المحافظة علی وزن:** وزنِ شعری کی رعایت میں مفعول بہ کو حذف کرنا، جیسے آپ ﷺ کا فرمان:

هَلْ أَنْتِ إلاَّ إِصْبَعٌ دَمِيْتِ ۞ وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ مَالَقِيْتِ②

③ **تعمیم مع الاختصار:** اختصار کے ساتھ ساتھ عمومیت پیدا کرنے کے لیے،

---

① (اے پیغمبر!) قسم ہے چڑھتے دن کی روشنی کی، اور رات کی جب اس کا اندھیرا چھا جائے کہ: تمہارے پروردگار نے نہ تمہیں چھوڑا ہے اور نہ (تم سے) ناراض ہوا ہے۔ یہاں (وما قلاك) کے بجائے فواصل کی رعایت میں ﴿وَمَا قَلٰى﴾ فرمایا ہے؛ کیوں کہ ہر آیت کے اخیر میں الف آرہا ہے، اور یہ سجع مفعول کو ذکر کرنے سے باقی نہ رہے گا۔ مطلب یہ ہے کہ: سورج کی دھوپ کے بعد رات کی تاریکی کا آنا اللہ کی خفگی اور ناراضی کی دلیل نہیں، اسی طرح چند روز نورِ وحی کے رُکے رہنے سے یہ کیوں کر سمجھ سکتے ہیں کہ آج کل خدا اپنے منتخب پیغمبر سے خفا اور ناراض ہو گیا ہے۔

② جندب بن عبداللہ بجلیؓ نے فرمایا کہ: جب آپ ﷺ انگلی مبارک سے پتھر لگنے پر خون بہنے لگا، اس وقت آپ ﷺ پڑھ رہے تھے: تُو ایک انگلی تو ہے جو خون آلود ہوئی ہے، اور اللہ کے راستہ ہی میں تجھے تکلیف پہونچی ہے جو پہنچی ہے۔ یہاں مالقیت، اصل میں مَالَقِيْتِهِ تھا، وزنِ شعری کی رعایت میں مفعول بہ کو حذف کر دیا ہے۔

جیسے: ﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا إِلٰى دَارِ السَّلٰمِ﴾[1] [يونس: ۲۵]

④ **أدب:** تہذیب وشائستگی کا طریقہ اپنانا، جیسے: ﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا، وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ أَرِنِيْٓ أَنْظُرْ إِلَيْكَ﴾[2] [الأعراف:۱٤۳]، أي: ذاتك.

⑤ **استهجانا للذكر:** یعنی مفعولِ بہ کو کبھی اس وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے کہ اس کی تصریح ناپسندیدہ ہوتی ہے، جیسے: عَنْ عائشة رضي الله عنها قالت: "كُنْتُ اَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، فَمَا رَأَيتُ مِنْهُ وَلا رَأٰى مِنِّيْ". تُرِيْدُ "العَوْرَةَ"[3].

[بخاري في الغسل، ومسلم في كتاب الحيض]

⑥ **تنزيل الفعل المتعدي منزلة اللازم:** مفعول سے خاص غرض وابستہ نہ ہونے کی وجہ سے فعلِ متعدی کے ساتھ، فعلِ لازم کا سا معاملہ کرنا، جیسے: ﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾[4] [الزمر: ۹]

---

① یہاں مفعول کو عمومیت کا فائدہ دینے کے لیے حذف کر دیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی دعوت ایک کو چھوڑ کر دوسرے کے لیے خاص ہو، ایسا نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی دعوت ہر زمانے ومکان میں اپنے تمام بندوں کے لیے عام ہے (علم المعانی)

② جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے وقت (موعود) پر آئے اور ان کے رب نے اُن سے (بہت سی لطف وعنایت کی) باتیں کیں، تو (شدت انبساط سے دیدار کا اشتیاق پیدا ہوا) عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھ کو اپنا دیدار کرا دیجئے کہ میں آپ کو (یعنی: آپ کی ذات کو) ایک نظر دیکھ لوں!

چوں کہ رؤیت باری عقلاً ممکن ہے اگرچہ شرعاً ممتنع ہے؛ لہٰذا شدتِ اشتیاق سے درخواست فرمائی؛ لیکن (أرني ذاتك) میں مفعول بہ کو ذکر نہیں فرمایا؛ دیکھیے! اہم اُمور کی درخواست کے مواقع میں تصریحاً درخواست کرنا غیر مناسب ہے؛ بلکہ تلمیحاً واشارۃً اپنی درخواست پیش کی جاتی ہے؛ لہٰذا مفعول کو حذف کر دیا (علم المعانی)

③ نہ میں نے آقا کے مخصوص عضو (شرمگاہ) کو دیکھا، اور نہ ہی آقا ﷺ نے میرے عضوِ مخصوص کو دیکھا۔

④ کیا (دین کو) جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں! یعنی جو بندہ رات کی نیند اور آرام چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں لگا، کبھی اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہے، کبھی سجدہ میں گرا؛ ایک طرف آخرت کا خوف اس کے دل کو بے قرار کیے ہوئے ہے اور دوسری طرف اللہ کی رحمت کا آسرا لیے ہوئے ہے؛ کیا یہ سعید بندہ اور وہ بدبخت انسان جو مصیبت کے وقت خدا کو پکارتا ہے اور جہاں مصیبت کی گھڑی ٹلی، خدا کو چھوڑ بیٹھا! دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! ایسا ہو تو یوں کہو کہ: "ایک عالم اور جاہل، یا سمجھدار اور بے وقوف میں کچھ فرق نہ رہا!"؛ مگر اس بات کو بھی وہی سوچتے ہیں جن

⑦ **طلباً للاختصار:** جب کوئی قرینہ مفعولِ بہ پر واضح طور پر دلالت کرے تو اس وقت مفعولِ بہ کو اختصاراً حذف کر دیا جاتا ہے، اور ایسے مواقع پر مفعول کو ذکر کرنا عبث شمار ہوتا ہے، جیسے: ﴿رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ﴾ [البقرۃ:۲۵۸]؛ ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ﴾[۱] [إسراء: ۱۱۰]

⑧ **الإيضاح بعد الإبهام:** سامع کے دل پر اچھا اثر چھوڑنے کے لیے اِبہام کے بعد وضاحت کرنا، جیسے: ﴿وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ أَجْمَعِيْنَ﴾[۲] [النحل:۹].

⑨ **لتقدُّمِ ذِكرِه:** بعد والے فعل کے مفعول بہ کا تذکرہ پہلے آچکا ہو، جیسے: ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ﴾ [الرعد:۳۹]؛ ﴿لِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ﴾[۳] [شوریٰ:۷]

⑩ **لوضوح المفعول به:** سامع کی نظر میں مفعول بہ ظاہر و واضح اور متعین ہو،

⇐ کو اللہ نے عقل دی ہے۔ (فوائد عثمانی) اللہ پاک ہمیں ظاہری و باطنی علم سے سرفراز فرمائے، اور زبان کے عالم دل کے جاہل بننے سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

① آیتِ اولیٰ: دیکھیے! یہاں اللہ کی وہ کروڑوں مخلوقات ہیں جن کو وہ مارتے اور جلاتے ہیں اور یہ مخلوقات حد احصاء سے بھی باہر ہے؛ لہٰذا مفعول کو حذف کر دیا۔ اسی طرح اختصاراً حذف مفعول کی مثال نَحْمَدُ وَنَشْكُرُ ہے یعنی: نَحْمدُ اللهَ ونَشكرُهُ۔ آیتِ ثانیہ: آپ کہہ دو کہ: چاہے تم اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو! جس نام سے بھی (اللہ کو) پکارو گے (ایک ہی بات ہے)؛ کیوں کہ تمام بہترین نام اسی کے ہیں أي: أُدْعُوْهُ اللهَ أَوْ ادْعُوْهُ الرَّحْمٰن۔

② ترجمہ: اگر اللہ رب العزت چاہے تو تم سب کو سیدھی راہ دے دیتے أي: لَوْ شَاءَ هِدَايَتَكُم لَهَدَاكُم أَجْمَعِيْن: یہاں ﴿لَوْ شَآءَ﴾ "اگر اللہ پاک چاہتے" جب یہ کہا گیا تو سامع کے دماغ میں سوال ہوگا کہ ﴿شَآءَ﴾ کا مفعول کون ہے؟ پھر ﴿لَهَدٰكُمْ﴾ کے قرینہ سے مفعول کا علم ہوا، یہاں مفعول چوں کہ ابہام کے بعد واضح ہوا ہے؛ لہٰذا وہ اوقع فی النفس ہوگا اور دل میں اچھا اثر چھوڑے گا۔ (علم المعانی)

③ آیتِ اولیٰ: اللہ تعالیٰ جس (حکم) کو چاہتا ہے منسوخ کر دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے أي يُثْبِت ما يَشَاء. آیتِ ثانیہ: ہم نے یہ عربی قرآن اس واسطے بھیجا ہے تا کہ تم مرکزی بستی (مکہ) اور اس کے ارد گرد والوں کو اس دن سے خبردار کرو جس دن میں سب کو جمع کیا جائے گا۔ یہاں "لِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ" تھا؛ مفعول کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے؛ لہٰذا اس کو حذف کر دیا ہے۔ یہاں مکہ کے آس پاس سے اوّلاً ملک عرب مراد ہے ⇐

جیسے: ﴿قَيِّمًا لِيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيْدًا مِنْ لَدُنْهُ...﴾[۴] [الکهف:۲]

ۜ ثانیاً ساری دنیا مُراد ہے۔

[۴] ایک سیدھی سیدھی کتاب جو اس نے اس لیے نازل کی ہے تا کہ آپ (اُن کافرین کو) ہماری طرف سے ایک سخت عذاب سے آگاہ کریں، أي: لينذر الذين كفروا.

بابِ خامس

اِطلاق وتقیید

سوالات اِطلاق وتقیید

① اِطلاق وتقیید کی تعریفات کیا ہیں؟

② اگر کلام میں اطلاق ہے تو کیوں؟

③ اگر کلام میں تقیید ہے تو تقییدِ کلام کی (آٹھ) قیودات میں سے کس کے ذریعے تقیید ہوئی ہے؟

④ اگر ادواتِ شرط کے ذریعے تقیید ہوئی ہے تو ادواتِ شرط میں سے کس کے ذریعے تقیید ہوئی ہے؟ اور غرض کیا ہے؟

⑤ کلام کو ان قیودات سے مقید کرنے کی وجہ مباحث نحویہ کو مدنظر رکھتے ہوئے بتائیں؟

اِطلاق

اِطلاق: کلام میں حکم (مسند اور مسند الیہ) کے علاوہ دیگر قیودات کا تذکرہ نہ کرنا مختلف اغراض سے ہوتا ہے: لِلإخْفَاء، لِعَدَم عِلْمِه، لِيَذْهَبَ السَّامِعُ كُلَّ مَذْهَب.

① مخصوص مخاطب کے علاوہ دیگر حاضرین، فعل کے زمانہ، مکان یا محلِ وقوع وغیرہ پر مطلع نہ ہوجائیں ② متکلم کو قیودات کا علم ہی نہ ہو، ③ سامع کو اس مطلق حکم سے ہر طرح کی چھوٹ اور مکمل گنجائش ملے تاکہ وہ ہر ممکن مطلب کو مراد لے سکے، جیسے﴿رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ﴾[①] [البقرة:۲۵۸]

تقیید

تقیید: کلام میں رُکنین کے علاوہ مسند الیہ کے متعلق کسی قید کو، یا مسند کے متعلق قید کو، یا دونوں ہی سے متعلق کسی قید کو ذکر کرنا "تقیید" کہلاتا ہے؛ اور اس کلام کو "مقید" کہا جاتا ہے۔

کلام کو قیودات سے مقید کرنے کی بنیادی غرضیں دو ہیں فَوْتُ الفَائِدَة المقْصُوْدَة عِنْد عَدَم ذِكْرِه، كَوْنُ الكَلامِ كَاذِبا عِنْدَ عَدَمِ ذِكْرِه.

① قید کو ذکر نہ کرنے پر فائدۂ مقصودہ کا فوت ہوجانا، جیسے﴿جَعَلَ اللهُ الْكَعْبَةَ "الْبَيْتَ الْحَرَامَ" قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾[②] [المائدة: ۹۷].

② قید ذکر نہ کرنے سے کلام جھوٹا ہوجائے، جیسے﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْأَرْضَ وَمَا

---

① یعنی میرا پروردگار تو وہ ہے جو ہر زمانے ہر مکان میں ہر فرد کو، ہر حال میں زندہ کرنے اور مارنے پر مطلق قادر ہے؛ دیکھیے! یہاں رب کی صفت اِحیاء واِماتت کو مطلق رکھا ہے۔(علم المعانی)

② دیکھیے! آیت میں کعبہ شریف کی عظمت وحرمت بیان کرنا مقصود ہے؛ لہٰذا﴿الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ بدل کو ذکر نہ کرنا، فائدۂ مقصودہ کو فوت کرنا ہوگا۔

بَيْنَهُمَا "لٰعِبِيْنَ" ۝﴾①. [الأنبياء: ١٦]

تقییدِ کلام کی مختلف صورتیں ہیں اور ہر ایک کی اغراض بھی الگ الگ ہیں؛ تقیید کلام کی قیودات یہ ہیں②:

①أدَوَات الشَّرْط: إنْ إذَا، لَوْ؛ ②أدَوَاتُ النَّفْي: مَا، لا، لَنْ، لَمْ، لَمَّا؛ ③نَوَاسِخ الجمْلَة: الأَفْعَال النَاقِصَة، المُقَارَبَة، حُرُوْف المشَبَّهَة بالفِعْل؛ ④المَفَاعِيْل الخَمْسَة، ⑤الحَالُ، ⑥التَّمْيِيْز، ⑦المسْتَثْنىٰ؛ ⑧التَّوَابِع: النَّعْت، التَّأْكِيْد، البَدَل، العَطْف

① اس آیت میں ﴿لٰعِبِيْنَ﴾ حال کو ذکر نہ کرنے پر کلام جھوٹا ہو جائے گا کہ: آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو ــ العیاذ باللہ ــ ہم نے پیدا نہیں کیا!۔

② معلوم ہونا چاہیے کہ: کلام میں ذکر کردہ قیودات اپنے اندر اہمیت کو لیے ہوئے ہوتے ہیں، مثلاً جب کوئی کہے: ضَرَبَ زَيْدٌ، تو یہاں صرف ضرب کے وجود کو بتلانا مقصود نہیں ہے؛ بلکہ مقصود یہ ہے کہ: ''زید سے سرزد ہونے والا فعل، ضرب ہے''، اسی طرح ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرواً کہے تو یہاں زید سے سرزد ہونے والے فعل کا عمرو سے متعلق ہونا بتلانا مقصود ہے۔

یہی حال تاکید، حال اور دیگر مفاعیل وغیرہ قیودات کا ہے کہ: وہ کسی نہ کسی مخصوص غرض سے وابستہ ہوتی ہیں، جیسے: واقعۂ افک کا کچھ نیک مخلصین تذکرہ کر رہے تھے، ان کو فرمایا: ﴿إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ، وَتَقُوْلُوْنَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ﴾ [النور: ١٥]، جب تم اپنی زبانوں سے اس بات کو ایک دوسرے سے نقل کر رہے تھے، اور اپنے منھ سے وہ بات نقل کر رہے تھے جس کا تمھیں کوئی علم نہیں تھا؛ دیکھو ﴿تَلَقَّوْن﴾ کے بعد ﴿بِأَلْسِنَتِكُمْ﴾ کی اور ﴿تَقُوْلُوْنَ﴾ کے بعد ﴿بِأَفْوَاهِكُمْ﴾ کی ضرورت بظاہر نہیں رہتی تھی؛ لیکن مقتضائے حال کے مطابق انکار اور توبیخ میں تاکید کی غرض سے ان قیودات کو بڑھایا گیا ہے۔

اسی طرح واقعۂ خضر وموسیٰ میں حضرت خضر نے کہا تھا: ﴿فَإِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْئَلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا۝﴾ [الکهف: ٧٠] میرے کسی چیز کا تذکرہ کرنے سے پہلے آپ کسی چیز کا سوال نہ کرنا؛ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام خرقِ سفینہ اور قتلِ غلام پر خاموش نہ رہ سکے، تو حضرت خضر نے کہا: ﴿أَلَمْ أَقُلْ "لَّكَ" إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا۝﴾ [الکهف: ٧٥]، یہاں کلام کو مقتضائے حال کے مطابق ملامت میں تاکید پیدا کرنے کے لیے ﴿لَكَ﴾ جار ومجرور کے اضافہ کے ساتھ کلام فرمایا ہے۔

خلاصۂ کلام: فصیح کلام میں قیودات نقص پیدا نہیں کرتیں؛ بلکہ مقتضائے حال کے مطابق ہونے کی وجہ سے کلام میں حسن بھی پیدا کرتی ہیں؛ اور کہیں پر قیودات کے بغیر غیر مقید کلام جھوٹا یا غیر مقصود بالذات ہو جاتا ہے، جیسے: ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۝﴾ [أنبياء: ١٦] میں بغیر ﴿لٰعِبِيْنَ﴾ کے کلام جھوٹا اور غیر مقصود ہو جائے گا۔

(علم المعانی) بزیادۃ

بالحُرُوف، العَطْفُ بِالبَیَان۔

تقیید بہ ادوات شرط

حکمِ کلام کو ادواتِ شرط سے مقید کرنا اُن اغراض کے حصول کے لیے ہوتا ہے جن کو ادواتِ شرط کے معانی ادا کرتے ہیں، مثلاً مَتیٰ وَأَیَّانَ میں زمانے کی شرط أَیْنَ أَنیٰ اور حَیْثُمَا میں مکان کی شرط اور کَیْفَمَا میں حال کی شرط ملحوظ ہوتی ہے۔

علمِ بلاغت میں تین ادواتِ شرط سے بحث کی جاتی ہے إنْ، إذَا، لَوْ[۱].

إن: ادات شرط مستقبل کے لیے آتا ہے، اور عدمِ جزم بوقوع الشرط کا فائدہ دیتا ہے[۲]، جیسے: ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾[۳] [الزمر:۶۰]۔

إذا: ادات شرط مستقبل کے لیے آتا ہے، اور جزم بوقوع الشرط کا فائدہ دیتا ہے، جیسے: ﴿فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا: لَنَا هٰذِهٖ، وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ﴾[۴] [أعراف:۱۳۱]

---

① جملہ ادوات شرط کے معانی اور ان میں باہمی فرق سے بحث کرنا علم نحو سے متعلق ہے، کتب بلاغت میں صرف تین ادوات إن، إذا اور لو کے باہمی فرق کو بیان کرتے ہیں؛ کیوں کہ ان تین میں ایسی زائد خوبیاں ہیں جو بلاغتی اسلوب سے متعلق ہیں؛ جو نقشہ سے ظاہر ہیں:

إنْ	أدات شرط برائے زمان	برائے مستقبل	عدم جزم بوقوع شرط
إذَا	أدات شرط برائے زمان	برائے مستقبل	جزم بوقوع شرط
لَوْ	أدات شرط برائے زمان	برائے ماضی	استحالۂ وقوعِ شرط

② إن میں عدمِ جزم بوقوع الشرط کا معنی ہے یعنی: شرط کے بعض اِمکان ایسے ہوتے ہیں جن کا وقوع یقینی نہیں (یعنی ایسے احوال ہوتے ہیں جو شاذ و نادر پائے جاتے ہیں)، جب کہ إذا میں جزم بوقوع الشرط کا معنی ہے، یعنی: شرط کے بعض اِمکان ایسے ہوتے ہیں جن کا وقوع بالکل یقینی ہے۔

③ (تم سے پہلے انبیاء سے وحی کے ذریعے یہ بات کہہ دی گئی ہے کہ:) اگر بالفرض تم نے شرک کا ارتکاب کیا تو تمہارا کیا کرایا سب غارت ہوجائے گا؛ یہاں إن کو ذکر فرما کر حضراتِ انبیاء سے وقوعِ شرط (شرک) کی نُدرت کی طرف اِشارہ فرمایا۔

④ فرعونیوں کو معمولی تکالیف اور سختیوں میں آزمانا محض اس وجہ سے ہوا تا کہ ان کو تنبہ ہو مگر) نتیجہ یہ ہوا کہ: جب ان کو خوش حالی آتی تو وہ کہتے: یہ تو ہمارا حق تھا، اور اگر ان کو کوئی مصیبت پڑ جاتی تو اس کو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔

ملحوظہ: إنْ - إذَا کے استعمال کا یہ فرق اکثری ہے؛ ورنہ کبھی إذَا کی جگہ إنْ کو استعمال کرنا بھی قرآن مجید میں وارد ہے، جیسے: ﴿وَإِنْ كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ﴾① [البقرة: ٢٣].

لو: زمانۂ ماضی میں شرط کے منتفی ہونے کی وجہ سے جزا کے منتفی ہونے پر دلالت کرتا ہے؛ لہٰذا لَو کے بعد دونوں جملوں کا فعلِ ماضی ہونا لازم ہے، نیز استحالہ وقوعِ شرط کا معنیٰ بھی ملحوظ ہوتا ہے، جیسے: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ [الأنبياء: ٢٢]؛ ﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾② [الأنعام: ٨٨]

فائدہ: ① لو کا دخول — جیسا کہ پہلے معلوم ہوا — فعل ماضی پر لازم ہے؛ لیکن کسی نکتہ (مثلاً: استمرارِ فعل) کی وجہ سے فعلِ مضارع پر بھی ہوتا ہے، جیسے: ﴿لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ﴾③ [الحجرات: ٧].

⇐ چوں کہ خوشحالی کا آنا قطعی ہوتا ہے، لہٰذا اس کو ﴿إِذَا﴾ اور ﴿جَاءَتْ﴾ فعلِ ماضی سے تعبیر کیا اور ﴿الْحَسَنَةُ﴾ میں الف لام جنسی لا کر تمام انواعِ حسنہ کو شامل کر لیا گیا۔ اور مصیبت پڑنا غیر یقینی ہوتا ہے، لہٰذا اس کو ﴿إِنْ﴾ اور ﴿تُصِبْ﴾ فعلِ مضارع سے — جو کہ عدمِ تحقق پر دلالت کرتا ہے — تعبیر کیا ﴿سَيِّئَةٌ﴾ کو نکرہ لا کر تقلیل کی طرف بھی اشارہ فرمایا۔
سبحان الله! هٰذا كلام ربي!

① یعنی اس کتاب کے اعجاز کو دیکھتے ہوئے اس کے کلامِ الٰہی ہونے کے بارے میں ذرا برابر شک نہ ہونا چاہئے؛ لیکن بفرضِ محال اگر تم کو شک ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی پیش کر دو! یہاں مخاطبین شک میں ضرور تھے؛ لیکن پھر بھی عدم الجزم بوقوع الشرط پر دلالت کرنے والے ادات "إن" کو استعمال کیا گیا ہے، قرآن میں ایسی مثالیں بکثرت ہیں، جیسے: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ﴾ [آل عمران: ١٤٤] (علم المعانی)

② اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا دوسرے خدا ہوتے تو دونوں درہم برہم ہو جاتے؛ یہاں شرط (تعدُّدِ الٰہ) کے منتفی ہونے سے فسادِ نظامِ کائنات بھی منتفی ہے۔ (علم المعانی) اسی طرح آیتِ ثانیہ: یعنی شرک انسان کے تمام اعمال کو حبط کر دیتا ہے؛ اور کسی کی تو حقیقت کیا ہے؟ اگر بغرضِ محال انبیاء و مقربین سے — معاذ اللہ — ایسی حرکت سرزد ہو تو سارا کیا دھرا اکارت ہو جائے۔

③ ترجمہ: بہت سی باتیں (مشورے) ہیں جن میں وہ (رسول) تمہاری بات مان لیا کریں تو خود تم مشکل میں پڑ جاؤ؛ یہاں فعلِ مضارع کی طرف عدول کی غرض یہ ہے کہ: اگر رسول ماضی میں وقتاً فوقتاً تمہارے مشورے مانتے رہتے تو تم ہلاکتی میں پڑتے؛ لیکن انہوں نے تمہارے مشوروں کو نہیں مانا؛ لہٰذا تم بچ گیے ہوں؛ دیکھیے! یہ استمرار اور تجدُّد کا معنیٰ فعلِ ماضی میں حاصل نہ ہو پاتا۔ (علم المعانی)

فائدہ: (۲) کوئی عجیب صورت کے استحضار کے لیے لَوْ کے بعد کبھی فعلِ مضارع کو لایا جاتا ہے، جیسے ﴿وَلَوْ تَرٰى إِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾[1] [السجدة: ۱۲]

فائدہ: (۳) جملۂ شرطیہ میں جملۂ شرط مقصود بالذات نہیں ہوتا؛ بلکہ جملۂ جزا مقصود بالذات ہوتا ہے اور جملۂ شرطیہ جزا کے لیے محض قید ہوتا ہے؛ لہٰذا جزا کو دیکھتے ہوئے جملۂ شرطیہ کا اسمیہ وفعلیہ، خبریہ وانشائیہ ہونا طے کیا جائے گا، جیسے إِنْ اجْتَهَدَ زَيْدٌ أَكْرَمْتُهُ، إِنْ نَدِمْتَ فَلُمْ نَفْسَهُ.

ملحوظہ: بقیہ ادواتِ تقیید اور اس کی تفصیل حاشیہ میں ملاحظہ فرمالیں[۳]۔

---

(۱) اور کاش تم وہ منظر دیکھو جب یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے کھڑے ہوں گے، (کہہ رہے ہوں گے) ہمارے کان اور آنکھیں کھل گئیں، پیغمبر جو باتیں فرمایا کرتے تھے ان کا یقین آ گیا؛ بلکہ آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ ایمان اور عملِ صالح ہی خدا کے ہاں کام دیتا ہے، اب ایک مرتبہ پھر دنیا میں بھیج دیجیے؛ دیکھیے ا کیسے نیک کام کرتے ہیں۔ (علم المعانی)

(۲) پہلے جملے میں جزا أَكْرَمْتُهُ جملہ خبریہ ہے اور دوسرے جملے میں لُمْ نَفْسَهُ جملۂ انشائیہ ہے؛ لہٰذا جملۂ اُولیٰ خبریہ اور ثانیہ انشائیہ شمار ہوگا۔

ملحوظہ: جملۂ رئیسیہ: وہ جملہ ہے جو مقصود بالذات ہو، اور جملۂ فرعیہ: وہ جملہ ہے جو مقصود بالذات نہ ہو؛ لہٰذا جملۂ شرطیہ یہ جملۂ جزائیہ کے لیے، اسی طرح جاء زيد "أبوه عالم" میں أبوه عالمٌ یہ زید فاعل کی قید ہونے کی وجہ سے جملۂ فرعیہ میں شمار ہوں گے۔

(۳) **تقیید بہ ادواتِ نفی**

ادواتِ نفی چھ ہیں: لَا، مَا، إِنْ، لَنْ، لَمْ، لَمَّا.

لا: یہ حال واستقبال کی قید کے بغیر مطلق نفی کے لیے آتا ہے، جیسے: ﴿قُلْ لَّآ أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا، إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ﴾ [الأنعام: ۹۰]۔

یعنی آپ منکرین سے کہہ دیجیے کہ اگر تم ہدایت کی باتیں نہیں مانتے تو میرا کوئی نفع فوت نہیں ہوتا؛ کیوں کہ میں تم سے کسی طرح کے اجر کا طالب نہیں۔ میرا اجر تو خدا کے یہاں ثابت ہے، ہاں تم نصیحت سے انحراف کروگے تو سارے جہاں میں ایک نہیں تو دوسرا نصیحت کو قبول کرے گا۔

ما اور إن: یہ دونوں حال کی نفی کے لیے آتے ہیں اگرچہ مضارع پر داخل ہوں، جیسے: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ [الأنعام: ۹۱]۔

اس آیت میں اُن جاہلوں اور معاندوں کا رد کیا گیا ہے جو بدفہمی، جہل وغباوت یا نبی کریم ﷺ کے عداوت ←

⬅ کے جوش اور غصہ میں بے قابو ہو کر حق تعالیٰ کی اس صفت ہی کا انکار کرنے لگے کہ وہ کسی انسان کو اپنی وحی اور مکالمۂ خاص سے مشرف فرمائے۔

لن: یہ مستقبل کی نفی کے لیے آتا ہے، جیسے:﴿لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ﴾ [حج: ۷۳]۔

یعنی: مکھی بہت ہی ادنیٰ اور حقیر جانور ہے جن چیزوں میں اتنی بھی قدرت نہیں کہ سب مل کر ایک مکھی پیدا کر دیں، یا مکھی ان کے چڑھاوے وغیرہ میں سے کچھ لے جائے تو اس سے واپس لے سکیں اِن کو خالق السمٰوٰت والأرضین کے ساتھ معبودیت اور خدائی کی کرسی پر بٹھا دینا کس قدر بے حیائی، حماقت اور شرمناک گستاخی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مکھی بھی کمزور، مکھی سے زیادہ ان کے بت کمزور، اور بتوں سے بڑھ کر ان کا پوجنے والا کمزور جس نے ایسی حقیر اور کمزور چیز کو اپنا معبود و حاجت رواں بنالیا۔ (فوائد)

لم، لما: یہ دونوں ماضی کی نفی کے لیے آتے ہیں؛ مگر لما کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ حال تک کی نفی کرتا ہے اور وقوعِ فعل کی توقع ہوتی ہے برخلاف لم کے کہ: اس میں یہ دو فائدے نہیں ہیں، جیسے﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ [اخلاص:۳]؛ ﴿وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ [حجرات: ۱۴]۔

آیتِ اولیٰ: نہ کسی کو جنا، نہ کسی سے جنا یعنی نہ کوئی اس کی اولاد نہ وہ کسی کی اولاد۔ (فوائد)؛ آیتِ ثانیہ: یعنی ایمان ویقین جب پوری طرح دل میں راسخ ہو جائے اور جڑ پکڑ لے اس وقت غیبت، عیب جوئی وغیرہ خصلتیں آدمی سے دور ہو جاتی ہیں، جو شخص دوسروں کے عیب ڈھونڈنے اور آزار پہنچانے میں مبتلا ہو، سمجھ لو کہ ابھی تک ایمان اس کے دل میں پیوست نہیں ہوا۔ (فوائد)

تقیید بہ نواسخِ جملہ

افعالِ ناقصہ، افعالِ مقاربہ، افعالِ قلوب، حروف مشبہ بالفعل، ماولا اور لائے نفی جنس وغیرہ نواسخ جملہ کہلاتے ہیں۔
کلام کو نواسخ سے مقید کرنا ان اغراض کے لیے ہوتا ہے جن کو الفاظ نواسخ ادا کرتے ہیں، مثلاً افعال ناقصہ میں:

کان: اس میں دوام واستمرار کا معنی ہوتا ہے یا حکایت زمانہ ہوتا ہے، جیسے:﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا﴾ [نساء:۱۳۳]؛ ﴿كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا﴾ [کہف: ۸۲]۔

آیتِ اولیٰ: یعنی اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ تم سب کو فنا کر دے اور دنیا سے اٹھا لے اور دوسرے مطیع وفرماں بردار پیدا کر دے، اس سے بھی حق تعالیٰ کا استغناء اور بے نیازی خوب ظاہر ہو گئی اور نافرمانوں کو پوری تہدید اور تخویف بھی ہو گئی۔ آیتِ ثانیہ: حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اگر دیوار گر پڑتی تو یتیم بچوں کا جو مال وہاں گڑا ہوا تھا ظاہر ہو جاتا، اور بدنیت لوگ اٹھا لیتے، بچوں کا باپ مرد صالح تھا اس کی نیکی کی رعایت سے حق تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ بچوں کے مال کی حفاظت کی جائے، میں نے اس کے حکم سے دیوار سیدھی کر دی کہ بچے جوان ہو کر باپ کا خزانہ پا سکیں۔ (فوائد)

ظل: اس سے معین زمانہ (مکمل دن) کام کرتے رہنا بیان کیا جاتا ہے، جیسے:﴿اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ﴾ [النحل: ۵۸]۔ ⬅

. . . .

٭: یعنی ان میں سے کسی کو اگر خبر دی جائے کہ تیرے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی تو نفرت وغم سے تیوری چڑھ جائے اور دن بھر ناخوشی سے چہرہ بے رونق اور دل گھٹتا رہے کہ یہ ناشدنی مصیبت کہاں سر پر آئی۔

بات: اس سے معین زمانہ (مکمل رات) کام کرتے رہنا بیان کیا جاتا ہے، جیسے ﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا﴾ [فرقان:٦٤].

یعنی رات کو جب غافل بندے نیند وآرام کا مزے لوٹتے ہیں، تو یہ خدا کے آگے کھڑے اور سجدہ میں پڑے ہوئے گذارتے ہیں، رکوع چوں کہ قیام وسجود کے درمیان واقع ہے، شاید اسی لیے اس کو علیحدہ ذکر نہیں کیا، گویا ان ہی دونوں کے بیچ میں آ گیا۔(فوائد)

أَصْبَحَ: اس سے بوقت صبح کوئی کام کرنا بتایا جاتا ہے، جیسے ﴿فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ﴾ [قصص:١٨].

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد تو صرف یہ تھا کہ اسرائیلی شخص کو قبطی کے ظلم سے بچائیں، اسے قتل کرنا مقصود نہیں تھا؛ لیکن وہ ایک ہی مکے میں مر گیا، چناں چہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صبح کے وقت ڈرتے ڈرتے حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔

أمسیٰ: اس سے بوقت شام کوئی کام کرنا بتایا جاتا ہے، جیسے ﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ﴾ [روم: ١٧].

اللہ کی تسبیح کروں اس وقت بھی جب تمہارے پاس شام آتی ہے اور اس وقت بھی جب تم پر صبح طلوع ہوتی ہے۔

مادام: اس سے معین زمانہ میں برابر لگاتار کام کرنا بتایا جاتا ہے، جیسے: ﴿وَأَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ [مريم: ٣١].

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں جب تک زندہ رہوں، جس وقت اور جس جگہ کے مناسب جس قسم کی صلوٰۃ وزکوٰۃ کا حکم ہو، اس کی شروط وحقوق کی رعایت کے ساتھ برابر ادا کرتا رہوں۔(فوائد)

افعال مقاربہ وہ افعال جو خبر کے فاعل سے قریب ہونے پر دلالت کرتے ہیں، وہ سات ہیں عَسیٰ، کادَ، کَرَبَ، أَوْشَكَ، طَفِقَ، جَعَلَ، أَخَذ، جیسے: ﴿إِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهِ لَوْلاَ أَنْ رَبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [قصص:١٠].

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچہ کو دریا میں تو ڈال آئیں، مگر ماں کی مامتا کہاں چین سے رہنے دیتی، رہ رہ کر موسیٰ علیہ السلام کا خیال آتا تھا، دل سے قرار جاتا رہا؛ قریب تھا کہ صبر وضبط کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹ جائے اور عام طور پر ظاہر کر دیں کہ میں نے اپنا بچہ دریا میں ڈالا ہے کسی کو خبر ہو تو لاؤ؛ لیکن خدائی الہام ﴿إِنَّا رَآدُّوْهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ کو یاد کر کے تسلی پاتی تھی؛ یہاں ﴿كَادَتْ﴾ یہ اپنی خبر ﴿لَتُبْدِيْ﴾ کے فاعل امّ موسیٰ سے قریب ہونے پر دلالت کرتا ہے، یعنی: قریب تھا کہ: امّ موسیٰ اس بات کو ظاہر کر دیتی۔(فوائد) ٭

⊃ ملحوظہ: کرب اور أوشك کی مثالیں قرآن میں نہیں ہیں۔

افعال قلوب جن کا تعلق قلب سے ہے وہ عموماً سات بتائے جاتے ہیں، ورنہ سات سے بھی زائد ہیں، جیسے: ﴿إِنَّا "وَجَدْنٰهُ" صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهٗ أَوَّابٌ﴾ [ص: ٤٤].

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انہیں بڑا صبر کرنے والا پایا وہ بہترین بندے تھے، واقعی وہ اللہ سے خوب لو لگائے ہوئے تھے۔ (توضیح القرآن)

تقیید بہ مفاعیل خمسہ

پانچ مفعولات: مفعول مطلق، مفعول بہ، مفعول لہ، مفعول فیہ، مفعول معہ۔

① مفعول بہ، جیسے: ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ [ألم نشرح: ۱].

ترجمہ: (اے پیغمبر) کیا ہم نے تمہاری خاطر تمہارا سینہ کھول نہیں دیا؟ (توضیح القرآن)

② مفعول مطلق، جیسے: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ أَوْ نَرٰى رَبَّنَا لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا "عُتُوًّا كَبِيْرًا"﴾ [الفرقان: ۲۱].

ترجمہ: جن لوگوں کو یہ توقع ہی نہیں ہے کہ وہ (کسی وقت) ہم سے ملیں گے وہ یوں کہتے ہیں کہ: ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے یا پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہم خود اپنے پروردگار کو دیکھ لیں۔ حقیقت یہ ہے کہ: یہ اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھے ہوئے ہیں، اور انہوں نے بڑی سرکشی اختیار کی ہے۔ یعنی یہ ایسی سرکشی ہے جس کے بعد کی کوئی سرکشی نہیں ہے۔

③ مفعول لہ، جیسے: ﴿وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً﴾ [أنبياء: ۳۵].

ترجمہ: ہم تمہیں برائی اور بھلائی سے جانچتے ہیں آزمانے کے لیے؛ یعنی: دنیا میں سختی، نرمی، تندرستی بیماری، تنگی وفراخی اور مصیبت وعیش وغیرہ مختلف احوال بھیج کر تم کو جانچا جاتا ہے؛ تاکہ صابر وشاکر اور شاکی وکافر معلوم ہو جائے۔

④ مفعول فیہ ظرف زمان، جیسے: ﴿أَرْسِلْهُ مَعَنَا "غَدًا" يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [یوسف: ۱۲].

ترجمہ: بھائیوں نے یعقوب علیہ السلام سے کہا: کل آپ یوسف کو ہمارے ساتھ (تفریح کے لیے) بھیج دیجیے؛ تاکہ وہ کھائے، پیئے اور کچھ کھیل کود لے، اور یقین رکھیے کہ ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے۔

④ مفعول فیہ ظرف مکان، جیسے: ﴿وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ [أنعام: ۹۲].

ترجمہ: اور اسی طرح یہ بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے اتاری، پچھلی آسمانی ہدایات کی تصدیق کرنے والی ہے؛ تاکہ تم اس کے ذریعہ بستیوں کے مرکز (مکہ) اور اس کے ارد گرد کے لوگوں کو خبردار کرو۔

⑤ مفعول معہ، جیسے: ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ﴾ [حشر: ۹].

ترجمہ: (اور یہ مال فیٔ) ان لوگوں کا حق ہے جو پہلے ہی سے اس جگہ (یعنی: مدینہ میں) ایمان کے ساتھ مقیم تھے۔

⑥ حال: فاعل یا مفعول بہ کی حالت فاعلیت یا مفعولیت کو بیان کرنا، جیسے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ ⊂

. . . .

جَمِيْعًا﴾ [آل عمران:۱۰۳]۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔

⑦ تمیز، جیسے: ﴿إِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِأَبِيْهِ يٰٓأَبَتِ إِنِّيْ رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ﴾ [يوسف: ٤].

ترجمہ: (یہ اس وقت کی بات ہے) جب یوسفؑ نے اپنے والد (یعقوبؑ) سے کہا تھا کہ: ابا جان میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا۔

⑧ مستثنیٰ بہ اِلا، جیسے: ﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا إِلَّآ إِبْلِيْسَ﴾ [الكهف:۵۰].

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ: آدم کو سجدہ کرو' چناں چہ سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔

تقیید بہ توابع: صفت

① وصف: مسند الیہ، مسند یا متعلقاتِ فعل میں سے کسی موصوف کی اچھائی یا برائی بیان کرنا؛ اول کی مثال ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ "عَزِيْزٌ" عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ، "حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ"، بِالْمُؤْمِنِيْنَ "رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ"﴾ [التوبة: ١٢٨]؛ برائی کی مثال: ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ [النحل:۹۸].

آیتِ اولیٰ: (لوگو!) تمھارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمھیں میں سے ہے، جس کو تمھاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمھاری بھلائی کی دُھن لگی ہوئی ہے، جو مؤمنوں کے لیے انتہائی شفیق نہایت مہربان ہے؛ اس آیت میں رسول کی صفات بیان کی گئیں۔ اور آیتِ ثانیہ: جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو؛ اس جگہ شیطان کی برائی بیان کی گئی ہے۔ (علم المعانی)

ملحوظہ: کلام میں صفت کو بیان کرنا چند اغراض کی وجہ سے ہوتا ہے ① تمیز (موصوف کو دیگر سے ممتاز کرنے) کے لیے: ﴿قَالَ إِنَّهُ يَقُوْلُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ "صَفْرَآءُ"﴾ [بقرة: ٦٩]. ② کشف وایضاح (حقیقت کی وضاحت) کے لیے: ﴿وَيُنْشِئُ السَّحَابَ "الثِّقَالَ"﴾ [رعد: ١٢]. ③ تاکید (متبوع کو مؤکد اور پختہ کرنے) کے لیے ﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ "وَّاحِدَةٌ"﴾ [الحاقة: ١٣]. ④ مدح کے لیے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ "رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"﴾ [فاتحہ: ١]. ⑤ ذم کے لیے: ﴿فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ "الرَّجِيْمِ"﴾ [النحل: ٩٨].

② تاکید: مسند الیہ، مسند یا متعلقاتِ فعل میں سے کسی متبوع کے حکم کو بحیثیت شمول کے پختہ کرنے، یا متبوع کے حکم کو بحیثیت نسبت پختہ کرنے، یا حکم کے عام ہونے نہ ہونے کو بیان کرنے، یا متبوع سے معنیٰ مجازی کے وہم کو دور کرنے، یا تلفظ میں سہو کے وہم کو دور کرنے کی اغراض سے تاکید لائی جاتی ہے؛ تاکید برائے عموم وشمول ﴿وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا "كُلِّهَا" فَأَخَذْنٰهُمْ أَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ [القمر: ٤١، ٤٢].

ترجمہ: انھوں نے (فرعونیوں نے) ہماری تمام نشانیوں (طوفان، ٹڈی، چچڑی، مینڈک، اور خون وغیرہ بہت سی نشانیوں) کو جھٹلا دیا تھا؛ اس لیے ہم نے ان کو ایسی پکڑ میں لیا، جیسی ایک زبردست قدرت والے کی پکڑ ہوتی ہے۔

۞ ④ بدل: مسند، مسند الیہ یا دیگر متعلقاتِ فعل کا بدل بنایا جاتا ہے؛ اس وقت اس کی غرض متبوع کو پختہ اور واضح کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۝﴾ [الفاتحة: ٦،٧].

ترجمہ: ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما! ان لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ یہاں ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ یہ ﴿الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ کا بدل ہے۔(علم المعانی)

بدل کی چار قسمیں ہیں: بدل کل، بدلِ بعض، بدلِ اشتمال اور بدلِ غلط؛ اول تین قسموں کی مثال کلام الٰہی میں مندرجہ ذیل ہیں: ① بدل کل، جیسے: ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ "الْبَيْتَ الْحَرَامَ" قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ [المائدة: ٩٧].

ترجمہ: اللہ نے کعبہ کو جو بڑی حرمت والا گھر ہے لوگوں کے لیے قیامِ امن کا ذریعہ بنا دیا ہے۔

② بدل بعض، جیسے: ﴿فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ "مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ"﴾. [آل عمران: ٩٧].

ترجمہ: اس (مکہ) میں روشن دلیلیں ہیں جن میں ایک مقام ابراہیم ہے اور وہ روشن دلیلیں: کعبۃ اللہ کا ہونا، رسول الثقلین کا وہاں سے اٹھنا، مناسکِ حج کا اس کے متعلق ہونا وغیرہ۔

③ بدل اشتمال، جیسے: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ "قِتَالٍ فِيْهِ"﴾. [البقرة: ٢١٧].

ترجمہ: لوگ آپ سے حرمت والے مہینہ کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں جنگ کرنا کیسا ہے؟

④ عطف بحرف: ایجاز واختصار کے ساتھ کسی چیز کی وضاحت کے لیے آتا ہے، جیسے ﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ۝﴾ [القصص:٨].

ترجمہ: بے شک فرعون، ہامان اور اُن کے لشکر بڑے خطا کار تھے۔ یہاں إن فرعون كانَ خاطِئا، وهامٰن كان خاطئا، وجنودَهما كانوا خاطئين، کہنے میں اختصار نہ رہتا، جب کہ عطف کی صورت میں اختصار بھی ہے اور مقصود بھی ادا ہو گیا ہے۔

اغراضِ عطف

بلیغ آدمی چند اغراض ومقاصد کی وجہ سے عطف نسق کو استعمال میں لاتا ہے، یہ وہ اغراض ہیں جو حروفِ عاطفہ میں چھپی ہوئی ہیں، وہ حروفِ عاطفہ یہ ہیں: واو، فاء، ثم، حتیٰ، إما، أو، أم، لا، بل، لٰکن.

① واو عاطفہ: یہ مطلقاً دو چیزوں کو جمع کرنے کے لیے آتا ہے اور اس کے ذریعے مابعد کا ماقبل پر عطف ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّإِبْرٰهِيْمَ﴾ [حديد:٢٦]۔

ترجمہ: ہم نے نوح علیہ السلام کو اور ابراہیم علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا، اور کبھی اس شئ کے لاحق پر، جیسے: ﴿كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ [شوریٰ:٣]، اللہ (جو عزیز وحکیم ہے) تم پر اور تم سے پہلے جو (پیغمبر) ہوئے ہیں ان پر اسی طرح وحی نازل کرتا ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ واو کے معطوف اور معطوف علیہ میں تقارب یا تراخی بھی جائز ہے۔

② فاء: یہ عاطفہ تین معنی کے لیے آتی ہے؛ ترتیب، تعقیب اور سببیت۔ ۞

- ترتیب: یعنی معطوف کا معطوف علیہ کے ساتھ لاحق ہونا، جیسے: ﴿وَنَادٰى نُوۡحٌ رَّبَّه فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابۡنِىۡ مِنۡ أَهۡلِىۡ﴾ [ھود:٤٥]۔

ترجمہ: اور نوح علیہ السلام نے کہا کہ: اے میرے پروردگار میرا بیٹا میری اہل ہی کا ایک فرد ہے۔

تعقیب: فاء کے مدخول کا مدخول علیہ کے بعد اور اس کے نتیجہ میں آنا، جیسے: ﴿ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَةَ مُضۡغَةً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا﴾ [المؤمنون:١٤]۔

ترجمہ: پھر ہم نے اس بوند کو جمے ہوئے خون کی شکل دی، پھر اس جمے ہوئے خون کو ایک لوتھڑا بنا دیا، پھر اس لوتھڑے کو ہڈیوں میں تبدیل کر دیا، پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا۔

سببیت: یعنی فاء کا ماقبل، مابعد کے لیے سبب ہو، جیسے: ﴿فَوَكَزَهٗ مُوۡسٰى فَقَضٰى عَلَيۡهِ﴾ [القصص: ١٥]۔

ترجمہ: موسیٰ علیہ السلام نے اس (قبطی) کو ایک مُکّا مارا جس (مکا) نے اس کا کام تمام کر دیا۔

③ ثم عاطفہ: زمانے کی تراخی کے ساتھ ترتیب پر دلالت کرتا ہے، جیسے: ﴿وَبَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِيۡنٍ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَهٗ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِهٖ﴾ [السجدۃ:٧]۔

ترجمہ: اور انسان کی تخلیق کی ابتداء گارے سے کی، پھر اس کی نسل ایک نچوڑے ہوئے حقیر پانی سے چلائی، پھر اسے ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں اپنی روح پھونکی۔

④ حتی عاطفہ: رفتہ رفتہ اعلیٰ چیز یا ادنیٰ چیز کی طرف پہنچنے کے لیے آتا ہے، جیسے: ﴿سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ۝﴾ [القدر:٥]۔

ترجمہ: (اس شب قدر میں فرشتے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر زمین کی طرف اُترتے ہیں)، اور وہ شب سراپا سلام ہے، وہ شب (اسی صفت و برکت کے ساتھ) طلوع فجر تک رہتی ہے۔

⑤⑥⑦ إما، أو، أم: یہ تینوں احد الامرین کے لیے حکم کو مبہم طور پر ثابت کرنے کے لیے آتے ہیں، جیسے: العدَد إمَّا زَوج أو فَرْد؛ ﴿لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ﴾ [کهف:١٩]؛ ﴿وَاِنۡ اَدۡرِيۡۤ اَقَرِيۡبٌ اَمۡ بَعِيۡدٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ۝﴾ [الأنبياء:١٠٩]۔

مثالِ اول: یہ عدد یا زوج ہے یا فرد۔ مثالِ ثانی: ہم (اسی نیند کی حالت میں) ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم (نیند میں) رہے ہوں گے۔ (علم المعانی) مثالِ ثالث: میں نہیں جانتا کہ: جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ نزدیک ہے یا دور۔

⑥ لا عاطفہ، مابعد سے حکم کی نفی کے لیے آتا ہے، جیسے زَيد قَائم، لا قاعِدٌ

⑦ بل عاطفہ: اضراب یعنی: معطوف علیہ سے اعراض اور معطوف کے اثبات کے لیے آتا ہے، جیسے ما زيد قائم؛ بل قائم۔

ملحوظہ: عطف بلا و بل کی مثال قرآن کریم میں نہیں ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن)

• •

⊃ ⑩ لکن: مابعد کے لیے حکم کے اثبات کے لیے آتا ہے اور قصر کا فائدہ بھی دیتا ہے، جیسے نا الشَّاعِر أبو تَمَّام والمتنبِّي؛ لٰكِن البُحتُري۔

ملحوظہ: قرآن مجید میں حرفِ لکن عاطفہ مستعمل نہیں ہے؛ البتہ لکن ابتدائیہ مستعمل ہے۔ (النحو القرآني)

⑤ عطف بیان

عطف بیان: اس کی اغراض مختلف ہیں:

① معطوف علیہ کو اس کے مخصوص نام سے واضح کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے ﴿ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهُ "زَكَرِيَّا"﴾ [مریم:۱]؛ "أَقْسَمَ بِاللّٰهِ أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ"۔

ترجمہ: یہ تذکرہ ہے اس رحمت کا جو تمہارے پروردگار نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی۔ یہاں ﴿عَبْدَهُ﴾ مبیَّن اور ﴿زَكَرِيَّا﴾ بیان ہے۔

② معطوف علیہ کو اس کے مخصوص نام سے واضح کرتے ہوئے اس کی تعریف کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ "الْبَيْتَ الْحَرَامَ"﴾ [مائدۃ: ۹۷]۔

ترجمہ: اللہ نے کعبے کو — جو بڑی حرمت والا گھر ہے — لوگوں کے لیے قیام، امن کا ذریعہ بنادیا ہے۔ یہاں کعبہ ایک مخصوص عمارت کا علم ہے اور مشہور بھی ہے، اور ﴿الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ سے محض تعریف وتعظیم مقصود ہے۔

③ متبوع کی تعریف اور عظمتِ شان کو بتانے کے لیے عطف بیان کو ذکر کیا جاتا ہے، جیسے ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ "الْبَيْتَ الْحَرَامَ" قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ [المائدۃ:۹۷]۔

④ متبوع کی حقارت پر دلالت کرنے کی وجہ سے برائی بیان کرنا، جیسے ﴿مِنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ "صَدِيْدٍ" ⑯ يَتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ﴾ [ابراهيم: ۱۶-۱۷]۔

ترجمہ: اس کے آگے جہنم ہے، اور وہاں اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا وہ اُسے گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا، اور اسے ایسا محسوس ہوگا کہ وہ اسے حلق سے اتار نہیں سکے گا۔ دیکھیے! صدید کے معنیٰ: کچ لہو، خون ملی پیپ کے ہیں؛ یہ لفظ حقارت پر دلالت کرتا ہے، اس کے ذریعہ (ماء) کا بیان لانا برائے ذم ہے (علم المعانی، فوائد)

بابـــ سادس

دربیان قصر

سوالات قصر

① قصر کی تعریف کیا ہے؟ اور اس کے ارکان کتنے ہیں؟

② چار طرُقِ قصر میں سے کون سا طریقہ اختیار کیا گیا ہے؟ نیز مقصور و مقصور علیہ کی تعیین کریں؟

③ کیا چار طرق قصر کے علاوہ کوئی اَور طریقۂ قصر اس آیت میں ہے؟

④ اگر یہ قصر حقیقی ہے تو اس کی دو قسموں اور قصر اضافی ہے تو اس کی تین قسموں میں سے کیا ہے؟

⑤ قصر موصوف علی الصفت اور قصرِ صفت علی الموصوف میں سے کیا ہے؟

⑥ اس جملۂ اسمیہ یا فعلیہ میں تعیین مقصور و مقصور علیہ کا اُصول کیا ہے؟

فصلِ اوّل: قصر

قصر: ایک چیز(مقصور) کو اداتِ قصر کے ذریعے دوسری چیز(مقصور علیہ) کے ساتھ مخصوص ومنحصر کردینا اور یہ بتانا کہ: یہ مقصور اپنے مقصور علیہ کے علاوہ کی طرف متجاوز نہیں۔ قصر کے ارکان دو ہیں: مقصور، مقصور علیہ۔

مقصور: وہ چیز ہے جس کو خاص کیا جائے۔

مقصور علیہ: وہ چیز ہے جس کے ساتھ کسی چیز کو مخصوص کیا جائے۔

طریقِ قصر: وہ مخصوص طریقہ جس کے ذریعے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ خاص کیا جائے، جیسے ﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ﴾[1] [آل عمران:٦٤]

طرقِ قصر

قصر کے معروف طریقے چار ہیں: ① النَّفْيُ والاسْتِثْنَاء، ② إِنَّمَا، ③ العَطْف بِلاَ وَبَلْ وَلٰكِنْ، ④ تَقْدِيْم مَا حَقُّه التَّأْخِيْر.

① نفی واستثناء چاہے حرفِ نفی ما، لا یا اُن کے علاوہ ہو، جیسے: ﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ [النساء:٨٧]؛ ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ؛ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾[2] [آل عمران: ١٣٥]

---

① اے اہل کتاب تم ایک بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں برابر ہے کہ: ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں! یہاں وصفِ عبادت کو ذاتِ وحدہ لایزال کے لیے خاص کیا گیا ہے اس طور پر کہ: وصفِ عبادت ذاتِ باری کے لیے ہی مختص ہے، کسی دوسرے کی طرف متجاوز نہیں؛ دیکھیے! یہاں ﴿نَعْبُدَ﴾ مقصور، ﴿اللّٰهَ﴾ مقصور علیہ، اور ﴿لا-إلاَّ﴾ طریق قصر ہے۔ (علم المعانی)

② آیتِ ثانیہ: جو لوگ کھلم کھلا گناہ کر بیٹھیں (جس کا اثر دوسروں تک متعدی ہو) یا اور کوئی بُری حرکت کے مرتکب ہو جائیں جس کا ضرر اُن کی ذات تک ہی محدود رہے؛ تو اللہ کو یاد کریں اور اپنے گناہوں کی بخشش اللہ سے مانگیں؛ کیوں کہ اللہ کے سوا کون گناہوں کو مُعاف کرنے والا ہے!۔ یہاں غفرانِ ذنوب (صفت) کو صرف اللہ کی ذات (موصوف) میں منحصر کیا ہے، اور ﴿مَنْ-إلاَّ﴾ اداتِ قصر ہے؛ یہاں ﴿مَنْ﴾ استفہام سے نفی مراد ہے، پس معنیٰ یہ ہوگا: لا يَغْفِرِ الذُّنُوْبَ إلا الله۔ (علم المعانی)

ملحوظہ: اس طریق قصر میں استثناء کا ماقبل مقصور اور مابعد مقصور علیہ ہوتا ہے ①۔

فائدہ: مستثنیٰ مُفرّغ مثبت ومنفی کا شمار باتفاق بلغاء قصر اصطلاحی میں ہے، جیسے: "مَا جَاءَ إِلَّا زَيْدٌ"؛ مستثنیٰ غیر مفرغ منفی کا شمار قولِ راجح کے مطابق قصر اصطلاحی میں ہے، جیسے: مَا جَاءَ أَحَدٌ إِلا زَيْدٌ؛ اور مستثنیٰ غیر مفرغ موجب قصر کا فائدہ ضرور دیتا ہے؛ لیکن اس کا شمار راجح قول کے مطابق قصر اصطلاحی میں نہیں ہے، جیسے قَامَ الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدٌ. (علم المعانی)

② إِنَّمَا کا استعمال کرنا، جیسے: ﴿قُلْ إِنَّمَا العِلْمُ عِنْدَ اللهِ، وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيْرٌ مُبِيْنٌ﴾② [الملك:٢٦]

ملحوظہ: اس صورت میں مقصور پہلے اور مقصور علیہ بعد میں ہوتا ہے۔

فائدہ: اِنما کی کچھ خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

۱- اِنما میں مقصور علیہ ہمیشہ مؤخر ہوتا ہے اس کو مقدم کرنا صحیح نہیں ہے، جیسے﴿إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾[الكهف:١١٠]، میں تو تمھارے جیسا ایک انسان ہی ہوں۔

۲- مواقع تعریض میں اِنما کا استعمال مستحسن ہے، جیسے﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ العُلَمٰٓؤُا﴾③ [فاطر:٢٨]

---

① اس طریق قصر کا اصل استعمال اس وقت ہے جب کہ مخاطب حکم سے جاہل ہو؛ لیکن کبھی حکم جاننے والے مخاطب کو جاہل کے درجے میں اُتار کر یہ طریق قصر استعمال کیا جاتا ہے، جیسے﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلاَّ رَسُوْلٌ﴾ [آل عمران:١٤٤]؛ اس آیت میں خطاب حضراتِ صحابہ سے ہیں، اور وہ حکمِ مذکور (رسالتِ نبی) سے جاہل نہ تھے؛ لیکن ان کو شدتِ محبت وتعلق کی وجہ سے یہ گمان ہو گیا تھا کہ آپ وصفِ رسالت کے ساتھ وصفِ خلود سے بھی متصف ہیں؛ اور انھوں نے آنحضرت ﷺ پر موت واقع ہونے کو مستبعد سمجھا- جو الوہیت کے ساتھ خاص ہے، نہ کہ رسالت کے ساتھ-؛ لہٰذا اُنھیں آپ کی رسالت کو مستبعد سمجھنے والوں کے درجے میں اتار کر مؤکد کلام فرمایا۔ (الزیادۃ)

② (آخرت کے عذاب کے منتظر کافروں سے) کہہ دو! کہ: اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے، اور میں تو بس صاف صاف طریقے پر خبردار کرنے والا ہوں؛ دیکھیے! یہاں صفتِ علم (مقصور) کو باری تعالیٰ (مقصور علیہ) پر منحصر کیا ہے؛ اور یہ مثال قصرِ صفت علی الموصوف کے قبیل سے ہے؛ تفصیل آگے آرہی ہے۔

③ اس آیت میں صفتِ خشیت کو علماء کے ساتھ خاص کیا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ غیر عالم میں خشیت نہیں

۳- اِنَّما میں بہ یک وقت مقصور علیہ کے لیے حکم کا اثبات اور ماعدا سے حکم کی نفی ہوتی ہے جب کہ نفی و استثناء میں نفی و اِثبات دونوں الگ الگ عبارت سے مفہوم ہوتے ہیں۔

۴- إِنَّمَا میں اِنکار شدید نہیں ہوتا، جب کہ نفی و استثناء میں انکارِ شدید کی وجہ سے حکم میں تاکید ہوتی ہے، جیسے: ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ، إِنَّمَآ أَنْتَ مُنْذِرٌ﴾① [الرعد:۷]

③ عطف بہ: لَا وَبَلْ وَلٰكِنْ.

۱- لا کے ذریعہ عطف کرنا، جیسے أَنَا نَاثِرٌ لَا نَاظِمٌ②.

۲- بَلْ کی مثال، جیسے أَنَا نَاظِمٌ بَلْ نَاثِرٌ③.

۳- لٰكِنْ کی مثال، جیسے أَنَا نَاظِمٌ لٰكِنْ نَاثِرٌ؛ مَا أَنَا طَامِعٌ لٰكِنْ قَانِعٌ؛ ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ، وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾④ [الأحزاب:۴۰]

⇐ ہے؛ بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ: کامل درجہ خشیت علماء میں پائی جاتی ہے؛ یہ قصر حقیقی اِدّعائی ہے۔ (علم المعانی)؛ اور اگر بے عمل عالم کے سامنے یہ آیت پڑھی جائے تو تعریض کے لیے ہوگی، یعنی: تُو اپنے اندر خشیت کو پیدا کرو!

① یعنی آیات کا اُتارنا آپ کے قبضہ میں نہیں، یہ تو خدا کا کام ہے، کہ: جو آیت پیغمبر کی تصدیق کے مناسب ہو دکھائے، آپ تو (مقصور) صرف بُرائی کے مہلک انجام سے لوگوں کو آگاہ کرنے والے ہیں! (مقصور علیہ) (فوائد علم المعانی)

② اس صورت میں لا کے ماقبل کو مقصور علیہ، اور لا کے مابعد "ناظم" کو مقصور علیہ کا مُقابل کہتے ہیں؛ ترجمہ: مَیں (مقصور) ناثر ہی ہوں (مقصور علیہ)؛ ناظم نہیں! (مقابل)۔

③ یہاں أَنَا مقصور، نَاثِرٌ مقصور علیہ ہے، اور نَاظِمٌ اس کا مقابل ہے۔

④ زید تو نہیں آیا؛ لیکن عمرو آ گیا۔ یہاں لٰكِنْ کا مابعد مقصور علیہ اور اُن کا ماقبل اُس مقصور علیہ کا مقابل ہوگا۔ مثالِ ثالث: اس آیت میں (محمد) مقصور ہے، (رسول اللہ) مقصور علیہ اور (لکن) اداتِ قصر ہے؛ یعنی: آیت میں آپ ﷺ کے روحانی باپ ہونے ہی کو ثابت کیا ہے اور آپ ﷺ کے نسبی باپ ہونے کی نفی کی ہے جیسا کہ آیت ﴿اَلنَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ سے واضح ہے، یعنی مؤمن کا ایمان غور سے دیکھا جائے تو ایک شعاع ہے اس نورِ اعظم کی جو آفتابِ نبوت سے پھیلتا ہے، آفتابِ نبوت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوئے، بنا بریں مؤمن (من حیث ھو مؤمن) اگر اپنی حقیقت سمجھنے کے لیے حرکتِ فکری شروع کرے تو اپنی ایمانی ہستی سے پیشتر اس کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معرفت حاصل کرنی پڑے گی، اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی کا وجودِ مسعود خود ہماری ہستی سے بھی زیادہ ہم سے نزدیک ہے، اور اگر اس روحانی تعلق کی بناء پر کہہ دیا جائے کہ مؤمنین کے حق میں نبی بمنزلہ باپ ⇐

④ مؤخر کو مقدّم کرنا، جیسے ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ [1] [الفاتحة:٤]، أي: نَخُصُّ إِيَّاكَ بِالعِبَادَةِ لا غَيْرَكَ.

ملحوظہ: جملہ اسمیہ کی ترتیب: پہلے مبتدا پھر خبر؛ جملہ فعلیہ کے اجزاء کی ترتیب: فعل، فاعل، مفعول بہ، مطلق، فیہ، لہ، حال، تمیز پھر مستثنیٰ ہوگا؛ یہ ترتیب واقعی ہے اس کے خلاف ترتیب ہو تو اُسے تقدیم ماحقُّہ التاخیر کہتے ہیں۔ نیز تقدیم ماحقُّہ التاخیر میں مقدم مقصور علیہ ہوگا اور مؤخر مقصور ہوگا۔

مزید طرُق قصر

فائدہ: بابِ قصر کے معروف طریقے چار ہیں؛ ورنہ غیر معروف طریقے یہ بھی ہیں: ① لفظ "وَحْدَهُ" جیسے: هَزَمَ الأَحْزَابَ وَحْدَهُ، ② لفظ "فَقَطْ"، جیسے: رَأَيْتُ عَمْرًوا فَقَطْ، ③ لفظ لا غَيْرَ، جیسے: عِنْدِيْ عَشْرَةُ دَنَانِيْرَ لا غَيْرَ؛ ④ لفظ لَيْسَ غَيْرُ، جیسے: لِزَيْدٍ اِبْنٌ لَيْسَ غَيْرُ؛ ⑤ مادۂ اختصاص، جیسے: نَخُصُّ مِنْهُمْ بِكَذَا؛ ⑥ ضمیر فصل، جیسے: ﴿فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ﴾؛ ⑦ مادۂ قصر، جیسے: قَصَرْتُ عَمَلِيْ فِي الحَدِيْقَةِ عَلَى رَيِّ الأَزْهَارِ؛ ⑧ جملے کے دونوں اجزاء کو معرفہ لانا، جیسے المُنْطَلِقُ زَيْدٌ [2]. (جواہر البلاغت) بتغییر یسیر

⇐ کے ہے؛ بلکہ اس سے بھی بمراتب بڑھ کر ہے تو بالکل بجا ہوگا۔ چناں چہ سنن أبی داوٗد میں "إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلِ الوَالِدِ" اور اُبی بن کعب وغیرہ کی قراءت میں آیت ھٰذا ﴿اَلنَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کے ساتھ "وَهُوَ أَبٌ لَهُمْ" کا جملہ بھی اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔

اب باپ بیٹے کے تعلق میں غور کرو تو اس کا حاصل یہی نکلے گا کہ بیٹے کا جسمانی وجود باپ کے جسم سے نکلا، اور باپ کی تربیت وشفقتِ طبعی اوروں سے بڑھ کر ہے؛ لیکن نبی اور اُمتی کا تعلق کیا اس سے کم ہے؟ یقیناً امتی کا ایمانی وروحانی وجود نبی کی روحانیت کبریٰ کا ایک پرتَو اور ظِل ہوتا ہے، اور جو شفقت وتربیت نبی کی طرف ظہور پذیر ہوتی ہے ماں باپ تو کیا! تمام مخلوق میں اس کا نمونہ نہیں مل سکتا، باپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو دنیا کی عارضی حیات عطا فرمائی تھی؛ لیکن نبی کے طفیل ابدی اور دائمی حیات ملتی ہے۔ (فوائد)

① ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ یہاں عبادت واستعانت کو اللہ وحدہ لایزال کے ساتھ مخصوص کیا ہے، غیر اللہ سے اُن کی نفی کی ہے؛ لیکن عبادت کا قصر ذات باری پر قصر حقیقی تحقیقی ہے اور استعانت کا قصر ذات باری پر قصر حقیقی ادعائی ہے؛ کیوں کہ غیر اللہ سے استعانت درحقیقت لااستعانت ہے۔ (علم المعانی)

② ملحوظہ: ا- کبھی مسند کو الف لام جنسی کے ذریعہ معرفہ لایا جاتا ہے تاکہ قصر کا فائدہ دیوے، چاہے قصر کا ⇐

فائدہ

① مسند الیہ کے بعد ضمیر فصل کو کبھی لایا جاتا ہے، اس وقت یہ ضمیر قصر مسند علی المسند الیہ کا فائدہ دیتی ہے، بشرطیکہ طرفین معرفہ نہ ہوں، جیسے:﴿أَلَمْ يَعْلَمُوٓا أَنَّ اللّٰهَ "هُوَ" يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَأْخُذُ الصَّدَقٰتِ﴾① [التوبة: ۱۰۴]۔

② طرفین کے معرفہ ہونے کی صورت میں ضمیر فصل قصر کے ساتھ تاکید کا بھی فائدہ دے گی، جیسے: ﴿لَا يَسْتَوِيٓ أَصْحٰبُ النَّارِ وَأَصْحٰبُ الْجَنَّةِ، أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۝﴾ [الحشر:۲۰]؛ ﴿إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ۝﴾② [الذاريات:۵۸]

تعیین مقصور و مقصور علیہ

مقصور و مقصور علیہ کی تعیین کے اصول مندرجہ ذیل ہیں۔

① طرقِ اربعہ میں ہر ایک کے مقصور مقصور علیہ کی تعیین کا اُصول پہلے مذکور ہو چکا ہے③۔

② بابِ قصر میں عموماً پہلے مقصور آتا ہے اور مقصور علیہ بعد میں آتا ہے؛ سوائے تقدیم ماحقہ التاخیر کے کہ اس میں پہلے مقصور علیہ ہوتا ہے اور مقصور بعد میں ہوتا ہے۔

⇐ فائدہ حقیقۃً ہو یا ادعاءاً (مبالغۃً)۔

۲۔ کبھی مسند کو نکرہ لایا جاتا ہے اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ مسند الیہ صرف اسی مسند کے ساتھ خاص نہیں؛ بلکہ اس کے علاوہ دوسری صفات بھی اس میں پائی جاتی ہیں، جیسے سَعِیْدٌ أَمِیْرٌ، سعید امیر ہے۔

۳۔ کبھی مسند میں اضافت یا صفت کے ذریعہ تخصیص کا معنی پیدا کیا جاتا ہے، اول کی مثال، جیسے زَیْدٌ غُلَامُ رَجُلٍ، ثانی کی مثال، جیسے: سَاجِدٌ رَجُلٌ عَالِمٌ۔

① ترجمہ: کیا ان (غزوۂ تبوک میں پیچھے رہنے والے مخلصین مسلمانوں) کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ بھی قبول کرتا ہے اور صدقات بھی قبول کرتا ہے؛ یہاں ضمیر فصل کے بغیر عبارت یوں ہوگی أَنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ۔

② آیتِ اُولیٰ: دوزخ والے اور بہشت والے برابر نہیں! بہشت والے ہی مراد پانے والے ہیں۔ یہاں بطورِ قصرِ اضافی صفتِ فَوْز کو اصحاب جنت پر منحصر کیا ہے، یعنی: صفت فوز اصحابِ دوزخ کی طرف متعدی نہیں۔ آیتِ ثانیہ: یعنی: اللہ تو خود ہی رزاق ہے مستحکم قوت والا ہے۔ اس آیت میں بھی تاکید کے ساتھ صفتِ رزق کو اللہ وحدہ لاشریک لہ پر منحصر کیا ہے، یہ قصرِ حقیقی ہے (علم المعانی)

③ نقشہ اگلے صفحہ کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ⇐

③ خبر معرف باللام ہونے کی صورت میں اگر مبتدا بھی معرف بلامِ جنس ہو، جیسے آپ ﷺ فرمان: "الكَرَمُ التَّقْوىٰ، وَالحَسَبُ المالُ، وَالدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ،" تو مبتدا مقصور، خبر مقصور علیہ ہوگی؛ اور اگر مبتدا غیر معرف بلامِ جنس ہو، جیسے:"أَنْتَ الأَمِيْرُ" تو پھر خبر مقصور ہوگی اور مبتدا مقصور علیہ ہوگا۔

④ ضمیر فصل کا مابعد مقصور ہوتا ہے، جیسے ﴿أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○﴾[1] [البقرة:٥]

ملحوظہ: اُردو زبان میں مقصور علیہ کے ترجمے میں عموماً "ہی" لگتا ہے، جیسے: إِنَّمَا زَيْدٌ قَائِمٌ، زید کھڑا ہی ہے۔

نمبر شمار	طریقۂ قصر	مقصور	مقصور علیہ	مثال
۱	نفی واستثناء	ماقبل استثناء	مابعدِ استثناء	وَمَا مُحَمَّدٌ إِلاَّ رَسُوْلٌ
	ما-إلا	مُحَمَّدٌ	رَسُوْلٌ	......
۲	إنما	إنما کے مابعد جزو اول	جزو ثانی	إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُوْلُوا الأَلْبَابِ
	إنما	يَتَذَكَّرُ	أُوْلُوا الأَلْبَابِ	......
۳	عطف بلا	ماقبل لاء کا جزء اول	ماقبل لاء کا جزء ثانی	أَنَا نَاثِرٌ، لا نَاظِمٌ
	لا	أَنَا	نَاثِرٌ	......
۴	عطف ببل	مابعد بل جزء اول	مابعد بل جزء ثانی	بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ
	بل	هُمْ	فِيْ لَبْسٍ	......
۵	عطف بلٰکن	مابعد لٰکن جزء اول	مابعد لٰکن جزء ثانی	مَا أَنَا طَامِعٌ، لٰكِنْ قَانِعٌ
	ما-لٰکن	أَنَا	قَانِعٌ	......
۶	تقدیم	مؤخر	مقدم	إِيَّاكَ نَعْبُدُ
	تقدیم ماحقہ التاخیر	نَعْبُدُ	إِيَّاكَ	......

اقسامِ قصر باعتبار حقیقت وواقعیت اور اِضافت

قصرِ حقیقی اور اُس کے اقسام

قصر کی حقیقتِ حال (صورتِ واقعہ) اور دوسری شے کی طرف نسبت واضافت کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں: ① قصرِ حقیقی، ② قصرِ اضافی۔

① **قصرِ حقیقی**: وہ قصر ہے جس میں مقصور کا مقصور علیہ کے علاوہ کی طرف بالکل متجاوز نہ ہونا، بیان کیا جائے؛ جب کہ: قصرِ اضافی میں مقصور کا مقصور علیہ کے علاوہ کسی مخصوص چیز (موصوف یا صفت) کی طرف متجاوز نہ ہونا بیان کیا جاتا ہے۔

قصرِ حقیقی کی دو قسمیں ہیں: ① قصرِ حقیقی تحقیقی، ② قصرِ حقیقی ادّعائی۔

۱— **قصرِ حقیقی تحقیقی**: وہ قصر ہے جس میں ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ مخصوص ہونا حقیقت وواقعیّت کے اعتبار سے ہو؛ اس طور پر کہ: شئ اول (مقصور) شئ ثانی (مقصور علیہ) ہی میں پائی جاتی ہے، کسی دوسری چیز میں نہیں، جیسے ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ إِلَّا هُوَ﴾[1] [الأنعام:۵۹]۔

۲— **قصر حقیقی اِدّعائی**: وہ قصر ہے جس میں ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ مخصوص ہونا مبالغۃً اور اِدّعاء ہو، اور یہ بتایا جائے کہ: یہ مقصور، مقصور علیہ کے علاوہ دوسری چیزوں میں بھی پایا جاتا ہے، مگر مقصور علیہ میں کمال درجہ ہے اور بقیہ میں کالعدم ہے، جیسے: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ [فاطر:۲۸]؛ وقولُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: "لَاحَسَدَ إِلا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلٰى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ

---

① اس آیت میں قصر کے دو طریقے ہیں: ﴿وَعِنْدَهٗ﴾ خبر کی تقدیم، تقدیم ماحقہ التاخیر کے قبیل سے ہے، اور ﴿لَا يَعْلَمُهَآ إِلَّا هُوَ﴾ میں نفی واستثناء ہے؛ اور مطلب یہ کہ: مفاتح غیب حقیقتاً اللہ کے پاس ہی ہیں، غیر اللہ کے پاس نہیں! نیز ان کا علم واقعتاً اللہ پر منحصر ہے، غیر اللہ کو اس کا علم نہیں! قصر کی یہ تکرار مضمون کی تاکید وپختگی کے لیے ہے (علم المعانی)

الحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِيْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا"①. [بخاري في العلم].

قصرِ حقیقی تحقیقی و اِدّعائی دونوں کی مثال: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ، وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۝﴾② [الفاتحة: ٤]

قصرِ اضافی اور اس کی اقسام

② **قصرِ اضافی**: قصر کی دوسری قسم قصرِ اضافی ہے، جس میں مخاطب کی حالت کو دیکھتے ہوئے قصر ہوتا ہے، جیسے ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلاَّ رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، أَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰٓ أَعْقَابِكُمْ﴾③ [آل عمران: ١٤٤]

---

① مثالِ اول: یعنی بندوں میں نڈر بھی ہیں اور اللہ سے ڈرنے والے بھی، مگر ڈرتے وہی ہیں جو اللہ کی عظمت وجلال، آخرت کے بقاء ودوام اور دنیا کی بے ثباتی کو سمجھتے ہیں، اور اپنے پروردگار کے احکام وہدایات کا علم حاصل کر کے مستقبل کی فکر رکھتے ہیں؛ جس میں یہ سمجھ اور علم جس درجہ کا ہوگا اسی درجہ میں وہ خدا سے ڈرے گا، جس میں خوفِ خدا نہیں وہ فی الحقیقت عالم کہلانے کا مستحق نہیں، اس میں "خشیت" کو "علماء" پر منحصر کیا ہے؛ دیکھیے! غیرِ علماء میں بھی خشیت ہوتی ہے؛ لہٰذا یہ قصر مبالغۃً ہے جس کو قصرِ اِدّعائی کہتے ہیں۔

مثالِ ثانی: حدیثِ مبارکہ میں حسد (بمعنی غبطہ) کو دو صفتوں پر مقصور کرلیا ہے، اور ان کے علاوہ میں حسد کی ادّعاء ومبالغۃً ہے، اور گویا یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ: ان دو کے علاوہ میں حسد کرنا، نہ کرنے کے برابر ہے؛ یعنی: حسد (غبطہ) کا فائدہ اِن دو میں ہی جائز ہے، باقی میں نہیں!۔ (علم المعانی)

② ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ یہاں عبادت واستعانت کو اللہ وحدہ لایزال کے ساتھ مخصوص کیا ہے، غیر اللہ سے اُن کی نفی کی ہے؛ دیکھیے! عبادت کا قصر ذاتِ باری پر قصرِ حقیقی تحقیقی ہے، اور استعانت کا قصر ذاتِ باری پر قصرِ حقیقی ادعائی ہے؛ کیوں کے غیر اللہ سے استعانت ہوتی ہے؛ لیکن وہ استعانت، لااستعانت کی طرح ہے۔ (علم المعانی)

③ یعنی محمد ﷺ آخر خدا تو نہیں — ایک رسول ہی تو ہیں —، ان سے پہلے کتنے رسول گذر چکے؛ جن کے بعد ان کے متبعین نے دین کو سنبھالا اور جان مال سے دین کو قائم کرتے رہے۔

حضرات صحابۂ کرام کو آقا ﷺ سے شدتِ محبت وتعلق کی بنیاد پر یہ گمان ہوگیا تھا کہ: آپ وصفِ رسالت کے ساتھ وصفِ خلود سے بھی متصف ہیں کہ ان پر موت طاری نہیں ہوسکتی! تو اللہ پاک نے اس آیت آپ کی ذات کو وصفِ رسالت میں منحصر کیا اور وصفِ خلود کی آپ سے نفی فرمائی، کہ: آپ نرے رسول ہی تو ہے! خدا تو نہیں! اور اس وقت نہ سہی! اگر کسی وقت آپ کی وفات ہوگئی یا آپ شہید کردئے گیے تو کیا تم دین کی خدمت وحفاظت کے راستہ سے اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے! یہ قصرِ اضافی ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ: آقا ﷺ ذاتِ بابرکت میں اس وصف کے علاوہ دوسرا کوئی وصف نہ تھا۔ (علم المعانی، فوائدِ عثمانی)

اقسامِ قصرِ اضافی

قصرِ اضافی: کی تین قسمیں ہیں: ① قصرِ افراد، ② قصرِ تعیین، ③ قصرِ قلب۔

① **قصرِ افراد**: وہ قصرِ اضافی ہے جس میں متکلم کا مخاطب ایک موصوف میں دو صفتوں کا، یا ایک صفت میں دو موصوفوں کی شرکت کا اعتقاد رکھے ہوئے ہو، جیسے ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلاَّ رَسُوْلٌ، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾[1] [آل عمران:١٤٤]؛ ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْآ إِنَّ اللهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ، وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّآ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ [المائدة:٧٣]

② **قصرِ تعیین**: وہ قصرِ اضافی ہے جس میں متکلم کا مخاطب ایک موصوف میں دو صفتوں کے بابت یا ایک صفت میں دو موصوفوں کی شرکت کے بابت متردد ہو، جیسے ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ﴾[2] [أحزاب:٤٠]

③ **قصرِ قلب**: وہ قصرِ اضافی ہے جس میں مخاطب اس حکم کے برعکس کا اعتقاد رکھے ہوئے ہو جس کو متکلم ثابت کرنا چاہتا ہے، اور متکلم طریقِ قصر کے ذریعے مخاطب کے اعتقاد کو رد

---

① آیتِ اولی: بعضے صحابہ آپ کے شہید ہونے کی خبر سن کر حوصلہ چھوڑ بیٹھے تھے؛ ان حضرات کو ان لوگوں کے درجہ میں اتارا گیا جو آپ ﷺ (موصوف) میں وصفِ رسالت کے ساتھ وصفِ خلود (دونوں صفتوں) کے معتقد ہوں؛ چنانچہ قصرِ اضافی کا اسلوب اختیار فرما کر آپ کی ذات کو وصفِ رسالت پر منحصر فرمایا اور وصفِ خلود کی نفی فرمائی (علم المعانی، فوائد) آیتِ ثانیہ: اس آیت میں نصاریٰ سے خطاب ہے جو تثلیث (مسیح، روح القدس اور اللہ تینوں خدا ہیں) کے قائل تھے، اس کی نفی کرتے ہوئے مضمون کو اسلوبِ قصر میں بیان کیا کہ: الٰہ تو صرف ایک ہی ہے، یعنی: وصفِ الوہیت صرف ایک میں منحصر ہے تین موصوفوں میں نہیں، جیسا کہ نصاریٰ گمان کرتے ہیں؛ لہٰذا یہ قصرِ افراد ہے (علم المعانی)

ملحوظہ: پہلی مثال قصرِ اضافی کے ساتھ قصرِ موصوف علی الصفت کی ہے، جب کہ دوسری قصرِ صفت علی الموصوف کی ہے۔

② یعنی: حضرت زید بن حارثہ جن کو آپ ﷺ نے متبنیٰ کر لیا تھا، آپ کے واقعی بیٹے نہیں بن گئے تھے— جیسا کہ تمھارا خیال ہے— کہ آپ ان کی مطلقہ سے نکاح نہ کر سکے؛ اور ایک زید ہی کیا! آپ تو مَردوں میں سے کسی کے بھی باپ نہیں؛ کیوں کہ آپ کی اولاد میں یا لڑکے ہوئے جو بچپن میں گذر گئے اور بعض اس آیت کے نزول کے وقت تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے، یا بیٹیاں تھیں جن میں سے حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کی ذرّیت دنیا میں پھیلی۔ اس کی کچھ تفصیل پہلے "طرقِ قصر" کے تحت عطف بہ لٰکن کے ضمن میں گذر چکی ہے۔ (الزیادۃ)

کرتا ہے، جیسے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِنْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [البقرة:۱۳]؛ ﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ﴾① [المائدة: ۷۵]۔

اقسام قصر باعتبار طرفین

قصرِ حقیقی واضافی میں طرفین (مقصور ومقصور علیہ) میں سے کوئی ایک موصوف ہوگا اور دوسرا صفت؛ لہٰذا قصرِ حقیقی واضافی میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہوں گی: قصرِ موصوف بر صفت، قصرِ صفت بر موصوف②۔

---

① آیتِ اولی: منافقین یہ گمان کرتے تھے کہ: مؤمنین مخلصین ہی بے وقوف ہیں، اللہ پاک نے ان کے اعتقاد کو بدلا اور فرمایا: اے منافقین! حقیقت میں بے وقوف تم ہی ہو؛ لیکن تم اپنی بے وقوفی کو جانتے نہیں! یہاں پر حصر ضمیر فصل سے پیدا ہوا ہے۔ آیتِ ثانیہ میں اللہ پاک نے نصاریٰ کے عقیدۂ تثلیث ﴿إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ﴾ کا رد فرماتے ہوئے کہا: عیسیٰ بن مریم تو صرف رسالت سے متصف ہے، اُلوہیت سے نہیں؛ پھر اس کی دلیل بیان فرمائی ﴿كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ﴾ کہ عیسیٰ ومریم تو کھانا کھاتے ہیں اور اللہ کو اس کی ضرورت کہاں! (علم المعانی)

② ان کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ: اگر مقصور صفت ہو تو وہ قصرِ صفت ہے اور اگر مقصور صفت نہ ہو تو وہ قصرِ موصوف علی صفت ہے۔

قصر کی تفصیلی چار قسمیں

(۱) قصرِ موصوف بر صفتِ حقیقی: یعنی موصوف اسی ایک صفت کے ساتھ خاص ہو، اس میں اُس ایک صفت کے علاوہ کوئی دوسری صفت نہ پائی جاتی ہو، جیسے مَا سَاجِدٌ إِلَّا قَارِئٌ، ساجد قاری ہی ہے۔

تنبیہ: واضح رہے کہ یہ مثال فرضی ہے اس لیے کہ ایسی مثال ملنا مشکل ہے جس کے موصوف میں باعتبارِ حقیقت کے صرف ایک ہی صفت ہو، دوسری کوئی بھی صفت پائی نہ جاتی ہو، جیسا کہ مثال سے ظاہر ہے؛ اسی وجہ سے بعضے بلغاء نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ: ہر کسی موصوف میں اتنی صفات ہوتی ہیں جن کا احاطہ کرنا یا تو متعذر ہوتا ہے یا متعسر، جیسے مثالِ مذکور میں ساجد کا قاری ہونے کے ساتھ آکل، متکلم، ماشی، حی، اَسود یا اَبیض، طویل یا قصیر، ذکی یا غبی وغیرہ ہونا امر بدیہی ہے۔

(۲) قصرِ صفت بر موصوف حقیقی: یعنی وہ صفت اُسی ایک موصوف کے ساتھ خاص ہو، اُس کے علاوہ کسی اور موصوف میں نہ پائی جاتی ہو، ہاں! اُس موصوف میں اس صفت کے علاوہ دیگر صفات پائی جاسکتی ہوں، جیسے: لَا مَعْبُودَ

① **قصرِ موصوف بر صفت**: وہ قصر ہے جس میں کسی موصوف کو ایک ہی صفت کے ساتھ خاص کیا گیا ہو، اور یہ بتایا ہو کہ: اس موصوف میں صرف یہی ایک صفت پائی جاتی ہے، جیسے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ۝ إِنْ أَنْتَ إِلاَّ نَذِيْرٌ۝﴾ [فاطر:۲۲-۲۳]؛ وقوله عليه الصَّلوٰةُ والسَّلامُ: مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْراً يُفَقِّهْهُ فِيْ الدِّيْنِ، وإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي[1]. [البخاري في العلم]

ملحوظہ: قصر کے باب میں موصوف وصفت سے وہ اصطلاحی موصوف وصفت مراد نہیں ہیں جو مرکب توصیفی میں ہوتے ہیں؛ کیوں کہ اصطلاحی موصوف صفت کے درمیان قصر متصور نہیں؛ بلکہ یہاں موصوف سے اسم ذات اور صفت سے صفتِ معنوی (یعنی: وہ معنی جو قائم بالغیر ہو وہ) مراد ہے؛ چاہے وہ فعل ہو یا مصدر، اسی طرح اسم فاعل، اسم مفعول، ظرف، جار مجرور، اسم منسوب یا صفتِ مشبہ میں سے ہو۔ (علم المعانی)

② **قصرِ صفت بر موصوف**: وہ قصر ہے جس میں کسی صفت کو ایک موصوف ہی سے خاص کرنا، اور یہ بتانا مقصود ہو کہ: یہ صفت صرف اسی موصوف میں پائی جاتی ہے، جیسے: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۝﴾ [الفاتحة:۵]؛ ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لاَيَعْلَمُهَآ إِلَّا

⇐ بِحَقٍّ إلاَّ اللّٰهُ، معبودِ برحق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(۳) قصر موصوف بر صفتِ اضافی: موصوف کو ایک صفت کے ساتھ کسی معین صفت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے خاص کرنا، خواہ اُس موصوف میں اس دوسری صفت کے علاوہ اور صفات پائی جاتی ہوں، یا نہ پائی جاتی ہوں، جیسے: مَا زَيْدٌ إلاَّ قَائِمٌ، زید کھڑا ہی ہے (بیٹھا نہیں ہے)۔

(۴) قصر صفت بر موصوف اضافی: صفت کو ایک موصوف کے ساتھ کسی معین موصوف کو مدّ نظر رکھتے ہوئے خاص کرنا، خواہ اس معین موصوف کے علاوہ دیگر موصوفوں میں وہ صفت پائی جاتی ہو یا نہ پائی جاتی ہو، جیسے: مَا أَمِيْنٌ إلاَّ يُوْسُفَ، امانت دار یوسف ہی ہے (ابراہیم نہیں ہے)۔

① مثالِ اوّل: یہاں موصوف رسول کو صفتِ انذار کے ساتھ خاص کرلیا ہے کہ: آپ صرف ڈرسنانے والے ہیں! مشرکین معاندین کے دلوں کو عناد وسرکشی سے ایمان کی طرف پھیرنا آپ کے بس میں نہیں!۔ مثالِ ثانی میں آپ ﷺ نے اپنی ذات (موصوف) کو تقسیمِ علم (صفت) پر منحصر فرما کر بتلایا کہ: میرا کام تو علم کو تقسیم کرنا ہے؛ لیکن میری حدیث کا فہم اور اس سے مسائلِ کثیرہ کا استنباط کرنا یہ اللہ کی عطاء سے ہے؛ یعنی: میں قاسم ہی ہوں، معطی نہیں!۔ (علم المعانی)

هُوَ﴾① [الأنعام: ٥٩]۔

تعیینِ قصرِ موصوف وقصرِ صفت

یادرہے کہ: مقصور (معنوی اعتبار سے) موصوف ہو تو وہ قصرِ موصوف علی صفت ہوگا اور اگر مقصور صفت ہو تو وہ قصر صفت علی موصوف ہوگا، لہٰذا اُصولی طور پر جملہ اسمیہ وفعلیہ میں قصرِ موصوف وقصرِ صفت کی تعیین حسبِ ذیل ہوگی۔

قصر در اجزائے جملہ اسمیہ

① مبتدا کا قصر خبر پر ہو تو وہ قصر موصوف علی الصفت کے قبیل سے ہوگا، جیسے: ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلاَّ مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ [الحدید:٢٠]، اِلا یہ کہ مبتدا اسم مشتق ہو اور خبر اسم جامد ہو تو وہ قصر صفت علی الموصوف کے قبیل سے ہوگا، جیسے: مَا الْقَائِمُ إِلاَّ عَمْرٌو، عمرو کھڑا ہی ہے۔

② خبر کا مبتدا پر قصر، قصر صفت علی الموصوف کے قبیل سے ہوگا، جیسے: ﴿مَا عَلَى الرَّسُوْلِ إِلاَّ الْبَلٰغُ﴾② [المائدة:٩٩]۔

قصر در اجزائے جملہ فعلیہ

③ اگر فعل کا قصر فاعل پر ہو تو وہ قصر صفت علی الموصوف کے قبیل سے ہوگا، جیسے: ﴿وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلاَّ اللهُ﴾③ [آل عمران:١٣٥]۔

④ فعل کا قصر مفعول پر ہو تو اُسے قصر صفت علی الموصوف بنا سکتے ہیں اور قصر موصوف علی الصفت بھی، جیسے: ما ضَرَبَ مُحَمَّدٌ إِلاَّ زَيْداً، ﴿وَإِنْ يُّهْلِكُوْنَ إِلاَّ أَنْفُسَهُمْ﴾ [الأنعام:٢٦]؛

---

① آیتِ اولیٰ: یہاں عبادت واستعانت کو اللہ وحدہ لا یزال کے ساتھ مخصوص کرنا قصر صفت علی الموصوف کے قبیل سے ہے۔ تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ آیتِ ثانیہ: میں "مَفَاتِحُ الْغَيْبِ" کے علم کو ذاتِ باری پر منحصر کرنا قصرِ حقیقی، قصر صفت علی موصوف ہے۔

② پیغمبر علیہ السلام نے خدا کا قانون اور پیام پہنچا کر اپنا فرض ادا کر دیا، اور خدا کی حجت بندوں پر تمام ہو چکی ہے؛ یہاں رسول کے فریضے کو بلاغ (موصوفِ معنوی) پر منحصر کرنا قصر صفت علی الموصوف کے قبیل سے ہے (علم المعانی، فوائد)

③ دراصل یوں تھا: يغفرُ اللهُ الذُّنوبَ؛ تفصیل "طرقِ قصر" کے تحت نفی واستثناء کے ضمن میں گذر چکی ہے۔

﴿إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ﴾① [الأنعام:١١٦]

⑤ فاعل کا قصر ظرف، مفعول لہ، مفعول مطلق (برائے نَوعیّت)، تمیز یا جار و مجرور پر ہو تو وہ قصر صفت اور قصر موصوف دونوں ہو سکتا ہے، جیسے ﴿إِنْ نَّظُنُّ إِلاَّ ظَنًّا﴾ [الجاثية:٣٢] أي ظَنًّا ضَعِيْفا؛ وكقولك: "ما طابَ محمَّدٌ إلاَّ نَفْسًا"②.

⑥ ذوالحال کا حال پر قصر، قصر موصوف کے قبیل سے ہے، اور حال کا ذوالحال پر قصر، قصر صفت کے قبیل سے ہے، جیسے: اول کی مثال ﴿وَوَصّٰى بِهَآ إِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ، يٰبَنِيَّ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝﴾③ [البقرة: ١٣٢]، مَا جَاءَ خَالِدٌ إِلاَّ رَاكِبًا، اور دوسرے کی مثال: مَا جَاءَ رَاكِبًا إِلاَّ خَالِدٌ.

تنبیہ: مذکورہ احوال (یعنی: ذکر و حذف، تقدیم و تاخیر اور تعریف و تنکیر) صرف مسند اور مسند الیہ ہی میں جاری نہیں ہوتے؛ بلکہ ان دونوں کے علاوہ فعل کے دوسرے معمولات میں بھی جاری ہوتے ہیں، جیسا کہ بڑی کتابوں میں مفصل مذکور ہیں۔

---

① اگر ان مثالوں میں قصر صفت مانیں (یعنی فاعل سے واقع ہونے والے فعل کو مفعول پر مقصور کرنا)، تو تقدیر — صیغۂ فعل کو اسم مفعول کی تاویل میں کرکے — یوں ہوگی: مَا مَضْرُوْبُ مُحَمَّدٍ إِلا زَيْدٌ، مَا مُهْلِكُهُمْ إِلا أَنْفُسُهُمْ، مَا مُتَّبَعُهُمْ إِلا الظَّنُّ؛ اور اگر قصر موصوف مانیں (یعنی فاعل کو مفعول پر واقع ہونے والے فعل پر مقصور کرنا)، تو مقصد یہ ہوگا: قَصَرَ مُحَمَّدٌ عَلٰى ضَرْبِ زَيْدٍ، قَصَرَ الإِهْلَاكُ عَلٰى أَنْفُسِهِم، قَصَرَ الاتِّبَاع عَلٰى ظَنِّهِم، یعنی: زید کے ضرب کو محمد پر منحصر کرنا وغیرہ۔

② ہم جو کچھ خیال کرتے ہیں بس ایک گمان سا ہوتا ہے؛ دیکھیے! یہاں بھی اگر قصر صفت مانیں تو تقدیر یوں ہوگی: مَا مَظْنُوْنُنَا إِلَّا ظَنًّا ضَعِيفًا، اور اگر قصر موصوف مانیں تو تقدیری عبارت یوں ہوگی: قَصَرَ ظَنُّنَا عَلٰى ظَنٍّ ضَعِيْفٍ.

③ اور اسی بات کی ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی، اور یعقوبؑ نے بھی (اپنے بیٹوں) کو، کہ: اللہ نے یہ دین تمہارے لیے منتخب فرمالیا ہے؛ لہٰذا تمھیں موت بھی آنے پائے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو؛ دیکھیے! یہاں مرنے والے (ذوالحال) کو حالتِ اسلام (حال) پر منحصر کیا ہے۔ (فوائد)

باب سابع

وصل وفصل

سوالات وصل وفصل

① وصل وفصل کی تعریفات کیا ہیں؟

② اگر جملے میں عطفِ مفردات ہے تو تقدیم وتاخیر سے کیا اشارہ مِلتا ہے؟

③ کلام کے دو جملوں میں اگر وصل ہے تو — سوائے واو کے — اَدَوات وصل (حروفِ عطف) میں سے کون سا حرفِ عاطف ہے؟ اور اس کی غرض کیا ہے؟

④ مذکورہ دو جملوں کے درمیان کمال اتصال، شبہ کمال اتصال، کمال انقطاع، شبہ کمال انقطاع اور توسط بین الکمالین میں سے کیا ہے؟

⑤ اگر دو جملوں کے درمیان فصل ہے تو وجوبِ فصل کی پانچ جگہوں میں سے کیا ہے؟

⑥ اگر وصل بالواو ہے تو وجوبِ وصل کی دو جگہوں میں سے کیا ہے؟

تعریفاتِ وصل وفصل

وصل: کلام کے بعض حصے کو دوسرے بعض حصے سے جوڑنے اور حکمِ ماقبل میں شریک کرنے (یعنی: عطف کرنے) کو "وصل" کہتے ہیں؛ چاہے یہ جوڑنا اور شریک کرنا مفردات میں ہو یا جملوں میں ہو؛ نیز چاہے وہ جوڑنا واو کے ذریعے ہو یا دیگر حروفِ عاطفہ کے ذریعے، جیسے: ﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ○ وَّإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ○﴾① [الانفطار:۱۳-۱۴].

فصل: دو جملوں کے درمیان عطف کو چھوڑ دینا، جیسے﴿صَلِّ عَلَيْهِمْ، إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾② [التوبة:۱۰۳].

بُلغا اس بحث کے ضمن میں عطفِ مفردات، عطفِ جُمَل التی لہا محل من الاعراب کو تبعاً ذکر فرماتے ہیں؛ حالاں کہ اصل مقصود ان جملوں کے عطف سے بحث کرنا ہے جن کا کوئی محل اعراب نہیں۔

---

① بیشک نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے اور بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے؛ یہاں توسُّط بَینَ الکَمالین ہے، یعنی: دونوں جملے خبر یا انشاء میں متحد ہیں، اور عطف سے مانع کوئی بھی چیز نہیں؛ نیز دونوں باری تعالیٰ کے اَقوال (وعدہ ووعید) ہیں، اور حرفِ تاکید سے مقید ہیں۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

② یہاں دونوں جملوں ﴿صَلِّ -إِنَّ صَلٰوتَكَ﴾ میں کمال انقطاع (تباین تام) ہے؛ کیوں کہ پہلا جملہ انشائیہ ہے، اور دوسرا خبریہ ہے؛ لہٰذا فصل کیا گیا ہے۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

ملحوظہ: بلغاء حضرات وصل وفصل کی بحث میں مفردات کے عطف سے نیز اُس جملوں کے عطف سے جن کے لیے اعراب کا محل ہے، بحث نہیں کرتے؛ کیوں کہ ایسے مواقع میں صرف بعد والے حصے کو ماقبل کے حکمِ اعرابی میں شریک کرنا مقصود ہوتا ہے جس کو پہچاننا آسان ہے؛ ہاں! وصل وفصل کی بحث کی گہرائی اور نزاکت ان جملوں میں ظاہر ہوتی ہے جہاں دو جملوں کے درمیان کوئی محل اعراب نہ ہو؛ لہٰذا بلغاء اس وصل وفصل سے بحث کرتے ہیں۔

نیز واو حرفِ عطف محض حکمِ ماقبل میں شرکت اور مطلق جمع کے لیے آتا ہے؛ اس وجہ سے اس کا معاملہ اہمیت کا حامل ہے، جب کہ دیگر حروفِ عاطفہ میں شرکت کے علاوہ دیگر معانیٔ مقصودہ بھی ہوتے ہیں؛ اس لیے ان کے ذریعے وصل وفصل کرنے میں دقیق وجہیں اور پوشیدہ نکات نہیں ہوتے؛ جب کہ وصل بالواو میں کافی فوائد واسرار ہوتے ہیں، لہٰذا بلغاء صرف وصل بالواو سے بحث کرتے ہیں نہ کہ وصل بغیر الواو سے۔ (علم المعانی)

محسنات وصل

مقام وصل میں دو جملوں ① کے درمیان من وجہٍ مناسبت اور من وجہٍ مغائرت کا ہونا ضروری ہے؛ لہذا جہاں دو جملوں میں من کل الوجوہ مناسبت ہوتو وہ دو جملے دو نہ رہے؛ بلکہ ایک ہو گئے، اور جہاں من کل الوجوہ مغائرت ہی ہوتو اُن کے درمیان وصل بالواو کرنا، گوہ اور مچھلی کو جمع کرنے جیسا ہوگا!

محسنات وصل میں سے یہ بات ہے کہ: دونوں جملے اسمیہ، فعلیہ؛ ماضی، مضارع؛ امر، نہی اور اِطلاق، تقیید میں مناسب ہوں، بالترتیب مثالیں یہ ہیں:

① ﴿"إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ"٥، وَ"إِنَّ الفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ"٥﴾ [الانفطار:۱۳-۱۴]

② ﴿فَـ"اٰوٰكُمْ"، وَ"أَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ"، وَ"رَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبٰتِ"؛ لَعَلَّكُمْ

---

① مفردات کے درمیان وصل کرنے کے محسنات مندرجہ ذیل ہیں:

وصلِ مفردات میں تناسُب

مفردات کے درمیان عطف کی صورت میں معطوف، معطوف علیہ کے ذکر میں ترتیب (تقدیم ماحقہ التقدیم، تاخیر ماحقہ التاخیر) کی رعایت کی جاتی ہے؛ اسی ترتیب کا لحاظ کرتے ہوئے تقدیم وتاخیر سے بہت سے دقائق ولطائف کا علم ہوتا ہے، مثلاً:

۱– کبھی کسی کی شرافت کی طرف اشارہ ملتا ہے، جیسے ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوْٓا إِلاَّ "إِيَّاهُ"، وَبِـ"الْوَالِدَيْنِ" إِحْسَانًا﴾ [الإسراء:۲۳]، میں والدین کے حقوق کا عطف ذات باری سبحانہ کی طرف لوٹنے والی ضمیر سے والدین کی خدمت کی شرافت معلوم ہوتی ہے۔

۲– کبھی تقدیم سے مقدم کی تعظیم وتشریف معلوم ہوتی ہے، جیسے ﴿فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾ [النسآء:۶۹].

۳– کبھی تقدیم زمنی کی طرف اشارہ ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ﴾ [التوبة:۱۱۱]

۴– اسی طرح کبھی مفردات کی ترتیب میں تدَلِّي مِنَ الأعْلىٰ إلَى الأدْنىٰ یا تَرَقِّي مِنَ الأدْنىٰ إلى الأعْلىٰ کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جیسے ﴿كَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ میں ترَقِّي من الأعلىٰ إلى الأدنىٰ ہے۔

ایسے موقع میں بہت سارے دقائق واسرار کا استخراج ہوسکتا ہے۔ (علم المعانی) بزیادۃ

تَشْكُرُوْنَ۝﴾ [الانفال: ٢٦].

③ ﴿قُلِ: اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ! "تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ"، وَ"تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ"﴾ [آل عمران:٢٦].

④/⑤ ﴿يٰبُنَيَّ! "أَقِمِ الصَّلٰوةَ"، وَ"أْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ"، وَ"انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ"، وَ"اصْبِرْ عَلٰى مَآ أَصَابَكَ"، إِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ۝؛ وَ"لَاتُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ"، وَ"لَاتَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا"؛ إِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۝﴾[1] [لقمان:١٧]

ملحوظہ: محسنات وصل میں تناسب کی رعایت اس وقت ہوگی جب کہ تناسب کی مخالفت کرنے کا کوئی داعیہ نہ ہو، اگر کوئی داعی تناسب کی مخالفت کا متقاضی ہو تو اس وقت وصل کرتے ہوئے مخالفت کرنا مقتضائے حال کے مطابق ہوگا، اور یہ مخالفت مستحسن ہوگی، جیسے ﴿إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ، وَهُوَ خٰدِعُهُمْ﴾[2] [النساء:١٤٢].

وصل وفصل کی اجمالی صُوَرِ خمسہ

وصل وفصل کی بحث کو سمجھنے کے لیے مذکورہ پانچ صورتیں ملاحظہ فرمائیں:

① عطف مفردات: اگر مفردات میں آپس کا تناسب ہو تو وصل یعنی عطف کیا جائے گا، جیسے: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝﴾ [الأنعام:١٦٢]؛

---

① دیکھیے! پہلی مثال جملہ اسمیہ کی ہے جو مقید بحرفِ تاکید ہے، دوسری مثال جملہ فعلیہ خبریہ بفعلِ ماضی کی، تیسری جملہ فعلیہ خبریہ بفعلِ مضارع، چوتھی جملہ فعلیہ انشائیہ بفعلِ امر اور پانچویں مثال جملہ فعلیہ انشائیہ بفعلِ نہی کی ہے۔

ملحوظہ: محسناتِ وصل کی رعایت مستحسن ہے، ضروری نہیں؛ لہٰذا جملوں کے مابین عدمِ تناسب کی حالت میں بھی —وصل کے متقاضی کی رعایت میں— وصل کیا جاتا ہے؛ ہاں! خبر وانشاء میں توافق ضروری ہے، ورنہ وصل ہی نہ ہوگا۔ تفصیل مواضع فصل میں آرہی ہے۔

② اس آیت میں معطوف علیہ ﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ کو جملہ فعلیہ بفعلِ مضارع تعبیر کیا، اور معطوف ﴿وَهُوَ خٰدِعُهُمْ﴾ کو جملہ اسمیہ سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ: منافقین کا خداع حادث ومتجدد ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کا خداع پر جواب دینا دائمی اور تمام احوال میں ثابت ہے۔ (علم المعانی)

﴿كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ﴾① [البقرة:۲۸۵].

② وہ دو جملے جن میں جملۂ اولیٰ کا محل اعراب ہو، اور ثانیہ کو اولیٰ کے حکم میں شریک کرنا مقصود بھی ہو تو وصل کرنا واجب ہے، جیسے: ﴿يَعْلَمُ "مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ"، وَ"مَا يَخْرُجُ مِنْهَا"، وَ"مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ"﴾② [السبا:۲].

③ وہ دو جملے جن میں جملۂ اولیٰ کا محل اعراب ہو اور ثانیہ کو اولیٰ کے حکم میں شریک کرنا مقصود نہ ہو تو فصل (ترکِ عطف) واجب ہے، جیسے ﴿قَالُوْٓا: "إِنَّا مَعَكُمْ، إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ"؛ "اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ"﴾③ [البقرة:۱۴].

④ وہ دو جملے جن میں جملۂ اولیٰ کا محل اعراب نہ ہو، اور جملۂ ثانیہ کو جملۂ اولیٰ کے حکم میں —بذریعۂ واو④— شریک کرنا مقصود بھی نہ ہو تو فصل کرنا واجب ہے، جیسے ﴿"إِذَا خَلَوْا إِلٰى

---

① آیتِ اولیٰ: کہہ دو کہ: بیشک میری نماز، میری عبادت، میرا جینا، مرنا؛ سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ آیتِ ثانیہ: یہ تمام مسلمان اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔

② وہ (اللہ) ان چیزوں کو جانتا ہے جو زمین کے اندر جاتی ہیں، اور ان کو بھی جو اس سے باہر نکلتی ہیں، اور ان کو بھی جو آسمان سے اترتی ہیں۔ یہاں جملۂ اولیٰ ﴿مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ﴾ یہ ﴿يَعْلَمُ﴾ کا مفعول ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے؛ اور بعد والے دونوں جملوں ﴿مَا يَخْرُجُ﴾ اور ﴿مَا يَنْزِلُ﴾ کو مذکورہ حکم (علمِ ازلی) میں شریک کرنا مقصود بھی ہے؛ لہٰذا وصل واجب ہے۔

③ اس آیت کی وضاحت "اصطلاحاتِ وصل وفصل" کے تحت "شبہِ کمالِ انقطاع" کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمالیں۔ یہاں ﴿إِذَا خَلَوْا﴾ کا محل اعراب نہیں ہے؛ لیکن ﴿إِنَّا مَعَكُمْ﴾ کا محل اعراب ہے؛ کیوں کہ وہ ﴿قَالُوْا﴾ کا مقولہ بن رہا ہے؛ اور ﴿اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ کو ﴿إِنَّا مَعَكُمْ﴾ کے حکم میں شریک کرنا مقصود نہیں؛ کیوں کہ ﴿إِنَّا مَعَكُمْ﴾ منافقین کا قول ہے، جو ﴿إِذَا خَلَوْا﴾ کی شرط سے مقید ہے؛ جب کہ ﴿اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ اللہ کا فرمان ہے؛ نیز اللہ کا منافقین کے استہزاء کا جواب دینا ﴿إِذَا خَلَوْا﴾ شرط سے مقید نہیں۔

④ جہاں دو جملوں میں سے اولیٰ کا محل اعراب ہو یا نہ ہو؛ لیکن ثانیہ کو اولیٰ کے حکم میں —سوائے واو کے دیگر حرفِ عطف کے ذریعے— شریک کرنا مقصود ہو تو اس حرفِ عاطف کے ذریعے عطف کیا جاسکتا ہے؛ اگرچہ اُولیٰ کا محلِ اعراب نہ ہو، جیسے: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ۝ "ثُمَّ" جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ۝ "ثُمَّ" خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً، "فَـ" خَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً، "فَـ" خَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا، "فَـ" كَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا﴾ [المؤمنون:۱۲-۱۴].

شَيٰطِيْنِهِمْ"، قَالُوْٓا: "اِنَّا مَعَكُمْ"، "اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ" ؛ "اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ" ﴾[1]

[البقرة:١٤]۔

⑤ دو جملے جن میں جملۂ اولیٰ کا محل اعراب نہ ہو؛ لیکن اولیٰ کے حکم میں شریک کرنا مقصود ہو تو دو جگہوں میں وصل اور پانچ جگہوں میں فصل کیا جاتا ہے؛ تفصیل حسب ذیل ہے:

اصطلاحاتِ وصل وفصل

بلغاء کی تصریح کے مطابق دو جگہوں پر وصل کرنا واجب ہے اور پانچ جگہوں پر فصل کرنا واجب ہے۔ تفصیل کو سمجھنے سے پہلے چند اصطلاحات ذہن نشین کرلیں۔

① **کمال اتصال**: دو جملوں کے درمیان کمال اتصال (یعنی: اِتحادِ تام) ہو، اس طور پر کہ دوسرا جملہ پہلے جملے کا (معنوی طور پر) بیان، تاکید یا بدل واقع ہو، جیسے ﴿فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ: قَالَ "يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰی"﴾ [طٰه:١٢٠]؛ ﴿فَـ "مَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ"، "اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا"﴾[2] [الطارق:١٧]۔

② **کمال انقطاع**: دو جملوں کے درمیان کمال انقطاع یعنی تباینِ تام ہو اس طور پر کہ دونوں خبر، انشاء میں مختلف ہوں، جیسے ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ، اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾[3] [التوبة:١٠٣]؛ یا دو جملوں کے درمیان معنوی کوئی مناسبت ہی نہ ہو، جیسے اَلْمَلِكُ عَادِلٌ،

---

① یہاں جملۂ اولیٰ ﴿اِذَا خَلَوْا﴾ کا محل اعراب نہیں، اور جملۂ رابعہ ﴿اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ کو — بذریعۂ واؤ — شریک کرنا بھی مقصود نہیں؛ ورنہ وصل کی صورت میں خلاف مقصود ﴿اِنَّا مَعَكُمْ﴾ سے وصل — کا وہم ہوگا؛ لہٰذا فصل واجب ہے۔ تفصیل "شبہ کمالِ انقطاع" کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمالیں۔

② آیتِ اولیٰ: پھر شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا، کہنے لگا: اے آدم! کیا میں تمھیں ایسا درخت بتاؤں جسے جاودانی زندگی، اور وہ بادشاہی حاصل ہوجاتی ہے جو کبھی پرانی نہیں پڑتی۔ اس میں دوسرا جملہ پہلے ﴿فَوَسْوَسَ﴾ کا بیان ہے۔ آیتِ ثانیہ: اے پیغمبر تم ان کافرین کو ڈھیل دو! انھیں تھوڑے دنوں اپنے حال پر چھوڑ دو۔ یہاں دوسرا جملہ پہلے کی تاکید بن رہا ہے۔

③ (اے پیغمبر) ان کے لیے دعا کرو، یقیناً تمھاری دعا ان کے لیے سراپا تسکین ہے۔

الأَدَبُ مَطْلُوْبٌ.

③ **شبہ کمال اتصال:** دوسرا جملہ پہلے جملے سے پیدا ہونے والے سوال کا جواب ہو، جیسے:﴿وَمَآ أُبَرِّئُ نَفْسِيْ، إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ﴾① [یوسف:۵۳].

④ **شبہ کمال انقطاع:** ایک جملے سے پہلے دو ایسے جملے ہوں جن میں سے ایک پر جملۂ ثالثہ کا عطف صحیح ہو، دوسرے پر معنوی فساد کی وجہ سے عطف صحیح نہ ہو، جیسے:﴿"إِذَا خَلَوْا إِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ"، قَالُوْآ: "إِنَّا مَعَكُمْ"، "إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ"۝؛ "اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ"﴾② [البقرة:١٤]

⑤ **توسط بین الکمالین:** دونوں جملے خبر یا انشاء میں متحد ہوں — چاہے دونوں لفظاً ومعنیً دونوں اعتبار سے متحد ہوں یا صرف معنوی اعتبار سے متحد ہوں —، نیز دونوں کے

---

① (حضرت یوسفؑ) میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ: میرا نفس بالکل پاک صاف ہے؛ کیوں کہ نفس تو برائی کی تلقین کرتا ہی رہتا ہے۔(علم المعانی)

② منافقین جب اپنے شیطانوں کے پاس تنہا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم تمھارے ساتھ ہیں! ہم تو (مسلمانوں) سے ہنسی کرتے ہیں (کہ وہ صرف ہماری زبانی باتوں پر ہم کو مسلمان سمجھ کر ہمارے مال اور اولاد پر ہاتھ نہیں ڈالتے، اور مالِ غنیمت میں ہم کو شریک کر لیتے ہیں، اور ہم ان کی رازکی باتیں اُڑا لاتے ہیں)؛ (حقیقت یہ ہے کہ:) اللہ ان سے ہنسی کرتا ہے، یعنی: اللہ ان کے تمسخر کا بدلہ اور سزا ان کو دے گا۔ یہاں ﴿اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ کا عطف ﴿إِنَّا مَعَكُمْ﴾ پر یا ﴿قَالُوْا﴾ پر کرنا صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ ﴿اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ اللہ کا قول ہے، ہاں! اس کا عطف ﴿إِذَا خَلَوْا إِلٰى شَيَاطِيْنِهِمْ قَالُوْا﴾ شرط وجوابِ شرط پر صحیح ہے، لیکن مذکورہ دو جملوں میں سے ایک پر عطف ہونے کا وہم وصل سے مانع ہے۔(علم المعانی)۔ یہاں رابعہ کا اولیٰ پر عطف کرنا اسی قبیل سے ہے (بغیۃ الایضاح)

اس کی دوسری مثال:

"وَتَظُنُّ سَلْمٰى"، "أَنَّنِيْ أَبْغِيْ بِهَا ❁ بَدَلًا"؛ "أُرَاهَا فِي الضَّلَالِ تَهِيْمُ"

"سلمیٰ کا یہ خیال ہے" کہ: "میں اس کے علاوہ کسی اور کو چاہتا ہوں"؛ "میں اُسے گمراہی میں بھٹکتے ہوئے دیکھ رہا ہوں"۔ یہاں "أُراها" جملے کا جملۂ "تظن" پر عطف کرنا صحیح تو ہے، مگر جملۂ "أبغي بها" پر عطف ہونے کا وہم اس سے مانع ہے؛ لہٰذا عطف نہیں کیا جائے گا؛ کیوں کہ اس صورت میں جملۂ ثالثہ سلمیٰ کے مظنونات وخیالات میں سے ہو جائے گا، حالاں کہ شاعر کی یہ مراد نہیں ہے۔

درمیان جہتِ جامعہ (مناسبت تامہ) بھی ہو۔

مناسبتِ تامہ مسند اور مسند الیہ کے اعتبار سے ہوتی ہے، اس کی چار صورتیں ہیں: اِتحاد، تماثُل، تقابُل، تضایُف①۔

مواضع وصل

وصل بالواو میں وجوبِ وصل کی دو جگہیں ہیں:

① **کمالِ انقطاع مع اِیہام**: جب دو جملوں کے درمیان کمالِ انقطاع ہو (یعنی ایک جملہ خبریہ ہو اور دوسرا انشائیہ ہو)، اور فصل کرنے سے خلافِ مقصود کا وہم پیدا ہوتا ہو، جیسے تیرا قول: أَتَبِيْعُ هٰذِهِ السِّلْعَةَ؟ فَيُجِيْبُكَ: لاَ! وَعَافَاكَ اللّٰهُ؛ أَيْ: لاأَبِيْعُهُ، وَعَافَاكَ اللّٰهُ②.

② **تَوَسُّط بَين الكمالَين**: دونوں جملے خبر یا انشاء میں متحد ہوں — چاہے دونوں لفظاً ومعنیً دونوں اعتبار سے متحد ہوں یا صرف معنوی اعتبار سے متحد ہوں —، دونوں جملوں کے درمیان جہتِ جامعہ (مناسبت تامہ) ہو، اور عطف سے مانع کوئی چیز بھی نہ ہو، جیسے ﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ۝، وَّإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ۝﴾ [الانفطار:۱۳-۱۴] ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْ إِسْرَآءِيْلَ "لَاتَعْبُدُوْنَ إِلاَّ اللّٰهُ"، "وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى

---

① اتحاد: معطوف، معطوف علیہ کا مسند ایک ہو، یا معطوف، معطوف علیہ کے مسند الیہ ایک ہو، جیسے زَيْدٌ يُعْطِيْ وَيَمْنَعُ؛ زَيْدٌ كَاتِبٌ وَعَمْرٌو.

تماثُل: دونوں جملوں (معطوف، معطوف علیہ) کے مسند یا مسند الیہ کسی وصف میں شریک ہوں، جیسے زَيْدٌ كَاتِبٌ وَعَمْرٌو شَاعِرٌ (مَعَ أَنَّهُما أَخَوانِ أَوْ صَدِيقَانِ)، زید مضمون نگار ہے اور عمرو شاعر ہے؛ جو دونوں بھائی یا دوست ہیں۔

تقابُل: دونوں ایک دوسرے کی ضد ہو، جیسے: زَيْدٌ يُعْطِيْ، وَيَمْنَعُ، زید دیتا اور روکتا ہے۔

تضایُف: دونوں کے درمیان ایسا تعلق ہو کہ ایک کا سمجھنا دوسرے پر موقوف ہو، جیسے أَبُوْ زَيْدٍ كَاتِبٌ، وَابْنُه شَاعِرٌ، زید کا باپ مضمون نگار ہے اور اس کا بیٹا شاعر ہے۔

② یہاں تاجر کا قول "عَافَاكَ اللّٰهُ" معنیً انشاء ہے اور "لا" یعنی: لاأبيعه" لفظاً ومعنیً خبریہ ہے؛ لیکن ترک عطف یہ وہم پیدا کرے گا کہ: سامنے والا عدمِ عافیت کی بددعا کرتا ہے جو خلاف مقصود ہے۔ (ملخص من علم المعانی)

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ"، وَ"قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا"﴾ ① [البقرة:٨٣].

ملحوظہ: توسط بین الکمالین کا شمار مواضع وصل وفصل دونوں میں ہوتا ہے۔

مواضعِ فصل

وجوبِ فصل کی پانچ جگہیں ہیں:

① کمال اتصال: دو جملوں کے درمیان اتحادِ تام ہو یعنی دوسرا جملہ پہلے کی تاکید، بیان یا بدل واقع ہو، جیسے: ﴿فَ"مَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا"○﴾ [الطارق:١٧]؛ ﴿فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ "قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ"﴾ [طٰہٰ:١٢٠]؛ ﴿أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ○ "أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ"○﴾ ② [الشعراء:١٣٣].

---

① آیت اولیٰ: بے شک نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے اور بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے؛ یہ دونوں جملے لفظاً ومعنیً خبریہ ہیں۔ آیت ثانیہ: اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا عہد لیا تھا کہ: تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کروگے، اور والدین سے اچھا سلوک کروگے، اور رشتہ داروں سے بھی اور یتیموں اور مسکینوں سے بھی۔

یہاں اخیری دو جملے لفظاً ومعنیً انشائیہ ہیں؛ کیوں کہ ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ مصدر بمعنی امر ہونے کی وجہ سے "أَحْسِنُوا بِالْوَالِدَيْنِ" کے حکم میں ہے، اور پہلا جملہ ﴿لَاتَعْبُدُوْنَ إِلاَّ اللّٰهَ﴾ لفظاً خبریہ ہے اور "لَاتَعْبُدُوا إِلَّا اللّٰهَ" کے معنیٰ میں ہونے کی وجہ سے انشائیہ ہے (علم المعانی)

② آیتِ اولیٰ: تم کافروں کو مہلت دو، پس چند روز ہی مہلت دو۔ اس میں جملۂ ثانیہ "أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا" جملۂ اولیٰ "مَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ" کے لیے تاکید ہے۔

آیتِ ثانیہ: اس کا ترجمہ "اصطلاحات وصل وفصل" کے ضمن میں گذر گیا ہے۔ یہاں جملۂ اولیٰ ﴿فَوَسْوَسَ﴾ میں جس وسوسہ کا تذکرہ ہے اسی وسوسہ کا بیان جملۂ ثانیہ ﴿قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ﴾ میں ہے۔

آیتِ ثالثہ: اور اس ذات سے ڈرو! جس نے ان چیزوں سے نواز کر تمہاری قوت میں اضافہ کیا ہے جو تم خود جانتے ہو، اس نے تمہیں مویشیوں اور اولاد سے بھی نوازا ہے؛ دیکھیے! مویشیوں اور اولاد سے نوازنا، یہ نوازشاتِ الٰہی کا ایک حصہ ہے۔ اس میں جملہ ثانیہ: "أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ" جملۂ اولیٰ "أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ" کا بدلِ بعض ہے۔

ملحوظہ: کمال اتصال میں دو جملوں کا لفظاً اور معناً یا صرف معنیً خبر وانشاء میں متحد ہونا ضروری ہے؛ لہٰذا معنوی طور پر اختلاف ہونے کی حالت میں ہی تباین تام ہوگا؛ ورنہ نہیں۔

② کمالِ اِنقطاع: ۱- دو جملوں کے درمیان تباین تام ہو، (یعنی: دونوں جملے خبر وانشاء میں لفظاً ومعنیً یا معنیً مختلف ہوں) ۲- یا دونوں جملوں میں معنوی کوئی مناسبت ہی نہ ہو، شق اول کی مثال: ﴿"لاتَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلا السَّيِّئَةُ"، "اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ"﴾ [حٰمٓ السجدة:٣٤]؛ شق ثانی کی مثال: ﴿"وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ..."۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ...۝ أُوْلٰئِكَ عَلٰى هُدًى...۝ "إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا..." ۝﴾[1] [البقرة:٣-٦]

① ان آیات میں ایک سچے داعی الی اللہ کو جن حسنِ اخلاق کی ضرورت ہے اس کی تعلیم دیتے ہیں، یعنی خوب سمجھ لو نیکی بدی کے، اور بدی نیکی کے برابر نہیں ہوسکتیں، دونوں کی تاثیر جداگانہ ہے؛ بلکہ ایک نیکی دوسری نیکی اور ایک بدی دوسری بدی سے اثر میں بڑھ کر ہوتی ہے، لہٰذا ایک مؤمن قانت خصوصاً داعی الی اللہ کا مسلک یہ ہونا چاہیے کہ بُرائی کا بدلہ برائی سے نہ دے؛ بلکہ جہاں تک گنجائش ہو برائی کے مقابلہ میں بھلائی سے پیش آئے؛ اگر کوئی اُسے سخت بات کہے یا برا معاملہ کرے تو اس کے مقابل وہ طرز اختیار کرنا چاہیے جو اس سے بہتر ہوں، مثلاً غصہ کے جواب میں بردباری، گالی کے جواب میں تہذیب وشائستگی اور سختی کے جواب میں نرمی ومہربانی سے پیش آئے؛ اس طرزِ عمل کے نتیجہ میں سخت سے سخت دشمن بھی ڈھیلا پڑ جائے گا، گو دل سے دوست نہ بنے تاہم ایک ایسا وقت آئے گا جب وہ ظاہر میں ایک گہرے اور گرم جوش دوست کی طرح تم سے برتاؤ کرے گا۔ (فوائد)

شق اول کی مثال میں جملہ ثانیہ واولیٰ میں تباینِ تام ہے اس لیے کہ جملۂ اولیٰ جملہ خبریہ ہے اور جملۂ ثانیہ انشائیہ ہے۔ اسی طرح قَالَ أَبُوْحَنِيْفَة -رَحِمَهُ اللهُ-: النِّيَّةُ فِي الوُضُوْءِ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ؛ اس مثال میں "رَحِمَهُ اللهُ" معنیً انشاء ہے، اور "قَالَ أَبُوْحَنِيْفَة" جملۂ خبریہ ہے۔

دوسری شق کی مثال: دیکھیے یہاں ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ﴾ اور ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ کے درمیان معنوی کوئی ایسی مناسبتِ خاصہ نہیں ہے جس کی وجہ سے وصل کیا جاسکے؛ لہٰذا فصل کیا گیا ہے، ہاں! دونوں آیتوں میں مناسبت عامہ (ایمان وکفر کا آپس میں ضد ہونا) ضرور ہے۔

ملحوظہ: کمال انقطاع کا تذکرہ فصل ووصل دونوں جگہ آتا ہے؛ اگر دو جملوں کے خبر وانشاء میں مختلف ہونے کے باوجود ان میں فصل کرنا خلاف مقصود کا وہم دِلائے تو وصل واجب ہوگا، جیسے: "لا، وَشَفَاهُ اللهُ" اس شخص کے سامنے جو سوال کرے: هَلْ بَرِيءَ زَيْدٌ مِنَ المَرَضِ؟

اور اگر فصل کرنا خلافِ مقصود کا وہم نہ دِلائے تو فصل واجب ہے، جیسے ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ، إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ [التوبة:١٠٣].

③ شبہ کمالِ اِتصال: دوسرا جملہ پہلے جملہ سے پیدا ہونے والے سوال مقدّر کا جواب ہو، یا پہلے جملے میں مذکور سوالِ مُصَرَّح کا جواب ہو؛ (اس کا دوسرا نام "اِستیناف بیانی" بھی ہے)؛ پہلی صورت کی مثال: ﴿قَالَ يٰنُوْحُ! إِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ، إِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ [هود:٤٦]؛ دوسری صورت کی مثال: ﴿فَأُمُّهٗ هَاوِيَةٌ۝ وَمَآ أَدْرٰكَ مَاهِيَهْ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ۝﴾① [القارعة:٩-١١]

④ شبہ کمالِ انقطاع: ایک جملے سے پہلے دو جملے مذکور ہوں اور تیسرے جملے کا عطف کرنا کسی ایک پر صحیح ہو کسی دوسرے پر صحیح نہ ہو، ایسے موقع پر وہم سے بچنے کے لیے تیسرے کا عطف نہ کیا جائے، جیسے ﴿"وَإِذَا خَلَوْا إِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْا": "إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ"۝ "اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ"﴾② [البقرة:١٤-١٥]

⑤ توسط بین الکمالین: دو جملے خبر انشاء میں متحد ہوں، چاہے لفظاً و معنیً دونوں اعتبار

---

① آیتِ اولیٰ: حضرت نوح علیہ السلام کنعان کی منافقانہ اَوضاع واطوار دیکھ کر غلط فہمی سے مؤمن سمجھ رہے تھے اس کی غرقابی کے بعد اصل حقیقت معلوم کرنے کی غرض سے اپنا یہ خلجان یا اشکال پیش کیا، یعنی: خداوندا! تُو نے میرے گھر والوں کو بچانے کا وعدہ کیا تھا، اور کنعان میرا بیٹا ہونے کی وجہ سے میرے گھر والوں میں سے ہے، پھر اس واقعہ کا راز کیا؟ اللہ پاک نے جواب دیا: جس اہل کے بچانے کا وعدہ تھا اس میں یہ داخل نہیں؛ کیوں کہ اس کے کرتوت بہت خراب ہیں۔
آیتِ ثانیہ: جس کی تولیں قیامت کے دن ہلکی ہوئیں، اس کا ٹھکانا گڑھا ہے، اور تو کیا سمجھا! وہ کیا ہے؟ دہکتی ہوئی آگ ہے۔
ملحوظہ: ایک ہی آیت میں دو جگہ توسط بین الکمالین اور ایک جگہ شبہ کمال اتصال کی مثال، جیسے ﴿وَلَا تَخَافِيْ، وَلَا تَحْزَنِيْ؛ إِنَّا رَآدُّوْهُ إِلَيْكِ، وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۝﴾ [القصص:٧]، ماں کی تسلی کردی کہ: مت ڈر! بے کھٹکے بچہ دریا میں چھوڑ دے؛ بچہ ضائع نہیں ہوسکتا؛ بچے کی جدائیگی سے غمگین بھی مت ہو! جلد آپ کی آغوش میں لوٹا دیں گے؛ اور وہ منصب رسالت سے سرفراز کیا جائے گا۔ پہلے دو ﴿وَلَا تَخَافِيْ، وَلَا تَحْزَنِيْ﴾ اور آخری ﴿إِنَّا رَآدُّوْهُ إِلَيْكِ، وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ دو جملوں کے درمیان توسط بین الکمالین ہے؛ کیوں کہ پہلے دو جملے انشائیہ ہیں، اور مسند الیہ میں اتحاد ہے، اور دوسرے دو جملے خبریہ ہیں اور مسند الیہ میں اتحاد ہے؛ مزید یہ کہ: آخری دو جملوں میں پہلے دو جملوں سے پیدا ہونے والے سوالِ مقدر (کہ: اپنے بچے پر کیوں خوف نہ کروں؟ بظاہر تو یہ ہلاکتی کے اسباب میں سے ایک ہے) کا جواب ہے؛ لہٰذا اُن میں شبہ کمال اتصال ہوا۔
② تفصیل کے لیے "اصطلاحاتِ وصل وفصل" کے تحت شبہ کمالِ انقطاع کے ضمن میں ملاحظہ فرمالیں۔

سے متحد ہوں یا صرف معنوی اعتبار سے متحد ہوں؛ لیکن عطف سے مانع چیز (ماقبل کے حکم میں مابعد کو شریک نہ کرنا) پائے جانے کی وجہ سے فصل کیا گیا ہو، جیسے ﴿وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيٰطِينِهِمْ قَالُوْا: إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ۝ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِءُ بِهِمْ﴾[۲] [البقرة:۱٤، ۱۵].

۲ یہاں ﴿اَللّٰهُ يَسْتَهْزِءُ بِهِمْ﴾ کا جملہ ﴿قَالُوْا﴾ سے فصل کیا گیا ہے؛ کیوں کہ منافقین کا قول اپنے رئیسوں اور شیاطین کے پاس تنہا ہونے کی صورت میں ہے؛ جب کہ اللہ کا ان منافقین کے تمسخر کا جواب دینا دائمی اور ہر آن ثابت ہے، وقت خلو سے مقید نہیں [علم المعانی]

ملحوظہ: توسط بین الکمالین کا تذکرہ وصل وفصل دونوں بابوں میں آتا ہے، اگر بعد والے جملے کو ماقبل کے حکم میں شریک کرنا مقصود ہو تو وہاں وصل کیا جائے گا، ورنہ فصل کیا جائے گا۔

بابِ ثامن

اِیجاز، اِطناب، مُساوات

سوالاتِ ایجاز، اطناب ومساوات

① اِیجاز، اِطناب اور مساوات کی تعریفات کیا ہیں؟
② اگر کلام میں ایجاز ہے تو ایجاز کی دو قسموں میں سے کیا ہے؟
③ ایجاز قِصَر ہے تو اس کی کون سی نوع ہے؟
④ دواعیٔ ایجاز میں سے کیا ہے؟
⑤ اگر ایجاز حذف ہے تو حذف کی چار صورتوں میں سے کون سی صورت ہے؟ اور وہ محذوف کون ہے؟
⑥ اغراضِ حذف میں سے کیا ہے؟
⑦ اخلال کس کو کہتے ہیں؟ کیا اس عبارت میں حذف کی وجہ سے اِخلال تو نہیں آیا؟
⑧ اگر اطناب ہے تو اطناب کی صورتوں میں کون سی صورت ہے؟
⑨ اگر تذییل ہے تو اس کی دو قسموں میں سے کیا ہے؟
⑩ اگر کلام میں اطناب ہے تو (پندرہ) دواعیٔ اطناب میں سے کون سا داعیہ ہے؟

ایجاز، اطناب، مساوات

انسان اپنی مافی ضمیر (معنیٰ مقصود) کے اظہار کے لیے الفاظ کا واسطہ لیتا ہے، اب اگر درمیانی طبقے والے لوگوں کے عرف کے مطابق الفاظ بہ قدرِ معانی ہوں، تو اس کو ''مساوات'' کہتے ہیں، اور اگر عبارت میں الفاظ کم ہوں، معانی زیادہ ہوں تو اُسے ''اِیجاز'' کہتے ہیں، اور الفاظ زیادہ، معانی کم ہوں تو اُسے ''اِطناب'' کہتے ہیں۔

قرآنِ مجید میں باری تعالیٰ نے ایک ہی مضمون کو مختلف اَسالیب میں ذکر فرمایا ہے، جیسے اِنفاق فی سبیل اللہ کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

① ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ ''العَفْوَ''﴾، أيْ: أَنْفِقُوْا العَفْوَ [البقرۃ:۲۱۹]

② ﴿''وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ''۝...وَبِالأٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ...۝...وَأُوْلٰئِكَ هُمُ المُفْلِحُوْنَ۝﴾ [البقرۃ:۲]

③ ﴿وَأَقِيْمُوْا الصَّلاةَ ''وَأٰتُوْا الزَّكٰوةَ وَأَقْرِضُوْا اللهَ قَرْضًا حَسَنًا''﴾ [المزمل:۲۰]

④ ﴿''مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ أَضْعَافًا كَثِيْرَةً ط وَاللهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ ص وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۝﴾ [البقرۃ:۳۴]

⑤ ﴿''مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِأَةُ حَبَّةٍ ط وَاللهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ ط وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ''۝﴾ [البقرۃ:۲۶۱]

⑥ ﴿لَيْسَ البِرَّ أَنْ تُوَلُّوْا... ''وَأٰتَى المَالَ ''عَلٰى حُبِّهٖ'' ذَوِي القُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ لا وَالسَّائِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ج وَأَقَامَ الصَّلاةَ وَأٰتَى الزَّكٰوةَ''﴾[1] [البقرۃ:۱۷۷]

① ان آیات میں انفاق فی سبیل اللہ کی طرف ترغیب دیتے ہوئے کہیں اُسے قرض سے تعبیر فرمایا، کہیں ''اچھا

فصل اوّل: اِیجاز

ایجاز: بہت سارے معانی کو متعارَف عبارت سے کم عبارت میں تعبیر کرنا، جو الفاظ غرضِ متکلم کو پورے طور پر واضح کرتے ہوں، یعنی: معنیٔ مرادی کو متعارَف عبارت سے کم الفاظ میں تعبیر کرنا، جیسے: ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ۝﴾ ① [الأعراف:۱۹۹]

⊃ والا قرض'' کہہ کر حسنِ نیت کی طرف اِشارہ فرمایا، کہیں صفاتِ صحابہ کو بیان کرتے ہوئے ترغیباً ذکر کیا، کہیں ان صدقات پر دنیوی واُخروی فوائد ذکر فرمائے، کہیں اسی مضمون کو بے شمار فوائد بتانے کے لیے ایک حسی مثال سے سمجھایا، کہیں مصارف ذکر فرما کر اس کی طرف متوجہ کیا، تو کہیں فرمایا: وہ مال خرچ کرو! ''جو تمھاری ضرورت سے زائد ہو''۔

دیکھیے: آیتِ اولیٰ میں ایجازِ حذف اور ایجازِ قصر دونوں ہیں، کہ: ایک ہی کلمے ﴿العَفْوُ﴾ میں مضمون بیان فرمایا؛ اور علم البدیع میں سے ''مراجعہ'' کا اُسلوب ہے۔ آیتِ ثانیہ میں ﴿مِمَّا﴾ ہے، جو اداتِ عموم میں سے اسمِ موصول ہے؛ لہٰذا ایجازِ قصر ہے، مزید رعایتِ سجع کے ساتھ اِحسان بھی جتلایا ہے۔ آیتِ ثالثہ میں ایجازِ اَنماز، صدقاتِ نافلہ وواجبہ کو ذکر فرمایا اور ساتھ ساتھ مجاز (استعارہ) کا اسلوب اختیار فرمایا ہے، یعنی: صدقہ کرنا قرض دینے کی طرح ہے، جس کے مِثل ہی سے بدل نہیں؛ بلکہ اَضعافاً مضاعفہ سے اس کا بدل دیا جائے گا، اور یہ یقینی ہے؛ نیز صدقات کی اہم صفت قرضِ حسن کو ذکر فرمایا ہے۔ آیتِ رابعہ میں صدقات سے مال میں اضافہ کثیرہ کا وعدہ ہے، صدقات کا اصل فائدہ (آخرت میں کام آنا) ذکر فرمایا، اور قبض وبسط میں صنعتِ ''طباق'' ہے، نیز اداتِ شرط ﴿مَنْ﴾ اور ﴿يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ﴾ میں حذفِ مفعول کی وجہ سے ایجازِ قصر کے ساتھ ایجازِ حذف بھی ہے۔ آیتِ خامسہ میں اسی معنوی مضمون کو اطناباً محسوس سے تشبیہ دے کر ذکر فرمایا ہے۔ آیتِ سادسہ میں اسی مضمون کو صحابۂ کرام کا عجیب نمونہ دے کر قیامت تک کی نسلوں کے جذبات کو مہمیز کیا ہے۔ مذکورہ آیات میں آپسی موازنہ کرتے ہوئے اور بھی بہت سے نکات کا استخراج کیا جاسکتا ہے، اختصاراً کچھ کا تذکرہ کرلیا ہے۔

① (لوگوں سے یہ برتاؤ رکھیے کہ اُن کے اعمال واخلاق میں سے) سرسری (نظر میں جو) برتاؤ (معقول ومناسب معلوم ہو ان) کو قبول کرلیا کیجیے، (ان کی تہ اور حقیقت کو تلاش نہ کیجیے)، اور (جو کام ظاہری نظر میں بھی بُرا ہو اس میں یہ برتاؤ رکھیے کہ، اس باب میں) نیک کام کی تعلیم کردیا کیجیے، اور (جو اس تعلیم کے بعد بھی براہ جہالت عمل نہ کرے یا نہ مانے، تو ایسے) جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جایا کیجیے۔ یہاں سرسری طور پر بین الکوسین عبارات کا ملاحظہ فرماتے ہوئے آیتِ کریمہ کو دیکھیے؛ نیز ﴿العَفْوُ﴾ اور ﴿العُرْف﴾ کے محامل کا تو کوئی کنارہ ہی نہیں!۔

اخلال: ناقص عبارت سے غرضِ متکلم پورے طور پر ادا نہ ہو تو اُسے ''اخلال'' کہتے ہیں، جیسے شاعر کا قول:

والعَيْشُ خَيْرٌ فِي ظِلا ۔ ۞ ۔ لِ النُّوْقِ مِمَّنْ عَاشَ كَدًّا

یہاں شاعر کا مقصد یہ بتانا ہے کہ: بے وقوفی اور جہالت والی خوش عیش زندگی سے بہتر ہے، اس عقل مندی والی زندگی سے جو تنگیٔ معیشت کے ساتھ ہو؛ لیکن اس کی عبارت اس معنیٰ کو ادا کرنے سے قاصر ہے (جواہر البلاغت)

کلامِ عرب میں ایجاز کو حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں: ① ایجازِ قصر ② ایجازِ حذف۔

① **اِیجازِ قصر**: وہ طریقۂ تعبیر ہے جس میں بغیر کسی حذف کے نہایت مختصر عبارت میں بہت زیادہ معانی ومطالب کو سمیٹ لیا گیا ہو (یعنی: الفاظ کی بہ نسبت معانی زیادہ ہوں جیسا کہ جوامع الکلم، امثال اور کنایہ وغیرہ میں ہوتا ہے)، جیسے ﴿اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ﴾ [البقرة:۳]؛ اور، جیسے: ﴿فِي الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ﴾[1] [البقرة:۱۷۹]

---

① آیت اولیٰ: (یہ کتاب راہ بتلاتی ہے ڈرنے والوں کو) جو کہ بے دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اس میں ﴿الْغَیْبِ﴾ کا لفظ قبر وحشر، میزان وصراط، جنت وجہنم اور انبیاء وملائکہ وغیرہ بہت سی چیزوں کو شامل ہے؛ بلکہ عالمِ شہود کے علاوہ کی لامحدود چیزیں اس مختصر سے لفظ میں داخل ہیں۔

آیت ثانیہ: قصاص میں تمھارے لیے بڑی زندگی ہے، یعنی: قاتل سے قصاص لینے میں عمومی قتل وقتال سے حفاظت کا سامان ہے، یہ دنیوی فائدہ ہوا؛ اور قاتل کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے لیے قصاص میں اُخروی حیات بھی مضمر ہے۔ اس معنیٰ کی تعبیر کے لیے عربوں میں "القَتْلُ أنفىٰ للقَتْل" مستعمل تھا؛ لیکن آیت کریمہ اور اس جملے کی تعبیر میں فرق ملاحظہ ہو:

فصحائے عرب کی زباں زد مثَل ایک نہایت مختصر آیتِ قرآنی کی زد میں

(۱) آیت میں دس حروف ہیں، جب کہ مثَل میں چودہ حروف ہیں۔

(۲) آیت کریمہ محذوفات ماننے سے بے نیاز ہے، جب کہ مثَل کی تقدیری عبارت یہ ہے القَتْلُ قِصَاصًا أنفىٰ للقَتْلِ ظُلْمًا مِنْ تَرْكِه.

(۳) مثَل میں بظاہر تعارض ہے؛ کیوں کہ ایک ہی چیز اُسی چیز کو ختم کیسے کرسکتی؟۔

(۴) آیت کا مضمون مطرد ہے یعنی ہر جگہ چلے، برخلاف مثَل کے؛ کیوں کہ ہر قتل کرنا، قتل وقتال کو روکنے والا نہیں ہے؛ بلکہ قصاص کے علاوہ موقع پر قتل کرنا تو مزید قتال کو بھڑکانے والا ہے؛ ہاں! قصاصاً قتل کرنا یہ ضرور قاتل کے رشتہ داروں کو مقتول ہونے سے روکنے والا ہے۔

(۵) آیتِ کریمہ میں قصاص وحیات میں صنعتِ طِباق ہے جو اس مقولے میں نہیں۔ صنعتِ طِباق کے لیے "بدیع القرآن" ملاحظہ ہو۔

(۶) مثَل میں "قاف" حرفِ قلقلہ کی تکرار ہے جو آیتِ کریمہ میں نہیں۔

(۷) آیتِ کریمہ میں کلمۂ ﴿حَیٰوةٌ﴾ کی تنکیر تعظیم کی طرف مشیر ہے، یعنی: قصاص لینا قاتل کی حیاتِ اُخرویہ کا بھی سبب ہے، نیز قاتل کے اولیاء کے لیے بھی حیات کا سبب ہے؛ یہ چیز اس مقولے میں ندارد۔

(۸) آیتِ کریمہ میں قصاص کو مبالغۃً امن وامان کے ساتھ زندگی گذارنے کی بنیاد بتایا ہے جو کلمۂ "في" سے معلوم ہوتا ہے۔

ایجازِ قِصَر کی اَنواع

ایجازِ قِصَر کی انواع یہ ہیں: كَوْنُ الحَصْرِ فِي الكَلَامِ، بَابُ العَطْف، بَابُ النَّائِبِ عَنِ الفَاعِلِ، بَابُ الضَّمِيْر، كَلِمَاتُ التَّثْنِيَةِ وَالجَمْعِ، أَدَوَاتُ الشَّرْط وَالاسْتِفْهَام، الأَدَوَاتُ الَّتِيْ تَدُلُّ عَلَى العُمُوْمِ، بَابُ التَّنَازُع، وحَذْفُ المفْعُوْل.

① کلام میں حصر کا ہونا؛ چاہے وہ اداتِ حصر میں سے کسی بھی اَدات کے ذریعے ہو؛ اس لیے کہ اداتِ حصر کی بنا پر ایک جملہ دو جملوں کا نائب بن جاتا ہے۔

② بابِ عطف، اس لیے کہ حرفِ عطف کو وضع ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ عامل کی تکرار سے مستغنی کردے۔

③ بابِ نائب فاعل، اس لیے کہ وہ حکما فاعل پر دلالت کرتا ہے، اور وضعا مفعول پر دلالت کرتا ہے۔

④ بابِ ضمیر، اس لیے کہ اس کی وضع ہی اس لیے کی گئی ہے کہ: وہ اسمِ ظاہر کو ذکر کرنے سے بے نیاز کردے۔

⑤ الفاظِ تثنیہ وجمع، اس لیے کہ وہ مفرد کی تکرار سے مستغنی کردیتے ہیں، اور الفاظِ تثنیہ وجمع میں جمع وتثنیہ پر دلالت کرنے والا حرف اختصاراً مستقل لفظ کا نائب ہوجاتا ہے۔

⑥ تمام تر اَدواتِ استفہام، اس لیے کہ: كَمْ مَالُكَ، یہ حرفِ استفہام والا جملہ

---

(۹) مَثَل میں وحشت زدہ لفظ (یعنی "قتل") مذکور ہے، جو ظلم وجور پر دلالت کرتا ہے؛ جب کہ آیت میں بجائے قتل کے قصاص کا لفظ مذکور ہے جو عدل وانصاف اور مساوات کی طرف مشیر ہے۔

(۱۰) ستم بالائے ستم! مَثَل میں لفظ تکرار ہے اور وہ بھی لفظِ قتل کی! جب کہ آیت میں مطلق تکرار نہیں!

(۱۱) آیت کی بنیاد اِثبات پر ہے، مَثَل کی بنیاد نفی پر ہے؛ اور اثبات یہ نفی کے بالمقابل اشرف ہے۔ (علم المعانی الزیادة)

ملحوظہ: آقا ﷺ جوامع الکلم عطا فرمائے گئے تھے؛ اور کلامِ جامع اس کلام کو کہتے ہیں جس میں الفاظ کم ہوں اور معانی بے شمار ہوں، جیسے: "الدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ"، "المِعْدَةُ بَيْتُ الدَّاءِ، وَالحِمْيَةُ رَأْسُ الدَّوَاءِ" وغیرہ؛ ایسے فرامین بھی ایجازِ قِصر میں داخل ہیں۔

"مَالُكَ عِشْرُوْنَ أَمْ ثَلاثُوْنَ" والے لمبے جملے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

⑦ تمام ترادَواتِ شرط، اس لیے کہ وہ بھی شرطیت کے ساتھ زمان ومکان پر، نیز اُن مخفی اَسرار پر دلالت کرتے ہیں جن کا ذکر اِطلاق تقیید میں ہوا۔

⑧ تمام الفاظِ عموم جیسے: مَا، مَنْ، كُلٌّ وغیرہ۔

⑨ حذفِ مفعول بھی ایجازِ قصر کی انواع میں سے ہیں۔

⑩ بابِ تنازع بھی (امام فرّاء کی رائے مطابق) ایجازِ قصر کے قبیل سے ہے۔

(الزیادۃ والاحسان فی علوم القرآن) بزیادۃ

دواعئ اِیجاز

ایجاز کے دواعی پانچ ہیں: تَسْهِيْل الحِفْظ، تَقْرِيْب الفَهْم، ضِيْق المقَام، دَفْع السَّآمَة، الإِخْفَاء.

① تسہیل الحفظ: مضمون کے محفوظ رکھنے کو آسان بنانا؛ ② تقریب الفہم: مضمون کو ذہن سے نہایت قریب کر لینا؛ ③ ضیق المقام: مقام میں تنگی ہونا؛ ④ دفع السآمۃ: طویل گفتگو کر کے مخاطب کو اُکتاہٹ میں ڈالنے سے احتراز کرنا؛ ⑤ الاخفاء: مخاطب کے علاوہ سے بات مخفی رکھنا۔

اِیجازِ حذف

② **اِیجازِ حذف**: وہ طریقۂ تعبیر ہے جس میں کسی جزوِ کلمہ، کلمہ، ایک جملہ یا زائد از جملہ عبارت کو حذف کر کے مقصود کو بیان کیا گیا ہو، جیسے ﴿وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ﴾[1] [يوسف:۸۲].

ملحوظہ: حذف خلافِ اصل ہے؛ لیکن اس کے فوائد بھی بے حد ہیں؛ لہٰذا کلامِ عرب میں بالخصوص کلامِ الٰہی میں حذف بکثرت ہے؛ حذف کے فوائد یہ ہیں:

① أي: أهل القرية.

① ایجاز واختصار ② احتراز عن العبث ③ اس بات پر متنبہ کرنا کہ: اہلِ زمانہ محذوف کو ذکر کرنے سے عاجز ہیں ④ محذوف کو ذکر کرنا یہ اصل مقصد کو فوت کرنے والا ہو①۔ (الزیادۃ) ملخصاً

ایجاز حذف کی اصالۃً چار صورتیں ہیں: حَذْفُ حَرْفٍ، حَذْفُ كَلِمَةٍ، حَذْفُ جُمْلَةٍ، حَذْفُ الأكْثَرِ مِنْ جُمْلَةٍ.

① حذف حرف، جیسے: ایک قراءت کے مطابق باری تعالیٰ کا فرمان ﴿وَنَادَوْا يَامَالِ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾② [الزخرف:۷۷].

② حذف کلمہ، جیسے: ﴿يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا﴾③ [یوسف:۲۹].

③ حذف جملہ، جیسے: ﴿وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾④ [البقرة: ۶۰]

ملحوظہ: حذفِ جملہ سے مراد وہ جملۂ تامہ ہے جو مستقبل معنیٰ کا فائدہ دے، اور دوسرے کلام کا جزو نہ ہو، اسی وجہ سے حذفِ معطوف، حذفِ جواب قسم وغیرہ معنیٰ نہ دینے کی وجہ سے جزوِ کلام میں داخل ہیں۔ (علم المعانی)

④ حذف زائد از جملہ، جیسے: ﴿وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيْلِهِ فَأَرْسِلُوْنِ﴾ [یوسف:۴۵]، أي: إلىٰ يُوسُفَ لاستَعْبِره الرُّؤيا، فأَرْسَلُوْه إِلَيْه،

① ملحوظہ: حذف کے لیے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے: حذف کا کوئی داعی ہو، اور محذوف کی تعیین پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ بھی ہو، تاکہ یہ حذف فہمِ معنیٰ میں مخل نہ ہو۔

② اور دوزخی لوگ (عذاب کی شدت اور تکلیف سے مایوس ہو کر مالک سے) پکار کر کہیں گے کہ: اے مالک! تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کردے۔ یہاں دوزخی لوگ شدتِ تکلیف سے فرشتے کے پورے نام کو ذکر کرنے کے بجائے ترخیماً یَا مَالِ کہیں گے۔ (علم المعانی)

③ اے یوسف اس واقعہ کو جانے دے؛ چوں کہ یہ مقام حزن وملال کی وجہ سے تنگی کا تھا، لہٰذا حرف ندا کو حذف کر دیا، اور پورے واقعہ کی طرف اجمالاً ﴿هٰذَا﴾ کے ذریعہ اشارہ کیا ہے۔

④ یہاں ﴿اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ﴾ دراصل "اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَضَرَبَ فَانْفَجَرَتْ" تھی جس سے لفظِ "فَضَرَبَ" کا حذف کرنا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سرعتِ امتثال پر دلالت کرتا ہے۔ (علم المعانی)

فَأَتَاهُ، وَقَالَ لَهُ: ﴿يُوْسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيْقُ﴾ [يوسف:٤٥]

حذفِ کلمہ کی مختلف صورتیں

ملحوظہ: حذفِ کلمہ کی بہت سی صورتیں ہیں، مثلاً: حذفِ حروف، حذفِ مسند الیہ، حرفِ مسند، حذفِ متعلق فعل، حذفِ مضاف، حذفِ مضاف الیہ، حذفِ موصوف، حذفِ صفت، حذفِ قسم، حذفِ جوابِ قسم، حذفِ شرط، حذفِ جوابِ شرط، اور حذفِ معطوف وغیرہ۔ اور قرآن مجید میں ان تمام محذوفات کی امثلہ بکثرت موجود ہیں [1]۔ (علم المعانی)

---

[1] چوں کہ کلام میں محذوف کی شناخت کے بغیر صحیح معنیٰ ومفہوم تک رسائی دشوار ہوتی ہے؛ لہٰذا کلام اللہ سے اس کی چند صورتیں مع امثلہ تحریر کی جاتی ہیں:

(۱) مضاف کا حذف، جیسے: ﴿لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ﴾ اصل میں: لٰكِنَّ الْبِرَّ بِرُّ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ ہے۔

(۲) موصوف کا حذف، جیسے: ﴿وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً﴾ اصل میں: اٰيَةً مُبْصِرَةً ہے۔

(۳) مضاف اول کا حذف، جیسے: ﴿عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ﴾ اس کی اصل: عَلٰى عَهْدِ مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ہے۔

(۴) مرجع مفعول کا حذف، جیسے: ﴿إِنَّآ أَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ اس کی اصل: أي: أَنْزَلْنَا الْقُرْآنَ ہے۔

(۵) فعل کا حذف، جیسے: ﴿كَمَآ أَخْرَجَكَ رَبُّكَ﴾ اس کی اصل: كَمَآ أَخْرَجَكَ رَبُّكَ اِمْضِ ہے۔

(۶) مرجع فاعل کا حذف، جیسے: ﴿حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ﴾ اس کی اصل: حَتّٰى تَوَارَتِ الشَّمْسُ بِالْحِجَابِ ہے۔

(۷) مفعول بہ کا حذف، جیسے: ﴿فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ أَجْمَعِيْنَ﴾ اس کی اصل: فَلَوْ شَآءَ هِدَايَتَكُمْ لَهَدَاكُمْ ہے۔

(۸) مفعول بہ ثانی کا حذف، جیسے: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا الْعِجْلَ﴾ اس کی اصل: إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا الْعِجْلَ إِلٰهاً ہے۔

(۹) حرفِ نفی کا حذف، جیسے: ﴿تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ﴾ اس کی اصل: لاَ تَفْتَؤُ تَذْكُرُ ہے۔

(۱۰) حرفِ جر کا حذف، جیسے: ﴿أَلآ إِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ﴾ اس کی اصل: كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ہے۔

(۱۱) قول کا حذف، جیسے: ﴿فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ: إِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ﴾ اس کی اصل: تَقُوْلُوْنَ إِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ہے۔

(۱۲) مبتدا کا حذف، جوابِ استفہام میں بہ کثرت ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَمَآ أَدْرٰكَ مَا الْحُطَمَةُ، نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ﴾ اصل میں: هي نار الله ہے۔

(۱۳) خبر کا حذف، جیسے: ﴿أُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا﴾ اصل میں: وظلها دائم ہے۔

(۱۴) جزاء کا حذف، جیسے: ﴿إِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ أَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ اس کی اصل: إِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ أَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ، أَعْرَضُوْا ہے۔

(۱۵) جملہ کے بعض حصہ کا حذف، جیسے: ﴿تَأْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ﴾ اس کی اصل: تَأْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ⊂

اغراض حذف

① اِیجاز (جملوں کا حذف)، ② اِختصار (مطلق حذف) ③ احترازعن العبث، ④ تنبیہ کرنے کے لیے کہ: محذوف کوذکر کرنے سے زمانہ قاصر ہے ⑤ جزوِ کلام کوذکر کرنا اہم مقصد کوفوت کرادے، ⑥ حذف کی وجہ سے پیدا ہونے والے ابہام سے تعظیم یا تفخیم کی طرف اِشارہ کرنا، ⑦ سامع کے تنبہ یا مقدارِ تنبہ کا امتحان لینا، ⑧ تعظیم، ⑨ تحقیر، ⑩ تعیُّن، ⑪ اِدّعائے تعیُّن۔

⊃وَعَنِ الشِّمَالِ ہے۔

(۱۶) لائے نافیہ کا حذف، جیسے: ﴿إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ﴾ اِس کی اصل: أَنْ لاتَكُوْنَ ہے۔ (جلالین، آسان اصول تفسیر)

(۱۷) حذفِ موصول: ﴿اٰمَنَّا بِالَّذِيْ أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ﴾ اصل میں: وبالذي أنزل إليكم.

(۱۸) حذفِ صفت: ﴿يَأْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا﴾ اصل میں: سفينة صالحة ہے۔

(۱۹) حذفِ معطوف: ﴿لَايَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ﴾ اصل میں: من قبل الفتح ومن أنفق بعده ہے۔

(۲۰) حذفِ معطوف علیہ: ﴿اِضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ، فَانْفَجَرَتْ﴾ اصل میں: فضرب فانفجرت ہے۔

(۲۱) حذف الفعل: ﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ، مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ؟ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ اصل میں: ليقولن خلقهم الله ہے۔

(۲۲) حذفِ تمیز: ﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ﴾ اصل میں: تسعة عشر مَلَكًا ہے۔

(۲۳) حذفِ حرفِ ندا: ﴿أَنْ أَدُّوْآ إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ﴾ اصل میں: يا عباد الله ہے۔

(۲۴) جوابِ قسم: ﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا﴾ کے بعد میں: لتبعثن جوابِ قسم محذوف ہے۔

(۲۵) حذفِ شرط: ﴿فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ، وَيَغْفِرْلَكُمْ﴾ اصل میں: فإن تتبعوني يحببكم الله ہے۔ (الزیادۃ والاحسان)

ملحوظہ: یادرہے کہ قرآن کریم میں حروفِ مشبہ بالفعل کے اسماء کا، افعالِ ناقصہ کے اسماء کا، اوراَنْ مصدریہ پر حرفِ جر کا حذف کرنا شائع وذائع ہے؛ اِسی طریقے سے إذْ ظرفیہ کا متعلَّق عام طور پر محذوف رہتا ہے، اور کبھی کبھی لَوْ شرطیہ کی جزاء حذف کردی جاتی ہے۔ ایسی جگہ ادنیٰ تأمل اور غوروفکر سے صحیح مفہوم ومطلب سمجھ میں آسکتا ہے۔

(آسان اصول تفسیر)

متعلقاتِ فعل میں حذف کی اغراض ⑫ اختصار کے ساتھ عمومیت بتلانا ⑬ محض اختصار کا فائدہ دینا، ⑭ فاصلہ کی رعایت کرنا۔

فصل ثانی: اِطناب

اِطناب: وہ طریقۂ تعبیر ہے جس میں تاکید وتقویت وغیرہ کے فوائد کے لیے الفاظ کو معانی سے زیادہ لانا، جیسے: ﴿تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ"الرُّوحُ" فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ أَمْرٍ ۝﴾[1] [القدر:٤].

اطناب کی مختلف صورتیں ہیں:

ذِكْرُ الخَاص بَعْدَ العَامّ، ذِكْرُ العَامّ بَعْدَ الخَاصّ، الإِيْضَاح بَعْدَ الإِبْهَام، التَّكْرِيْر لِغَرَض: كَالتَّقْرِيْر، وَالتَّذْكِيْر وَالتَّاكِيْد، وَالتَّعْظِيْم والتَّهْوِيْل، وَالحَثّ عَلَى التَّدَبُّر وَالتَّذَكُّر، وَإظْهَارِ الضُّعْف؛ زِيَادَة التَّقْرِيْر، تَكْثِيْر الجُمَل، التَّوْكِيْد، النَّعْتُ، طُوْل الفَصْل، الاعْتِرَاض، الاحْتِرَاس وَالتَّكْمِيْل، الإِيْغَال، التَّتْمِيْم، التَّوْشِيْع، التَّذْيِيْل.

① **ذکر الخاص بعد العام**: (عام کے بعد خاص کو ذکر کرنا) خاص کا امتیاز اور فوقیت بتلانے کے لیے عمومی تذکرہ کے بعد بطورِ خاص ذکر کرنا، جیسے ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ "وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى" وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝﴾ [البقرة:۲۳۷]؛ ﴿يَصُدَّكُمْ عَنْ

---

[1] یہاں روح القدس یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کا تذکرہ دو مرتبہ ہوا، اول بار ملائکہ کے عموم میں ضمناً، اور ثانیاً حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تکریم وتعظیم واضح کرتے ہوئے مستقلاً ذکر فرمایا (علم المعانی)

حشو وتطویل: کلام کی زیادتی میں کوئی فائدہ نہ ہو تو زیادتی کے متعین ہونے کی صورت میں "حشو" کہیں گے، جیسے: قَرَأْتُ الْقُرْآنَ الْيَوْمَ وَالْأَمْسِ قَبْلَه، میں نے قرآن شریف کی تلاوت کی آج اور گذشتہ کل جو آج سے پہلے ہے، یہاں "الأمس" کے بعد "قبله" زائد ہے؛ کیوں کہ الیوم کا مقابل الأمس ہے؛ اور زیادتی کے غیر متعین ہونے کی صورت میں "تطویل" کہیں گے، جیسے: أَلْفَيْتُ قَوْلَ الْمُنَافِقِ كِذْباً وَمَيْناً، میں نے منافق کی بات کو جھوٹا پایا، اس مثال میں کذب اور مَین میں سے کوئی ایک غیر متعین طور زائد ہے۔

ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ "الصَّلٰوةِ"﴾① [المائدة:۹۲].

② **ذکر العام بعد الخاص**: (خاص کے بعد عام کو ذکر کرنا) خاص کی شان کو اہمیت دینے کے لیے مخصوص طریقے پر ذکر کرنے کے بعد لفظِ عام کے تحت ضمناً بیان کرنا، جیسے ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا "وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ"﴾②[نوح:۲۸]

③ **ایضاح بعد الابہام**: کسی معنیٰ کو دو مختلف صورتوں میں ذکر کرنا، پہلے مجمل ومبہم طور پر، پھر تفصیل اور وضاحت کے ساتھ، تاکہ وہ بات دل میں اُتر جائے اور اثر انداز ہو، جیسے: ﴿وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ۝ "أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ۝"﴾ [الشعراء:۱۳۲-۱۳۴]؛ ﴿اَللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ "لَاتَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَانَوْمٌ"﴾③.

④ **تکریر لغرضِ کالتقریر**: ایک لفظ یا جملے کو دو یا زیادہ مرتبہ اِعادہ کرنا؛ تکرار کی غرضیں مختلف ہیں ان میں سے ایک غرض سامعین کو خوب اچھی طرح سمجھانے کے لیے اعادہ کرنا، جیسے: ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۝﴾④ [التكاثر:۳-۴].

---

① تم لوگ سب نمازیں خصوصاً درمیانی نماز یعنی نمازِ عصر اہتمام کے ساتھ ادا کرتے رہو؛ یہاں صلاۃِ وسطیٰ کا تذکرہ دو مرتبہ ہوا، پہلی صلوات کے ماتحت، اور دوبارہ اس کے امتیاز اور فوقیت کو بتانے کے لیے مستقلاً ذکر کیا۔ گویا صلاۃ وسطیٰ اپنے امتیاز کی وجہ سے صلوات کے علاوہ دوسری جنس ہے؛ اسی طرح مثال ثانی میں صلاۃ ذکر میں داخل تھا۔

② یہاں پر ﴿لِيْ﴾، ﴿لِـوَالِدَيَّ﴾ اور ﴿مَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ﴾ کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد ﴿لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ﴿الْمُؤْمِنَاتِ﴾ کے ضمن میں دوبارہ ذکر فرمایا گیا۔(علم المعانی)

③ آیتِ اولیٰ: اللہ نے تمہاری مدد کی ایسی چیزوں کے ذریعہ جنھیں تم جانتے ہو، مدد کی تمہاری چوپایوں اور بیٹوں کے ذریعہ۔ یہاں باری تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو اوّلاً ﴿مَا تَعْلَمُوْنَ﴾ میں اجمالی طور پر ذکر کیا، پھر تفصیلاً ﴿أَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ﴾ اور ﴿جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ﴾ کو ذکر فرمایا، تاکہ امتنان کا مضمون دل میں پختگی کے ساتھ اُتر جائے؛ آیتِ ثانیہ: اس آیت کے بارے میں امام بیہقیؒ شرح اسماء الحسنیٰ میں فرماتے ہیں کہ: ﴿لَاتَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَانَوْمٌ﴾ یہ ﴿اَلْقَيُّوْمُ﴾ کے اجمال کی تفصیل اور وضاحت ہے۔ (علم البدیع، الزیادۃ)

④ یہاں تقریرِ انذار کی غرض سے ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ کو مکرر ذکر کیا ہے کہ: دیکھو تمہارا خیال ہرگز صحیح نہیں کہ: مال واولاد وغیرہ کی بہتات ہی کام آنے والی چیز ہے، عن قریب تم معلوم کرلوگے کہ یہ زائل وفانی چیز ہے ہرگز فخر…

⑤ **تکریرلغرض**: تکریر کی پانچ اغراض (برائے تقریر، تذکیر وتاکید، تعظیم وتہویل، حث علی التدبر، اظہارِ ضعف) اور اُن کی اَمثلہ کے لیے "بدیع القرآن" کوملاحظہ فرمالیں۔

⑥ **زیادۃ التقریر**: مخاطب کے سامنے کسی چیز کوخوب واضح کرنا، جیسے ﴿قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ۝ "اَللهُ" الصَّمَدُ۝﴾ [الإخلاص۱-۲]؛ ﴿وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنٰهُ وَ"بِالْحَقِّ" نَزَلَ﴾ [الإسراء:۱۰۵].

⑦ **تکثیر الجمل**: ایک جملے میں ادا ہونے والے مضمون کوایک سے زائد جملوں میں تعبیر کرنا، جیسے: ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ، وَمَآ أَنْزَلَ اللهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۝﴾[1] [البقرة:۱٦٤]

⑧ **توکید**: کسی بات کوثابت اور پختہ کرنے کے لیے، جیسے واقعۂ اِفک کے بارے میں باری تعالی نے فرمایا: ﴿إِذْ تَلَقَّوْنَهٗ "بِأَلْسِنَتِكُمْ" وَتَقُوْلُوْنَ بِـ"أَفْوَاهِكُمْ" مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ﴾[2] [النور:۱۵].

⬅ مباحات کے لائق نہ تھی؛ پھر سمجھ لو کہ آخرت ایسی چیز نہیں جس سے انکار کیا جائے یا غفلت برتی جائے؛ یہاں لفظ ﴿كَلَّا﴾ تقریرِ اِنذار کے لیے ہے، یعنی: آگے چل کر تم کو بہت جلد کھل جائے گا کہ اصل زندگی اور عیش آخرت کا ہے اور دُنیا کی زندگی اس کے مقابلہ میں ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی، یہ حقیقت بعض لوگوں کو دنیا میں تھوڑی بہت کھل جاتی ہے، لیکن قبر میں پہنچ کر اور اس کے بعد محشر میں سب کو پوری طرح کُھل جائے گی فقد أكد الإنذار بتكراره ليكون أبلغ تحذيرا وأشد تخويفا، ونزل بعد المرتبة منزلة البعد الزمني فعطف بـ"ثم". (علم المعانی)

① یہ خطاب اللہ پاک نے اپنی قدرتِ کاملہ اور اپنی وحدانیت کے مضمون کو سمجھانے کے لیے اطناب سے کام لیا ہے تاکہ یہ خطاب ہر قسم کے متفکرین (جن وانس، عالم وجاہل، موافق ومخالف میں سے ہر ایک) کے لیے ہر زمانہ میں عام ہوجائے۔ اسی طرح ایمان کی شرافت اور کفر کی قباحت میں مطیعین کی کامیابی اور عاصیوں کی ناکامی بیان کرنا، نیز نیکو کاروں کی الگ خوبیوں کو ذکر کر کے اس پر اُبھارنا، اور بدکاروں کی مختلف بری عادتوں کو ذکر فرمانا؛ وغیر مضامین میں اللہ پاک نے اطناب سے کام لیا ہے (الزیادۃ والاحسان)

② اس بہتانِ عظیم اور بڑے گناہ (واقعۂ اِفک) میں ابتلاء کو بتلانے کے لیے ﴿أَلْسِنَة﴾ اور ﴿أَفْوَاه﴾ کو بڑھایا گیا ہے۔

⑨ **نعت**: کلام میں کسی صفت (نحویہ) کوذکر کرنا بھی اِطناب کے قبیل سے ہے، اور اس کے چار مقاصد ہیں:

① صفت لاکر نکرہ میں تخصیص پیدا کرنا، جیسے: ﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ [النساء:۹۲]

② صفت لاکر معرفہ کی توضیح کرنا، جیسے ﴿وَرَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْأُمِّيُّ﴾ [الأعراف:۱۵۸]

③ مدح وثنا کرنا: ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ إِلٰهَ إِلاَّ هُوَ، عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ○... اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ﴾ [الحشر:۲۲]

④ برائی کرنا، جیسے ﴿فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ "الرَّجِيْمِ"○﴾ [النحل:۹۸].

⑩ **تکریر لطولِ الفصل**: کلام کے کسی جزء کوذکر کرنے کے بعد کلام طویل ہوگیا ہو تو دوسرے جزء کوذکر کرنے سے پہلے ماقبل میں ذکر کردہ جزء کادوبارہ اِعادہ کرنا، جیسے ﴿ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْآ، إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○﴾[1] [النحل:۱۱۰]

⑪ **اِعتِراض**: ایک ہی کلام کے درمیان، یا دو متصل المعنی کلام کے درمیان ایک جملہ، یا زائد از جملہ عبارت کو—جس کا محل اعراب نہ ہو— دفعِ ایہام کے علاوہ کسی اَور نکتے —مثلاً: تنزیہ، تعظیم، تقریر یا دعا وغیرہ— کے لیے ذکر کرنا، جیسے ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ -سُبْحٰنَهُ- وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ○﴾ [النحل:۵۷]، ﴿فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ○ -وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ○- إِنَّهُ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ○﴾[2] [الواقعة:۷۵-۷۷]

---

① مذکورہ آیت میں ﴿إِنَّ﴾ کے اسم ﴿رَبَّكَ﴾ اور اس کی خبر ﴿لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ کے درمیان طویل کلام ہوجانے کی وجہ سے خبر سے پہلے دوبارہ ﴿إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا﴾ کا اعادہ فرمایا ہے؛ ان دونوں جگہوں میں مزید معنیٔ ربوبیت کی تاکید بھی واضح ہوتی ہے۔ (علم المعانی)

② آیتِ اولیٰ: اس میں ﴿سُبْحٰنَهُ!﴾ کو برائے تنزیہ ذکر کیا ہے۔ آیتِ ثانیہ: مَیں اُن جگہوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں جہاں ستارے گرتے ہیں —اور اگر تم سمجھو تو یہ بڑی زبردست قسم ہے—، کہ: یہ بڑا باوقار قرآن ہے؛ دیکھیے! یہاں قرآن کی عظمت ورفعتِ شان کو بتلانے کے لیے قسم، وجوابِ قسم کے درمیان ﴿وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ﴾ کو ←

زائد از جملہ عبارت کولانے کی مثال ﴿قَالَتْ رَبِّ إِنِّيْ وَضَعْتُهَآ أُنْثٰى -وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ، وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثٰى- وَإِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ﴾① [آل عمران:٣٦]

⑫ **احتراس وتکمیل**: خلافِ مقصود کا وہم پیدا کرنے والے کلام میں ایسی قید کا اضافہ کرنا جو اس وہم کو دور کردے، جیسے: ﴿وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْءٍ﴾ [النمل:١٢]؛ اور آپ ﷺ کا حسن رضی اللہ عنہ یا حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمان: إِنَّكُمْ لَتُبَخِّلُوْنَ وَتُجَبِّنُوْنَ وَتُجَهِّلُوْنَ؛ وَإِنَّكُمْ لَمِنْ رَيْحَانِ اللّٰهِ②. (الترمذي)

⑬ **إیغال**: کلام شعر یا کلام نثر کو ایسے لفظ (رکن کلام یا قید) پر ختم کرنا جو ایسا نیا فائدہ دے جس کے بغیر کلام کا مقصد مکمل ہو چکا ہو، جیسے: ﴿وَجَآءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى، قَالَ يٰقَوْمِ! اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ○ اِتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا، وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ○﴾③ [يٰس:٢٠]

⇐ ذکر کیا ہے۔ مزید برآں اسی جملۂ معترضہ کے درمیان ﴿لَقَسَمٌ - عَظِيْمٌ﴾ موصوف صفت کے بیچ ﴿لَوْ تَعْلَمُوْنَ﴾ کو ذکر کیا ہے؛ یعنی: جس طرح ستاروں کا نظام انتہائی مستحکم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ کلام بھی نہایت محکم اور نا قابلِ شکست نظام کے تحت نازل کیا گیا ہے۔ اور تقریر کی مثال ﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ -لَقَدْ عَلِمْتُمْ- مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ﴾ [يوسف:٧٣] (علم المعانی)؛ اور دعا کی مثال: أَنَا -حَفِظَكَ اللّٰهُ- مَرِيْضٌ.

① اس جگہ امرأت عمران کے دو قولوں کے درمیان ﴿وَاللّٰهُ أَعْلَمُ﴾ إلخ کو تسلی اور تبشیر کے لیے ذکر کیا ہے۔ (علم المعانی)

② مثالِ اول: یعنی: ہاتھ گریبان میں ڈال کر اور بغل سے ملا کر نکالو گے تو نہایت روشن سفید چمکتا ہوا نکلے گا، اور یہ سفیدی برص وغیرہ کی نہ ہوگی جو عیب سمجھی جائے؛ دیکھئے! اس آیت میں ﴿مِنْ غَيْرِ سُوْءٍ﴾ نے برص اور کوڑھ کی بیماری ہونے کے وہم کو دور کیا ہے۔

مثالِ ثانی: اس حدیث کی تشریح میں حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: ابتدائے کلام: — اولاد والدین کو بخیل، بزدل اور جاہل بناتی ہیں — سے یہ وہم ہو سکتا ہے کہ: اولاد کا معاملہ اگر ایسا ہی ہے تو ان کی طرف توجہ کرنا؛ بلکہ دیکھنا بھی نہ چاہیے؛ اس وہم کو آقا ﷺ نے "إِنَّكُمْ لَمِنْ رَيْحَانِ اللّٰهِ" سے دور کیا ہے۔ ریحان: ایک قسم کی پسندیدہ خوشبو ہے جو دل میں فرحت وسرور پیدا کرتی ہے، یعنی: ہاں! تمہارا وجود باعثِ فرحت وسُرور ہے!۔ (الکوکب الدری)

③ شہر کے پرلے علاقے سے ایک شخص (حبیب نجار) دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! ان رسولوں کا کہنا مان لو! جو تم سے کوئی اجرت نہیں مانگ رہے، اور وہ لوگ (انبیاء ورُسل) صحیح راستے پر ہے؛ دیکھیے! یہاں ﴿وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ میں اِیغال ہے؛ کیوں کہ تمام انبیاء ورسل ہدایت یافتہ ہی ہوتے ہیں؛ لیکن زیادتی ترغیب اور انبیاء کی اِتباع واقتداء پر اُبھارنے کے لیے ﴿وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ کو بڑھایا گیا ہے۔ (علم المعانی)

⑭ **تتمیم**: کلام میں (رُکنین سے زائد) کوئی ایسی قید لانا جو بلاغت کے کسی نکتے (مثلاً: مبالغہ وغیرہ) کا فائدہ دے، اور معنیٔ کلام میں حسن پیدا کردے، جیسے: ﴿وَاٰتَی الْمَالَ "عَلٰی حُبِّهٖ" ذَوِي الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی﴾ [البقرۃ:۱۷۷]؛ ﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ﴾[1] [الدھر:۸]

ملحوظہ: تتمیم اور ایغال میں فرق یہ ہے کہ:

① تتمیم فضلہ ہی میں ہوتا ہے، جب کہ ایغال فضلہ کے ساتھ مقید نہیں۔

② تتمیم وسطِ کلام اور آخرِ کلام دونوں جگہ ہوتا ہے، جب کہ ایغال آخرِ کلام ہی میں ہوتا ہے۔

تتمیم اور تکمیل میں فرق یہ ہے کہ:

① تتمیم کسی بلاغتی نکتے کے لیے ہوتا ہے جب کہ تکمیل غیر مرادی وہم کو دور کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

② تتمیم فضلہ کے ساتھ مقید ہے جب کہ تکمیل فضلہ کے ساتھ مقید نہیں (علم المعانی)

⑮ **تَوْشِيع**: یعنی کبھی کسی کلام کے اخیر میں مثنّیٰ کو لایا جائے پھر اس کی دو مفردوں کے ذریعے تفسیر کی جائے، جیسے ﴿وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ: هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ، وَّهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ﴾[2] [فرقان: ۵۳]

---

① آیتِ اولیٰ: یعنی: نیکی یہ ہے کہ: لوگ باوجود مال کی خواہش اور احتیاج کے (یا اللہ کی محبت میں) اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیں۔ آیتِ ثانیہ: مال کی خواہش اور ضرورت کے باوجود (یا اللہ کی محبت کے جوش میں) اپنا کھانا نہایت شوق اور خلوص سے مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھلا دیتے ہیں؛ دیکھیے! یہاں ﴿حُبِّهٖ﴾ کی ضمیر مال کی طرف لوٹائیں تو اس سے صحابہ اور مسلمانوں کے وصفِ ایثار و ہمدردی میں مبالغہ ہوگا کہ: یہ لوگ اپنی ضرورت اور چاہت کے باوجود حاجت مندوں پر خرچ کرتے ہیں، اور اس وقت یہ مثال "تتمیم" کے قبیل سے ہوگی؛ لیکن اگر ﴿حُبِّهٖ﴾ کی ضمیر باری تعالیٰ کی طرف راجع کریں تو اس وقت یہ قید مقصود ہوگی، اصل کلام سے زائد نہ ہوگی؛ کیوں کہ رضائے الٰہی کے بغیر مال خرچ کرنا شرعاً ممدوح نہیں، اور اس وقت یہ مثال تتمیم کے قبیل سے نہ ہوگی۔ (علم المعانی)

② اور (اللہ کی ذات) وہی ہے جس نے دو دریاؤں کو اس طرح ملا کر چلایا کہ: ایک میٹھا ہے، جس سے تسکین ملتی ہے؛ اور ایک نمکین ہے سخت کڑوا؛ اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ اور ایسی رکاوٹ حائل کر دی ہے جس کو (دونوں میں سے) کوئی عبور نہیں کر سکتا۔

⑯ **تذییل**: مضمونِ کلام میں محض تاکید کا فائدہ دینے کے لیے ایک جملے کے بعد دوسرا ایسا جملہ لانا جو پہلے جملے کے معنی پر مشتمل ہو؛ پھر اس کی دو قسمیں ہیں: جاری مجری الامثال، غیر جاری مجری الامثال۔

۱- **تذییل جاری مجری الأمثال**: اس جملہ کو کہتے ہیں کہ جو -بہ کثرت مستعمل ہونے کی وجہ سے- مستقل بالمعنیٰ (یعنی: ماقبل جملے سے مستغنی ہونا) ہو، اور کسی حکم کلی کو متضمن ہونے کی وجہ سے بطورِ کہاوت استعمال کیا جاسکتا ہو، جیسے ﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ "إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا"﴾① [الإسراء:۸۱].

۲- **تذییل غیر جاری مجری الأمثال**: اس جملہ کو کہتے ہیں کہ جو مستقل بالمعنیٰ نہ ہو یعنی: اپنے ماقبل جملے سے مستغنی نہ ہو؛ بلکہ اس کا سمجھنا پہلے جملے پر موقوف ہو، جیسے: ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ، أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ○ "كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ"﴾ [الأنبياء:۳٤]؛ ﴿فَأَعْرَضُوْا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَّأَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ○ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا "وَهَلْ نُجٰزِيْ إِلَّا الْكَفُوْرَ"○﴾② [سبأ:۱٦-۱۷]

---

① اور اے نبی ﷺ کہہ دیجیے: حق آپہنچا، اور باطل مٹ گیا؛ اور یقیناً باطل ایسی چیز ہے جو مٹنے والی ہے۔ اس آیت میں اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کی خوش خبری ہے، چناں چہ جب آپ ﷺ نے مکہ فتح کرلیا اور حرم میں داخل ہوکر کعبے میں بنے بُت گرائے تو اس وقت آپ کی زبانِ مبارک پر یہی آیات تھیں؛ دیکھیے! یہاں جملۂ ثانیہ ﴿إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ کا استعمال شائع ہے، اور اپنے معنیٰ کا فائدہ دینے میں جملۂ اُولیٰ کا محتاج نہیں؛ نیز جملۂ اولیٰ کے مضمون کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ (علم المعانی)

② آیت اولیٰ: دیکھیے اس مثال میں ﴿أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ﴾ تذییل جاری مجری الامثال کے قبیل سے ہے، اور ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ تذییل جاری مجری الامثال کے قبیل سے ہے؛ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ: کافر حضور ﷺ باتیں سن کر کہتے تھے کہ: ساری دُھوم اس شخص کے دَم تک ہے، یہ دُنیا سے رُخصت ہوئے پھر کچھ نہیں! اس سے اُن کی غرض یہ تھی کہ: موت کا آنا نُبوّت کے منافی ہے، تو اس کا جواب دیا ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ﴾ یعنی: انبیاء ومرسلین میں سے کون ایسا ہے جس پر کبھی موت طاری نہ ہو؟ ہمیشہ زندہ رہے؟ اور محض آپ کی موت کے تصوُّر سے اپنا دل ٹھنڈا کرنا ہی مقصود تھا، تو اس کا جواب ﴿أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ﴾ میں دیا، یعنی: خوشی کا ہے ←

دونوں تذییلوں کی مثال، باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ، يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ، "وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا" فِي التَّوْرٰةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ؛ وَ"مَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ"﴾[1] [التوبة:۱۱۱]

ملحوظہ: تذییل اور ایغال میں فرق یہ ہے کہ:

① تذییل خاص تاکید کے فائدے کے لیے ہوتا ہے، جب کہ ایغال تاکید کے علاوہ دیگر فوائد کے لیے بھی ہوتا ہے۔

② تذییل درمیان اور آخری کلام دونوں جگہ ہوتا ہے، جب کہ ایغال آخرِ کلام میں ہوتا ہے۔

③ تذییل مکمل جملے سے ہوتا ہے، جب کہ ایغال میں جملہ اور غیر جملہ دونوں ہوتا ہے۔ (علم المعانی)

اِطناب کی مزید انواع

① جملوں کی کثرت، ② حرفِ تاکید کو جملوں پر داخل کرنا ③ حروفِ استفتاحیہ کو داخل کرنا، ④ حرفِ تنبیہ کو داخل کرنا ⑤ تاکید لفظی لانا، ⑥ تاکید معنوی لانا، ⑦ تاکید بذریعۂ مفعول مطلق، ⑧ تاکید بذریعۂ حال مؤکدہ، ⑨ تکریر لاغراض، ⑩ صفت، ⑪ بدل،

⇐ کی؟ کیا آپ انتقال ہوجائے، تو تم بھی نہیں مروگے! قیامت تک بورے سمیٹو گے؟ جب تم کو بھی آگے پیچھے مرنا ہے، تو پیغمبر کی وفات پر خوش ہونے کا کیا موقع ہے! (دیکھیے! اس جملے کا معنیٰ سمجھنا پہلے پر موقوف ہے)؛ پھر فرمایا: اس راستے تو سب کو گذرنا ہے، کون ہے جس کو موت کا مزہ چکھنا نہ پڑے گا! (اس جملے کا معنیٰ سمجھنا پہلے جملے پر موقوف نہیں)(علم المعانی، فوائد)

آیتِ ثانیہ: اس آیتِ کریمہ میں ﴿وَهَلْ نُجَازِيْ إِلَّا الْكَفُوْرَ﴾ کے معنیٰ کا سمجھنا ماقبل پر موقوف ہے، لہٰذا یہ تَذْيِيْل غَير جَارِيْ مجرَى الأمثَال ہے۔

خلاصۂ کلام: اگر دوسرا جملہ بہ کثرت مستعمل ہونے کی وجہ سے مستقل بالمعنیٰ ہے، تو اسے "تذییل جاری مجری الامثال" کہتے ہیں، اور اگر دوسرے جملے کا معنیٰ سمجھنا پہلے جملے پر موقوف ہو تو اسے "تذییل غیر جاری مجری الامثال" کہتے ہیں۔

[1] اس آیت میں ﴿وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا﴾، "یہ ایک سچا وعدہ ہے جس کی ذمے داری اللہ تورات اور انجیل میں بھی لی تھی"، یہ تذییل غیر جَارِي مَجرَى الأمثَال کے قبیل سے ہے اور ﴿وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ﴾، اور "کون ہے جو اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو"؛ یہ تذییل جَارِي مَجرَى الأمثَال کے قبیل سے ہے۔ (علم المعانی)

⑫ عطفِ بیان، ⑬ الفاظِ مترادفہ کو ایک ساتھ استعمال کرنا۔ (الزیادۃ والاحسان) بزیادۃ

اِطناب کے دواعی

ملحوظہ: اطناب کے دواعی چار ہیں: تَثْبِيْتُ المعْنیٰ، تَوْضِيْح المرَاد، التَوْكِيْد، دَفْعُ الإيْهَام.

① تثبیت المعنی: مضمون کے تمام گوشوں کو دلائل سے ثابت کرنا (یہ اُسلوب قرآنِ مجید میں بہ کثرت ہے)، اور قسموں کو ذہن میں بٹھانا ② توضیح المراد: مقصود کو واضح کرنا ③ توکید: مضمون کو مؤکد کرنا ④ دفع الایہام: اختصار کی صورت میں وہم پیدا ہوسکتا ہو اس سے احتراز کرنا۔

مُساوات

مساوات: معنیٔ مقصود کی ادائیگی کا وہ طریقۂ تعبیر ہے جس میں درمیانی لوگوں کے عرف کے مطابق الفاظ معانی کے بقدر ہوں، یعنی: الفاظ نہ زیادہ ہوں، اور نہ ہی کم، جیسے: ﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْ اٰيٰتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ﴾[1] [الأنعام:٦٨]؛ اور آپ ﷺ کا فرمان: "الحَلالُ بَيِّنٌ وَالحَرَامُ بَيِّنٌ، وَمَا بَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ.

ملحوظہ: معلوم ہونا چاہیے کہ: ایجاز، اطناب اور مساوات کا مدار اوساط الناس کے عرف پر ہے، لہٰذا حدیث نبوی اوساط الناس کے عرف کے مطابق مساوات کی مثال ہوگی؛ ورنہ بلغاء اور فقہاء کے نزدیک یہی مثال اِیجازِ قِصَر کی ہے، جیسا کہ مسائلِ فقہیہ اور دلائل سے خوب واضح ہے۔ (علم المعانی)

فائدہ: مساوات ایک اضافی اُسلوب ہے، اس کی تعیین کے لیے ایجاز واطناب کی اَنواع کو مدِّ نظر رکھنا ضروری ہے؛ لہٰذا انواع ایجاز قصر (ص ۲۰۴)، اور اطناب کی انواع (ص ۲۰۹-۲۱۶) کو ضرور سامنے رکھا جائے۔

① اِس آیت میں کُفّار کے آیاتُ اللہ سے استہزاء وعیب جوئی کے وقت اُن سے کِنارہ کَشی کرنے کا حکم ہے؛ اِس مثال میں الفاظ بہ قدرِ معانی ہیں، نہ کم ہیں نہ زیادہ۔

تتمۂ علم المعانی

خلافِ مقتضائے حال

① کیا کبھی کلام کو مقتضائے حال کے خلاف بھی لایا جاتا ہے؟

② اگر کلام کو مقتضائے حال کے خلاف لایا گیا ہے تو اس کی پندرہ اغراض میں سے کیا ہے؟

③ اگر التفات ہے تو اس کی چھ صورتوں میں سے کون سی صورت ہے؟

④ تعبیر عن المستقبل بلفظ الماضی ہے تو اس کی تین غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟

⑤ تعبیر عن الماضی بلفظ المستقبل ہے تو اس کی دو غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟

⑥ قلب ہے تو اس کی کون سی صورت ہے؟

⑦ وضع الخبر موضع الانشاء ہے تو اس کی تین غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟

⑧ وضع الانشاء موضع الخبر ہے تو اس کی تین غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟

⑨ تجاہل عارفانہ ہے تو اس کی تین غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟

خلافِ مقتضائے حال

ماقبل میں بیان کردہ قواعد کے مطابق کلام کرنا، مقتضائے ظاہر کے مطابق کلام کرنا کہلاتا ہے؛ لیکن کبھی ظاہر کے خلاف بعض ایسے اَحوال واِعتبارات بھی ہوتے ہیں جن کو متکلم ملحوظ رکھنا چاہتا ہے: ایسے مواقع پر ظاہرِ حال سے اعراض کیا جاتا ہے، جس کو خلافِ مقتضائے ظاہر کلام کرنا کہا جاتا ہے، مثلاً: حکم کے بابت خالی الذھن یا متردِّد یا منکر مان لینا، یا متردد فی الحکم کو خالی الذھن یا منکر متصوّر کرنا، یا منکرِ حکم کو خالی الذھن کے درجے میں اُتار کر کلام کرنا۔

اخراج الکلام علی خلاف مقتضی الظاہر کی بعض انواع یہ ہیں:

الالتِفَات، وَضْع المظْهَر مَوْضِع المضْمَر، وَضْع المضْمَر مَوْضِع المظهَر، التَّعبِيْر عنِ المسْتَقْبِل بلفْظِ الماضِي، تَعْبِيْر عنِ الماضِيْ بِلفْظِ المسْتَقْبِل، التَّغْليْب، القَلْب، أسْلُوْبِ الحَكِيْم، تَنْزِيْل العَالِمِ مَنْزِلَةَ الجَاهِل، تَنْزِيْل غيرِ المنْكِرِ مَنْزِلَة المنْكِر، تَنْزِيْلُ غيرِ المنْكِرِ مَنْزِلَة السَّائِل المتَرَدِّد، تَنْزِيْل المنْكِرِ مَنْزِلَة غَيْرِ المنْكِر، وَضْعُ الخَبَرِ مَوْضِع الإنْشَاء، وَضْعُ الإنْشَاءِ مَوْضِع الخَبَر، تجَاهُلُ العَارِف.

① **التفات:** کلام کو تکلم، خطاب اور غیبوبت میں سے کسی ایک اُسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف پھیرنا، تاکہ سامع میں نشاط پیدا ہوجائے یا اکتاہٹ سے بچ جائے؛ اس کی چھ صورتیں ہیں، تفصیل ''بدیع القرآن'' میں ملاحظہ فرمالیں۔

② **وضع المظهر موضع المضمر:** کسی غرض (مثلا: زیادۃ تقریر) کے لیے اسمِ ظاہر کے استعمال کی جگہ اسمِ ضمیر کو لانا، جیسے ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ [الإخلاص:۱-۲]؛ برائے تاکید، جیسے ﴿وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنٰهُ بِالْحَقِّ نَزَلَ﴾ [الإسراء:۱۰۵]

① آیت اولیٰ: اس کلام کا مقتضا تو یہ تھا کہ ''ھو الصمد'' کہا جاتا؛ لیکن ذہنوں میں اللہ کی بے نیازی کو بٹھانے کے لیے اسم ظاہر، اور وہ بھی لفظ جلالہ کو ذکر کیا گیا۔ آیت ثانیہ: کلام کا مقتضا تو یہ تھا کہ ''وبه نزل'' فرمایا جاتا؛ لیکن تاکید پیدا کرنے کے لیے اسم ظاہر کو لایا گیا، نیز حصر کے فائدے کے لیے ﴿بِالْحَقِّ﴾ کو مقدم بھی کیا گیا۔

ملحوظہ: کبھی اسمِ ضمیر کی جگہ اسمِ اشارہ لا کر مخاطب کی غباوت اور بے وقوفی پر تنبیہ کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے: فرزدق نے جریر سے کہا: شعر:

أُوْلٰئِكَ آبَائِيْ فَجِئْنِيْ بِمِثْلِهِم ۞ إِذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيْرُ الْمَجَامِعُ①

③ **وضع المضمر موضع المظهر:** کسی غرض سے اسمِ ظاہر کی جگہ ضمیر کا استعمال کرنا، جیسے: ﴿أَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ أَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا؛ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ﴾②

[الحج:٤٦]

ملحوظہ: ضمیرِ شان اور ضمیرِ قصہ اسی قبیل سے ہیں؛ کیوں کہ ابہام کے بعد وضاحت، اجمال کے بعد تفصیل کرنا نفس پر ایک خاص اثر چھوڑتا ہے۔

④ **تعبیر عن المستقبل بلفظ الماضی:** کسی غرض سے مضارع کی جگہ ماضی استعمال کرنا، مثلاً:

① تنبیہ علی تحقیق الوقوع: فعل کے وقوع کے یقینی ہونے پر خبردار کرنا مقصود ہو، جیسے: ﴿أَتٰى أَمْرُ اللهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ﴾③ [النحل:١]، أي: يَأْتِيْ أَمْرُ اللهِ.

---

① یہاں مناسب تو یہ تھا کہ شاعر کہتا: هُمْ آبَائِيْ؛ کیوں کہ پہلی والی ابیات میں اُن کا تذکرہ ہو چکا تھا؛ لیکن شاعر نے مخاطب کی بے وقوفی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے یہ اسلوب اختیار فرمایا ہے، اور برائے تعجیز جِئْنِيْ امر استعمال فرمایا۔ (علم المعانی)

② ترجمہ: تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں! جس سے اُنہیں وہ دل حاصل ہوتے جو انہیں سمجھ دے سکتے ہوں، یا ایسے کان حاصل ہوتے جن سے وہ سن سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں؛ بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہوتے ہیں؛ یہاں ﴿فَإِنَّهَا﴾ کی "ھاء" ضمیرِ قصہ جس کا مرجع پہلے مذکور نہیں؛ لیکن چونکہ بعد آنے والا جملہ اس کی تفسیر کر رہا ہے، اور اس مضمون کو دل و دماغ میں بٹھانا تھا؛ لہٰذا ابتداءً ہی جملہ ذکر کرنے کے بجائے پہلے ضمیرِ قصہ کو ذکر کیا گیا ہے (علم المعانی) بزیادۃ۔ اسی طرح حکم کی بجا آوری کے سبب کو قوی بنانے کے لیے متکلم اپنے غلام کو یوں کہے: "سَيِّدُكَ يَأْمُرُكَ بِكَذَا" تیرا آقا تجھے یہ حکم دے رہا ہے۔

③ اللہ کا حکم آپہنچا! سو اس کی جلدی مت کرو؛ یعنی: خدا کا یہ حکم کہ پیغمبر علیہ السلام کی جماعت غالب و منصور او←

④ قرب الوقوع: وقوعِ فعل کے قریب ہونے کو بتانا، جیسے: قَدْ قَامَتِ الصَّلاۃُ، أي: قَرُبَ القِیَام للصَّلاۃ①۔

③ تعریض: اشارۃً مبہم بات کرنا، یعنی صراحت نہ کرنا، جیسے: ﴿لَئِنْ أَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾② [الزمر:٦٥]

ملحوظہ: تعبیر عن المستقبل باسم الفاعل، اور تعبیر عن المستقبل باسم المفعول بھی تعبیر عن المستقبل بلفظ الماضی ہی کے قبیل سے ہے؛ کیوں کہ اسم فاعل ومفعول ایک قول کے اعتبار سے زمانۂ ماضی پر دلالت کرتے ہیں، جیسے: ﴿وَإِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ٥﴾ [الذاریات:٦]؛ ﴿ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ، وَذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ٥﴾③ [ھود:۱۰۳]

⑤ **تعبیر عن الماضی بلفظ مستقبل:** کسی غرض سے ماضی کی جگہ مضارع کو رکھا جاتا ہے، مثلاً:

⇐ حق کے مخالفین مغلوب وذلیل ہوں گے۔ اور آخرت میں براہِ راست احکم الحاکمین کے دربار سے شرک وکفر کی سزا ملے گی؛ اس حکم کے وقوع کا وقت قریب آپہنچا اور قیامت کی گھڑی بھی دور نہیں ہے؛ یعنی: جس چیز کا آنا یقینی ہو اُسے آئی ہوئی سمجھنا چاہیے، پھر جلدی مچانے کی ضرورت کیا ہے؟

① ''نماز قائم کرنے کا وقت بالکل قریب (مستقبل قریب) آپہنچا ہے''؛ یہاں مستقبل قریب میں موجود ہونے والی (یقینی) چیز کو بصیغۂ ماضی تعبیر فرمایا (جواہر)

② یعنی: اے عام مخاطب اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا سب غارت جائے گا، اور تُو خسارے میں پڑے گا۔ یہاں آیت میں اس بات کی طرف تعریض ہے کہ: مشرکین کے اعمال مبہوت ہو چکے ہیں۔ (جواہر)

③ آیت اولیٰ: ''اور بے شک (آخرت میں) انصاف ہونا بالکل یقینی ہے'' أي: إنَّ الدِّینَ لَوَقَعَ۔ آیت ثانیہ: یوم حساب (تمام اولین وآخرین کے بیک وقت فیصلے کا دن) ایک دن ہے جس میں تمام لوگ اکٹھا ہوں گے، اور وہ سب لوگوں کی پیشی کا دن ہے، کہ وہاں کوئی غیر حاضر نہ رہ سکے گا۔ ان دونوں آیتوں میں مستقبل میں ہونے والی یقینی چیزوں کو اسم فاعل واسم مفعول (بمعنی: ماضی) سے تعبیر کرنا اس کے وقوع کے یقینی ہونے کو بتلا رہا ہے۔

ملحوظہ: یہ یاد رہے کہ: فی الحال فعل سے متلبس (یعنی: زمانۂ حال) کے لیے اسم فاعل واسم مفعول کا استعمال کرنا جمہور کا قول ہے؛ ورنہ ایک قول کے مطابق اسم فاعل ومفعول زمانۂ ماضی میں فعل سے متلبس کے لیے بھی مستعمل ہوتے ہیں۔ (علم المعانی)

① حکایت حالت ماضیہ: زمانۂ ماضی میں گذری ہوئی کسی حالت کو اس طور پر بیان کرنا کہ: خیال میں عجیب وغریب صورت کا استحضار ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ أَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا﴾① [فاطر:۹]

② افادۃ الاستمرار فیما مضیٰ: زمانۂ گذشتہ میں استمرارِ فعل کا معنیٰ دینے کے لیے، جیسے ﴿لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ﴾② [الحجرات:۷]

⑥ **تغلیب**: دو یا چند ہمراہیوں یا ملتی جلتی (باہمی مربوط) چیزوں میں سے ایک کے لفظ کو دوسرے پر غلبہ دینا، بایں طور پر کہ دوسرے کے لفظ کو پہلے کے موافق بنالیا جائے، پھر ان دونوں کے الگ الگ معانی کو مراد لیتے ہوئے کسی ایک اسم کا تثنیہ لایا جائے، جیسے ﴿وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ۝﴾③ [التحریم: ۱۲]

ملحوظہ: تغلیب کی مختلف صورتیں ہیں: تغلیب المذکر علی المؤنث، جیسے ﴿فَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ۝﴾ [التحریم:۱۲]؛ تغلیب الاکثر علی الاقل، جیسے: ﴿لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ أَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا﴾④ [الأعراف:۸۸]؛ تغلیب الاخف علی غیرہ،

---

① اور اللہ ایسا ہے جس نے چلائی ہوائیں، پھر وہ اٹھاتی ہیں بادلوں کو؛ یہاں اللہ کی قدرتِ کاملہ پر دلالت کرنے والی اس عجیب وغریب صورت کے استحضار کے لیے کہ: گویا ہوائیں بادلوں کو اٹھا رہی ہیں اور تُو اس کا مشاہدہ کر رہا ہے؛ یہ بتانے کے لیے بجائے "أثار" کے ﴿تُثِيْرُ﴾ کو استعمال کیا گیا ہے (علم المعانی)

② أي: لو استمرَّ على إطاعَتِكم لهَلَكتم، یعنی: اگر رسول اللہ تمھاری ہر بات برابر مانا کرتے رہتے تو بڑی مشکل ہوتی؛ کیوں کہ حق لوگوں کی خواہشوں یا رایوں کے تابع نہیں ہوسکتا (جواہر)

③ قیاس کے مطابق من القانتات آنا چاہیے تھا؛ لیکن مذکر کو مؤنث پر غلبہ دیتے ہوئے ﴿مِنَ الْقٰنِتِيْنَ﴾ فرمایا، اور یہ واضح کیا کہ: حضرت مریم –علیہا السلام– زہد وریاضت میں مَردوں سے کچھ کم نہ تھیں۔ اچھیسے اب اور ام کو اَبَوَین سے اور شمس وقمر کو قمرَین سے تعبیر کرنا۔

④ آیتِ ثانیہ: یہاں اصحاب مدین نے حضرت شعیب علیہ السلام سے دخول فی الکفر کا مطالبہ کیا تھا، نہ کہ عود فی الکفر کا؛ کیوں عود کرنا پہلے کفر کے سرزد ہونے پر دال ہے اور حضرت نے کفر بالکل نہیں کیا تھا؛ لیکن عام حالات میں لوگ کفر کے بعد ایمان لاتے ہیں – برخلاف انبیاء کے –؛ لہٰذا تغلیباً للاکثر "عود" کا لفظ استعمال فرمایا۔

جیسے حسن وحسین کے بارے میں: الحَسَنَيْنِ کہنا۔

⑦ **قلب**: یعنی کلام کے دو جزؤں میں سے ہر ایک کو کسی نکتے کے پیشِ نظر اس کے صاحب کی جگہ رکھنا؛ اس کی تین صورتیں ہیں:

① قلب اسناد، جیسے: ﴿حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ﴾ ① [قصص:۱۲]، دراصل یوں تھا: حَرَّمْنَاهُ عَلَيْهِنَّ.

② قلب عطف، جیسے: ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا "نَسِيَا حُوْتَهُمَا"، "فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا" ۝﴾ ② [الکہف:۶۱]

③ قلب تشبیہ، جیسے: ﴿إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا﴾ ③ [البقرۃ:۲۷۵].

⑧ **أسلوب حکیم**: کلام متکلم کو خلافِ مراد پر محمول کرتے ہوئے سائل کو جواب دینا؛ اس کی اوّلاً دو صورتیں ہیں، اور صورتِ اولیٰ کی تین شقیں ہیں؛ تفصیل "بدیع القرآن" میں ملاحظہ فرمالیں۔

⑨ **تنزیل العالم منزلة الجاهل**: یعنی فائدۂ خبر یا لازم فائدۂ خبر سے واقف

---

① ہم نے دائیوں کو روک رکھا تھا موسیٰ علیہ السلام سے؛ یہاں دراصل دائیوں کو نہیں روکا تھا؛ بلکہ قدرت نے موسیٰ ہی کو روک رکھا تھا کہ: موسیٰ اپنی ماں کے علاوہ کسی اور کا دودھ نہ پکڑے! یہاں روک رکھے جانے کی نسبت بجائے موسیٰ کے دائیوں کی طرف کرنا قلب اسناد کے قبیل سے ہے (الاتقان)

② حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع علیہما السلام جب دریا کے مِلاپ کو پہنچے تو وہ دونوں اپنی بھونی ہوئی مچھلی بھول گئے (اور یوشع بھی مچھلی کے زندہ ہوکر زنبیل سے نکل پڑنے کا واقعہ حضرت موسیٰ سے کہنا بھول گئے) "پھر" مچھلی نے اپنا راستہ دریا میں سرنگ نُما بنالیا۔ دیکھئے مچھلی کا دریا میں راستہ بنانے کا واقعہ پہلے ہوا تھا اور نسیان بعد میں طاری ہوا تھا، یعنی فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهَا، اِتَّخَذَ سَبِيْلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا، وَنَسِيَا حُوْتَهَا؛ یہ مثال قلبِ عطف کے قبیل سے ہے (الاتقان)

③ اصل گفتگو سود کے متعلق تھی، آکلین ربا محض نفع (مفروضہ وجہ شبہ) کی طرف دیکھتے ہوئے اس کو بیع کے مثل جائز قرار دیتے تھے؛ حالاں کہ بیع اور سود میں بڑا فرق ہے، ایک حلال ہے تو دوسرا حرام، ایک میں عاقبت کے اعتبار سے برکت ہے تو دوسرے کا انجام اِفلاس ہے؛ دیکھیے! آکلین ربا کا مدّعیٰ یہ تھا إِنَّمَا الرِّبَا مِثْلُ البَيْعِ فِي الجَوَازِ، یعنی: سود جائز ہونے کے زیادہ لائق ہے؛ کیوں کہ اس سے بظاہر بلا مشقت زیادتی ہوتی ہے؛ لیکن انھوں نے مشبہ (سود) کو مشبہ بہ بنالیا، اور مشبہ بہ (بیع) کو مشبہ بنا کر اس تشبیہ کو مقلوب کردیا ہے (الاتقان)

کار انسان کو، ناواقف اور جاہل فرض کرلینا، جیسے تیرا قول اس آدمی کو جو اپنے والد کو تکلیف پہنچاتا ہو: هٰذَا أَبُوْكَ؛ ﴿أَفَسِحْرٌ هٰذَا، أَمْ أَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ﴾ ① [الطور:۱۵].

⑩ تنزيل غير المنكر منزلة المنكر: غیر منکر (حکم سے خالی الذہن) مخاطب کو منکر فرض کرلیا جائے، جیسے باری تعالیٰ کا فرمان ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى، وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ﴾ [النمل:۸۰]؛ ﴿ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ﴾ ②

[المؤمنون:۱۵].

⑪ تنزيل غير المنكر منزلة السائل المتردد: غیر منکر (خالی الذہن) مخاطب کو متردد تصور کرلیا جائے، جیسے باری تعالیٰ کا فرمان ﴿إِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ "إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا"﴾ ③ [التوبة:٤٠].

---

① یعنی: تُم دنیا میں انبیاء کو جادوگر اور ان کی وحی کو جادو کہا کرتے تھے، ذرا اب بتلاؤ! کہ: یہ دوزخ –جس کی خبر انبیاء نے دی تھی– کیا واقعی جادو، یا نظر بندی ہے؟ یا جیسے دنیا میں تم کو کچھ سوجھتا نہ تھا، اب بھی نہیں سوجھتا!۔ یہاں فرشتے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے تجاہل عارفانہ کے طور پر، یعنی: اپنے آپ کو جاہل کے درجے میں اُتار کر یہ سوال کریں گے۔

② آیتِ اولیٰ: البتہ تو اپنی پکار نہیں سنا سکتا مُردوں کو، اور نہیں سنا سکتا بہروں کو جب لوٹے وہ پیٹھ پھیر کر۔ یعنی: یہ لوگ دل کے اندھے ہیں اور چاہتے بھی نہیں کہ اندھے پن سے نکلے، پھر تمہارے دکھلانے سے وہ دیکھے تو کیسے دیکھیں؟ لیکن چوں کہ آپ ﷺ مشرکین کی ہدایت کے مشتاق تھے، اور ان تک اللہ کے احکامات پہونچانے میں اپنے آپ کو بے حد تھکاتے تھے؛ لہٰذا باری تعالیٰ نے آقا ﷺ منکر کے درجے میں اتار کر مؤکد کلام پیش فرمایا۔

آیت ثانیہ: دیکھیے: مشرکین لوگ موت کے منکر تو نہیں تھے! لیکن غفلت اور اعراض عن العمل کو دیکھتے ہوئے منکرین کے درجے میں اتار کر ان سے مؤکد کلام کیا گیا۔

③ اگر تم رسول کی مدد نہ کرو تو اس کی مدد اللہ نے اس وقت (بھی) کی ہے جس وقت ان کو کافروں نے نکالا تھا، جب کہ وہ دو میں کا دوسرا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے رفیق سے کہہ رہا تھا: تُو غم نہ کھا! بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس جگہ صدیق اکبرؓ معیت الٰہی اور نصرتِ خداوندی کے بابت متردد نہ تھے؛ بلکہ نصرتِ الٰہی پر کامل یقین تھا؛ لیکن اس کے باوجود اوّلا ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ لاکر ان کے دل میں آنے والی خبر (نصرتِ الٰہی کے آنے) کا شوق پیدا کیا، پھر اس کے بعد مؤکد کلام پیش کیا۔ یہاں خالی الذہن کو متردد کے درجے میں اتار کر مؤکد کلام فرمایا ہے (علم المعانی)

ملحوظہ: خالی الذہن کو متردد یا منکر کے درجے میں اتارنا، یا منکر کو غیرِ منکر کے درجے میں اُتارنا کلامِ عربی کے لطائف ودقائق میں سے ہے؛ ایسا عموماً اس وقت ہوتا ہے جب کہ پہلے والے جملے پند ونصائح کی لڑی میں پیروئے ہوئے ہوں یا امر ونہی یا انوکھے واقعہ پر مشتمل ہوں۔

⑫ **تنزيل المنكر منزلة غير المنكر**: منکر کے انکار کو اہمیت نہ دیتے ہوئے اُسے غیرِ منکر (خالی الذہن) کے درجے میں اُتارنا، اور یہ اشارہ کرنا کہ: یہ بات ایسی ہے کہ اگر مخاطب اس خبر کے دلائل وشواہد پر غور کرے گا تو ضرور اپنے انکار سے باز آجائے گا، اور تکذیب کو چھوڑ دے گا، جیسے باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿"وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ" لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۝﴾ [البقرۃ: ١٦٣]؛ ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾[1] [الفتح:٢٩]

ملحوظہ: متکلم کبھی کلام کو صرف تاکید لتقویت مضمون الکلام کے لیے مؤکد لاتا ہے، یعنی: کلام کے مضمون کو پختگی کے ساتھ ثابت کرنے یا مخاطب کے دل ودماغ میں مضمونِ کلام کو جمانے کے لیے، جیسے: ﴿فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ "اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ"۝﴾ [النمل:٧٩].

⑬ **وضع الخبر موضع الإنشاء**: جملہ خبریہ کا انشائیہ کی جگہ کسی نہ کسی غرض وفائدے کے لیے استعمال کرنا، مثلاً: نیک فالی، اظہارِ رغبت، اظہارِ حرص، صیغۂ امر ونہی سے احتراز یا مطلوب کے بجالانے پر مخاطب کو ابھارنا وغیرہ۔

تفصیل خبر وانشاء میں ملاحظہ فرمالیں۔

---

① تم سب کا معبود ایک ہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ یہ خطاب ان مشرکین سے ہے جو جان بوجھ کر حق (اللہ کی وحدانیت) کو ٹھکراتے تھے، چناں چہ حال کا تقاضہ تو یہ تھا کہ کلام کو مؤکد لایا جاتا؛ لیکن ان کے وحدانیتِ الٰہی کے انکار کو اہمیت نہ دیتے ہوئے کلام کو غیر مؤکد لایا گیا لِاٗ یہ بتلایا کہ: اے مشرکین! اگر تم وحدانیت کے دلائل وشواہد میں غور کرتے تو انکار سے باز آجاتے۔ آیتِ ثانیہ میں خطاب مؤمنین ومشرکین دونوں سے ہے؛ لیکن مشرکین کے انکار کی پروا کیے بغیر رسالتِ محمدی کا اعلان غیر مؤکد کلام سے فرمایا۔

⑭ **وضع الانشاء موضع الخبر**: اہم اغراض میں سے کسی غرض وفائدے کے لیے خبر کی جگہ انشاء کو استعمال کیا جائے؛ تفصیل خبر وانشاء میں ملاحظہ فرمالیں۔

⑮ **تجاھلِ عارفانہ**: تعجب، مبالغہ یا توبیخ وغیرہ اغراض میں سے کسی غرض کی وجہ سے ایک جانی ہوئی چیز کو کسی انجان شئ کی جگہ لانا؛ تفصیل ص۳۳۵ پر ''بدیع القرآن'' میں ملاحظہ فرمالیں۔

علم بیان

علمِ بیان

علمِ بیان: وہ علم ہے جس کے ذریعہ ایک معنی ومفہوم کو مختلف طریقوں (تشبیہ، مجاز اور کنایہ) سے ادا کرنے کا سلیقہ معلوم ہو جائے، جن میں سے بعض طریقے معنیٔ مرادی پر دلالت کرنے میں دوسرے بعض کے مقابلہ میں اجلیٰ واَوضح ہوں۔

موضوع: الفاظِ عربیہ ہیں باعتبارِ تشبیہ، مجاز اور کنایہ؛ تعقیدِ لفظی ومعنوی سے خالی کلامِ بلیغ اور اسالیبِ مختلفہ خواہ وہ اسالیب بصورتِ تشبیہ ہوں یا بصورتِ مجاز وکنایہ۔

غرض وغایت: قرآنِ مجید کے اعجاز پر واقفیت حاصل کرنا اور کلامِ عربی کے اسرار ورموز سے واقف ہونا۔

ملحوظہ: علمِ بیان میں تین چیزوں سے بحث کی جاتی ہے: تشبیہ، مجاز، کنایہ①۔

---

① معلوم ہونا چاہئے کہ: کلام کو احوال کے مقتضیات کے مطابق لانا "علمِ معانی" سے حاصل ہوتا ہے، اور ایک ہی معنی کو مختلف طریقوں (تشبیہ، مجاز اور کنایہ) کے ذریعے تعبیر کرنے کے اصول وضوابط "علم بیان" سے حاصل ہوتے ہیں، جیسے: اگر متکلم زید کے سخی ہونے کے مفہوم کو صراحۃً بیان کرنا چاہتا ہو تو وہ یوں کہے گا: زَيْدٌ جَوَّادٌ، زَيْدٌ فَيَّاضٌ؛ اور اگر وہ اسی مفہوم کو صریحی اسلوب کے علاوہ (تشبیہ، مجاز اور کنایہ) میں بیان کرنا چاہتا ہو تو وہ تشبیہ کے اسلوب میں زَيْدٌ كَالبَحْرِ فِي الجُوْدِ، زَيْدٌ بَحْرٌ فِي الجُوْدِ، زَيْدٌ كَالبَحْرِ اور زَيْدٌ بَحْرٌ وغیرہ عبارات سے تعبیر کرے گا، اور مجاز کے اسلوب میں رَأَيْتُ بَحْراً فِي دَارِ زَيْدٍ، رَأَيْتُ بَحْراً يُخَاطِبُ النَّاسَ وغیرہ کہے گا، اور کنایہ کے اسلوب میں زَيْدٌ كَثِيْرُ الرَّمَادِ، زَيْدٌ جَبَانُ الكَلْبِ کہہ کر تعبیر کرے گا۔

دیکھئے! متکلم نے ایک ہی مفہوم (زید کے سخی ہونے) کو چار مختلف اسلوبوں (صریحی، تشبیہی، مجازی اور کنائی) میں بیان کیا ہے، جن اسالیب میں سے بعض دوسرے بعض کے مقابلہ میں معنیٔ مرادی (زید کی سخاوت) پر دلالت کرنے میں بحیثیتِ وضاحت مختلف ہیں۔

علمِ بیان میں تین چیزوں کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے: استعارہ، مجاز اور کنایہ؛ لیکن استعارہ کو سمجھنے کے لیے تشبیہ کا سمجھنا ضروری ہے، بہ ایں وجہ "علمِ بیان" میں طرداًللباب تشبیہ سے بھی بحث کی جاتی ہے۔

ملحوظہ: علم معانی اور علمِ بیان سے کلام میں ذاتی حسن پیدا ہوتا ہے، جب کہ علمِ بدیع سے حسنِ عارضی پیدا ہوتا ہے۔

بابِ اوّل

بیانِ تشبیہ

سوالات تشبیہ

① اس کلام میں علم بیان کے طرق ثلاثہ (تشبیہ، مجاز اور کنایہ) میں سے کوئی طریقہ اختیار کیا گیا ہے؟

② اگر تشبیہ ہے تو ارکان تشبیہ: مشبہ، مشبہ بہ، ادات شبہ اور وجہ شبہ میں سے کون کون مذکور ہیں؟

③ چار مراتب تشبیہ میں سے کون سا مرتبہ ہے؟

④ یہ تشبیہ مقبول ہے یا مردود؟

⑤ اقسامِ تشبیہ باعتبارِ ادات: مرسل ومؤکد میں سے کیا ہے؟

⑥ تشبیہ موکد ہے تو ترکیب نحوی کے اعتبار سے مشبہ ومشبہ بہ کس صورت میں ہے؟

⑦ اقسامِ تشبیہ باعتبار ذکرِ وجہ شبہ وعدمِ ذکر: مجمل ومفصل میں سے کیا ہے؟

⑧ کیا یہ تشبیہ، تشبیہ بلیغ یا تشبیہ ضمنی کے قبیل سے ہے؟

⑨ اقسامِ تشبیہ باعتبار انتزاعِ وجہِ شبہ وعدمِ انتزاع: تمثیل وغیر تمثیل میں سے کیا ہے؟

⑩ اغراض تشبیہ عائد بر مشبہ اور عائد بر مشبہ بہ کی کتنی غرضیں ہیں؟ اور یہاں کون سی غرض ہے؟

تشبیہ

تشبیہ: مخصوص غرض کی وجہ سے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ایک یا چند اوصاف میں شریک کرنا، اداتِ تشبیہ کے ذریعے؛ چاہے وہ ادات ملفوظ ہوں یا ملحوظ۔

تشبیہ کے ضمن میں تین بحثیں بیان کی جاتی ہیں: ارکانِ تشبیہ، اقسامِ تشبیہ، اغراضِ تشبیہ۔

فصلِ اوّل: ارکان و مراتبِ تشبیہ

تشبیہ کے ارکان چار ہیں: مشبہ، مشبہ بہ، وجہِ شبہ، اداتِ تشبیہ۔

مشبہ: وہ شیٔ ہے جس کو دوسرے کے ساتھ کسی وصف میں شریک کیا جائے۔

مشبہ بہ: وہ شیٔ ہے جس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے۔

وجہِ شبہ: وہ مخصوص وصف ہے جس میں مشبہ اور مشبہ بہ شریک ہوں[۱]۔

ملحوظہ: وجہِ شِبہ معلوم کرنے کے لیے ص ۲۴۱ ملاحظہ فرمائیں۔

اداتِ تشبیہ: وہ مخصوص کلمہ ہے جو طرفین (مشبہ، مشبہ بہ) کے وصفِ مخصوص میں مشارکت پر دلالت کرے، جیسے: آپ ﷺ کا فرمانِ عالی: "الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ، يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا"[۲] [ترمذی شریف]؛ اداتِ تشبیہ یہ ہیں: کاف، كَأَنَّ، مِثْلٌ، شِبْهٌ اور نحوٌ، نیز مُشَابَهَةٌ، مُمَاثَلَةٌ وغیرہ کے مشتقات[۳]۔

تشبیہ کے مراتبِ اربعہ

تشبیہ میں چوں کہ دو مغائر چیزوں کے درمیان وصفِ خاص میں اتحاد بیان کرنا مقصود ہوتا ہے؛ لہٰذا تشبیہ میں جس قدر اتحاد بتانے میں قوّت اور مبالغہ ہوگا، اسی قدر اس کا مرتبہ بھی بلند

---

① ملاحظہ: مشبہ بہ وجہِ شبہ میں مشہور ہونا چاہیے، نیز اکثر وبیشتر وجہِ شبہ، مشبہ بہ میں اقویٰ واکمل ہوا کرتی ہے۔

② ایک مؤمن کی مثال دوسرے مؤمن کے لیے عمارت کی سی ہے، کہ: عمارت کا بعض حصہ دوسرے بعض کو مضبوط بناتا ہے اسی طرح ایک مؤمن دوسرے مؤمن سے تقویت حاصل کرتا ہے؛ یہاں الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ مشبہ ہے، الْبُنْيَانِ مشبہ بہ ہے، اور يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا ترکیباً حال یا صفت بن کر وجہِ شبہ ہے۔

③ مفرد پر داخل ہونے والے اداتِ تشبیہ: کاف، مِثْل اور شِبہ وغیرہ سے ملا ہوا رکن مشبہ بہ ہوتا ہے، اور جملے ←

ہوگا۔ نزولی اعتبار سے تشبیہ کے کل چار مراتب ہیں:

پہلا مرتبہ عام تشبیہ کا ہے، دوسرا اور تیسرا مرتبہ پہلے سے زیادہ قوت والا ہے، اور چوتھا مرتبہ تمام مراتب سے قوی ہے، جس کو ''تشبیہ بلیغ'' کہتے ہیں۔

① پہلا مرتبہ: تشبیہ کے چاروں ارکان یعنی: مشبہ، مشبہ بہ، وجہِ شبہ اور اداتِ شِبہ کو ذکر کرنا، جیسے: ''زَيْدٌ كَالأَسَدِ فِيْ الشَّجَاعَةِ''؛ نیز سوائے مشبہ کے دیگر ارکان کو ذکر کرنا، جیسے: كَالأَسَدِ فِيْ الشَّجَاعَةِ①.

② دوسرا مرتبہ: صرف اداتِ شبہ کو حذف کرنا، جیسے: ''مُحَمَّدٌ أَسَدٌ شَجَاعَةً''؛ نیز مشبہ و اداتِ شبہ کو حذف کرنا، جیسے أَسَدٌ فِيْ الشَّجَاعَةِ②.

③ تیسرا مرتبہ: صرف وجہِ شبہ کو حذف کرنا، جیسے: ''مُحَمَّدٌ كَالأَسَدِ''؛ نیز مشبہ اور وجہ شبہ کو حذف کرنا، جیسے كَالأَسَدِ، أَيْ: مُحَمَّدٌ كَالأَسَدِ③.

④ چوتھا مرتبہ: اداتِ شِبہ و وَجہِ شبہ دونوں کو حذف کرنا، یہی تشبیہ بلیغ کہلاتا ہے، جیسے: ''مُحَمَّدٌ أَسَدٌ''④.

ملحوظہ: معلوم ہونا چاہیے کہ: تشبیہ کے لیے طرفین کا پایا جانا ضروری ہے؛ خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً، جیسے: كَيْفَ عَلِيٌّ؟ کے جواب میں كَالزَّهْرَةِ الذَّابِلَةِ کہنا تشبیہ کے قبیل سے ہوگا؛ کیوں کہ اس کی تقدیری عبارت ''هُوَ كَالزَّهْرَةِ الذَّابِلَةِ'' ہے، جس میں ''هُوَ'' مشبہ تقدیراً موجود ہے، اور اگر طرفین میں سے کوئی ایک محذوف ہو یعنی نہ لفظاً موجود ہو اور نہ ہی تقدیراً تو وہ اسلوب، تشبیہ سے نکل کر استعارہ میں داخل ہو جائے گا۔ استعارہ کی تفصیل مستقل آگے آرہی ہے⑤۔

⊃ پر داخل ہونے والے ادات بکأنّ، یشابہ، یحکی اور یماثل وغیرہ سے ملا ہوا رُکن مشبہ ہوتا ہے۔

① تشبیہ کا یہ درجہ غیر قوی کہلاتا ہے۔

② تشبیہ کا یہ درجہ کچھ قوی ہے۔

③ تشبیہ کا یہ درجہ قوی ہے؛ کیوں کہ اس میں وجہ شبہ کے محذوف ہونے کے سبب عمومیت ہے۔

④ تشبیہ کا یہ طریقہ اقویٰ ہے۔

⑤ یہ طریقۂ تعبیر بھی تشبیہ بلیغ کی طرح اقویٰ ہے۔

فصل ثانی: تقسیمات تشبیہ

تشبیہ کی مختلف اعتبارات سے کئی تقسیمات ہیں:

تقسیمِ اوّل: باعتبار قبول ورد کے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں: ① مقبول، ② مردود۔

تقسیمِ ثانی: اَداتِ تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں ① مرسل، ② مؤکد۔

تقسیمِ ثالث: وجہِ شبہ کے مذکور ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں ① مفصل، ② مجمل۔

تقسیمِ رابع: وجہِ شبہ کے متعدد چیزوں سے منتزع ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں: ① تشبیہ تمثیل ② تشبیہ غیر تمثیل[1]۔

---

① اقسام تشبیہ باعتبار طرفین

تشبیہ میں طرفین (مشبہ ومشبہ بہ) کبھی حسی ہوتے ہیں اور کبھی عقلی ہوتے ہیں۔

طرف تشبیہ کے حسی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ: یا تو وہ خود مشبہ یا مشبہ بہ کا ادراک حواسِ خمسہ ظاہرہ سے ہوتا ہو، جیسے: چہرے کو چاند سے تشبیہ دینا؛ یا پھر طرف تشبیہ کا مادہ جن چیزوں سے مرکب ہوگا وہ مادہ مُدرَک بالحواس الظاہرہ ہو، جیسے: سونے کے محل کی خیالی تصویر جس کے ستون چاندی کے ہوں، اسی طرح زبرجد کے ستونوں پر قائم یاقوت کے پہاڑ کی خیالی تصویر۔

طرف تشبیہ کے عقلی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ: نہ طرف تشبیہ مدرک بالحواس الظاہرہ ہو اور نہ ہی اس کا مادہ مدرک بالحواس الظاہرہ ہو، جیسے: علم، حیات، شرافت و مرُوَّۃ وغیرہ۔ (علم البیان)

طرفین کے حسی یا عقلی ہونے کے اعتبار سے تشبیہ کی چار قسمیں ہیں ① محسوس کو محسوس سے ② معقول کو معقول سے، ③ معقول کو محسوس سے ④ محسوس کو معقول سے۔

(۱) محسوس کو محسوس کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے: ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ﴾ [یٰس:۳۹]؛ ﴿كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ﴾ [القمر:۲۰]۔

آیتِ اولیٰ: چاند، سورج مہینے کے اخیر میں ملتے ہیں تو چاند چھپ جاتا ہے، جب آگے بڑھتا ہے تو نظر آتا ہے، پھر منزل بہ منزل بڑھتا چلا جاتا اور چودھویں شب کو پورا ہو کر بعد میں گھٹنا شروع ہوتا ہے؛ آخر رفتہ رفتہ اُسی پہلی حالت پر آپہنچتا ہے اور کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح پتلا خم دار اور بے رونق سا ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہاں قمر مشبہ اور ٹہنی مشبہ بہ دونوں محسوس ہیں۔ آیتِ ثانیہ: قومِ عاد کے لوگ بڑے تنومند اور قد آور تھے؛ لیکن ہوا کا جھکڑ ان (مشبہ) کو اٹھا کر اس طرح زمین پر پٹکتا تھا جیسے کھجور کا تنہ (مشبہ بہ) جڑ سے اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا جائے۔ ←

تقسیم اول: اقسامِ تشبیہ باعتبار قبول ورد

باعتبار قبول ورد کے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں: مقبول، مردود۔

تشبیہ مقبول: وہ تشبیہ ہے جو غرضِ تشبیہ کا فائدہ دینے میں وافی (کامل اور مکمل) ہو اس طور پر کہ: مشبہ بہ وجہِ شبہ میں مشہور ومعروف ہو، جیسے: حاتم کے ساتھ سخاوت میں اور سحبان کے ساتھ فصاحت میں تشبیہ دینا وغیرہ۔

تشبیہ مَرْدُوْد: وہ تشبیہ ہے جو غرضِ تشبیہ کا فائدہ دینے میں کامل نہ ہو؛ بلکہ غرضِ تشبیہ

ے (۲) معقول کو معقول کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے "الجهْلُ كالموْتِ، العِلْم كالحَيَاة"۔

جہالت موت کی طرح ہے اور علم حیات کی طرح ہے؛ یہاں جہالت کو موت کے ساتھ اور علم کو حیات کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور دونوں جگہ مشبہ ومشبہ بہ امر عقلی ہے۔

(۳) معقول کو محسوس کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ﴾ [ابرٰهيم:۱۸]؛ ﴿مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ﴾ [ابرٰهيم:۲۶]۔

آیت اولیٰ: بعض کفار کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ: ہم نے دنیا میں بہت سے نیک کام کیے ہیں یہ سب قیامت کے دن کچھ نہ کچھ تو کام آہی جائیں گے۔ اس کا جواب اس تمثیل سے دیا کہ: تمھارے وہ اعمال محشر میں اس طرح اُڑ جائیں گے جس طرح آندھی کے وقت جب زور کی ہوا چلتی ہے تو راکھ کے ذرات اُڑ جاتے ہیں، اس وقت تم نیک اعمال سے بالکل خالی ہاتھ ہوں گے۔ یہاں اعمال کفار کی شکل (معقول) کو راکھ (محسوس) کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اور جیسے "الخُلُقُ كالعِطْرِ، المَوْتُ كالأَسَد"، اخلاقِ کریمہ کو عطر کے ساتھ اور موت کو درندے کے ساتھ تشبیہ دینا۔ آیتِ ثانیہ: اور گندی بات کی مثال گندے درخت جیسی ہے۔ یہاں بات کا گندا ہونا امر معقول ہے اور درخت کا گندا ہونا امر محسوس ہے۔

(۴) محسوس کو معقول کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے ﴿إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْ أَصْلِ الْجَحِيْمِ۝ "طَلْعُهَا" كَأَنَّهُ "رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ"۝﴾ [الصّٰفّٰت:۶۴-۶۵]۔

زقوم کے درخت کے خوشے ــ سخت وبدنما ہونے میں ــ شیطان کے سر کی طرح ہیں۔ یہاں زقوم کے خوشوں (امر محسوس) کو شیطان کے سر (امر معقول) کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

ملحوظہ: بابِ تشبیہ میں مشبہ بہ، مشبہ کے مقابلہ میں اظہر واوضح ہوتا ہے، لہٰذا محسوس کو معقول کے ساتھ تشبیہ دینا خلافِ اصل ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں مشبہ بہ کے معقول ہونے کا سبب اوضح واظہر نہ ہوگا؛ اِلاّ یہ کہ معقول مشبہ بہ کو محسوس کے درجے میں اتار کر یہ دعویٰ کیا جائے کہ: یہ معقول چیز واضح اور ظاہر ہونے میں محسوس سے بھی بڑھ کر ہے؛ اس وقت یہ تشبیہ دینا صحیح ہے جیسا کہ مثال سے واضح ہے۔ (علم البیان)

کا فائدہ دینے میں مشبہ بہ ناقص ہو اس طور پر کہ مشبہ بہ اس وجہ شبہ میں مشہور نہ ہو، جیسے رجلِ شجاع کو شیر کے علاوہ دیگر حیوانات سے تشبیہ دینا۔

تقسیم ثانی: اقسامِ تشبیہ باعتبار ادات

اداتِ تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں ① مرسل، ② مؤکد۔

مُرسَل: وہ تشبیہ ہے جس میں اداتِ تشبیہ مذکور ہو، جیسے﴿فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ﴾[1] [الفیل:۵]۔

مؤکَّد: وہ تشبیہ ہے جس میں اداۃِ تشبیہ محذوف ہو، جیسے﴿وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّ"هِيَ" "تَمُرُّ" "مَرَّ السَّحَابِ"﴾ [النمل:۸۸]، أي: تَمُرُّ مرًّا كمَرِّ السَّحَابِ[2].

ملحوظہ: تشبیہِ مؤکد پر دلالت کرنے والے جملے نحوی ترکیب کے اعتبار سے مختلف ہوا کرتے ہیں، جن میں سے مشہور یہ ہیں:

① مشبہ بہ، مشبہ کی خبر واقع ہو؛ چاہے مشبہ (مبتدا) مذکور ہو یا مقدر ہو، جیسے﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾[3] [البقرۃ:۱۸]، أي: هُمْ صُمٌّ.

---

① اصحاب فیل کو اللہ پاک نے کھائے ہوئے بھُسا جیسا کردیا، جس کو بیل گائے وغیرہ کھا کر آخور (وہ گھاس جو مویشیوں سے بچ رہتی ہے) چھوڑ دیتے ہیں، یعنی ایسا پراگندہ، منتشر، متبذل، بدصورت، نکما اور چورا چورا۔ (فوائد)
یہاں اداتِ شبہ کاف مذکور ہے؛ لہٰذا یہ تشبیہ مرسل ہے۔

② تو پہاڑوں کو دیکھے گا تو ان کو ہمیشہ زمین میں جمے ہوئے گمان کرے گا؛ حالاں کہ وہ بادل کی طرح چلیں گے۔ یہاں اصل عبارت "كمرِّ السحاب" ہے، کاف اداتِ شبہ کو حذف کر دیا ہے (الاتقان فی علوم القرآن)۔ اسی طرح ﴿يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا إِلَى اللهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝﴾ [أحزاب:۴۵] یہاں آقا ﷺ کی طرف لوٹنے والی ﴿أَرْسَلْنٰكَ﴾ کی "کاف" ضمیر منصوب ذوالحال اور مشبہ ہے جب کہ ﴿سِرَاجًا مُّنِيْرًا﴾ حال اور مشبہ بہ ہے۔

③ منافقین بہرے ہیں جو سچی بات نہیں سنتے، گونگے ہیں جو سچی بات نہیں کہتے، اندھے ہیں جو اپنے نفع نقصان کو نہیں دیکھتے؛ سو جو شخص بہرا بھی ہو اور گونگا بھی ہو وہ کس طرح راہ پر آئے! تو اب ان سے ہرگز توقع نہیں کہ گمراہی سے حق کی طرف لوٹیں۔ (فوائد) یہاں "هُم" مشبہ مبتدا ہے اور ﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ﴾ مشبہ بہ خبر واقع ہے۔

② مشبہ بہ حال واقع ہو جس کا ذوالحال مشبہ ہو، جیسے: ﴿يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا إِلَى اللهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝﴾① [أحزاب:٤٥].

③ مشبہ بہ، مشبہ کی طرف مضاف ہو، جیسے: وَالرِّيْحُ تَعْبَثُ بِالْغُصُوْنِ وَقَدْ جَرىٰ - ذَهَبُ الأَصِيْلِ عَلىٰ لُجَيْنِ الْمَاءِ②.

④ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں فعلِ متعدی کے دو مفعول واقع ہوں، جیسے: ﴿وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ۝﴾③ [الدهر:١٩].

تقسیم ثالث: اقسامِ تشبیہ باعتبار ذکر وجہ شبہ وعدمِ ذکر

وجہِ شبہ کے مذکور ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں ① مفصل، ② مجمل۔

مفصّل: وہ تشبیہ ہے جس میں وجہِ شبہ مذکور ہو، جیسے ﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلىٰ نُوْحٍ﴾④ [النساء:١٦٣].

مجمَل: وہ تشبیہ ہے جس میں وجہِ شبہ محذوف ہو، جیسے ﴿لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا

---

① یہاں آقا ﷺ کی طرف لوٹنے والی ﴿أَرْسَلْنٰكَ﴾ کی "کاف" ضمیر منصوب ذوالحال اور مشبہ ہے جب کہ ﴿سِرَاجًا مُّنِيْرًا﴾ حال اور مشبہ بہ ہے۔

② أي: قَدْ جَرَى الأَصِيْلُ كَالذَّهَبِ عَلَى الْمَاءِ كَاللُّجَيْنِ؛ ہوا ٹہنیوں کے ساتھ کھیل رہی ہے حالاں کہ شام کا سونا (سونا جیسی شام) پانی کی چاندی (چاندی جیسے پانی) پر بہہ رہا ہے (علم البیان)

③ اور جنتیوں کے پاس سدا رہنے والے لڑکے پھرتے ہیں جب تو ان کو دیکھے تو بکھرے ہوئے موتی خیال کرے؛ یعنی وہ لڑکے اپنے حسن وجمال صفائی اور آب وتاب میں ادھر ادھر پھرتے ہوئے ایسے خوش منظر معلوم ہوں گے گویا بہت سے چمکدار خوبصورت موتی زمین پر بکھیر دیے گئے۔ یہاں ﴿هُمْ﴾ مفعولِ اول مشبہ ہے اور ﴿لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا﴾ مفعولِ ثانی مشبہ بہ ہے۔ اسی طرح عَلِمْتُ مُحَمَّدًا بَحْرًا، رَأَيْتُ مُحَمَّدًا أَسَدًا، حَسِبْتُ الرَّجُلَ شَمْسًا، أي: عَلِمْتُ مُحَمَّدًا كَالْبَحْرِ.

④ یہاں آپ ﷺ کو حضرت نوح علیہ السلام سے "وحی بھیجے جانے میں" تشبیہ دی ہے، اور وجہ شبہ مذکور بھی ہے؛ لہٰذا یہ تشبیہ مفصل ہوگی۔

السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ۝﴾[حٰم السجدة:٣٤]؛ ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَ"هِيَ كَالْحِجَارَةِ" أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً﴾[①] [البقرة:٧٤] أَيْ: فِي الصَّلَابَةِ.

تشبیہِ بلیغ: وہ تشبیہ ہے جس میں اداۃِ تشبیہ اور وجہِ شبہ دونوں محذوف ہوں، جیسے: ﴿اَلنَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَ"أَزْوَاجُهُ أُمَّهٰتُهُمْ"﴾ [الأحزاب:٦]؛ ﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ۝﴾[②] [البقرة:١٨].

تشبیہ کی ایک قسم تشبیہِ ضمنی بھی ہے۔

تشبیہِ ضمنی: وہ تشبیہ ہے جس میں مشبہ، مشبہ بہ کو تشبیہ کی معروف صورتوں میں سے کسی صورت کے مطابق عبارت میں نہ لایا گیا ہو؛ بلکہ وہ تشبیہ ضمناً و معنیً سیاقِ کلام سے سمجھ

---

① ان آیات میں ایک سچے داعی الی اللہ کو جس حسنِ اخلاق کی ضرورت ہے اس کی تعلیم دیتے ہیں، یعنی خوب سمجھ لو! نیکی، بدی کے اور بدی، نیکی کے برابر نہیں ہو سکتی، دونوں کی تاثیر جداگانہ ہے؛ بلکہ ایک نیکی دوسری نیکی سے اور ایک بدی دوسری بدی سے اثر میں بڑھ کر ہوتی ہے؛ لہٰذا ایک مؤمن قانت میں اور خصوصاً داعی الی اللہ کا مسلک یہ ہونا چاہیے کہ: بُرائی کا جواب بُرائی سے نہ دے؛ بلکہ جہاں تک گنجائش ہو برائی کے مقابلے میں بھلائی سے پیش آئے۔ اگر کوئی سخت بات کہے یا بُرا معاملہ کرے تو اس کے مقابل وہ طرز اختیار کرنا چاہیے جو اس سے بہتر ہو، مثلاً غصہ کے جواب میں بُردباری، گالی کے جواب میں تہذیب و شائستگی اور سختی کے جواب میں نرمی اور مہربانی سے پیش آئے۔

اس طرزِ عمل کا نتیجہ تم دیکھ لوگے کہ: سخت سے سخت دشمن بھی ڈھیلا پڑ جائے گا، اور گو دل سے دوست نہ بنے تاہم ایک وقت آئے گا جب وہ ظاہر میں ایک گہرے اور گرم جوش دوست کی طرح تم سے برتاؤ کرنے لگے گا؛ بلکہ ممکن ہے کہ کچھ دنوں بعد سچے دل سے قرابت والے دوست کی طرح بن جائے اور دشمنی و عداوت کے خیالات یکسر قلب سے نکل جائے۔ یہاں "ہٗ" ضمیر کا مرجع یعنی دشمن کو قرابت والے دوست سے تشبیہ دی ہے اور وجہِ شبہ "محبت" محذوف ہے۔ (علم المعانی، فوائد)

② آیتِ اولیٰ: مذکورہ آیت ﴿أَزْوَاجُهُ أُمَّهٰتُهُمْ﴾ کی تقدیری عبارت تشبیہ کے ارکانِ اربعہ کے لحاظ سے اس طرح ہے: "أَزْوَاجُه مِثْل أُمَّهَاتِهِم فِيْ وُجُوْب الاحْتِرَام وَالتَّعْظِيْم وَالإِجْلَالِ وَالتَّكْرِيْم". (صفوۃ التفاسیر)۔ آیت ثانیہ: منافقین بہرے ہیں جو سچی بات نہیں سنتے، گونگے ہیں جو سچی بات نہیں کہتے، اندھے ہیں جو اپنے نفع نقصان کو نہیں دیکھتے؛ یہاں "ھم" مشبہ مبتدائے محذوف ہے اور اداتِ شبہ بھی حذف ہے (فوائد)

ملحوظہ: زمخشری نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ بلغاء کے درمیان استعارہ و تشبیہ ہونے میں اختلاف ہے، اور محققین کے نزدیک تشبیہ (الاتقان فی علوم القرآن)

میں آتی ہو، جیسے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ ① [الأعراف:٤٠].

ملحوظہ: تشبیہ صریح اور تشبیہ ضمنی میں فرق یہ کہ: تشبیہ صریح میں مشبہ، مشبہ بہ کو تشبیہ کی معروف صورتوں میں کسی ایک صورت میں بیان کیا جاتا ہے، جب کہ تشبیہ ضمنی میں معنیٰ سے طرفین کی طرف اشارہ ملتا ہے، معروف صورت تشبیہ مفقود ہوتی ہے۔

تقسیم رابع: اقسامِ تشبیہ باعتبار انتزاع وجہ شبہ

وجہِ شبہ کے متعدد چیزوں سے منتزع ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے تشبیہ کی دو قسمیں ہیں: ① تشبیہ تمثیل ② تشبیہ غیر تمثیل۔

① **تشبیہ تمثیل**: وہ تشبیہ ہے جس میں وجہِ شبہ متعدد چیزوں سے کشید کی ہوئی ہیئت ہو، جیسے: ﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ﴾ [بقرة:١٧]؛ ﴿مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ﴾ [العنكبوت:٤١]؛ ﴿فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ﴾ ② [الأعراف].

---

① یقیناً جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور اس کے مقابلے میں تکبر کیا تو ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ: اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس جائے۔ دیکھئے یہاں ''کفار کے حق میں دخول جنت کے محال ہونے کی حالت'' کو (عربی محاورہ کے مطابق) ''دخول جمل فی ثقب الابرۃ کے محال ہونے'' کی ہیئت کے ساتھ تشبیہ دی ہے؛ لیکن تشبیہ کا معروف طریقہ مفقود ہے۔ (صفوۃ التفاسیر)

اسی طرح شاعر کا شعر: تَرْجُو النَّجَاةَ وَلَمْ تَسْلُكْ مَسَالِكَهَا إِنَّ السَّفِينَةَ لَا تَجْرِي عَلَى الْيَبَسِ؛ یعنی: جیسے کشتی کا خشکی پر چلنا امرِ محال ہے ویسے ہی بلا محنت و مشقت اٹھائے نجات کی تمنائے محض سے نجات ملنا بھی امرِ محال ہے۔ یہاں بلا مشقت اٹھائے نجات کے امیدوار کی حالت (مشبہ) کو خشکی پر چلنے کی کوشش کرنے والے کشتی کی حالت (مشبہ بہ) سے تشبیہ دی ہے؛ لیکن تشبیہ کی معروف صورت مفقود ہے۔

② آیتِ اولیٰ: منافقین نے مسلمانوں کے خوف سے کلمۂ شہادت کی روشنی سے کام لینا چاہا؛ مگر سر دست کچھ فائدۂ حقیر (مثل حفظ جان و مال) اٹھانے پائے تھے کہ نورِ کلمۂ شہادت اور منافع نیست و نابود ہوگئے اور مرتے ہی عذابِ الیم میں مبتلا ہوگئے۔ یہاں اُن منافقین کی حالت کو تشبیہ دی ہے جن کے سامنے اسلام کے دلائل مکمل وضاحت سے

② **تشبیہ غیر تمثیل**: وہ تشبیہ ہے جس میں وجہِ شبہ متعدد چیزوں سے کشید کی ہوئی ہیئت نہ ہو، جیسے حدیثِ اُم زَرْع میں ہے قَالَتِ الثَّامِنَۃُ: زَوْجِيْ المَسُّ مَسُّ أَرْنَبٍ، وَالرِّيْحُ رِيْحُ زَرْنَبٍ①. (شمائل ترمذی)

⊃ ساتھ آئے، انہوں نے ان دلائلِ واضحہ کی روشنی پر اُچٹتی نگاہ ڈالی اور پھر اپنی پرانی گمراہی میں دوبارہ لوٹے، ان کی اس حالت (مشبہ) کو تشبیہ دی ہے اس آدمی کی حالت سے، جس نے اندھیری گنگور رات میں آگ روشن کی جنگل میں راستہ دیکھنے کو، اور جب آگ روشن ہوگئی اور راستہ نظر آنے کو ہوا تو خدا تعالیٰ نے اس کو بجھا دیا اور اندھری رات میں جنگل میں کھڑا رہ گیا کہ کچھ نظر نہیں آتا۔ (صفوۃ التفاسیر، فوائد)

آیتِ ثانیہ: یہاں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان لوگوں کی حالت کو تشبیہ دی ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو اپنا مددگار بناتے ہیں کہ وہ ان کی مدد کریں گے؛ حالاں کہ وہ بت اس بات سے بہت کمزور ہے کہ اُن کی پناہ پکڑی جائے! اُن کی حالت کو اس مکڑی کی حالت سے تشبیہ دی ہے جو اپنے دھاگوں سے ایک گھر بناتی ہے یہ یقین کرتے ہوئے کہ: وہ گھر دشمنوں کے حملے سے اس کی حفاظت کرے گا؛ حالاں کہ وہ گھر انتہائی کمزور اور بودہ ہے؛ وجہِ شبہ: ایسی چیز کی صورت ہے جو دوسری ایسی چیز سے حفاظت کا اعتقاد رکھے جو اس کی حفاظت نہ کر سکے۔

آیتِ ثالثہ: یہ آیات بلعم بن باعور کے حق میں نازل ہوئیں، جو ایک عالم اور صاحب تصرُّف دُرویش تھا؛ اس کے بعد وہ اللہ کی آیات وھدایات کو چھوڑ کر عورت کے اِغواء اور دولت کی لالچ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں اپنے تصرّفات چلانے اور ناپاک تدبیریں بتلانے کے لیے تیار ہوگیا؛ اور خود آسمانی برکات وآیات سے منہ موڑ کر زمینی شہوات ولذات کی طرف جھک پڑا، وہ نفسانی خواہشات کے پیچھے چل رہا تھا، حتی کہ: پکّے کج رَوؤں میں داخل ہوگیا؛ اس وقت اس کا حال کتے کی طرح ہوگیا جس کی زبان باہر لٹکی ہو، اور برابر ہانپ رہا ہو؛ اگر فرض کرو! اس پر بوجھ لادیں، یا ڈانٹ بتلائیں، یا کچھ نہ کہیں اور آزاد چھوڑ دیں؛ بہرصورت ہانپتا اور زبان لٹکائے رکھتا ہے؛ اسی طرح سفلی خواہشات میں منہ مارنے والے اِس کتے (بلعم بن باعور) کا حال بھی ہوا۔

یہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عالمِ سوء کی بُری اور کمینی حالت کو تشبیہ دی ہے (مشبہ)؛ ذلیل ترین، راحت وتکلیف ہر حال میں ہانپنے والے کتے کی حالت سے (مشبہ بہ)؛ اور وجہ شبہ وہ ہیئت ہے دونوں کی حالت سے منتزع ہے، یعنی: راحت وتکلیف دونوں میں — اچھی حالت اختیار کرسکنے کے باوجود — اپنی گھٹیا حرکت پر برقرار رہنا۔ (صفوۃ التفاسیر)

① حدیث اُم زرع میں آٹھویں عورت نے کہا تھا لَمَسُّہ مَسُّ أَرْنَبٍ، أيْ: مَسُّہ كَمَسِّ أَرْنَبٍ "فِيْ اللِّيْنِ والنُّعُوْمَۃ"؛ میرا خاوند چھونے میں خرگوش کی طرح ہے نرم ونازک ہونے میں اور زعفران کی طرح مہکتا ہے خوشبو میں۔

یہ تشبیہ بلیغ ہے اور وجہ شبہ متعدد چیزوں سے منتزع بھی نہیں؛ لہٰذا تشبیہ غیر تمثیل ہے۔

وجہ شبہ کی حقیقت اور اس کی صورتیں

① وجہ شبہ کبھی طرفین کی عینِ حقیقت ہوتی ہے، جیسے: زید کو عمر کے ساتھ تشبیہ دینا انسان ہونے میں۔

② وجہ شبہ کبھی طرفین کی جزءِ حقیقت یعنی جنس ہوتی ہے، جیسے: گوڑے کو انسان سے تشبیہ دینا حیوان ہونے میں۔

③ وجہ شبہ کبھی طرفین کی جزءِ حقیقت یعنی فصل ہوتی ہے، جیسے: قمیص کو چادر سے تشبیہ دینا قُطنی ہونے میں۔

④ وجہ شبہ کبھی طرفین کی حقیقت سے خارج ہوتی ہے اور حسی صفت ہوتی ہے، جیسے: کوے کو رات سے تشبیہ دینا سیاہی میں۔

⑤ وجہ شبہ کبھی طرفین کی حقیقت سے خارج ہوتی ہے اور عقلی صفت ہوتی ہے، جیسے: زید کو عمر سے تشبیہ دینا ذکاوت وفطانت میں۔

⑥ وجہ شبہ کبھی طرفین کی حقیقت سے خارج ہوتی ہے اور اضافی صفت ہوتی ہے، جیسے: دلیل اور حجت کو سورج سے تشبیہ دینا ظلمت کے حجاب کو ہٹانے میں①۔ (الطریق الوصول)

---

① تقسیم سادس: اقسامِ تشبیہ باعتبار طرفین

تشبیہ اپنے دو طرف یعنی: مشبہ ومشبہ بہ کے مفرد یا مرکب ہونے کے اعتبار سے چار قسموں پر ہے ① مفرد بالمفرد، ② مرکب بالمرکب، ③ مفرد بالمرکب، ④ مرکب بالمفرد۔

[ا] **تشبیہ مفرد بمفرد**: تشبیہ کے دونوں طرف مفرد ہوں؛ چاہے یہ دونوں مفرد مقید ہوں یا مفرد مجرد (مطلق عن التقیید) ہوں یا طرف اوّل مفرد (مطلق)، ثانی مفرد مقید ہو یا طرف اول مفرد مقید، ثانی مفرد مجرد ہو۔

تقیید کا مطلب یہ ہے کہ: طرفین میں سے کوئی ایک وصف، اضافت، مفعول، حال یا جار مجرور سے اس طور پر مقید ہو کہ: وہ وجہ شبہ ترکیب کی حد کو نہ پہنچے؛ لیکن وجہ شبہ کے مستحکم ہونے میں اس قید کا اثر ہو جیسے ﴿يَوْمَ يَكُوْنُ "النَّاسُ" كَـ"الْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ" ۝۴ وَتَكُوْنُ الْـ"جِبَالُ" كَـ"الْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ" ۝۵﴾ [القارعة:۳-٤]

حادثۂ قیامت کے اس ہولناک منظر کا کیا بیان ہو! بس اس کے بعض آثار بیان کر دیے جاتے ہیں جن سے اس کی سختی اور شدت کا قدرے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ: اس دن لوگ بکھرے ہوئے پتنگے جیسے ہو جائیں گے؛ گویا پروانوں ☜

کے ساتھ تشبیہ دینا ضعف اور یک جہتی واتحاد کے زائل ہونے میں ہے۔ یہاں ﴿النَّاس﴾ مفرد مجرّد کو ﴿الْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ﴾ بکھرے ہوئے پتنگے (مفرد مقید) کے ساتھ؛ اسی طرح ﴿الْجِبَالُ﴾ کو اجزاء کے بکھرنے اور قوت کے زائل ہونے میں ﴿الْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ دُھنی ہوئی رنگین اُون (مفرد مقید) کے ساتھ تشبیہ دینا مفرد مجرد کو مفرد مقید کے ساتھ تشبیہ دینے کے قبیل سے ہے۔ (فوائد علم البیان)

مثالیں بالترتیب یہ ہیں:

(۱) مفرد مقید کو مفرد مقید کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے اَلسَّاعِيْ بِغَيْرِ حَاصِلٍ كَالرَّاقِمِ عَلَى الْمَاءِ۔ لاحاصل کوشش کرنے والا پانی پر لکھنے والے کی طرح ہے؛ یہاں مطلقاً ساعی مشبہ نہیں ہے؛ بلکہ ساعی بلا حاصل مشبہ ہے؛ نیز مطلقاً راقم مشبہ بہ نہیں؛ بلکہ وہ راقم جو علی الماء سے مقید ہو وہ مشبہ بہ ہے۔

(۲) مفرد مجرد کو مفرد مجرد کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے ﴿وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا﴾ [النبأ:۱۰]، رات کو چھپانے میں لباس کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

(۳) مفرد مجرد کو مفرد مقید کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے ﴿يَوْمَ يَكُوْنُ "النَّاسُ" كَـ"الْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ"۝ وَتَكُوْنُ الْـ"جِبَالُ" كَـ"الْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ"۝﴾ [القارعة:۳-٤]

(۴) مفرد مقید کو مفرد مجرد کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے اَلْعَيْنُ الزَّرْقَاءُ كَالسِّنَانِ، نیلی آنکھ نیزے کی طرح قاتل ہے۔ (جواہر البلاغۃ)

[۲] **تشبیہ مرکب بالمرکب**: ایک مرکب کو دوسرے مرکب کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے بشار بن برد نابینا کا شعر:

كأن مَثار النقْع فوقَ رؤوسِنا ❁ وَأسْيَافَنا لَيْلٌ تَهاوىٰ كوَاكِبُهٗ

ترجمہ: ہمارے سروں پر اڑنے والا غبار اور ہماری تلواریں اس رات کی طرح ہیں جس کے ستارے ٹوٹ کر باہم ٹکرا رہے ہوں۔

مرکب سے مراد یہ ہے کہ: طرفِ تشبیہ کوئی ایک چیز نہ ہو؛ بلکہ چند ایسی چیزوں کا مجموعہ ہو کہ اگر ان میں سے ایک بھی چیز کو علاحدہ کرلیا جائے تو مطلوبہ تشبیہ فوت ہوجائے گی، جیسے شعر میں شاعر نے غبار اور روشن تلوار کو مشبہ بنایا ہے اور رات کی تاریکی اور ستاروں کے مجموعے کو مشبہ بہ بنایا ہے؛ لیکن یہاں اگر صرف غبار یا صرف روشن تلوار کو مشبہ بنایا جاتا، اسی طرح صرف رات کی ظلمت یا ستاروں کو مشبہ بہ بنایا جاتا تو مطلوبہ تشبیہ حاصل نہ ہوتی۔

ملحوظہ: تشبیہ مرکب بالمرکب اور تشبیہ تمثیل میں فرق یہ ہے کہ: تشبیہ مرکب بالمرکب یہ تشبیہ کی قسم ہے طرفین کے اعتبار سے؛ جب کہ تشبیہِ تمثیل یہ تشبیہ کی قسم ہے وجہ شبہ کے متعدد چیزوں سے منتزع ہونے کے اعتبار سے؛ اب جب کہ دونوں کا مقسم الگ الگ ہے؛ لہٰذا ان کے درمیان بجائے تباین کے دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہوگی، یعنی: جہاں جہاں تشبیہ مرکب پائی جائے گی وہ تشبیہ تمثیل ضرور ہوگی؛ لیکن ہر تشبیہ تمثیل میں مرکب ہونا ضروری نہیں۔

فصل ثالث: اغراض تشبیہ

اغراض تشبیہ عائد بر مشبہ

مشبہ سے متعلق اغراض تشبیہ چھ ہیں①:

[۳] **تشبیہ مفرد بمرکب:** ایک مفرد کو دوسرے مرکب کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُونَ﴾ [البقرة:۱۷]
یہاں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان منافقین کی حالت کو تشبیہ دی ہے جن کے سامنے اسلام کی حقانیت کے دلائل ظاہر ہوتے ہیں اور اُن دلائل کی روشنی بھی حاصل کرتے ہیں؛ اس کے بعد وہ اپنی سابقہ گمراہی میں لوٹ آتے ہیں۔ یہاں مشبہ منافق کی وہ حالت ہے جو دل میں کفر چھپاتا ہے اور زبان سے ایمان کا اظہار کرکے اپنے جان ومال کو محفوظ کرلیتا ہے اور مالِ غنیمت سے کچھ فائدہ بھی اٹھالیتا ہے؛ اس حالت کو تشبیہ دی ہے اُس آگ جلانے والے کی حالت سے جو گرمی حاصل کرنے اور کسی چیز کو دیکھنے کے لیے آگ جلاتا ہے پھر وہ اس آگ سے معمولی فائدہ اٹھانے پایا تھا کہ اچانک آگ بجھ گئی! اور اندھیرے میں متحیر ہوگیا کہ اب کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا اور اس پر گھٹاٹوپ تاریکی چھاگئی؛ بالکل اسی طرح اُس منافق کی حالت بھی ہے، جو اوّلاً کچھ دنیوی فائدہ اٹھانے پایا تھا کہ مرتے ہی عذابِ الیم میں مبتلا ہوگیا۔ اور وجہِ شبہ یہ ہے: وہ مختصر مدت میں پائی جانے والی ہدایت کی ہیئت ہے جس کے بعد حیرت ناک اور اضطراب انگیز تاریکی چھاجاتی ہو۔
اسی طرح شاعر کا شعر: وَحَدَائِقَ لَبِسَ الشَّقِيقَ نَبَاتُها، كالأرجوانِ مُنَقَّطٌ بِالعَنْبَرِ؛ گلِ لالہ (مفرد) کو ایسی سرخ چادر کے ساتھ تشبیہ دینا جس میں سیاہ نکتے پڑے ہوئے ہوں۔

[۴] **تشبیہ مرکب بمفرد:** ایک مرکب کو دوسرے مفرد کے ساتھ تشبیہ دینا، جیسے: سیاہ دھبے لگی ہوئی سرخ چادر (مرکب) کو گلِ لالہ سے تشبیہ دینا، اسی طرح جیسے﴿وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ﴾ [الرحمٰن:۲۴]، یہاں سمندر میں چلنے والی کشتیوں کی حالت (مرکب) کو پہاڑوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے (الزیادۃ)۔
ملحوظہ: بقول ابن الاثیر جزری: تشبیہ کی یہ قسم قلیل الاستعمال ہے۔

① باب تشبیہ میں بلغاء کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ مشبہ بہ میں وجہ شبہ، مشبہ کے مقابلے میں زیادہ واضح اور ظاہر ہونی چاہئے، اسی وجہ سے اغراض تشبیہ میں وجہِ شبہ کے اعتبار سے ناقص کو زائد کے ساتھ لاحق کیا جاتا ہے؛ لہٰذا عموماً مشبہ بہ میں وجہِ شبہ اقویٰ اور اتم درجہ ہوا کرتی ہے، چاہے حقیقی طور پر ہو جیسا کہ اغراضِ تشبیہ عائد بر مشبہ میں ہوتی ہے، یا اِدّعائی ہو، جیسا کہ اغراضِ تشبیہ عائد بر مشبہ بہ میں ہوتی ہے۔
ملحوظہ: (ا) تشبیہ میں اصالۃً مشبہ ادنیٰ اور مشبہ بہ اعلیٰ ہوتا ہے؛ لیکن اگر مشبہ بہ مخاطب اور سامع کے سامنے ظاہر اور واضح ہو تو صرف وضاحت کے پیشِ نظر اس کو مشبہ بہ بنالیتے ہیں اگرچہ فی نفسہ وہ ادنیٰ کیوں نہ ہو، جیسے﴿مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكٰوةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ﴾ [النور: ۳۵] (الزیادۃ والاحسان)۔ ⬅

بیانِ امکان وجودِ مشبہ، بیانِ حالِ مشبہ، مقدارِ حالِ مشبہ، تقریرِ حالِ مشبہ، تحسینِ مشبہ، تقبیحِ مشبہ۔

① **بیان اِمکان وجود مشبہ:** یعنی مشبہ کے وجود کا ممکن ہونا بیان کرنا؛ جیسے:
﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ، خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۝﴾① [آل عمران:۵۹]۔

② **بیان حال مشبہ:** مشبہ میں پائی جانے والی حالت وصفت کو (مثال کے ذریعے) بیان کرنا؛ جیسے حدیث ام زرع میں چوتھی عورت نے کہا تھا: زَوْجِيْ كَلَيْلِ تِهَامَةَ②۔ [شمائل الترمذي]

ﻫ (۲) تشبیہ میں چوں کہ ناقص کو زائد کے ساتھ ملحق کیا جاتا ہے؛ لہٰذا جب تشبیہ میں ناقص کا زائد سے الحاق مقصود نہ ہو؛ بلکہ بلا ترجیح صرف مشبہ مشبہ بہ کے درمیان مساوات ثابت کرنی ہو تو اس وقت صیغۂ تشبیہ کے علاوہ صیغۂ تشابہ کا استعمال مستحسن ہے؛ ہاں! مساوات مراد لیتے ہوئے صیغۂ تشبیہ کا استعمال جائز ضرور ہے۔ (ملخص من علم البیان)

① ملحوظہ: یہ غرض اُس وقت ہوتی ہے جب مشبہ کی طرف ایسے امورِ غریبہ کی نسبت کی گئی ہو جس کو عقل اول وہلہ میں تسلیم نہ کرتی ہو جس کی غرابت اس کے شبیہ کو ذکر کیے بغیر زائل نہ ہوتی ہو تو تشبیہ دے کر مشبہ بہ میں اس امر کا پایا جانا ذکر کر کے مشبہ میں اس کا امکان بیان کیا جاتا ہے، جیسے: نصارائے نجران جب آپ ﷺ کے پاس آئے تھے تو انہوں یہ سوال کیا تھا کہ: اگر عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے نہیں تو آپ ہی بتلائیے کہ: وہ کس کے بیٹے تھے؟ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ: آدمؑ کے تو نہ باپ تھے اور نہ ہی ماں تھی! پھر عیسیٰؑ کے باپ نہ ہو تو کیا عجب ہے!
یہاں اللہ تعالیٰ نے بلا اَب پیدا ہونے والے عیسیٰؑ میں بنوت کی نفی اور عبدیت کا اِثبات فرمانے کے لیے عیسیٰؑ کو آدمؑ سے تشبیہ دی اور بتایا کہ: بلا اب واُم حضرت آدم کی پیدائش اگر عبدیت کے منافی نہیں! تو بلا اب حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کیوں کر عبدیت کے منافی ہوگی! اوران میں بھی —مثل آدم— عبدیت کا امکان کیوں نہیں!۔
اس کی ایک اور مثال آپ ﷺ کی مدح میں یہ ہے: وَكَمْ أَبٍ قَدْ عَلَا بِابْنٍ ذُرَا شَرَفٍ، كَمَا عَلَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ عَدْنَانُ؛ کتنے ہی آباء واجداد ایسے ہیں جو بیٹے کی شرافت کی وجہ سے بلندیوں پر پہنچ گئے اور یہ بات ممکن بھی ہے جیسے کہ قبیلۂ عدنان، رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے شرافت میں سربلند ہوا۔ یہاں عُلُوُّ الأَبِ بِالابْنِ مشبہ ہے، یعنی باپ کا بیٹے کی وجہ سے معزز ہو جانا اور یہ امر مستغرب ہے، اور علوِ عدنان برسول اللہ مشبہ بہ ہے، اور وجہِ شبہ: عُلُوُّ شَأْنِ الأَصْلِ بِالفَرْعِ ہے۔

② یہ غرض اس وقت ہوتی ہے جب کہ مخاطب کو مشبہ میں پائی جانے والی صفت معلوم نہ ہو کہ وہ کون سی صفت وحالت سے متصف ہے؟ تو اس حالت وصفت کو بیان کرنے کے لیے تشبیہ دی جاتی ہے، جیسے: بالوں کا سیاہ رنگ

③ **مقدارِ حالِ مشبہ**: یعنی مشبہ میں موجودہ صفت وحالت کی مقدار بیان کرنا، جیسے: شَرِبْتُ دَوَاءً مُرًّا كَالحَنْظَلِ.①

④ **تقریر وتاکید حال مشبہ**: مشبہ کی حالت کو سامع کے ذہن میں راسخ کرنا اور جمانا، جیسے: ﴿وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ﴾② [الأعراف:۱۷۱].

⑤ **تحسین وتزیین مشبہ**: یعنی مشبہ کو مرغوب مشبہ بہ سے تشبیہ دے کر حسین وجمیل صورت میں پیش کرنا؛ جیسے سولی دیے ہوئے آدمی کی تحسین میں ابوالحسن الانباری کا شعر: "مَدَدْتَ يَدَيْكَ نَحْوَهُمْ احْتِفَاءً، كَمَدِّهِمَا إِلَيْهِمْ بِالْهِبَاتِ"③.

⇐ ہونا بیان کرنے کے لیے ان کورات سے تشبیہ دینا، چہرے کو چاند سے تشبیہ دینا چمک دمک میں اور رخسار کو سرخ ہونے میں گلاب سے تشبیہ دینا اسی قبیل سے ہیں۔ یہاں مثال مذکور میں چوتھی عورت اپنے شوہر کی بلیغ انداز میں تعریف کرتے ہوئے کہتی ہے کہ: میرا شوہر باعثِ راحت ہے جیسے تہامہ کی رات، یعنی جیسے تہامہ کی رات معتدل ہوتی ہے نہ گرم، نہ زیادہ ٹھنڈی، جس کی وجہ سے وہ باعثِ لذت وسرور ہے، اسی طرح میرا شوہر بھی باعثِ لذت وسرور ہے (علم البیان) بزیادۃ

① ترجمہ: میں نے ایلوے جیسی کڑوی دوا کو پیا، یہاں مخاطب کو شَرِبْتُ دَوَاءً مُرًّا سے دواء کڑوی ہونے کا اجمالی علم ہوا؛ لیکن اس دواء کی کڑواہٹ کی مقدار کا علم کالحنظل سے ہوا ہے۔

ملحوظہ: یہ غرض اس وقت ہوتی ہے جب کہ مخاطب مشبہ کی صفت کو اجمالی طور پر جانتا ہو؛ لیکن اس صفت کی مقدار (قوت وضعف، زیادتی ونقصان) سے ناواقف ہو؛ جیسے: کسی کے نہایت سیاہ بالوں کو سخت اندھیری رات کی سیاہی سے تشبیہ دینا اور مخصوص چہرے کی سرخی کو گلاب کی سرخی سے تشبیہ دینا۔ (علم البیان) اور جیسے: آپ ﷺ کا قیامت کے بارے میں فرمان: وَتَكُوْنُ السَّاعَةُ كَالضَّرْمَةِ بِالنَّارِ". (الترمذي: في تقارب الزمان)؛ قربِ قیامت میں ایک گھنٹہ گھاس کے تنکے کی طرح ہوجائے گا، یعنی: جھٹ سے جل کر بجھ جاتا ہے۔

② ملحوظہ: یہ غرض اس وقت ہوتی ہے جب کہ مشبہ کی حالت اور مقدار دونوں معلوم ہوں؛ البتہ مشبہ کے امر معنوی (عقلی یا خلاف عادت) ہونے کی وجہ سے اس کی ہیئت اچھی طرح راسخ نہیں ہوتی؛ لہٰذا اس مشبہ کو امر حسی کے ساتھ تشبیہ دے کر مشبہ کی اس ہیئت کو سامع کے ذہن میں راسخ کیا جاتا ہے، جیسے باری تعالیٰ کا فرمان: "اور جس وقت ہم نے ان کے اوپر پہاڑ اٹھایا گویا کہ وہ پہاڑ سائبان ہے"؛ یہاں سروں پر پہاڑ اٹھانا، خلاف عادۃ اللہ چیز ہے جو امر عقلی ہے اس کو موافق عادت چیز (سائبان کا سروں پر ہونا) سے تشبیہ دی ہے، تا کہ سامع کے ذہن میں مشبہ کی حالت اچھی طرح مرتسم ہوجائے۔ (علم البیان)؛ اور جیسے: غیر منتج کام میں مشغول ہونے والے اور بے فائدہ سعی کرنے والے کی حالت کو پانی پر لکھنے والے "رَاقِمٌ عَلَى الْمَاءِ" کی حالت کے ساتھ تشبیہ دینا۔

③ ملحوظہ: یہ غرض اس وقت ہوتی ہے جب کہ مشبہ کی تعریف کرنا اور طبیعتوں کو اس کی طرف راغب کرنا مقصود ہو۔ ⇐

⑥ **تَقْبِیح مُشَبَّہ**: مشبہ کو بدنُما چیز سے تشبیہ دے کر قبیح صورت میں پیش کرنا، جیسے ایک دیہاتی نے اپنی بیوی کی مذمت کرتے ہوئے کہا: "تَفْتَحُ -لا كَانَتْ- فَمًا لَوْ رَأَيْتَهُ، تَوَهَّمْتَهُ بَابًا مِّنَ النَّارِ يُفْتَحُ"①.

غرض تشبیہ عائد بر مشبہ بہ

غرض تشبیہ عائد بر مشبہ بہ: تشبیہ کی غرض کا مشبہ بہ کی طرف لوٹنا دو مقصد سے ہوتا ہے: بیانِ ایہام، بیانِ اہتمام۔

① **اِیہَام**: یعنی اس بات کا وہم دلانا کہ: مشبہ بہ (جو درحقیقت مشبہ ہے) یہ وجہِ شبہ میں مشبہ (جو درحقیقت مشبہ بہ ہے) کے بالمقابل زیادہ تام ہے، اور یہ تشبیہِ مقلوب میں ہوتا ہے۔

تَشْبِیہِ مَقْلُوب: وہ تشبیہ ہے جس میں مشبہ کو مشبہ بہ کی جگہ اور مشبہ بہ کو مشبہ کی جگہ رکھنا اور یہ خیال دِلانا کہ وجہِ شبہ مشبہ میں مشبہ بہ کے بالمقابل زیادہ قوی ہے، جیسے: ﴿أَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لاَّ يَخْلُقُ﴾ [النحل:١٧]؛ ﴿إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا﴾② [البقرة:٢٧٥].

⇒ یہاں شاعر نے لکڑی پر سولی دیئے ہوئے آدمی کے دونوں ہاتھوں کو پھیلانے کی غیر مرغوب؛ بلکہ قابلِ نفرت ہیئت کو اسی ممدوح کے اپنی زندگی میں ہاتھ پھیلا کر سخاوت کرنے کی ہیئتِ مرغوبہ کے ساتھ تشبیہ دے کر مزین اور خوش نما بنا کر پیش کیا ہے۔

① یہ غرض اس وقت ہوتی ہے جب کہ مشبہ کی برائی کرنا اور دلوں میں اس کی نفرت پیدا کرنا مقصود ہو۔ یہاں شاعر نے اپنی بیوی کے کھلے ہوئے منھ کی قباحت بیان کرنے کے لیے اس کو جہنم کے کھلے ہوئے دروازہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

② عبادت کے حقدار تو وہ ذات ہے جس نے حیوانات ونباتات، شجر وحجر، شمس وقمر، بر وبحر کو پیدا کیا ہے، اور عالم کا نظام سنبھالے ہوئے ہے؛ گویا عبادت کے استحقاق میں ﴿مَنْ يَّخْلُقُ﴾ اصل یعنی مشبہ بہ ہے، اور ﴿مَنْ لاَّ يَخْلُقُ﴾ فرع یعنی مشبہ ہے؛ لیکن مشرکین کی یہ کس قدر حماقت ہے، کہ جو چیزیں ایک مکھی کا پر اور مچھر کی ٹانگ؛ بلکہ ایک جَو کا دانہ یا ریت کا ذرہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہیں، اِنھیں معبود ومستعان ٹھہرا کر خداوندِ قدوس کے برابر کردیا؛ باری تعالیٰ نے ان کی جہالت کی تصویر کشی میں مبالغہ کرتے ہوئے بطور تشبیہِ مقلوب ان لوگوں کو اس آدمی کے درجے میں اتار دیا جو یہ اعتقاد رکھے ہوئے ہو کہ: ﴿مَنْ لاَّ يَخْلُقُ﴾ عبادت کے زیادہ حقدار ہے ﴿مَنْ يَّخْلُقُ﴾ کے مقابلے میں؛ اسی وجہ سے ﴿مَنْ لاَّ يَخْلُقُ﴾ کو اصل (مشبہ بہ) اور ﴿مَنْ يَّخْلُقُ﴾ کو فرع (مشبہ) بنایا۔

آیتِ ثانیہ: سود حلال سمجھنے والے مشرکین نے بیع (حصول نفع بالعوض) اور سود (حصول نفع بلاعوض) کو یکسا⇐

ملحوظہ: اس تشبیہ کی غرض: اس بات کے دعوے میں مبالغہ کرنا اور سامع کو یہ خیال دلانا ہوتا ہے کہ وجہِ شبہ مشبہ میں مشبہ بہ کے بالمقابل زیادہ قوی ہے۔

ملحوظہ: یہ تشبیہِ مقلوب ہے اور یہاں اگرچہ غرضِ تشبیہ، بظاہر مشبہ بہ کی طرف لوٹتی ہے؛ لیکن وہی درحقیقت مشبہ ہے، اور اسی کی طرف غرضِ تشبیہ لوٹتی ہے۔

۲ **بیانِ اِهتمام:** مطلوب (مشبہ بہ) کا اظہار کرنے اور اس کے اہتمام کو بتانے کے لیے بجائے کامل کے ناقص سے تشبیہ دینا، جیسے: ایک بھوکا آدمی، گولائی لیے ہوئے چہرے کو بدر کے ساتھ تشبیہ دینے کے بجائے رغیف سے تشبیہ دے کر اپنے مطلوب کا اظہار کرے۔ (الزیادۃ)

⊃ قرار دیتے ہوئے کہا کہ: حصولِ نفع دونوں ہی میں ہے؛ بلکہ بظاہر سود میں یہ مقصد خوب حاصل ہوتا ہے؛ لہٰذا یہ بطریقِ اولیٰ حلال ہونا چاہیے۔ انہوں نے اباحت وحلت میں اصل چیز یعنی: بیع کو فرع (مشبہ) بنا دیا اور فرع یعنی: سود کو اصل (مشبہ بہ) بنا کر "تشبیہِ مقلوب" کی صورت میں پیش کیا، اور یہ محض سود لینے دینے کی اباحت ثابت کرنے مبالغہ بتلانے کے لیے کیا تھا؛ حالاں کہ سود اور بیع میں آسمان وزمین کا فرق ہے، جیسا کہ ﴿أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرة:٢٧٥] اور فإن عاقبته تصير إلى قُلٍّ سے واضح ہے۔ (علم البیان، جواہر)

باب ثانی

مجازِلغوی وعقلی

سوالاتِ مجاز

① یہ کلام حقیقت پر محمول ہے؟ یا کلام میں مجاز ہے؟

② اس عبارت میں مجاز ہے تو لفظ میں مجاز (مجازِ لغوی) ہے؟ یا نسبت میں مجاز (مجازِ عقلی) ہے؟

③ اگر مجازِ لغوی ہے تو وہ مجازِ مفرد میں سے ہے؟ یا مجازِ مرکب میں سے ہے؟

سوالاتِ مجازِ لغوی مفرد ومرکب

① مجازِ مفرد ہے تو اس کی دو قسموں میں؛ اور اگر مجازِ مرکب ہے تو اس کی دو قسموں میں سے کون سی قسم ہے؟

② اگر مجازِ مرسل ہے تو اس کے (اکتیس) علاقوں میں سے کون سا علاقہ ہے؟

③ اگر استعارہ ہے تو اس کے ارکانِ اربعہ (مستعار منہ، مستعار لہ، مستعار اور وجہِ جامع) کو بیان کریں؟

④ استعارہ کی باعتبار احد الطرفین کے ذکر وعدمِ ذکر کی دو قسموں (تصریحیہ، مکنیہ) میں سے کیا ہے؟

⑤ لفظِ مستعار کے اعتبار سے استعارے کی دو قسموں (اصلیہ، تبعیہ) میں سے کیا ہے؟

⑥ ملائمِ مشبہ ومشبہ بہ کے ذکر وعدمِ ذکر کے اعتبار سے استعارہ کی تین قسموں (مرشحہ، مجردہ اور مطلقہ) میں سے کیا ہے؟

⑦ یہ استعارہ استعارۂ تحقیقیہ ہے یا تخییلیہ؟

⑧ کیا یہ جملہ مجازِ مرکب مرسل کے قبیل سے تو نہیں ہے؟ یعنی: انشاء کو خبر کی جگہ یا خبر کو انشاء کی جگہ استعمال کیا گیا ہو؟ یا یہ خبر فائدۃ الخبر ولازمِ فائدۃ الخبر کے علاوہ غرض کے لیے ہو؟

⑨ کیا یہ استعارۂ تمثیلیہ کے قبیل سے تو نہیں ہے؟

فصل اوّل: حقیقت و مجاز

حقیقت: وہ لفظ ہے جو اُس معنی میں استعمال کیا گیا ہو جس معنی پر دلالت کرنے کے لیے واضع نے اس کو وضع کیا ہے، جیسے ﴿هُوَ الَّذِيْ أَنْشَأَكُمْ مِّنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ ① [أنعام: ٩٨]

مجاز: وہ لفظ ہے جو کسی علاقہ کی وجہ سے معنیٰ غیر موضوع لہٗ میں مستعمل ہو کسی علاقہ کی وجہ سے ایسے قرینے کے ساتھ جو اس لفظ کے حقیقی معنی مراد لینے سے روکتا ہو②۔

علاقہ: معنیٔ حقیقی اور معنیٔ مجازی کے درمیان کی وہ مناسبت (تعلق) ہے جو ذہن کو معنیٔ حقیقی سے معنیٔ مجازی کی طرف منتقل ہونے کو لازم کرے؛ چاہے وہ مناسبت مشابہت کی ہو یا غیر مشابہت کی۔

قرینہ: وہ شئ ہے جو ذہن کو لفظ کے حقیقی معنی مراد لینے سے روکتی ہو؛ خواہ وہ شئ لفظوں میں موجود ہو (قرینۂ لفظیہ) یا لفظوں میں موجود نہ ہو بلکہ ایک حالت ہو (قرینۂ حالیہ) جیسے: ﴿إِنِّيْ أَرٰنِيْ أَعْصِرُ خَمْرًا﴾ ③ [يوسف:٣٦].

---

① وہی ذات ہے جس نے تم سب کو ایک شخص (حضرت آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا۔ اس آیتِ کریمہ کے تمام کلمات ان ہی معانی پر دلالت کرتے ہیں جن کے لیے واضعین نے وضع کیا ہے۔ اسی طرح رَأَيْتُ الْأَسَدَ يَفْتَرِسُ الْغَنَمَ؛ میں نے شیر کو دیکھا جو بکریوں کو پھاڑ رہا تھا؛ یہاں لفظِ اسد اپنے معنیٔ موضوع لہٗ یعنی معنیٔ اسد کے لیے مستعمل ہے۔

② مجاز: معنیٔ مرادی کی تعبیر کے تین طریقوں (تشبیہ، مجاز اور کنایہ) میں سے ایک طریقہ ہے، اصطلاح میں مجاز: وہ لفظ ہے جو باہم گفتگو کرنے والوں کے محاورے کے اعتبار سے اپنے معنیٔ موضوع لہٗ کے علاوہ کسی ایسے معنی پر دلالت کرے جن دو معنوں (معنیٔ موضوع لہٗ اور معنیٔ مجازی) کے درمیان علاقہ و تعلق ہو، ساتھ ہی کوئی ایسا قرینہ بھی ہو جو معنیٔ موضوع لہٗ کو مراد لینے سے روکتا بھی ہو۔

ملحوظہ: مجاز اور کذب میں فرق یہ ہے کہ ① مجاز میں لفظ سے ظاہر کے خلاف معنی مراد لینے پر قرینہ ہوتا ہے جو لفظ سے اس کے معنیٔ حقیقی کو مراد لینے سے روکتا ہے جب کہ کذب (جھوٹ) میں خلافِ ظاہر معنی مراد لینے پر کوئی قرینہ نہیں ہوتا؛ بلکہ جھوٹا شخص ظاہری معنی کی ترویج میں اور حقیقت کو چھپانے میں اپنی مقدور بھر کوشش صرف کر دیتا ہے② جھوٹ میں کوئی (مناسب) تاویل (مطلب اور مراد) نہیں ہوتی جب کہ مجاز کی بنیاد ہی کسی مطلب پر ہوتی ہے۔ (علم البیان)

③ دو نوجوان قیدیوں میں سے ایک نے (ایک دن یوسف علیہ السلام سے) کہا کہ: "میں (خواب میں) اچھے

فصل ثانی: تقسیماتِ مجاز

مجاز کی اوّلاً دو قسمیں ہیں: ① مجازِ لغوی (لفظ میں مجاز) ② مجازِ عقلی (نسبت میں مجاز)۔

مجازِ لغوی کی دو قسمیں ہیں: ① مجازِ مفرد، ② مجازِ مرکب۔

مجازِ مفرد و مجازِ مرکب کی دو دو قسمیں ہیں، جس سے مجازِ لغوی کی کل چار قسمیں ہوں گی۔

مجازِ مفرد کی دو قسمیں ہیں: ① مجازِ مرسل، ② استعارہ۔

مجازِ مرکب کی دو قسمیں ہیں: ① استعارۂ تمثیلیہ، ② مجازِ مرسل مرکب۔

الحاصل: مجاز کی کل پانچ قسمیں ہوئیں: مجازِ لغوی کی چار قسمیں: ① مجازِ مفرد مرسل (مجازِ مرسل)، ② مجازِ مفرد بالاستعارہ (استعارہ)، ③ مجازِ مرکب مرسل (مجازِ مرکب) ④ مجازِ مرکب بالاستعارہ (استعارہ تمثیلیہ)؛ اور ⑤ ایک قسم مجازِ عقلی۔ تفصیل کچھ اس طرح ہے:

اگر عبارت میں مجاز ہے تو اُس کی تین صورتیں ہیں: مجاز لفظ میں ہوگا، جملے میں ہوگا، یا نسبت میں ہوگا؛

اگر مجاز لفظ میں ہے اور لفظ کے معنیٔ موضوع لہٗ و معنیٔ مستعمل فیہ کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہے تو اسے "مجازِ مفرد بالاستعارہ" یا صرف "استعارہ" کہتے ہیں، اور اگر غیر تشبیہ کا علاقہ ہے تو اسے "مجازِ مفرد مرسل" یا "مجازِ مرسل" کہتے ہیں۔

اور اگر مجاز جملے میں ہے اور تشبیہ کا علاقہ ہے تو اُسے "مجازِ مرکب بالاستعارہ" یا "استعارۂ تمثیلیہ" کہتے ہیں، اور غیر تشبیہ کا علاقہ ہو تو اسے "مجازِ مرکب مرسل" یا "مجازِ مرکب" کہتے ہیں؛ ہاں! اگر نسبت میں مجاز ہے تو اسے "مجازِ عقلی" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فصل ثالث: مجازِ مرسل

مَجازِ مُرْسَل: وہ ایسا مجازِ مفرد ہے جس میں لفظ کے معنیٔ حقیقی اور معنیٔ مجازی کے

⬅ آپ کو دیکھتا ہو کہ: میں شراب نچوڑ رہا ہوں"؛ یہاں قرینہ لفظِ ﴿أَعْصِرُ﴾ ہے جو لفظِ ﴿خَمْرًا﴾ سے اس کے حقیقی معنی (انگوری شراب) مراد لینے سے ذہن کو روکتا ہے؛ اس لیے کہ خمر کو نچوڑا نہیں جاتا؛ بلکہ انگور کو نچوڑا جاتا ہے (قرینہ)۔

درمیان مشابہت کے علاوہ کا علاقہ (مناسبت وتعلق) ہو، جیسے﴿يَجْعَلُوْنَ أَصَابِعَهُمْ فِيْ أٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ﴾ ① [البقرة:۱۹].

مجازِ مرسل کے علاقے

مجازِ مرسل کے علاقے بہت سارے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

① إِطْلاَقُ اَحَدِ الْمُتَنَاسِبَيْن: السَّبَبِيَّة، المسَبَّبِيَّة، الجُزْئِيَّة، الكُلِّيَّةُ، المَحَلِّيَّة، الحَالِّيَّة، اعْتِبَارُ مَاكَانَ، اعْتِبَار مَايَكُوْن.

② إِطْلاَقُ اَحَدِ الْمُتَضَائِفَيْن: إِطْلاَقُ المطْلَقِ وَإِرَادَة المقَيَّد، إِطْلاَقُ المقَيَّد وَإِرَادَة المطْلَق، إِطْلاَقُ الخَاصِّ وَإِرَادَة العَامّ، إِطْلاَقُ العَامّ وإِرَادَة الخَاصّ؛ حَذْف المضَاف، حَذْف الموْصُوْف؛ إِطْلاَقُ الشَّيْءِ وَإِرَادَة المُتَعَلَّق، إِطْلاَقُ آلَةِ الشَّيْءِ عَلَى الشَّيْءِ، إِطْلاَقُ أَحَد البَدَلَيْن عَلَى الآخَر، إِطْلاَقُ النَّكِرَة وإِرَادَة العُمُوْم، إِطْلاَقُ أَحَدِ الضِّدَّيْن عَلَى الآخَر، إِطْلاَقُ المعَرَّف بِاللاَّمِ عَلَى النَّكِرَة، حَذْفُ الحَرْف وَالكَلِمَة، زِيَادَة الحَرْف وَالكَلِمَة.

③ إِطْلاَقُ اَحَد الصِّيْغَة عَلَى الأُخْرىٰ: إِطْلاَقُ المصْدَر عَلَى اسْمِ المفْعُوْل، إِطْلاَقُ اسْمِ الفَاعِل عَلَى المصْدَر، إِطْلاَقُ اسْمِ الفَاعِل عَلَى اسْمِ المفْعُوْل، إِطْلاَقُ اسْمِ المفْعُوْل عَلَى اسْمِ الفَاعِل؛ إِطْلاَقُ المفْرَد عَلَى التَّثْنِيَة، إِطْلاَقُ التَّثْنِيَه عَلَى المفْرَد، إِطْلاَقُ الجَمْع عَلَى المفْرَد، إِطْلاَقُ الجَمْع عَلَى التَّثْنِيَة.

① **سببیت**: سبب بول کر مسبب مراد لینا، یعنی: لفظِ مذکور کا معنیٰ موضوع لہ، معنیٰ مرادی کا سبب ہو؛ اس علاقے والا مجاز عربی عبارات میں بہ کثرت ہے، جیسے﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَـ"اعْتَدُوْا" عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾ ② [البقرة:۱۹۴].

---

① وہ لوگ اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں ٹھونستے ہیں (پورویں ٹھونستے ہیں)یہاں اصابع سے انامل مراد ہیں؛ کیوں کہ اس کا قرینہ یہ ہے کہ: اصابع کو کانوں میں نہیں ٹھونسا جاسکتا؛ لہٰذا اصابع (کل) بول کر انامل (جزو) مراد لینا مجازِ مرسل کے قبیل سے ہے، جن کے درمیان تشبیہ کے علاوہ "کلیت وجزئیت" کا تعلق ہے۔

② یہاں اعتداء تین جگہ مستعمل ہے جن میں اول وثالث اپنے حقیقی معنیٰ (ظلم وزیادتی کرنا) میں مستعمل ہیں، ⇐

۲ **مسبَّبِیَّت**: مسبب کوذکر کرکے سبب مراد لیا جائے اس طور پر کہ لفظِ مذکور کا معنیٰ اصلی مسبب ہو معنیٰ مرادی (سبب) کا، جیسے﴿هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ، وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ "رِزْقًا"، وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلاَّ مَنْ يُّنِيْبُ۝﴾[1] [غافر:۱۳].

ملحوظہ: کسی کام کے کرنے کا ارادہ، کام کے وجود میں آنے کا سبب ہوا کرتا ہے؛ لہٰذا ارادۂ فعل کو فعل سے تعبیر کرنا– جو قرآن مجید میں بہ کثرت وارد ہے– علاقۂ مسببیت کے قبیل سے ہے، جیسے: ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۝﴾ [النحل:۹۸] ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ﴾ [المائدة:٦]، أي: أَرَدْتُّمُ الْقِيَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ؛ ﴿فَإِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ لَايَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَايَسْتَقْدِمُوْنَ۝﴾[2] [النحل:٦١]، أي: فَإِذَا قَارَبَ مَجِيْءُ الأَجَلِ.

۳ **جزئِیَّت**: یعنی جزء بول کر کل مراد لینا، جیسے: ﴿وَيَبْقٰى "وَجْهُ" رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۝﴾[3] [الرحمٰن:۲۷].

۴ **کلِّیَّت**: کل کے لفظ سے جزء مراد لینا، جیسے: ﴿يَجْعَلُوْنَ "أَصَابِعَهُمْ" فِيْ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ﴾[4] [البقرة:۱۹].

← اور اعتداء ثانی اپنے مجازی معنیٰ (ظلم وزیادتی کا جزاء وقصاص لینا) میں مستعمل ہے؛ کیوں کہ ظلم کے مناسب بدلہ لینا ظلم نہیں ہوا کرتا (قرینہ)؛ چوں کہ لفظ مذکور کا معنیٰ حقیقی (اعتداء) معنیٰ مرادی (جزاء وقصاص) کا سبب ہے؛ لہٰذا یہاں سبب بول کر مسبب کو مراد لیا ہے؛ اور علاقہ سببیت کا ہے۔ اور آیتِ مذکورہ میں جزاؤ قصاص کو اعتداء سے تعبیر کرنا "مشاکلت" کہلاتا ہے جس کا بیان "بدیع" میں آئے گا۔

۱ آسمان سے اتاری جانے والی چیز تو ماء (پانی) ہی ہے جو رزق کا سبب ہوا کرتا ہے؛ چناں چہ یہاں لفظِ مذکور یعنی رزق (مسبب) بول کر معنیٰ مرادی یعنی پانی (سبب) کو مراد لیا گیا ہے، اور علاقہ مسببیت کا ہے۔

۲ یعنی جب تم قرآن کے پڑھنے کا عزم وارادہ کرلو تو اللہ کی پناہ لے لیا کرو! پہلی آیت میں قراءت بول کر ارادۂ قراءت مراد لینا مجازِ مرسل ہے، اور علاقہ مسببیت کا ہے؛ ورنہ تو آیت کے حقیقی معنی کے اعتبار سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ: پہلے قرآن پڑھ لو پھر استعاذہ کرو!۔ (علم البیان، الزیادة والاحسان)

۳ اس آیت میں وجہ بول کر ذاتِ پروردگار مراد لیا ہے۔

۴ اس آیت میں کل ﴿أَصَابِعَ﴾ بول کر جزء (أَنَامِلَ) مراد لیا گیا ہے، اور اس تعبیر میں نکتہ یہ ہے کہ: منافقین←

⑥ **محلیّت:** محل بول کر اس میں قرار پکڑنے والی چیز (حال) مراد لینا، جیسے: ﴿وَاسْئَلِ "الْقَرْيَةَ" الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْ أَقْبَلْنَا فِيْهَا﴾① [يوسف:۸۳].

⑥ **حالّیّت:** حال (کسی محل میں قرار پکڑنے والی چیز) بول کر اس کے محل اور مکان کو مراد لینا، جیسے: ﴿وَأَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ "رَحْمَةِ اللهِ"﴾ أي: فَفِيْ الجَنَّةِ، [آل عمران:۱۰۷]؛ ﴿يٰبَنِيْ اٰدَمَ خُذُوْا "زِيْنَتَكُمْ" عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾② [الأعراف:۳۱].

⑦ **اعتبارِ ما کان:** کسی چیز کو اس کے سابقہ زمانہ (زمانۂ ماضی) کے نام سے تعبیر کرنا، جیسے: ﴿إِنَّهُ مَنْ يَّأْتِ رَبَّه "مُجْرِمًا" فَإِنَّ لَه جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى○﴾ [طٰہٰ:۷۴]؛ ﴿وَاٰتُوا الْيَتٰمٰى أَمْوَالَهُمْ﴾③ [النساء:۲].

⑧ **اعتبارِ مایکون:** کسی چیز کو موجودہ حالت میں اس کے مستقبل میں لگنے والے نام سے تعبیر کرنا، جیسے: ﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ○﴾ [الصّٰفّٰت:۱۰۱]، ﴿إِنِّيْ أَرٰنِيْ أَعْصِرُ خَمْرًا﴾④ [يوسف:۳۶].

⊃ موسلا دھار بارش اور سخت کڑک اور بجلی سے مارے خوف و پریشانی کے اپنے پوروں کو غیر معتاد طریقے پر کانوں میں ٹھونستے تھے، گویا پوری انگلیاں ہی کان میں ٹھوس دیں گے۔ (علم البیان)

① اہلِ قریہ مراد ہیں؛ چناں چہ ﴿قَرْيَةٌ﴾ محل بول کر اس میں رہنے والے اہلِ قریہ (حال) مراد ہے۔

② پہلی آیت میں ﴿رحمة﴾ بول کر جنت مراد لی ہے، اور رحمت حال ہے، جنت محل ہے۔ اور دوسری آیت میں ﴿زينة﴾ سے لباس اور وہ چیزیں مراد ہیں جن سے لوگ زینت اختیار کرتے ہیں، اور زینت لباس میں قرار لیے ہوتی ہے، گویا حال بول کر محل مراد لیا ہے؛ اور مجاز کا قرینہ یہ ہے کہ: بذاتِ خود زینت ایسی چیز نہیں جسے اختیار کیا جاسکے (علم البیان)

③ جو آدمی روزِ جزاء کو جرم کرنے کی حالت میں پروردگار کے رُوبرو حاضر ہوگا اس کے لیے جہنم ہے؛ دیکھئے مرنے کے بعد جرم یا اطاعت کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں رہتا (قرینہ) پھر بھی روزِ جزاء کو حاضر ہونے والے شخص کو آج روزِ محشر لفظِ مجرم سے تعبیر کرنا ما کان (دنیا) کا اعتبار کرتے ہوئے ہے۔

④ یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ایک ایسے بچے کی بشارت دی جو مستقبل میں حلیم ثابت ہوگا؛ کیوں کہ بچہ پیدائش کے وقت یا پیدا ہونے سے پہلے تو حلیم نہیں ہوتا (قرینہ)؛ بلکہ بڑا ہونے کے بعد صفتِ حلم سے متصف ہوتا ہے، اب مولودِ حلیم پر رجلِ حلیم کا اطلاق کرنا مایکون کے اعتبار سے ہے۔

مجازِ مرسل کے مابقیہ علاقے

⑨ دو مشابہ چیزوں میں سے ایک بول کر دوسرا مراد لینا، جیسے: دیوار پر بنی ہوئی انسان کی تصویر کے بارے میں هٰذِهِ صُوْرَةُ إِنْسَانٍ کے بجائے هٰذَا إِنْسَانٌ کہنا۔

⑩ مطلق بول کر مقید مراد لینا، جیسے: ﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ﴾[1]، أي: مؤمنةٍ.

⑪ مقید بول کر مطلق مراد لینا، جیسے: "لكلِّ فرعَوْنٍ موسیٰ" ہر ظالم کی سرکوبی کے لیے کوئی نیک بندہ پیدا ہو جاتا ہے[2]۔

⑫ خاص لفظ بول کر عام مراد لینا، جیسے: ﴿فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ: إِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾[3] [الشعراء:١٦].

⑬ عام بول کر خاص مراد لینا، جیسے: ﴿وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ﴾ أي: المؤمنين[4].

⑭ مضاف کو حذف کرنا، جیسے: ﴿وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ﴾ أيْ أهْلَها، قریہ بول کر اہلِ قریہ مراد لینا۔

⑮ موصوف کو حذف کرنا، جیسے: أَنَا ابنُ جَلا، أيْ رَجُلٍ جَلا[5].

⑯ شئ بول کر متعلق شئ مراد لینا، جیسے: ﴿جَآءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ﴾

---

① کفارۂ ظہار میں حضراتِ شوافع کے نزدیک رقبہ سے مقید رقبہ یعنی مؤمن غلام مراد ہے، اس میں غلام بول کر مؤمن غلام مراد لینا مطلق بول کر مقید مراد لینا ہے۔

② یہاں ہر ظالم پر "ملعون فرعون" کا اور نیکوکار پر "حضرت موسیٰ" کا اطلاق کرنا، یہ مقید بول کر مطلق مراد لینا ہے؛ یہ مجاز بحیثیتِ مفردات ہے؛ ورنہ یہ مثال بہ حیثیتِ جملہ استعارۂ تمثیلیہ کی ہے۔

③ یہاں ﴿إِنَّا رُسُلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ بصیغۂ جمع (عام) کہنے کے بجائے بصیغۂ واحد تعبیر فرمایا اور یہ اشارہ کیا کہ: تمام رُسل، دعوت و تبلیغ اور مقصدِ بعثت میں ایک ہی رسول کی طرح ہے۔ اس کی دوسری مثال قَضِيَّةٌ لا أَبا حَسَنٍ لَهَا، ابو حسن (کنیتِ علی) بول کر ماہر فیصلہ کرنے والا، مراد لینا۔

④ اس آیت میں ﴿مَنْ فِي الْأَرْضِ﴾ عام لفظ سے خاص مؤمنین کو مراد لینا۔

⑤ میں مشہور کا بیٹا ہوں، یعنی مشہور آدمی کا بیٹا ہوں (مشہور آدمی ہوں)۔

[النساء:٤٣][1].

⑰ شئ کے آلہ کا اطلاق شئ پر کرنا، جیسے: ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الآخِرِيْنَ۝﴾[2]، أيْ: ذكْراً حَسَناً.

⑱ احد البدلین کا اِطلاق دوسرے پر کرنا، جیسے: فُلانٌ أَكَلَ الدَّمَ، أيْ الدِّيَةَ[3].

⑲ نکرہ موضعِ اثبات میں ہو، اور اس سے عموم مراد لینا، جیسے: ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ﴾، أيْ: كُلُّ نَفْسٍ[4].

⑳ احد الضدین کا اطلاق دوسرے پر کرنا، جیسے: ﴿وَجَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا﴾؛ ﴿فَـ"بَشِّرْ"هُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ۝﴾[5][آل عمران:٢١].

㉑ معرَّف باللام کا اطلاق نکرہ پر کرنا، جیسے: ﴿اُدْخُلُوْا الْبَابَ﴾، أيْ: بَاباً مِنْ أَبْوَابِهِ[6].

㉒ کسی حرف وکلمہ کو حذف کرنا، جیسے: ﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوْا﴾، أيْ: لِئَلاَّ تَضِلُّوا[7].

㉓ کسی حرف وکلمہ کو زیادہ کرنا، جیسے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾[8].

---

① غائط (کشادہ نشیبی زمین) بول کر کشادہ زمین میں کیے جانے والا بول وبَراز مراد لینا۔

② اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھ؛ اِس میں لسان بول کر ذکرِ حسن مراد لیا ہے۔

③ یہاں دَم (خون) بول کر دیت مراد لینا۔

④ ہر شخص اپنے اگلے اعمال کو جان لے گا؛ اس میں نفسٌ بول کر كلُّ نفسٍ مراد لینا۔

⑤ کسی بُرائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے؛ آیتِ مذکورہ میں ﴿سَيِّئَة﴾ کا اطلاق دو معنوں پر کیا گیا ہے: اول سیئہ سے ظلم کرنا مراد ہے، اور ثانی سے ظلم کا بدلہ لینا مراد ہے، جن دونوں میں سے اول ناجائز ہے، جب کہ ثانی یعنی ظلم کے برابر بدلہ لینا جائز اور مباح ہے، اُس عدمِ سیئہ پر مجازاً سیئہ کا اِطلاق کیا گیا ہے۔ اسی طرح دوسری آیت میں انذار کے بجائے عذاب کے لیے تبشیر کا لفظ کہنا تہکماً ہے اور یہ مجاز ہے۔

⑥ اور دروازہ میں داخل ہو جاؤ؛ یہاں الباب معرفہ (خاص دروازہ) بول کر بابٌ من الأبواب مراد لینا۔

⑦ اللہ تعالیٰ تم سے اِس لیے بیان کرتے ہیں کہ تم گمراہی میں نہ پڑو؛ مثالِ مذکور میں "لا" حرفِ نفی کو حذف کیا ہے۔

⑧ کوئی چیز اس کے مثل نہیں؛ مثالِ مذکور میں تشبیہ کے معنیٰ کے لیے دو کلمے ہیں جن میں ایک زائد (مختصر العلماء)

فائدہ: ایک صیغہ کی جگہ دوسرے صیغے کو رکھنا بھی مجازِ مرسل کے قبیل سے ہے، اور اس میں مندرجہ ذیل صورتیں داخل ہیں:

① مصدر بول کر اسمِ مفعول مراد لینا، جیسے: ﴿صُنْعَ اللهِ الَّذِيْ أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ﴾①، أي: مَصْنُوْعَه.

② اسمِ فاعل بول کر مصدر مراد لینا، جیسے: ﴿لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ﴾، أي: تَكْذِيْبٌ②.

③ اسمِ فاعل بول کر اسمِ مفعول مراد لینا، جیسے: ﴿لَاعَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللهِ﴾، أيْ: لامَعْصُوْمَ③.

④ اسمِ مفعول بول کر اسمِ فاعل مراد لینا، جیسے: ﴿حِجَابًا مَّسْتُوْرًا﴾، أي: ساترًا④.

⑤ مفرد بول کر تثنیہ مراد لینا، جیسے: ﴿وَاللهُ وَرَسُوْلُهٗ أَحَقُّ أَنْ يُّرْضُوْهُ إِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾⑤، أي: يُرْضُوْهما.

⑥ تثنیہ بول کر مفرد مراد لینا، جیسے: ﴿نَسِيَا حُوْتَهُمَا﴾⑥، أيْ: نَسِيَ حُوْتَهُمَا.

⑦ جمع بول کر مفرد مراد لینا، جیسے: ﴿رَبِّ ارْجِعُوْنِ﴾⑦، أي: ارْجِعْنِيْ.

---

① یہ خدا کی بنائی ہوئی چیز ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے

② جس کے واقع ہونے میں کوئی خلاف (جھوٹ) نہیں

③ نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ: آج اللہ کے قہر سے کوئی بچنے والا نہیں ہے

④ اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے درمیان میں ایک (چھپانے والا) پردہ حائل کردیتے ہیں

⑤ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ رضامندی میں تلازم کی وجہ سے مفرد سے تعبیر فرمایا۔

⑥ دیکھئے! یہاں بھولنے والے صرف حضرت یوشع علیہ السلام تھے۔

⑦ کافر کی موت کا وقت جب آجائے گا تو وہ اس وقت تمنا کرے گا کہ: اے پروردگار! قبر کی طرف لے جانے کے بجائے ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس کردو، تاکہ گذشتہ زندگی میں جو تقصیرات ہم نے کی ہیں اب نیک عمل سے ان کی تلافی کرسکیں، یہاں سبھی کفار کی بات یہی ہوگی؛ لہٰذا جمع سے تعبیر کیا ہے۔

⑧ جمع بول کر تثنیہ مراد لینا، جیسے: ﴿إِنْ تَتُوْبَاۤ إِلَى اللهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا﴾، أيْ: قَلْبَاكُمَا۔ (جواہر البلاغۃ، الزیادۃ)

مجاز عن المجاز: یہ مجاز کی ایک قسم ہے اور وہ یہ ہے کہ: حقیقت سے مأخوذ مجاز کو دوسرے مجاز کی بنسبت حقیقت کے درجے میں اُتار دینا، یعنی: لفظ کے معنیٔ مجازی کے معنیٔ مجازی کی طرف منتقل ہونا، جیسے: ﴿أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا﴾ [الأعراف:٢٦]؛ ﴿لَا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا﴾ ① [البقرة: ٢٣٥]۔

ضمیمہ: فوائدِ مجازِ مرسل

کلام میں حقیقت سے مجاز کی طرف عدول کرنا مختلف اسرار واغراض کے حصول کے لیے ہوتا ہے۔

① کلام میں ایجاز واختصار سے کام لینا، جیسے ﴿وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا﴾ ② [غافر:١٣]۔

② چیز کو مبالغۃً تعبیر کرنا، جیسے ﴿جَعَلُوْٓا أَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ﴾ ③ [نوح:٧]؛ فُلان فمٌ۔

③ طریقۂ مجاز کی وجہ سے متکلم یا مضمون نگار کے سامنے ایک وسیع میدان ہوتا ہے کہ وہ قافیہ یا فاصلہ کے مناسب جو بھی الفاظ استعمال کرنا چاہے کرسکتا ہے، نیز فصاحت کلام میں مخل

---

① یہاں لباس بول کر (باعتبارِ ما کان) سوت مراد ہے؛ پھر اس مجازِ اول سوت سے (بعلاقۂ سببیت) پانی مراد ہے، (الزیادۃ)؛ اسی طرح ﴿لَا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا﴾، یہاں بھی لفظ ﴿سِرًّا﴾ میں مجاز عن المجاز ہے؛ ﴿سِرًّا﴾ بول کر وطی مراد لی ہے بعلاقۂ ملازمت، پھر وطی بول کر عقدِ نکاح مراد لیا ہے بعلاقۂ سببیت۔ (الزیادۃ والاحسان)

② یہ طریقۂ تعبیر مختصر ہے، اس عبارت سے کہ یوں کہے: "وينزّل لكمْ الماءَ الذي يتسبّبُ في إيجاد الرّزق"۔

③ یہاں أنَامِل کے جگہ أصابِعَ کو ذکر کیا، جس سے کافروں کی سرکشی اور مؤمنین سے ان کی سخت نفرت معلوم ہوتی ہے جس نے ان کی قوتِ شنوائی کو بالکل ہی معطل کر دیا تھا؛ اور یہ مبالغہ اصابع کو ذکر کرنے کی صورت میں حاصل ہوتا ہے؛ دوسری مثال میں آدمی پر فم کا اطلاق کرنا مبالغۃً ہے کہ وہ اتنا لالچی ہے کہ: ہر چیز نگل جاتا ہے۔

ثابت ہونے والے الفاظ سے اپنے کلام کو پاک رکھنے کے لیے بھی حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کا سہارا لیتا ہے، جیسے: ﴿أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَآئِطِ﴾[1] [النساء:٤٣].

④ متکلم کے مختلف مقاصد واغراض کے حصول میں معین ثابت ہوتا ہے، جیسے: تعظیم، تحقیر اور ہولناکی وغیرہ بیان کرنا، جیسے: ﴿وَاٰتُوا الْيَتٰمٰى أَمْوَالَهُمْ﴾[2] [النساء:٢].

فصل رابع: استعارہ

مجازِ مفرد کی دوسری قسم "استعارہ" ہے۔

اِسْتِعارہ: وہ مجازِ مفرد ہے جس میں لفظ کو اپنے معنیٰ حقیقی کے علاوہ دوسرے معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہو مشابہت کے تعلق (مناسبت) کی وجہ سے، کسی ایسے قرینے کے ساتھ جو لفظ کا معنیٰ حقیقی مراد لینے سے مانع ہو، جیسے: ﴿كِتٰبٌ أَنْزَلْنٰهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ﴾ [إبراهيم:١]، أي: منَ الضَّلالاتِ إلى الإيْمان؛ اور جیسے منافقین کی حالت کے بارے میں باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾[3] [البقرة:١٠].

---

① اس جگہ غائط یعنی کشادہ نشیبی زمین (محل) بول کر پاخانہ کرنا (حال) مراد لیا ہے۔

② آیتِ مبارکہ میں اس اہم فریضہ کی طرف راغب کرنے کے لیے باعتبار ما کان ﴿يَتٰمٰى﴾ سے تعبیر فرمایا جو قابلِ رحم سمجھے جاتے ہیں۔ (علم البیان) اسی طرح ہم ایک طالبِ علم کی تعظیم بتلانے کے لیے جو مستقبل میں عالم ہوگا، یوں کہے: رأيتُ عَالِماً؛ دیکھئے اس مجاز سے اس طالبِ علم کی تعظیم اور رفعتِ شان معلوم ہوئی ہے جو حقیقت کے مطابق کلام کرنے میں مفقود ہے۔

③ ترجمہ: یہ کتاب ہے جس کو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ تُو لوگوں کو اندھیروں (گمراہیوں) سے اُجالے (نور) کی طرف نکالے۔ دیکھئے یہاں ظلمت ونور کا معنیٰ حقیقی تاریکی وروشنی مراد نہیں ہے؛ کیوں کہ کتاب، سورج اور چراغ کی طرح کوئی ایسی چیز نہیں جو معنیٰ (اُجالہ کرنے والی) ہو؛ یہ قرینہ ہے کہ یہاں: ظلمات (اندھیریاں) بول کر ضلالات (گمراہیاں) مراد لی گئیں ہے۔ جس طرح ضلالات میں عدمِ اہتداء ہے ظلمات میں بھی عدمِ اہتداء ہے، گویا معنیٰ ضلالات کو عدمِ اہتداء میں معنیٰ ظلمات سے تشبیہ دی ہے اور اسی طرح ایمان کو نور کے ساتھ تشبیہ دی ہے اہتداء میں۔ (علم البیان)

آیتِ ثانیہ: اس آیت میں نفاق کا معنیٰ مشبہ اور مستعار لہ ہے، مرض کا معنیٰ مشبہ بہ اور مستعار منہ ہے اور لفظ (مرض) مستعار ہے؛ اور وجہ جامع افساد ہے۔

ارکانِ استعارہ وطریقۂ اِجراء

استعارہ کے چار ارکان ہیں: ① مستعار لہٗ، ② مستعار منہ، ③ لفظِ مستعار، ④ وجہِ جامع۔

معلوم ہونا چاہیے کہ: جملے کے جس لفظ میں استعارہ جاری ہوگا وہاں ایک قرینہ (لفظیہ یا حالیہ) ضرور ہوگا جو ہمیں لفظ کے حقیقی معنی مراد لینے سے روکتا ہوگا، جیسے مثالِ مذکور ﴿كِتٰبٌ أَنْزَلْنٰهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ﴾ میں قرینہ یہ ہے کہ: کتاب یہ سورج و چاند کی طرح کوئی اُجالہ کرنے والی شئ تو ہے نہیں! اُس سے معلوم ہوا کہ لفظ "ظُلُمَات" اور لفظ "نُوْرٌ" اپنے حقیقی معانی یعنی معنیٔ ظلمات اور معنیٔ نور میں مستعمل نہیں؛ بلکہ لفظ "ظلمات" بول کر معنیٔ ضلالات، اور لفظ "نور" بول کر معنیٔ ایمان مراد لیا گیا ہے۔

پس یہاں استعارہ اس طرح جاری کریں گے کہ: معنیٔ ضلالت کو معنیٔ ظلمات کے ساتھ تشبیہ دی ہے عدمِ اِہتداء کی جامعیت (وجہِ شبہ) کی وجہ سے؛ پھر معنیٔ ظلمات (مشبہ بہ) پر دلالت کرنے والے لفظ (لفظِ ظلمات) کو معنیٔ ضلالات (مشبہ) کے لیے مستعار لیا گیا۔

مُستَعار: مشبہ بہ پر دلالت کرنے والا وہ لفظ ہے جس کو مشبہ کے لیے عاریت کے طور پر لیا گیا ہو، جیسے مثالِ مذکور میں لفظِ ظلمات۔

مُستَعار لہ: وہ معنیٔ مشبہ ہے جس پر دلالت کرنے کے لیے کسی لفظ کو مستعار لیا گیا ہو،

ⓐ یہاں نفاق کے لیے مرضِ جسمانی کو مستعار لیا گیا ہے اس وجہِ جامع کی وجہ سے کہ دونوں ہی چیزیں بگاڑ پیدا کرتی ہیں، مرض یہ جسموں کو اور نفاق، دلوں کو خراب کر دیتا ہے؛ اور آیت میں مرضِ جسمانی مراد لینے سے قرینۂ مانعہ یہ ہے کہ: مذکورہ آیتِ کریمہ ان منافقین کی برائی بیان کرنے کے لیے اتاری گئی ہے جو دلوں میں کفر چھپاتے ہیں اور اسلام کو ظاہر کرتے ہیں؛ پس ان کے مرضِ جسمانی کو بیان کرنا ان کی بری خصلت نہ ہوئی؛ بلکہ دلوں کے فساد کو بیان کرنا بری خصلت ہوگی۔ (علم البیان)۔

ملحوظہ: استعارہ درحقیقت تشبیہ ہی کی ایک قسم ہے جس کے طرفین (مشبہ، مشبہ بہ) میں سے کسی ایک طَرَف کو اور وجہِ شبہ و اداتِ شبہ کو حذف کر دیا جاتا ہے، اسی کا نام "استعارہ" ہے۔

جیسے مثالِ مذکور میں معنیٰ ضلالات پر دلالت کرنے کے لیے لفظِ ضلالت کو مستعار لیا گیا ہے؛ لہٰذا معنیٰ ضلالات، مشبہ ومستعار لہٗ ہوگا۔

مُستَعار منه: وہ معنیٰ مشبہ بہ ہے جس پر دلالت کرنے والے الفاظ میں سے کسی ایک لفظ کو مستعار لیا گیا ہو، جیسے: ہماری مثال میں معنیٰ ظلمات پر دلالت کرنے والے لفظ (لفظِ ظلمات) کو مستعار لیا گیا ہے۔

وجہِ جامع: معنیٰ مشبہ اور معنیٰ مشبہ بہ کے درمیان کی مشابہت کا علاقہ، جیسے مثالِ مذکور میں اہتداء، جس کو تشبیہ میں وجہِ شبہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

ملحوظہ: یاد رہے کہ استعارہ اِصالۃً تو معانی میں جاری ہوتا ہے، جیسا کہ مثال سے تفصیلاً معلوم ہو چکا؛ لیکن اجرائے استعارہ کے موقع پر عموماً یوں کہہ دیا جاتا ہے کہ: ضلالات کو ظلمات کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

استعارہ اور تشبیہ بلیغ میں فرق

تشبیہ بلیغ میں بھی مشبہ کو حذف کر دیا جاتا ہے، جیسے: ﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ﴾ [البقرة:١٨]، أيْ: هُمْ صُمٌّ؛ لیکن استعارہ وتشبیہ بلیغ کے درمیان فرق یہ ہے کہ: تشبیہ بلیغ میں جس طرفِ تشبیہ کو حذف کیا ہے وہ بطریقۂ تقدیر ہے، یعنی حذف مع نیتِ تقدیر؛ جب کہ استعارہ میں طرَف کو حذف کرنا بطریق حذف ہے، جسے حذف مع نسیان المحذوف بھی کہتے ہیں①۔

فصل خامس: اقسامِ استعارہ

مستعار منہ (مشبہ بہ) کے ذکر وعدم ذکر کے اعتبار سے استعارہ کی دو قسمیں ہیں:
① تصریحیہ، ② مکنیہ۔

---

① مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں علم البیان: ۱۴۱۔ تقدیر وحذف کے درمیان فرق کے لیے ''دستور العلماء'' یا ''دستور الطلباء'' ملاحظہ فرمائیں۔

① **استعارۂ تَصْرِیْحِیَّہ**: وہ استعارہ ہے جس میں مستعار منہ (مشبہ بہ) کے لفظ کی صراحت کی گئی ہو اور مستعار لہ (مشبہ) کو حذف کر دیا ہو، جیسے: ﴿كِتٰبٌ أَنْزَلْنٰهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ﴾ [ابراهيم:١]؛ ﴿فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾[1] [النحل:١١٢].

② **اِسْتِعارۂ مَکْنِیَّہ**: وہ استعارہ ہے جس میں مستعار منہ (مشبہ بہ) کے لفظ کو حذف کر دیا ہو اور مشبہ بہ کے لوازمات میں سے کسی لازم کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کر دیا ہو، جیسے: ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾[2] [بني إسرائيل:٢٤].

تقسیم ثانی: استعارۂ اصلیہ وتبعیہ

لفظِ مستعار کے اعتبار سے استعارہ کی دو قسمیں ہیں: ① استعارہ اصلیہ ② استعارہ تبعیہ۔

---

① آیتِ اولی: یہ کتاب اندھیریوں سے نور کی طرف یعنی گمراہیوں سے ایمان کی طرف نکالنے والی ہے؛ یہاں مستعار لہ (مشبہ) ضلالات اور ایمان ہیں جو مذکور نہیں، اور مستعار منہ (مشبہ بہ) ظلمات اور نور ہیں جو مذکور ہیں؛ لہٰذا یہ استعارۂ تصریحیہ اصلیہ ہوا؛ اور استعارۂ تصریحیہ تبعیہ کی مثال: ﴿وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ ہے جو استعارۂ تبعیہ میں آرہی ہے۔

آیتِ ثانیہ: جب بستی والوں نے انعاماتِ الٰہیہ کے مقابلہ میں بغاوت کی ٹھان لی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں کفرانِ نعمت کا مزہ چکھایا کہ: امن وچین کی جگہ خوف وہراس نے اور فراخ روزی کی جگہ بھوک اور قحط کی مصیبت نے اس طرح گھیر لیا، جیسے: کپڑا، پہننے والے کے بدن کو گھیر لیتا ہے؛ ایک دم کو بھوک اور ڈر ان سے جدا نہ ہوتا تھا۔

یہاں بستی والوں پر نازل ہونے والے حوادثات کی وجہ سے ان کو پہنچنے والے غم وحزن، خوف وہراس اور بے چینی وگھبراہٹ (مشبہ، مستعار لہ) کو لباس (مشبہ بہ، مستعار منہ) کے ساتھ تشبیہ دی ہے؛ اور وجہِ جامع احاطہ کرنا (گھیرنا) ہے؛ پس لباس مشبہ بہ (مستعار منہ) ہے، جو مذکور ہے اور بستی والوں کو پہونچنے والا غم، حزن، خوف وہراس اور گھبراہٹ مشبہ (مستعار لہ) ہے جو محذوف ہے؛ لہٰذا اس کو استعارۂ تصریحیہ کہتے ہیں۔ (علم البیان)

② تُو والدین کے آگے نیازمندی سے عاجزی کے بازو جھکا دے!۔ دیکھئے ذلت وعاجزی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا بازو اور پَر ہو (قرینہ)؛ یہاں باری تعالیٰ نے ذلت وعاجزی کو پرندے سے تشبیہ دی، پھر پرندے کو حذف کر کے اس کے لازم ﴿جَنَاحَ﴾ بازو کے ذریعہ مشبہ بہ کی جانب اشارہ کر دیا؛ یہاں ﴿ذُلّ﴾ مشبہ کو ذکر کیا ہے اور "طائر" مشبہ بہ محذوف ہے؛ لہٰذا یہ استعارۂ مکنیہ ہوا۔

ملحوظہ: اس مثال میں استعارۂ تخییلیہ بھی ہے تفصیل آگے آرہی ہے۔

① **استعارۂ اَصلِیّہ**: وہ استعارہ ہے جس میں لفظِ مستعار (جس میں استعارہ جاری ہوا ہے) کوئی ایسا اسمِ جنس ہو جو ایک غیر معین فرد پر دلالت کرتا ہو؛ چاہے[1] وہ

① اسمِ عین ہو، جیسے: أَسَدٌ، بَحْرٌ وغیرہ، جیسے: ﴿كِتٰبٌ أَنْزَلْنٰهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ "الظُّلُمٰتِ" إِلَى "النُّوْرِ"﴾؛ یہاں ظلمات اور نور دونوں اسم جامد ہیں۔

② مصدر ہو، جیسے: قَتْلٌ، نَوْمٌ، يَقَظَةٌ وغیرہ، جیسے: ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾[البقرہ:۱۰]، أي: نِفَاقٌ.

③ وہ لفظِ مستعار اِن اَسمائے اعلام میں سے ہو جو کسی خاص صفت سے مشہور ہو گئے ہوں، جیسے: حَاتِمٌ، مَارِد اور قُسّ وغیرہ[2]۔ (علم البیان)

② **استعارۂ تَبعِیّہ**: وہ استعارہ ہے جس میں لفظ مستعار فعل ہو یا اسم مشتق یا حرف ہو، جیسے: نَطَقَتِ الحَالُ کہ اس سے مراد دَلَّتِ الحَالُ ہے، اور فُلانٌ عَقْلُه نَائِمٌ

---

① استعارہ اصلیہ کو اصلیہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ براہِ راست اسمِ جنس، اسمِ عین اور مصدر میں جاری ہوتا ہے؛ بر خلاف استعارۂ تبعیہ کے۔

② وہ اعلام جو مخصوص صفات میں مشہور ہیں، اور کلامِ عرب میں اِن سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

مشبہ	مشبہ بہ	مشبہ	مشبہ بہ
صفاتِ محمودہ میں مشہور اعلام		صفاتِ ذمیمہ میں مشہور اعلام	
وعدہ وفائی کرنے والا	سَمَوْئَل (یہودی)	عاجز ودرماندہ	باقِل
سخی	حاتم طائی	احمق	هَبَنَّقَہ
عادل	عمر بن خطاب	پشیمان	کُسَعِی
بردبار	اَحنف بن قیس	بخیل	مادِر
فصیح وبلیغ	سَحْبان بن وائل	ہجو کرنے والا	حُطَیْئَہ
خطیب	قُسّ بن ساعدہ الایادی	سخت دل	حجاج بن یوسف
بہادر	عمرو بن معدیکرب		
حکیم	لقمان		
ذکی وہوشیار	اِیاس بن معاویہ		

یعني: غافِل؛ باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾① [طٰہٰ:۷۱]؛ أي: علىٰ جُذُوْعِ النَّخْل.

تقسیمِ ثالث: استعارۂ مرشحہ، مجردہ، مطلقہ

ملائمِ مشبہ ومشبہ بہ کے ذکر وعدمِ ذکر کے اعتبار سے استعارہ کی تین قسمیں ہیں: ① مرشحہ، ② مجردہ، ③ مطلقہ۔

① **استعارہ مُرَشَّحہ**: وہ استعارہ ہے جس میں -قرینے کے ذریعے استعارہ کے تام ہوجانے کے بعد- مستعار منہ (مشبہ بہ) کا ملائم ومناسب مذکور ہو، جیسے ﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ "اشْتَرَوُا" الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ﴾② [البقرة:١٦].

---

① مثالِ اول میں استعارہ اس طرح جاری ہوگا کہ: دلالتِ واضحہ کو نطق سے تشبیہ دی دونوں کے مراد کو واضح کرنے کے جامع کی وجہ سے، پھر دلالتِ واضحہ کے لیے نطق (مشبہ بہ) کو مستعار لیا گیا؛ پھر نطق سے مشتق کیا نَطَقَت بمعنی: دَلَّت کو؛ اس مثال میں لفظِ مستعار نطقت فعل ہے۔

اسی طرح "فلانٌ عَقْلُهُ نَائِمٌ" میں استعارہ اس طرح جاری ہوگا کہ: غفلت کو تشبیہ دی نوم سے دونوں میں عدمِ اِدراک کے جامع کی وجہ سے، پھر غفلت کے لیے نوم کو مستعار لیا گیا، پھر نوم مصدر سے نائم بمعنی غافل کو استعارۂ تبعیہ کے طور پر لیا گیا۔ (علم البیان)

اخیری مثال میں استعارہ اس طرح جاری کریں گے: کہ استعلاء کو ظرفیت سے تشبیہ دی گئی ہے "تمکُّن" یعنی: قرار پکڑنے کی جامعیت کی وجہ سے؛ پھر یہ تشبیہ ان کلی معنوں (استعلاء وظرفیت) سے متجاوز ہوئی؛ چناں چہ مشبہ بہ (ظرفیت) کے جزئیات میں سے ایک جزئی (حرف "في") کو مشبہ (استعلاء) کے جزئیات میں سے ایک جزئی (حرف "علی") کے لیے مستعار لیا گیا؛ یہاں لفظِ مستعار حرف "في" ہے؛ لہٰذا استعارہ تبعیہ ہوا۔

ملحوظہ: اس استعارہ کو تبعیہ اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ فعل وحرف میں جاری ہونے والا استعارہ اوّلاً مصدر اور معنیٰ حرف میں جاری ہوگا، پھر تبعاً دو فعلوں اور دو حرفوں میں جاری ہوگا؛ مثلاً: مِن برائے ابتداء، اِلیٰ برائے انتہاء اور رُبَّ برائے تقلیل میں استعارہ جاری ہوگا، اس کے بعد تبعاً حروف میں جاری ہوگا۔

② یہاں ﴿اشْتَرَوُا﴾، "اختاروا" کے معنی میں ہے؛ چناں چہ اختیار کو اشتراء کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے استبدال کی جامعیت کی وجہ سے؛ اور قرینہ ﴿ضَلٰلَة﴾ ہے؛ کیوں کہ ضلالت کوئی ایسی چیز نہیں جس کی خرید وفروخت ہو سکے؛ جب استعارہ اپنے قرینے کے ساتھ مکمل ہوگیا پھر ہم نے عبارت میں ﴿رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ﴾ کو پایا جو اشتراء (مشبہ بہ) کے ملائمات ومناسبات میں سے ہے؛ لہٰذا یہ استعارہ "مرشحہ" کہلائے گا، اور ﴿فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ﴾ میں ترشیح ہے۔

② **استعارۂ مُجَرَّدَہ:** وہ استعارہ ہے جس میں ـ قرینے کے ساتھ استعارہ کے تام ہوجانے کے بعد ـ مستعار لہ (مشبہ) کا ملائم مذکور ہو، جیسے: ﴿فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ "لِبَاسَ" الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ﴾① [النحل:۱۱۲]۔

فائدہ: تجرید یعنی ملائمِ مشبہ اور ترشیح یعنی ملائم مشبہ بہ کا اعتبار تب ہوگا جب کہ استعارہ قرینہ کے ذریعے تام ہوجائے؛ لٰہذا استعارہ تصریحیہ (جس میں مشبہ محذوف ہوتا ہے) کے قرینہ کو تجرید میں شمار نہیں کیا جائے گا، اسی طرح استعارہ مکنیہ (جس میں مشبہ بہ محذوف ہوتا ہے) کے قرینہ کو ترشیح میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

③ **استعارہ مُطْلَقَہ:** وہ استعارہ ہے جس میں نہ مستعار لہ (مشبہ) کا ملائم ہو اور نہ ہی مستعار منہ (مشبہ بہ) کا ملائم ہو، جیسے: ﴿إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ﴾ [الحاقة:۱۱]؛ ﴿يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ﴾② [البقرۃ:۲۷]۔

استعارۂ مُوَشَّحَہ: وہ استعارہ ہے جس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں کے مناسبات

---

① اللہ پاک نے ان کے پاس بھوک اور خوف کے لباس (مصائب) پہنچائے۔ دیکھئے! یہاں بستی والوں کو پہنچنے والے مصائب وحوادثات کو لباس کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور قرینہ ﴿لِبَاسَ﴾ کی اضافت ﴿الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ﴾ کی طرف کرنا ہے؛ کیوں کہ بھوک اور خوف کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا لباس ہو، ہاں! بھوک اور خوف کے مصائب نے انھیں لباس کی طرح چاروں طرف سے گھیر لیا تھا؛ یہ استعارہ مکمل ہوا اور "إذاقة" بمعنی: إصابة یہ مشبہ (مستعار لہ) یعنی مصائب کے ملائمات میں سے ہے؛ نہ کہ لباس کے ملائمات میں سے (علم المعانی)

② آیتِ اولیٰ: جس وقت پانی کا طوفان آیا، اور پانی اُبلا، تو ہم نے تم کو چلتی کشتی میں لادیا؛ یہاں زیادتیٔ ماء کو (حد سے پار ہونے میں) طغیان سے تشبیہ دی ہے؛ یہاں "زیادۃ" مستعار لہ، "طغیان" مستعار منہ ہے اور "تجاوزۃ الحد" جامع ہے اور ﴿طغا﴾ کی ﴿الماء﴾ کی طرف نسبت کرنا قرینہ ہے؛ اور عبارت میں زیادتی اور طغیان میں سے کسی کا ملائم نہیں؛ لٰہذا استعارہ مطلقہ ہوا۔ (فوائد علم المعانی)

آیتِ ثانیہ: یہاں کفار، اللہ کے عہد (ایمان باللہ، تصدیق بالرسل اور عمل بالشرائع) کو توڑتے ہیں؛ حالاں کہ اللہ کا عہد کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو توڑا جائے؛ کیوں کہ وہ ایک معنوی شی ہے، پس عہد اللہ یہ قرینہ ہے ﴿يَنْقُضُوْنَ﴾ یہ "يُبْطِلُوْنَ" کے معنی میں ہے، چناں چہ یہاں ابطالِ عہد مشبہ (مستعار لہ) ہے اور فَكُّ طَاقَاتِ الْحَبْلِ، رسی کے دھاگوں کو کھولنا مشبہ بہ (مستعار منہ) ہے، جامع: عدمِ نفع ہے؛ اور دونوں کا کوئی ملائم مذکور نہیں۔

مذکور ہوں، جیسے لَدَیٰ أَسَدٍ شَاكِي السِّلَاحِ مُقَذَّفٍ؛ لَهٗ لِبَدٌ أَظْفَارُهٗ لَمْ تُقَلَّمْ①.

استعارہ کے مذکورہ اقسام کی مختلف مثالیں کتاب کے اخیر میں نقشہ پر ملاحظہ فرمالیں۔

استعارۂ تحقیقیہ، تخییلیہ

مستعارلہ (مشبہ) کے حسی وعقلی ہونے کے اعتبار سے استعارہ کی دو قسمیں ہیں: ① استعارۂ تحقیقیہ ② استعارۂ تخییلیہ۔

① استعارۂ تحقیقیہ: وہ استعارہ ہے جس میں مستعارلہ (مشبہ) امرِ حسی ہو، جیسے: ﴿وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾② [مریم:٤].

② **استعارۂ تَخْيِيْلِيَّہ**: وہ استعارہ ہے جس میں مستعارلہٗ امرِ عقلی ہو اور مستعارمنہ (مشبہ بہ) سے مختص چیز کو مستعارلہٗ کے لیے ثابت کیا گیا ہو، جیسے ﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ﴾ [البقرة:١٦]؛ ﴿اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ﴾ [البقرة:٢٧]؛ ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾③ [بني إسرائيل:٢٤].

---

① میں ایک ایسے شیر کے پاس ہوں جو ہتھیاروں سے لیس ہے اور جنگ کے میدانوں میں پھینکا جاتا ہے لَهٗ لِبَدٌ أَظْفَارُهٗ لَمْ تُقَلَّمْ؛ اس کی گردن پر بال ہیں اور اس کے ناخن کٹے ہوئے نہیں ہیں۔ یہاں مشبہ (رجل شجاع) کا ملائم "أَظْفَارُهٗ لَمْ تُقَلَّمْ" اور مشبہ بہ (شیر) کا ملائم "لَهٗ لِبَدٌ" دونوں کے ملائم مذکور ہیں۔

② حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا: الٰہی! سر کے بالوں کی سفیدی مشتعل ہورہی ہے، یعنی: چمک رہی ہے؛ دیکھو! مشتعل ہونا آگ میں ہوتا ہے نہ کہ سر میں، یہاں ﴿شَيْبًا﴾ کو النار سے تشبیہ دی ہے انتشار وجہ جامع کی وجہ سے؛ دیکھیے یہاں مشبہ یعنی سر کی سفیدی امرِ حسی ہے لہٰذا استعارۂ تحقیقیہ ہوا۔

③ یہاں استبدال الضلالۃ بالھدیٰ (مستعارلہ) امرِ حسی کو استبدال المبیع بالثمن (مستعارمنہ) سے تشبیہ دی ہے، اور مستعارمنہ یعنی مشبہ بہ (استبدال المبیع بالثمن) سے مختص چیز "ربح" کو مستعارلہ یعنی مشبہ (ھدایت کے بدلے گمراہی اختیار کرنا) کے لیے ثابت کیا گیا ہے؛ لہٰذا یہ استعارۂ تخییلیہ ہوا۔

اسی طرح دوسری مثال میں عہد و پیمان امرِ عقلی (مستعارلہ) کو رسّی (مستعارمنہ) سے تشبیہ دی ہے؛ پھر مستعارمنہ (رسی) سے مختص چیز (نقض ووثوق) کو مستعارلہ (عہدو پیمان) کے لیے ثابت کیا گیا ہے (الزیادة والاحسان: ٤٨٤-٤٨٩)

اسی طرح تیسری مثال میں: ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ میں ﴿ذُلّ﴾ مشبہ کے لیے "طائر" مشبہ بہ کے لازم یعنی: ﴿جَنَاحَ﴾ کو ثابت کرنا "استعارۂ تخییلیہ" کہلاتا ہے۔

فصل سادس : مجاز مرسل مرکب، استعارۂ تمثیلیہ

مجاز لغوی کی دوسری قسم مجازِ مرکب ہے۔

مجازِ مرکب: وہ جملہ ہے جو کسی علاقے (مناسبت) کی وجہ سے معنیٔ حقیقی کے علاوہ کسی دوسرے معنیٰ میں مستعمل ہو، ساتھ ہی کوئی ایسا قرینہ ہو جو معنیٔ حقیقی مراد لینے سے روکتا ہو۔

مجازِ مرکب کی دو قسمیں ہیں: ① مجازِ مرسل مرکب ② استعارہ تمثیلیہ۔

① **مجاز مُرسَل مُرَکب:** وہ مجاز مرکب ہے جس میں ایک جملہ کو مشابہت کے علاقے کے علاوہ (سببیت، مسببیت وغیرہ) علاقے کی وجہ سے ماوضع لہٗ کے علاوہ معنیٰ میں استعمال کرنا کسی ایسے قرینے کی وجہ سے جو معنیٰ موضوع لہٗ مراد لینے سے مانع ہو، جیسے:

① وہ جملۂ خبریہ جو جملۂ انشائیہ کے معنیٰ میں مستعمل ہو، جیسے: ﴿رَبِّ إِنِّيْ وَضَعْتُهَآ أُنْثٰى﴾ [آل عمران:٣٦]؛ ﴿رَبِّ إِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾[1] [مريم:٤]

② وہ جملہ انشائیہ جو خبر کے معنیٰ میں ہو، جیسے: ﴿قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا﴾[2] [مريم: ٧٥]؛ أي: يَمُدُّ.

---

① آیتِ اولیٰ: عمران کی بیوی حنہ بنت فاقوذا نے زمانہ کے رواج کے مطابق منت مانی تھی کہ: جو بچہ میرے پیٹ میں ہے وہ تمام دنیوی مشاغل سے آزاد رہ کر تیری عبادت کرے گا اور کلیسا کی خدمت کرتا رہے گا؛ لیکن جب خلاف توقع لڑکی پیدا ہوئی تو حسرت و افسوس سے کہا: ﴿رَبِّ إِنِّيْ وَضَعْتُهَآ أُنْثٰى﴾؛ یہ کلام بظاہر خبر ہے؛ لیکن مراد انشاء ہے؛ کیوں کہ امرأۃ عمران باری تعالیٰ کو خبر دینا نہیں چاہتی؛ بلکہ اپنا حزن وملال ظاہر کر رہی تھیں؛ اس مجاز میں لزومیت کا علاقہ ہے کہ وضعِ انثیٰ کی خبر دینے سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ غمگین ہیں۔ (علم البیان)

آیتِ ثانیہ: حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا: الٰہی سر کے بالوں میں بڑھاپے کی سفیدی چمک رہی ہے اور ہڈیاں تک سوکھنے لگی ہیں ؛ بظاہر موت کا وقت قریب ہے۔ یہ خبر اپنی غرضِ حقیقی (فائدۃ الخبر یا لازمِ فائدۃ الخبر) کے لیے نہیں ہے؛ بلکہ اس سے مقصود اظہارِ ضعف ہے اور قرینہ مقامِ خطاب ہے کہ باری تعالیٰ سے خطاب ہے جس سے کوئی بات مخفی نہیں ہے۔ (علم البیان)

ملحوظہ: یہ پورا جملہ مجازِ مرسل مرکب کے قبیل سے ہے؛ البتہ ﴿وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾ میں استعارۂ مکنیہ اصلیہ تحقیقیہ بھی ہے؛ تفصیل استعارۂ تحقیقیہ کے ضمن میں گذر چکی ہے۔

② یعنی خدا تعالیٰ کی عادت اور حکمت کا اقتضاء یہ ہے کہ: جو اپنے کسب و ارادہ سے کوئی راستہ اختیار کر لے، اس

ملحوظہ: جملۂ خبریہ کو انشائی معنی (اغراضِ مجازیہ) کے لیے استعمال کرنا، اسی طرح جملۂ انشائیہ کو اِخباری معنی (مجازی معنی) کے لیے استعمال کرنا بھی مجازِ مرکب مرسل کے قبیل سے ہے؛ جس کا تفصیلی بیان ''خبر کی اغراضِ مجازیہ'' اور ''اقسامِ انشائیہ'' (امر، نہی، تمنی وغیرہ) کی اغراضِ مجازیہ میں بیان ہوا ہے؛ لیکن چوں کہ خبر وانشاء کے معانی مجازیہ کا علم سیاقِ کلام اور قرائنِ احوال سے معلوم ہوجاتا ہے، پس وہ معانی مجازیہ مستتبعاتِ تراکیب کے قبیل سے ہیں؛ اس سے معلوم ہوتا کہ: مجازِ مرسل مرکب کا میدان بڑا وسیع ہے؛ اسی وجہ سے بلغاء ایسے مقامات پر ''مجازِ مرسل مرکب'' کو تعبیر کرنے کا اہتمام نہیں کرتے (علم البیان ملخصاً)

② **اِستعارہ تَمثِیلیّہ**: وہ مجازِ مرکب ہے جس میں ایک جملہ تشبیہ کے علاقے کی وجہ سے اپنے معنیٔ موضوع لہٗ کے علاوہ دوسرے معنی میں مستعمل ہو، کسی ایسے قرینہ کے ساتھ جو معنیٔ موضوع لہٗ مراد لینے سے مانع ہو، جیسے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ﴾[الحجرات:١]؛ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهِ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾[1] [الزمر:٦٧]

ے کو نیک وبد سے خبردار کردینے کے بعد اسی راستہ پر چلنے کے لیے ایک حد تک آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ یہاں ''فیمُدُّ'' خبر کو ﴿فَلْيَمْدُدْ﴾ امر سے تعبیر فرمایا ہے۔ (الزیادۃ)

① آیتِ اولیٰ: یعنی جس معاملہ میں حکمِ الٰہی ملنے کی توقع ہو وہاں پہلے ہی سے آگے بڑھ کر اپنی رائے سے کوئی فیصلہ نہ کر بیٹھو! دیکھیے یہاں الْمُتَعَجِّل بِالحُكْمِ قَبْلَ إِذْنِ اللّٰهِ بِهِ کو تشبیہ دی ہے (یعنی مثال بیان کی ہے) اس آدمی کی حالت سے جو الْمُتَقَدِّمُ بَيْنَ يَدَيْ مَتْبُوْعِه حِيْنَ الْمَشْيِ یعنی ''تابع کا چلتے ہوئے اپنے متبوع کے آگے بڑھ جانے والے'' سے اور دونوں میں جامع ''عدمِ متابعت'' ہے۔

آیتِ ثانیہ: یعنی مشرکین نے اللہ کی عظمت وجلال اور بزرگی وبرتری کو وہاں تک ملحوظ نہ رکھا جہاں تک ایک بندہ کو ملحوظ رکھنا چاہیے؛ اس کی عظمت شان کا حال تو یہ ہے کہ: قیامت کے دن کُل زمین اس کی مٹھی میں اور سارے آسمان کاغذ کی طرح لپٹے ہوئے ایک ہاتھ میں ہوں گے؛ پھر اس کی عبادت میں بے جان یا عاجز ومحتاج مخلوق کو شریک کرنا کہاں تک روا ہوگا! وہ شرکاء تو خود اس کی مٹھی میں پڑے ہیں جس طرح چاہے اس پر تصرف کرتا ہے! دیکھیے یہاں آیت کریمہ میں حَالَ الْأَرْضِ يَوْمَ الْقِيَامَة وَاللّٰه -عزَّ وجَلَّ- يَتَصَرَّفُ فِيهَا بِأَمْرِهِ وَقُدْرَتِهِ تَغْيِيْرًا وَتَبْدِيْلًا کو تشبیہ (تمثیل) دی ہے حَالُ الشَّيْءِ يَكُوْن فِيْ قَبْضَة الإِنْسَان يَتَصَرَّف فِيْه كَيْفَ يَشَاء کے ساتھ؛ اسی طرح ﴿وَالسَّمٰوٰتُ ے

ملحوظہ: عربوں سے منقول، لوگوں میں مشہور امثال بھی استعارۂ تمثیلیہ کے قبیل سے ہیں؛ کیوں کہ یہ بات مسلم ہے کہ: امثال میں تغیر نہیں کیا جاسکتا؛ لہٰذا ہر کہاوت کو بغیر تغیر و تبدل کے اُنہیں الفاظ میں بولا جائے گا جن میں اوّل بار وہ استعمال ہوئی تھی۔

خلاصۂ کلام امثال درحقیقت استعارۂ تمثیلیہ ہی ہیں، جیسے إِنَّكَ لَا تَجْنِيْ مِنَ الشَّوْكِ العِنَبَ؛ قَطَعَتْ جَهِيْزَةُ قَوْلَ كُلِّ خَطِيْبٍ؛ ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا﴾① [آل عمران: ۱۰۳]

ملحوظہ: یہاں اُس اصل واقعہ کو– جس پر یہ مثل کہی گئی تھی– مستعار منہ (مشبہ بہ) کہتے ہیں، اور وجہِ جامع کے پائے جانے پر جن جن آدمیوں پر یہ مثل کہی جائے گی اُن کو مستعارلہ (مشبہ) کہا جائے گا۔

استعارۂ تمثیلیہ اور تشبیہ تمثیل میں فرق یہ ہے کہ: اگر ایک ہیئت کو دوسری ہیئت سے تشبیہ دینا استعارہ کے اُسلوب پر ہو تو اُسے "استعارۂ تمثیلیہ" کہتے ہیں، اور اگر تشبیہ کے انداز میں ہو تو اُسے "تشبیہ تمثیل" کہتے ہیں؛ اول کی مثال: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا﴾[آل عمران:۱۰۳]

⊃ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ﴾ میں "حَالُ السَّمٰوَاتِ وقَدْ طَوَاهَا اللهُ بِقُدْرَتِه" کو تشبیہ دی ہے "حَالُ الكِتَابِ المَطْوِيِّ فِيْ يَمِيْنِ صَاحِبِه" کے ساتھ، اور دونوں میں جامع "وقوع كلٍ تحت قدرة صاحبه وإرادته" ہے۔ (علم البیان)

① مثالِ اول: کسی سے بدسلوکی کرنے اور اس سے اچھی امید رکھنے والے کی حالت کو اس شخص کی حالت سے تشبیہ دی جو کانٹے کو بوتا ہے اور اس سے انگور کا پھل کاٹنے کا امیدوار ہے، اس جامعیت کی وجہ سے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نہ ہونے والی چیز کی امید کر رہا ہے۔

مثالِ ثانی: زوجین کے آپسی اختلافات کی بناء پر جانبین کے حَکَم مصالحت کے لیے محوِ گفتگو تھے کہ اسی دوران کسی نے شوہر کے تین طلاق دینے کی خبر سنائی؛ اس حالت کو تشبیہ دی جہیزہ لونڈی کے قول فیصل کہنے کی حالت کے ساتھ؛ کہ: اس نے قتل کے بعد دو قبیلوں کے درمیان منعقد مجلسِ مصالحت کے دوران مقتول کے اولیاء کے قاتل کو قتل کر ڈالنے کی خبر سنائی تھی۔

مثالِ ثالث: اس مثال میں "حَالُ المُتَمَسِّكِ بِدِيْنِ اللهِ وَعَهْدِه" کو "حَالُ المُعْتَمَدِ عَلٰى حَبْلٍ قَوِيٍّ يَمْنَعُه مِنَ السُّقُوْطِ" سے تشبیہ دی ہے؛ اور جامع "الحِفْظُ مِنَ الضَّرَرِ" ہے۔ (علم البیان:۱۸۲) اس مثال کی تفصیل "استعارۂ تمثیلیہ اور تشبیہِ تمثیل میں فرق" کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

دوسرے کی مثال: ﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا﴾[1] [البقرة: ١٧]۔

① آیت اولیٰ میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے وعدہ کو مضبوط تھامے رکھنے اور اس وعدہ کا مُتَمَسَّك بالوَعْدہ کی حفاظت وحمایت کرنے اور اس سے مکروہات کو دفع کرنے اور نجات دلانے کی ہیئت (مشبہ) کو بلند مقام سے لٹکی ہوئی مضبوط رسی کو تھامے رکھنے کی ہیئت (مشبہ بہ) کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو رسی مُتَمَسِّك بِالحَبْل کو نیچے گرنے سے محفوظ و مامون رکھتی ہے، اور دوسری مثال میں اداتِ تشبیہ خود موجود ہے؛ لہٰذا وہ تشبیہ تمثیل ہوگی۔

سوالاتِ مجازِ عقلی

① اس کلام کی نسبت حقیقتِ عقلیہ کے قبیل سے ہے؟ یا مجازِ عقلیہ کے قبیل سے؟
② اگر مجازِ عقلی ہے تو اس کا ماھولہ اور غیر ماھولہ کی نیز قرینے کی وضاحت کریں؟
③ مجازِ عقلی کے (آٹھ) علاقوں میں سے کون سا علاقہ ہے؟

فصل سابع: مجازِ عقلی

مجاز کی دوسری قسم ’’مجازِ عقلی‘‘ ہے۔ مجازِ لغوی (مجازِ مفرد، مجازِ مرکب) کا مجاز لفظ میں جاری ہوتا ہے؛ جب کہ مجازِ عقلی کا مجاز اسناد میں ہوتا ہے۔

اسناد کی دو قسمیں ہیں: ① اسنادِ حقیقی (حقیقتِ عقلیہ) ② اسنادِ مجازی (مجازِ عقلی①)۔

① **حقیقتِ عقلیّہ:** فعل یا معنیٔ فعل کی نسبت ما ھولہٗ یعنی اس چیز کی طرف کرنا جس کے لیے فعل یا معنیٔ فعل ثابت ہے؛ بشرطیکہ: وہ نسبت متکلم کے اعتقاد میں ثابت ہو اور اس کی ظاہری حالت کے موافق ہو، جیسے: ﴿إِنَّ اللهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ، وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ﴾ [لقمان:٣٤]؛ ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ﴾② [آل عمران:٢٦]

② **مجازِ عقلیّہ:** وہ مجاز ہے جس میں فعل یا معنیٔ فعل کی نسبت — کسی علاقہ کی وجہ سے — ما ھولہٗ کے علاوہ ایسے مُلابس و متعلق کی طرف کرنا جن دونوں (ما ھولہٗ اور غیر ما ھولہٗ) میں

---

① ملحوظہ: عموماً کلام میں اسناد خبری یا انشائی (کلام کو مفید بنانے کے لیے ایک کلمے کو دوسرے کلمے سے ملانا) حقیقتِ عقلیہ پر محمول ہوتی ہے، یعنی فعل یا معنیٔ فعل (مثلاً: مصدر، اسم فاعل، اسم مفعول، صفتِ مشبہ، اور اسم تفضیل) کو کسی ایسی شئ کی طرف منسوب کرنا جو — متکلم کی ظاہری حالت کے اعتبار سے — اس فعل یا معنیٔ فعل کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ (علم المعانی)

لیکن کبھی فعل یا شبہ فعل کو مجازاً ما ھولہٗ (جس کے لیے وہ شئ وضع کی گئی ہو) کے علاوہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، اس کو اسنادِ مجازی، مجازِ حکمی اور مجاز فی الاسناد کہا جاتا ہے۔ اس طرح اسنادِ مجازی کرنا صحیح ہے؛ لیکن اس کے لیے دو شرطیں ہیں:
۱ — ما ھولہٗ کی طرف اسناد کو مراد لینے سے مانع کوئی قرینہ ہو۔ فعل یا شبہ فعل اور غیر ما ھولہٗ کے درمیان علاقہ (نسبت) ہو۔

② مذکورہ آیات میں ﴿يُنَزِّلُ - يَعْلَمُ - تُؤْتِي - تَنْزِعُ - تُعِزُّ - تُذِلُّ﴾ کی نسبت فاعلِ حقیقی یعنی اللہ کی طرف کی گئی ہے۔ (علم المعانی)

ملحوظہ: فعل یا معنیٔ فعل کی نسبت ما ھولہٗ کی طرف ہے یا غیر ما ھولہٗ کی طرف؛ اس کی تعیین کے لیے متکلم کی ظاہری حالت سے فیصلہ ہوتا ہے؛ اسی وجہ سے دہریوں کا یہ قول: ﴿وَمَا يُهْلِكُنَآ إِلَّا الدَّهْرُ﴾ [الجاثية:٢٤]، حقیقت عقلیہ کے قبیل سے ہوگا، نہ کہ مجازِ عقلی کے قبیل سے۔

کوئی مناسبت بھی ہو اور ساتھ ہی کوئی ایسا قرینہ بھی ہو جو حقیقی نسبت مراد لینے سے مانع بھی ہو، جیسے: ﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى، "فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ" وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴾[1] [البقرة:١٦].

ملحوظہ: مجازِ عقلی کا ہونا خبر کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ بلکہ انشاء میں بھی یہ مجاز جاری ہوتا ہے، جیسے: ﴿يٰهٰمٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا﴾[2] [المؤمن:٣٦].

قرینہ: وہ (لفظی یا معنوی) امر ہے جس کو متکلم معنیٔ غیر موضوع لہ کو مراد لینے پر دلیل بناتا ہے۔

مجازِ عقلی کے علاقے

مجازِ عقلی میں فعل یا معنیٔ فعل اور غیر ما ھولہ کے درمیان کسی نہ کسی علاقے اور ملابس کا ہونا ضروری ہے، جیسے فعل کی مثال ﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى، فَـ"مَا رَبِحَتْ" تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴾ [البقرة:١٦]؛ معنیٔ فعل کی مثال: ﴿فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ، فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ "رَّاضِيَةٍ"﴾[3] [القارعة:٧].

---

(۱) اس آیت میں نفع حاصل کرنے کی نسبت، تجارت کی طرف کی گئی ہے؛ حالاں کہ نفع حاصل کرنے والا تو تاجر ہے نہ کہ تجارت؛ اس نسبت کو اسنادِ مجازی یا مجازِ عقلی کہتے ہیں (علم المعانی) بزیادۃ

ملحوظہ: تعریف میں قرینہ کو لفظ مانعہ سے مقید کرنے میں کنایہ سے احتراز مقصود ہے؛ کیوں کہ کنایہ میں معنیٔ اصلی مراد لینے سے مانع کوئی قرینہ نہیں ہوتا، جب کہ مجاز میں وہ قرینہ مانع ہوتا ہے؛ اور یہی مجاز اور کنایہ کے درمیان فرق ہے۔ (علم البیان)

(۲) فرعون بولا: اے ھامان! تو میرے لیے ایک اونچا محل بنا؛ دیکھئے ﴿ابنِ﴾ امر کا ماھولہ تو معمار تھے؛ لیکن ہامان کے واسطے سے بنوانا تھا؛ اس لیے غیر ما ھولہ (ہامان) کی طرف فعل کی نسبت کردی۔ (الزیادۃ)

(۳) آیتِ اولی: یہاں ﴿رَبِحَتْ﴾ کی نسبت ﴿تِجَارَتُهُمْ﴾ کی طرف کرنا مجازاً ہے؛ کیوں کہ یہاں "رَبِحَ" (کامیاب ہونا) کا فاعلِ حقیقی مشتری ہے اور اصل عبارت "فما ربح المشترون في تجارتهم" ہے، اور اس آیت میں ربح کی نسبت بجائے فاعل کے تجارت کی طرف کرلی گئی ہے؛ کیوں کہ ربح کا تلبس تجارت کے ساتھ اس حیثیت سے ہے کہ ربح تجارت پر واقع ہوا ہے جس تجارت کو وقوعِ ربح سے ادنیٰ تلبس کی بناء پر مفعول سے تعبیر کرتے ہیں۔

آیتِ ثانیہ: یہاں ﴿رَاضِيَة﴾ کی نسبت ﴿عِيْشَة﴾ کی طرف راجع ضمیر کی طرف ہے یعنی زندگی خوش ہونے

مجازِ عقلی کے علاقوں اور ملابسوں کی تعداد تو بہت زیادہ ہیں مشہور ان میں سے یہ ہیں:

① ملابست بین الفعل ومفعولہ، ② ملابست بین الفعل وفاعلہ، ③ ملابست بین الفعل ومصدرہ، ④ زمانیت، ⑤ مکانیت، ⑥ سببیت، ⑦ اسناد الفعل الی الجنس، ⑧ اسناد الفعل الی ماھو لہ مزید اختصاص بالفاعل الحقیقی۔

① ملابست بین الفعل ومفعولہ: مبنی للفاعل (فاعل کا تقاضہ کرنے والے فعل یا معنیٔ فعل) کی اسناد، بجائے فاعل حقیقی① کے اس کے مفعول کی طرف کرنا، (اسی کو علاقۂ ''مفعولیت'' بھی کہتے ہیں)۔

ملحوظہ: یاد رہے کہ: ان مواقع میں فاعل اور مفعول سے ترکیب نحوی والا فاعل ومفعول مراد نہیں ہے؛ بلکہ مَابِهِ الفِعْلُ سے ادنیٰ تعلق رکھنے والے کو فاعل اور مَنْ وَقَعَ عَلَيْهِ الفِعْلُ سے تلبُّس رکھنے والے کو مفعول کہہ لیتے ہیں۔

② ملابست بین الفعل وفاعلہ: مبنی للمفعول (مفعول کا تقاضہ کرنے والے

⇐ والی ہے؛ کیوں کہ زندگی خوش ہونے والی چیز نہیں؛ بلکہ زندگی جینے والا اپنی زندگی (مفعول) سے خوش ہوتا ہے؛ اور اصل عبارت ''في عيشة رضي صاحبها بها'' ہے؛ پس رضامندی کی اسناد زندگی کی طرف اس وجہ سے کرلی گئی ہے کہ رضامندی کو زندگی کے ساتھ تلبس ہے اس حیثیت سے کہ رضامندی اس زندگی پر واقع ہے۔ (علم المعانی)

① فائدہ: اسنادِ حقیقی کی تین قسمیں ہیں:

(۱) فاعل سے حقیقتاً فعل یا معنیٔ فعل کا سرزد ہونا مراد ہو، یعنی: اثر چھوڑنا، جیسے: خلق الله، رزق وأعطى، وأحيا وأمات، اللہ نے پیدا کیا، روزی عطا کی، وغیرہ؛ دیکھئے ان مثالوں میں پیدا کرنا اور رزق دینا فاعل حقیقی کا اثر ہے۔

ملحوظہ: اسنادِ حقیقی کی یہ قسم صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

(۲) فاعل سے حکماً فعل یا معنیٔ فعل کا سرزد ہونا، جیسے قام زيد وذهب عمرو، زید کھڑا ہوا، عمرو گیا وغیرہ؛ دیکھئے یہاں قیام وقعود اللہ کے حکم اور اس کی تاثیر کی بنا پر زید وعمر سے وجود میں آیا ہے، اس طور پر کہ ان کے وجود میں زید وعمرو کے کسب کا دخل ہے۔

(۳) فاعل سے فعل یا معنیٔ فعل کا محض اتصاف ہو، جیسے مرض زيد، وبرد الماء، زید بیمار ہوا، پانی ٹھنڈا ہوگیا؛ دیکھئے یہاں بیماری اور ٹھنڈک کا زید اور پانی سے محض اتصاف ہے۔ (علم المعانی)

الحاصل: فاعلِ حکمی اور فاعلِ اتصافی کی صورتیں بھی اسنادِ حقیقی میں داخل ہیں۔

فعل یا معنیٔ فعل) کی اسناد بجائے اپنے مفعول (حقیقی) کے فاعل کی طرف کرنا، (اسی کو علاقۂ "فاعلیت" بھی کہتے ہیں)، جیسے: ﴿وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ○ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ○﴾ [التکویر:۸-۹]؛ ﴿وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْأَدْبَارَ، وَكَانَ عَهْدُ اللهِ مَسْئُوْلًا○﴾① [الأحزاب:۱۵].

③ **ملابست بین الفعل ومصدره**: مبنی للفاعل (فاعل کا تقاضہ کرنے والے) فعل کی نسبت — بجائے فاعلِ حقیقی کے — مصدر کی طرف کرنا، جیسے: جَدَّ جِدُّہ؛ غَضِبَ غَضَبُہٗ②.

④ **زمانیَّت**: مبنی للفاعل فعل یا معنیٔ فعل کی نسبت اس کے زمانہ کی طرف کرنا، جیسے: ﴿فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا "يَّجْعَلُ" الْوِلْدَانَ شِيْبًا○﴾ [المزمل:۱۷]؛ ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ "مُبْصِرًا"﴾③ [یونس:۶۷].

---

① یہاں پہلی آیت میں بتلایا گیا کہ موؤدہ وائد سے سوال کرے گی کہ: اُسے کس جرم میں قتل کیا گیا؟ اس جگہ مفعول کا تقاضہ کرنے والے ﴿سُئِلَتْ﴾ کا ماھولہ (نائب فاعل) تو وائد ہے اور وہی مسئول بھی ہوگا؛ لیکن وائد کی طرف ﴿سُئِلَ﴾ کی نسبت یعنی: "وإذا الوائدُ سئل" کہنے کے بجائے موءودۃ کی طرف نسبت کرکے ﴿وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ﴾ کہا گیا ہے تاکہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے والے کو دھمکانے میں کمالِ مبالغہ ہو کہ: جب موؤدہ سے پوچھے جانے کا ذکر ہے تو وائد سے بطریقۂ اولیٰ پوچھا جائے گا۔

آیتِ ثانیہ: "اور اللہ تعالیٰ (اللہ کا وعدہ) پوچھے گا وعدہ کرنے والے سے اس کے وعدہ کرنے کے بارے میں"؛ دیکھیے! ﴿مَسْئُوْلًا﴾ مبنی للمفعول کی نسبت ﴿عَهْدَ اللهِ﴾ کی طرف راجع ضمیر کی طرف کرنا مجازاً ہے؛ کیوں کہ مسئول تو صاحبِ عہد ہوگا نہ کہ عہد اللہ؛ بلکہ عہد اللہ تو (مجازاً) صاحبِ عہد سے سوال کرے گا، یعنی: عہد اللہ سائل ہوگا، یہاں ﴿مَسْئُوْلًا﴾ کی نسبت صاحبِ عہد (مفعول) کے بجائے ﴿عَهْدَ اللهِ﴾ یعنی: فاعل کی طرف کی گئی ہے۔

② اس کی کوشش نے کوشش کی یعنی: اس کی کوشش کامیاب ہوگئی؛ دوسری مثال: اس کا غصہ غصہ میں آ گیا یعنی: وہ غصہ میں بھڑک اٹھا۔

③ آیتِ اولیٰ: "بنادے گا وہ (دن) بچوں کو بوڑھا"؛ یہاں ﴿يَجْعَلُ﴾ مبنی للفاعل فعل کی نسبت یوم (زمانہ) کی طرف راجع ضمیر کی طرف کرنا مجاز ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ بچوں کو بوڑھا بنادے گا اس دن (زمانہ) میں؛ نہ کہ خود وہ دن بوڑھا بنائے گا، یہاں علاقہ زمانیت کا ہے۔ ←

⑤ **مکانِیَّت:** مبنی للفاعل فعل یا معنیٔ فعل کی نسبت – بجائے فاعل حقیقی کے – اس کے مکان کی طرف کرنا، جیسے: ﴿وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا﴾ [الزلزال:۲]؛ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾[1] [التوبة:۷۲]۔

⑥ **سببِیَّت:** مبنی للفاعل فعل یا معنیٔ فعل کی نسبت (بجائے فاعل کے) اس کے سبب کی طرف کرنا، جیسے: ﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى "تَنْفَعُ" الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الذاریات:۵۵]؛ ﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ "يُذَبِّحُ" أَبْنَآءَهُمْ وَ"يَسْتَحْيٖ" نِسَآءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾[2] [القصص:۴]

⑦ **اِسناد الفعل الی الجنس:** فعل کی اسناد پوری جنس کی طرف کرنا؛ حالاں کہ فاعل بعض لوگ ہی ہوں، جیسے ﴿فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ﴾[3] [الأعراف:۷۷]

⑧ **اسناد الفعل الی ما له مزید اختصاص بالفاعل الحقیقی:** فعل کی

⇐ آیتِ ثانیہ: یہاں ﴿مُبْصِرًا﴾ اسم فاعل کی نسبت ﴿اَلنَّهار﴾ کی طرف راجع ضمیر کی طرف کرنا مجاز ہے؛ کیوں کہ دن دیکھنے والا نہیں ہوتا؛ بلکہ لوگ دن (زمانہ) میں دیکھتے ہیں؛ یہاں علاقہ زمانیت کا ہے۔(علم المعاني)

① آیتِ اولیٰ: "نکالے گی زمین اپنے بوجھوں کو"؛ یعنی: اللہ تبارک وتعالیٰ زمین (مکان) سے اس کے بوجھوں کو نکالے گا، اس دن کی ہولناکی بتلانے کے لیے اخراج کی نسبت زمین کی طرف کرلی ہے؛ او﴿أَخْرَجَتِ﴾ کی نسبت ﴿الْأَرْضُ﴾ مکان کی طرف کرنا مجازاً ہے۔

آیتِ ثانیہ: یہاں ﴿تَجْرِيْ﴾ مبنی للفاعل فعل کی نسبت ﴿الْأَنْهٰر﴾ کی طرف کرنا مجازاً ہے؛ کیوں کہ انہار (وہ جگہیں جس میں پانی بہتا ہو) جاری نہیں ہوتیں؛ بلکہ اس میں موجود پانی جاری ہوتا ہے۔(علم المعاني)

② آیتِ اولیٰ: "أي: ينفع الله بسبب الذكرى المؤمنين"، یہاں ﴿تَنْفَعُ﴾ فعل کی نسبت ﴿الذِّكْرٰى﴾ کی طرف راجع ضمیر کی طرف کرنا مجازاً ہے؛ کیوں کہ نفع دینے والے اللہ عزوجل ہے جو نصیحت کے سبب نفع دیتے ہیں۔

آیتِ ثانیہ: یہاں ﴿يُذَبِّحُ﴾ اور ﴿يَسْتَحْيٖ﴾ فعل کی نسبت ضمیر فرعون کی طرف کرنا مجازاً ہے؛ کیوں کہ تذبیح اور استحیاء کا فعل فرعون نہ کرتا تھا؛ بلکہ فرعون کے حکم (سبب) سے فرعون کی پولس کرتی تھی۔

③ قوم صالح – یعنی: اس قوم کے ایک بدبخت "قدار" – نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ بعدہٗ خود حضرت صالح علیہ السلام کے قتل پر بھی تیار ہونے لگا۔ یہاں "عَقَرَ" فعل – اونٹنی کے قتل – کی نسبت بجائے ایک فرد کے جمع کی ضمیر (پوری جنس) کی طرف کرنا مجازاً ہے۔

نسبت — بجائے فاعلِ حقیقی کے — اس کے مقربین کی طرف کرنا، جیسے﴿قَالُوْا إِنَّآ أُرْسِلْنَآ إِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ۝... إِلاَّ امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَآ إِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ۝﴾[1] [الحجر:٦٠].

ملحوظہ: نسبت اضافیہ میں بھی کبھی مجاز ہوتا ہے، جیسے﴿بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾[2] [سبأ:٣٣].

فائدہ: مجازِ عقلی اور مجازِ لغوی میں فرق یہ ہے کہ: مسند ومسند الیہ کے درمیان ہونے والی نسبت میں مجاز کو ''مجازِ عقلی'' کہتے ہیں اور یہ اجزائے کلام کے درمیان ربط وتعلق سے وابستہ ہے؛ جب کہ مجازِ لغوی کلمات (مفردات) سے متعلق ہوتا ہے؛ لہٰذا أَنْبَتَ الرَّبِيْعُ میں نہ لفظ أنبت میں مجاز ہے اور نہ ہی الربیع میں ہے؛ بلکہ أنبت کی الربیع کی طرف ہونے والی نسبت میں مجاز ہے۔ جب کہ رَأَيْتُ أَسَدًا يَتَكَلَّمُ میں لفظ اسد میں مجاز ہے اس طور پر کہ اس کو حیوانِ مفترس سے منقول کر کے رجل شجاع کے لیے استعمال کیا گیا ہے (علم المعانی)

---

① یہاں تقدیر کی نسبت ملائکہ نے اپنی طرف کی ہے؛ حالاں کہ مقدِّر صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے (علم المعانی)

② یہاں تقدیری عبارت یہ ہے: ''بَلْ مَكْرُ النَّاسِ فِيْ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ''؛ یعنی مکر کے مناسب تو یہ تھا کہ اس کی اضافت الناس کی طرف کریں؛ لیکن لیل ونہار چوں کہ مکر کرنے کا زمانہ ہے؛ لہٰذا اس کی طرف اضافت کرلی ہے۔

بابــــ ثالث

بیانِ کنایہ

سوالات کنایہ

① اگر کلام میں کنایہ ہے تو مکنی عنہ کے اعتبار سے کنایہ کی تین قسموں میں سے کیا ہے؟

② اس کنایہ کا فائدہ کیا ہے؟

③ کنایہ کی وسائط کے اعتبار سے چار قسموں میں سے کیا ہے؟

فصل اول: کنایہ

معنیٰ مرادی کی تعبیر کے تین طریقوں (تشبیہ، مجاز اور کنایہ) میں سے آخری طریقہ کنایہ ہے①۔

کِنَایَہ: وہ لفظ ہے جس کو بول کر اس کے معنیٰ موضوع لہ کے لازم کو مراد لیا گیا ہو، معنیٰ موضوع لہ کو مراد لینے کے جواز کے ساتھ، جیسے ﴿وَيَوْمَ "يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ" يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا۝﴾ [الفرقان:۲۷]؛ ﴿وَأُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَأَصْبَحَ "يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ" عَلٰى مَا أَنْفَقَ فِيْهَا﴾② [الکہف:۴۲]۔

---

① صریح وہ ظاہری معنیٰ ہے جو لفظ بولتے وقت سمجھ میں آئے؛ یہ صریحی معنیٰ حقیقت میں بھی ہوتا ہے اور مجاز میں بھی؛ اس کے مقابل کو کنایہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

② کل قیامت کے روز ظاہراً و باطناً صورۃً و معنیً من کل الوجوہ اکیلے رحمان کی بادشاہت ہوگی، اور صرف اسی کا حکم چلے گا اس وقت مستحقین رحمت بے حساب رحمتوں سے نوازے جائیں گے مگر باوجود ایسی لامحدود رحمت کے کافروں کے لیے وہ دن بڑی سخت مشکل اور مصیبت کا ہوگا، "تب وہ مارے حسرت و ندامت کے اپنے ہاتھ کاٹ کھائیں گے" اور افسوس کریں گے کہ: ہم نے کیوں دنیا میں رسولِ خدا کا راستہ اختیار نہ کیا! دیکھئے یہاں ﴿يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ﴾ یعنی: ظالم محشر کے دن اپنے ہاتھوں کو کاٹ کھائے گا، بول کر اس جملے کا لازمِ معنیٰ: "ظالم کا نادم و شرمسار ہونا" مراد لیا گیا ہے؛ کیوں کہ عادۃً پشیمان آدمی مارے ندامت کے اپنے ہاتھوں (انگلیوں) کو منہ میں ڈال لیتا ہے۔ یہاں کافر کے نادم اور شرمندہ ہونے کو "العض علی الیدین" ہاتھ کاٹ کھانا، سے تعبیر فرمایا۔

دوسری مثال: اسی طرح ایک غریب ساتھی جو پکا موحد تھا اس نے اپنے مشرکانہ اطوار اختیار کرنے والے ساتھی سے جو شرک میں مبتلا تھا کبر و غرور کا نشہ دماغ میں بھرا تھا اور دوسروں کو حقیر جانتا تھا کہا کہ: "اس بات سے ڈر کہ کہیں ایک گرم بگولا اٹھے یا کوئی آفتِ سماوی نازل ہو جو تیرے تکبر کی سزا میں باغ کو تہس نہس کرکے صاف چٹیل میدان بنا دے یا نہر کا پانی خشک ہو کر رہ جائے!" اس مشرک نے موحد کی بات نہ سنی تو ایسا ہی ہوا جیسا مردِ نیک کی زبان سے نکلا تھا کہ: رات کو آفتِ سماوی آگ کی صورت میں آئی سب جل کر ڈھیر ہو گیا اور اصل پونجی بھی کھو بیٹھا، تب وہ مشرک کفِ افسوس ملتا رہ گیا؛ یہاں بھی مشرک کے نادم و پشیمان ہونے کو "تَقْلِيْبُ الْكَفَّيْنِ" سے تعبیر فرمایا۔ دونوں جگہ علاقہ یہ ہے کہ: طبعی طور پر انسان کا چہرا شرمندگی پر سرخ ہو جایا کرتا ہے اسی طرح سخت ندامت اور حسرت کے وقت لازمی طور پر یا ہاتھ کاٹ کھاتا ہے یا ہتھیلیاں پلٹتا پھرتا ہے۔ (علم البیان)

مجاز اور کنایہ میں فرق

مجاز مرسل اور کنایہ میں فرق یہ ہے کہ: مجازِ مرسل میں ایک ایسا قرینہ ہوتا ہے جو لفظ کے معنیٔ اصلی مراد لینے سے مانع بنتا ہے، جیسے: ﴿وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ﴾ میں ہے، جب کہ کنایہ میں اگرچہ لازمِ معنیٰ کو مراد لیا جاتا ہے؛ لیکن وہاں ظاہری معنیٰ کو بھی مراد لیا جاسکتا ہے، جیسے ﴿يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ﴾ اور ﴿فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ﴾ میں ملاحظہ فرمایا[1]۔

ہاں! کبھی کنایہ میں کسی عارضِ خارجی، معنیٔ اصلی مراد لینے سے مانع ہوا کرتا ہے جو اس عارض خارجی کا اثر ہوتا ہے، کسی قرینے کی وجہ سے نہیں، جیسے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾[2] [الشوریٰ:۱۱]۔

---

① دیکھئے! ﴿وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ﴾ میں ﴿قَرْيَةً﴾ کی طرف ﴿وَاسْئَلْ﴾ کی نسبت یہ قرینہ ہے جو قریۃ کا اصلی معنیٰ (بستی سے پوچھ) مراد لینے سے مانع ہے، اور یہی حال استعارہ میں بھی ہے، جیسے ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ﴾ میں ذل کی طرف جناح کی نسبت ذل کے حقیقی معنیٰ (یعنی ذلت کا پر) مراد لینے سے مانع ہے کہ ذلت کوئی ایسی چیز نہیں جس کا پر ہو، اسی طرح بستی کوئی ایسی چیز نہیں جس سے سوال کیا جاسکے؛ جب کہ کنایہ میں اگرچہ اصل معنیٰ کے لازم کو مراد لیا جاتا ہے؛ لیکن وہاں اصلی معنیٰ مراد لیا جاسکتا ہے، جیسے ﴿يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ﴾ اور ﴿فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ﴾ میں لازمِ معنیٰ یعنی ندامت وحسرت کے علاوہ اصلی معنیٰ یعنی دونوں ہتھیلیوں کو مَلنا بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔

② اس آیت میں ایک قول کے مطابق کاف کو اصلی مانیں تو آیت میں اللہ عزوجل سے مثلیت کی نفی کنایۃً ہوگی؛ یعنی اللہ کے مثل سے مشابہت رکھنے والا کوئی مثل موجود نہیں ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ بلا واسطہ اللہ سے مشابہت رکھنے والا مثل — العیاذ باللہ — کیسے ہوسکتا ہے! ہرگز نہیں! ہرگز نہیں! یہاں ''کاف'' اصلی معنیٰ میں لینے کی صورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے مثل کی نفی بطریقِ کنایہ ہوگی؛ دیکھیے یہاں اصلی معنیٰ میں چونکہ مثلیت کا اثبات ہو رہا ہے جو بالکل غلط ہے؛ لہٰذا اس خارجِ عارضی کی وجہ اصلی معنیٰ مراد لینا صحیح نہیں ہے۔ ہاں اگر مشہور قول کے مطابق ''کاف'' کو زائد مانیں تو مثلیت کی نفی صراحتًا ہوگی۔

خلاصۂ کلام: باری تعالیٰ کے مثل کے مثل کی نفی کرنا مثل کی نفی کو مستلزم ہے، اس وقت آیت میں معنیٔ اصلی یعنی: ''باری تعالیٰ کے ہم سر کا مثل نہیں'' مراد لینا عارض خارجی کی وجہ سے ممتنع ہے؛ کیوں کہ اس وقت باری تعالیٰ کے مثل کا — العیاذ باللہ — اثبات ہوگا، حالاں کہ اس کا نہ ذات میں کوئی مماثل ہے نہ صفات میں (علم البیان)

فصل ثانی: اقسام کنایہ

مکنی عنہ اور اس کے مطلوب کے اعتبار سے کنایہ کی تین قسمیں ہیں: ① کنایہ عن صفت، ② کنایہ عن موصوف، ③ کنایہ عن نسبت[①]۔

① **کنایہ عن صفت**: مکنی عنہ صفتِ قریبہ یا بعیدہ ہو؛ یعنی: کلام میں کسی موصوف کی ایسی ایک یا چند صفات ذکر کرنا جن ایک یا چند صفات سے ذہن دوسری مکنی عنہ صفت (جو صفت مقصودہ ہے) کی طرف چلا جائے جن کے درمیان ایسا تلازم اور ارتباط ہو کہ ذہن اس صفتِ مذکورہ سے مکنی عنہ—صفت غیر مذکورہ مقصودہ—کی طرف چلا جائے، جیسے﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا﴾ [لقمان:١٨]؛ نیز اظہارِ ندامت و پشیمانی کے لیے ﴿يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ﴾ اور ﴿فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلَىٰ مَا أَنْفَقَ﴾ کہنا بھی کنایہ عن صفۃ کے قبیل سے ہے[②]۔ (علم البیان)

② **کنایہ عن موصوف**: مکنی عنہ موصوف ہو، یعنی: کلام میں ایک یا چند ایسی صفات ذکر کرنا جو کسی خاص موصوف کے ساتھ مخصوص ہوں اور اس ایک یا چند صفات کے ذکر کرنے سے وہ مخصوص موصوف مقصود ہو، جیسے:﴿أَوَمَنْ يُنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ﴾ [الزخرف:١٨]؛ وقالَ رسولُ اللهِ ﷺ: لَمْ تَحِلَّ الغَنائِمُ لأَحَدٍ "سُوْدِ الرُّؤُوْسِ" مِنْ قَبْلِكُمْ...[③] [الترمذي، أبواب التفسير، سورة الأنفال].

---

① کنایہ کے ذریعہ کسی موصوف کی کسی صفت کو طلب کیا گیا ہو تو وہ کنایہ عن صفت ہے، اور اگر خود موصوف کو طلب کیا گیا ہو تو وہ کنایہ عن موصوف ہے، اور اگر کسی صفت کی کسی موصوف کی جانب ہونے والی نسبت کو طلب کیا گیا ہو تو وہ کنایہ عن نسبت ہے۔

② یعنی تو لوگوں کی طرف اپنے گال مت پھلا اور زمین پر اتراتا مت چل! یہاں گال پھلانا اور زمین پر اتراتا چلنا، یہ دو صفتیں ذکر کیں اور ان دو صفتوں سے لازمی طور پر سمجھ میں آنے والی دو صفتوں (تکبر اور فخر) سے کنایہ کیا گیا ہے۔ (علم البیان)

③ مثال اول: یعنی: کیا خدا نے اولاد بنانے کے لیے لڑکی کو پسند کیا ہے جو عادۃً آرائش و زیبائش میں نشو نما ←

کنایہ عن موصوف اور کنایہ عن صفت دونوں کی مثال، جیسے فرمانِ الٰہی ﴿وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ، وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ "غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ" تَكُوْنُ لَكُمْ، وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ"يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ" ۝﴾① [الأنفال:٧]

③ **کنایہ عن نِسبت:** مکنی عنہ نسبت ہو؛ یعنی: متکلم کسی ذات کی طرف کسی صفت کی ثبوتی یا سلبی نسبت کرنا چاہتا ہے؛ لیکن اس (ذات وموصوف) کی طرف صراحتًا اس صفت کی نسبت کرنے کے بجائے ایسی چیز کی طرف نسبت کرتا ہے جو موصوف سے شدید الاتصال اور وثیق الارتباط ہے؛ نتیجۃً اس صفت کی نسبت معین موصوف کے لیے بھی ثابت ہوجاتی ہے، جیسے:

⇐ پائے اور زیورات وغیرہ کے شوق میں مستغرق رہے؛ اور قوتِ فکریہ کے ضعف کی وجہ سے مباحثہ کے وقت قوتِ بیانیہ بھی نہ رکھے۔ دیکھئے! یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے لفظِ "بنات" کی تصریح کو چھوڑ کر "زیورات میں نشوونما پانے والی اور بحث ومباحثہ کے وقت قوتِ بیانیہ نہ رکھنا" بول کر اس کے لازمِ معنیٰ "بنات" کا کنایہ کیا ہے؛ اور یہ ایسی دو صفات ہیں جو ظاہرا عورت کے ساتھ خاص ہیں۔ (علم البیان)

مثالِ ثانی: آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تم سے پہلے کالے بال والوں کے لیے مالِ غنیمت کو حلال نہیں کیا گیا تھا؛ آسمان سے آگ آتی اور مالِ غنیمت کو کھاجاتی تھی؛ یہاں "سُوْدُ الرُّؤُوس" سے بنوآدم کا کنایہ کیا ہے؛ کیوں کہ ان کے بال کالے ہوتے ہیں، یہ کنایہ عن موصوف کی مثال ہے۔

① اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ تم سے یہ وعدہ کررہا تھا کہ: دو گروہوں میں سے کوئی ایک تمھارا ہوگا اور تمھاری خواہش تھی کہ جس گروہ میں (خطرے کا) کوئی کانٹا نہیں تھا وہ تمھیں ملے اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتے تھے کہ: اپنے احکام سے حق کو حق کردکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے۔

اس آیت میں دو کنایے ہیں: ① کنایہ عن موصوف اور وہ ﴿ذَاتِ الشَّوْكَةِ﴾ ہے، مسلمان چاہتے تھے کہ تجارتی قافلہ پر حملہ آور ہوں جس میں کانٹا نہ چبھے، یعنی: لڑائی نہ ہو؛ یہاں لفظِ "حرب" کی تصریح کیے بغیر کنائی لفظ ﴿ذَاتِ الشَّوْكَةِ﴾ استعمال فرما کر اس کا لازمِ معنیٰ: حرب، کا کنایہ کیا ہے ② اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ "کافرین کی جڑوں کو کاٹ دیں گے" کے ذریعے اس کا لازمِ معنیٰ "استیصال" (بیخ کنی، جڑ سے اکھیڑنا) کا کنایہ کیا ہے۔ (علم البیان)

اسی طرح جیسے: مَجْمَعُ الضِّغْنِ، "کینہ کے جمع ہونے کی جگہ"، اس سے دل مراد لیا، اور حَيٌّ مُسْتَوِي الْقَامَةِ عَرِيْضُ الْأَظْفَارِ؛ زندہ ہے، سیدھے قد والا ہے، چوڑے ناخن والا ہے، اس سے انسان کو مراد لینا بھی کنایہ عن موصوف کے قبیل سے ہے۔

المجدُ بَيْنَ ثَوْبَيْهِ، وَالكَرَمُ بَيْنَ بُرْدَيْهِ①.

اُسلوبِ کنایہ کے فوائد

① معانی کو محسوس صورتوں کی شکل میں پیش کرنا، تاکہ وہ معانی دلوں میں راسخ ہو جائیں، جیسے: ﴿لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ﴾② [بني إسرائيل:۲۹].

② معانی غیر مستحسنہ کو کنایۃً بہت مناسب الفاظ سے تعبیر کرنا، جیسے: جماع کی تعبیر ﴿أَوْ "لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ"﴾ سے یا ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ "الرَّفَثُ إِلىٰ نِسَآئِكُمْ"﴾ سے کرنا، اور فرج کو ﴿فَأْتُوْا "حَرْثَكُمْ" أَنّٰى شِئْتُمْ﴾ سے تعبیر کرنا وغیرہ③۔ (علم البیان)

③ متکلم کسی چیز کو مخفی رکھنا چاہے تو اُسلوب کنایہ اختیار کرتا ہے، جیسے: ﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ﴾④ [يوسف: ۲۳].

---

① مقامِ مدح میں عرب کہتے ہیں: ''بزرگی اس کے دو کپڑوں کے درمیان ہے (یعنی: وہ بزرگ ہے)، اور سخاوت اس کی دو چادروں کے درمیان ہے''؛ یہاں بزرگی اور سخاوت کی نسبت صراحتاً موصوف کی طرف کرنے کے بجائے اس سے شدید الاتصال چیز (کپڑا اور چادر) کی طرف نسبت کرنا، یہ خود موصوف کی طرف بزرگی اور سخاوت کی نسبت کرنے کا کنایہ ہے۔

② یعنی: نہ تو (ایسے کنجوس بنو کہ) اپنے ہاتھ کو گردن سے باندھ رکھو، اور نہ ہی (ایسے فضول خرچ بنو کہ:) ہاتھ کو بالکل ہی کھلا چھوڑ دو! یہاں بخل اور کنجوسی کے معنی کو ''گردن کے ساتھ بندھے ہوئے ہاتھ'' کی صورت میں تعبیر کیا، جو ایک قبیح صورت ہے جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں؛ بخل کو مذکورہ صورت میں پیش کر کے لوگوں کے دلوں میں نفرت ڈالی ہے۔ (علم المعانی)

③ آیتِ اولی: یعنی: اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ آیا ہو'' یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو'' (یعنی: جماع کیا ہو) پھر تم کو پاک مٹی نہ ملے تو مٹی سے تیمم کر لو۔ آیتِ ثانیہ: تمھارے لیے حلال کیا گیا ہے کہ: تم روزوں کی حالت میں اپنی بیویوں سے بے تکلف صحبت (جماع) کرو۔ آیتِ ثالثہ: تمھاری بیویاں تمھارے لیے کھیتیاں ہیں، (یعنی: نسلِ انسانی کی بڑھوتری کا ذریعہ ہیں)؛ لہٰذا اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو جاؤ، یعنی: جس انداز سے خصوصی ملاپ کرنا چاہو، کرو!

④ یہاں امرأۃ العزیز کا نام ذکر کرنے سے اعراض کرنے اور یوسف کی عفت کو عمدہ طریقہ سے بیان کرنے کے لیے ﴿الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا﴾ کی تعبیر اختیار کی۔ (علم البیان)

④ سامعین کے دِلوں میں کسی مضمون کی عظمت بیان کرنے یا ہولنا کی بٹھانے کے لیے، جیسے: ﴿اَلْقَارِعَةُ۝ مَا الْقَارِعَةُ۝ وَمَا أَدْرٰكَ مَا الْقَارِعَةُ۝ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ۝﴾، [القارعة:۱-٤] ﴿إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا۝ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا۝﴾[1] [الزلزال:۱-۲]

اقسامِ کنایہ باعتبارِ وسائط

باعتبارِ وسائط، لوازم اور سیاق کے کنایہ کی چار قسمیں ہیں: ① تلویح، ② رمز، ③ ایماء واشارہ، ④ تعریض۔

① **تَلْوِيْح**: لفظ کے معنیٔ حقیقی اور اس کے لازمِ معنیٰ کے درمیان وسائط زیادہ ہوں، جیسے حدیث اُمِ زرع میں نویں عورت نے کہا: زَوْجِيْ رَفِيْعُ العِمَادِ، "عَظِيْمُ الرَّمَادِ"، طَوِيْلُ النِّجَادِ، قَرِيْبُ البَيْتِ مِنَ النَّادِ[2].

---

① آیتِ اولی: یاد کرو وہ واقعہ جو "دِل دہلا کرر کھ دے گا"! کیا ہے وہ دِل دہلا دینے والا واقعہ؟ اور تمھیں کیا معلوم وہ دِل دہلانے والا واقعہ کیا ہے؟ جس دِن دسارے لوگ پھیلے ہوئے پروانوں کی طرح ہوجائیں گے!...؛ آیتِ ثانیہ: جب زمین "اپنی بھونچال سے جھنجھوڑ دی جائے گی"، اور زمین اپنے بوجھ کو باہر نکال دے گی، اور انسان کہے گا: اس کو کیا ہوگیا ہے؟ دیکھیے: یہاں قیامت کے احوال کو ایسے کنائی الفاظ سے بیان فرمایا ہے جس سے قیامت کی ہولنا کی ہوتی ہے (علم البیان)

② میرا شوہر اونچے مکان والا (رفیع الشان)، بڑی راکھ والا (بڑا مہمان نواز)، اور دراز پڑتلہ والا (دراز قد) ہے، اس کا مکان دار المشورت سے قریب ہے؛ اس مثال میں تین جگہ کنایہ ہے: رفیع العماد، یہ ایماء واشارہ کی مثال ہے؛ کثیر الرماد، یہ تلویح کی مثال ہے؛ طویل النجاد، یہ اِیماء واِشارہ کی مثال ہے۔ دیکھیے! "رفیع العماد" سے عورت نے اپنے شوہر کی شرافت اور سرداری کا کنایہ کیا ہے، اور وہ اس طرح کہ: اونچے ستونوں والا مکان شریف لوگ بنایا کرتے تھے۔

"عظیم الرماد"، زیادہ راکھ والا ہونا اور سخی ہونا؛ اور ان دونوں کے درمیان مذکورہ وسائط ہیں: چولہے کی راکھ کی کثرت لکڑیوں کے بہ کثرت جلنے کو مستلزم ہے، اور لکڑیوں کا بہ کثرت جلنا روٹیوں اور کھانا پکنے کی کثرت کو مستلزم ہے؛ اور اِن دونوں کی کثرت کھانا کھانے والوں کی کثرت کو مستلزِم ہے، اور کھانا کھانے والوں کی کثرت، مہمانوں کی کثرت کو اور مہمانوں کی کثرت سخاوت کو مستلزِم ہے؛ یہ "تلویح" ہے۔

"طویل النجاد" اس سے دراز قد کا کنایہ اس طرح ہے کہ: طولِ نجاد طولِ قامت کو مستلزم ہے؛ گویا رفیع العماد سے سرداری کا، عظیم الرماد سے سخاوت کا طویل النجاد سے درازیٔ قد کا کنایہ کیا گیا ہے (شمائل ترمذی وخصائل)

② **رَمْز**: یہ ہے کہ کنایہ میں وسائط کم اور مخفی ہوں یا وسائط بالکل ہی نہ ہوں؛ لیکن لازمی معنی مخفی اور غیر واضح ہو، جیسے: هوَ سَمِيْنٌ رِخْوٌ؛ عَمْرٌو أَقْمَر لَيلُه①.

③ **اِیماء واِشارہ**: کنایہ میں وسائط کم ہوں یا بالکل ہی نہ ہوں، اور لازمی معنی واضح ہو، جیسے شعر:

أَوَ مَا رَأَيْتَ المجْدَ أَلْقىٰ رَحْلَهُ ۞ فِيْ آلِ طَلْحَةَ ثُمَّ لَمْ يَتَحَوَّلِ②

ملحوظہ: کنایہ سے ملتی جُلتی ایک قسم تعریض بھی ہے:

④ **تَعْرِيض**: یہ ہے کہ: متکلم اپنے کلام کو غیر مذکور موصوف کے لیے ثابت کرے؛ مثلاً: خطاب کسی ایک سے ہو اور مراد اس کا غیر ہو، جس مراد کو سمجھنا سیاقِ کلام پر موقوف ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَمَا لِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ﴾ [یٰس: ۲۲]، أي: "مَا لَكُمْ لاتَعْبُدُوْنَهُ"؛ ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ [الزمر:٦٥]؛ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ③.

ملحوظہ: کنایہ اور تعریض کے درمیان دو چیزوں میں فرق ہے؛ تفصیل حاشیہ میں ملاحظہ

---

① مثالِ اول: کسی کو کند ذہن اور کاہل بتلانے کے لیے کہا جاتا ہے: وہ آدمی موٹا ہے اور مالدار ہے، کیوں کہ زیادہ مال دار ہونا مرغن غذاؤں کے کھانے کو مُستلزم ہے، اور مرغن غذاؤں کا کھانا موٹاپے کو مُستلزم ہے، اور موٹاپا سستی وکند ذہنی کو مُستلزم ہے۔ (دروس البلاغۃ)؛ مثالِ ثانی: عمرو کی رات چاندنی ہوگئی، یہ کہہ کر عمرو کے بالوں کے سفید ہوجانے کا کنایہ کیا ہے اور واسطہ بالکل نہیں؛ لیکن ذہن اس کی طرف منتقل نہ ہونے کی وجہ سے لازمی معنی مخفی ہے۔

② کیا تم نے نہیں دیکھا بزرگی کو! کہ وہ خیمہ زن ہوگئی طلحہ کے خاندان میں، پھر وہاں سے منتقل نہ ہوئی۔ اس شعر میں آلِ طلحہ کی جانب مجد وشرافت کے کجاوہ ڈالنے کی نسبت کرکے آلِ طلحہ کی جانب کرنے سے کنایہ کیا ہے؛ کیوں کہ مجد وشرافت کوئی ایسی چیز نہیں جس کے لیے کجاوہ جیسا محل ہو۔ (دروس البلاغۃ)

③ پہلی مثال میں ایک مردِ صالح نے بات اپنے اوپر رکھ کر دوسروں کو سنایا کہ: تم کو آخر کیا ہوا کہ جس نے پیدا کیا اُس کی بندگی نہ کرو! اور اس کا قرینہ ﴿وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ ہے؛ کیوں کہ اگر اپنی ہی بات ہوتی تو "وإليه أرجع" فرماتے؛ دوسری مثال میں رسول سے خطاب فرما کر لوگوں کو یہ بتلانا ہے کہ: شرک اتنی بُری چیز ہے کہ اس سے تمام کیا کرایا مبہوت ہوجایا کرتا ہے؛ اسی طرح حدیث پاک کا ایک معنی ضرور ہے؛ لیکن تکلیف دینے والے کے سامنے یہ حدیث پڑھ کر یہ تعریض مقصود ہوتی ہے کہ: تجھ میں اسلام کی خوبی نہیں ہے (علم البیان، الزیادہ)

فرمالیں①۔

① تعریض وکنایہ میں سے ہر ایک کی دلالت ایسے لازمی معنی پر ضرور ہوتی ہے جس پر الفاظِ کلام حقیقتاً دلالت نہیں کرتے؛ لیکن ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ:

۱۔تعریض میں الفاظ کے معنیٔ تعریضی ومعنیٔ کنائی کے درمیان تلازم اُن خاص مواقف کی طرف راجع ودائر ہوتا ہے جو خاص مواقف سیاقِ کلام اور قرائنِ احوال سے مفہوم ہوتے ہیں؛ جب کہ کنایہ میں معنیٔ مکنی بہ اور مکنی عنہ کے درمیان کا تلازُم عرف وعادت اور خصوصیات اشیاء سے معلوم ہوتا ہے؛

۲۔لفظِ مفرد کا تعریضی معنی پر دلالت کرنا ممکن نہیں ہے؛ کیوں کہ لفظِ مفرد تعریضی معنی کو ادا نہیں کرسکتا؛ لہٰذا تعریض ہمیشہ مرکب میں پائی جائے گی، جب کہ کنایہ مرکب ومفرد دونوں میں پایا جاتا ہے۔(علم البیان)

بدیع القرآن

سوالاتِ بدیع

بابِ اوّل: متعلق بہ محسناتِ معنویہ

① مذکورہ آیت میں ضدین کو جمع کیا ہے تو طِباق کی (تین) قسموں میں سے کون سی قسم ہے؟
② اگر دو متناسبین الفاظ کو جمع کیا ہے تو اس کی (چھ) صناعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟
③ اگر ذومعنیین لفظ مستعمل ہے تو اس کی (چار) صناعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟
④ اگر اَشیائے متعددہ کو جمع کیا ہے تو اس کی (پندرہ) صناعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟
⑤ طرَفین کے تعلق سے (تین) صناعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟
⑥ اگر صفت بیان کی ہے تو اس کے متعلق (بارہ) صناعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟
⑦ مضمون کی تحسین سے متعلق (دس) صناعتوں میں سے کوئی صنعت استعمال فرمائی ہے؟
⑧ حسنِ کلام سے متعلق (آٹھ) صناعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟
⑨ ذکر کردہ مضمون کی پختگی کے لیے (نَو) صناعتوں میں سے کوئی صنعت استعمال فرمائی ہے؟

بابِ ثانی: متعلق بہ محسناتِ لفظیہ

① دو کلموں کے درمیان جِناس تام (تشابہِ لفظین) ہے تو اس کی (تین) قسموں میں سے کیا ہے؟
② دو کلموں کے درمیان جناس ناقص (اختلافِ لفظین) ہے تو اس کی اجمالی (چار) اور تفصیلی (آٹھ) قسموں میں کیا ہے؟
③ کلمے کو حسین بنانے کے لیے (تین) صنعتوں میں سے کوئی ہے؟
④ اِختتامِ فقرہ سے متعلق (پانچ) صنعتوں میں سے کون کون سی صنعتیں ہیں؟
⑤ ابتدا و اِنتہائے کلام کے اعتبار سے (گیارہ) صنعتوں میں سے کیا ہے؟

محسنات بدیعیہ

علمِ بدیع: وہ علم ہے جس کے ذریعہ فصیح وبلیغ کلام میں حسن پیدا کرنے کے طریقے معلوم ہوں۔

کلام میں حسن پیدا کرنے کی دوصورتیں ہیں، جن کو: محسّنات جوہریہ، ومحسّنات عرضیہ سے تعبیر کرسکتے ہیں یا محسناتِ اصلیہ، محسناتِ ضمنیہ سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں۔

محسنات جوہریہ، اس کے طریقے: تشبیہ، استعارہ، مجاز، کنایہ، ایجاز، اقسام اطناب اور مساوات ہیں، جن کا ذکر بلغاء حضرات علم بیان ومعانی کے ضمن میں کرتے ہیں۔ اور محسنات عرضیہ کی دوصورتیں ہیں: محسنات لفظیہ، محسنات معنویہ؛ جن کا بیان علم البدیع میں کیا جاتا ہے۔

مُحَسِّنَاتِ مَعْنَوِیَّہْ: وہ طریقے ہیں جن کے ذریعہ معانیٔ کلام میں حسن پیدا کیا جائے؛ یہ طرق متعدد ہیں۔

محسناتِ لفظیہ: وہ طریقے ہیں جن کے ذریعہ الفاظِ کلام میں حسن پیدا کیا جائے؛ یہ متعدد ہیں۔

باب اول: در محسناتِ معنویہ

متعلق بہ اجزائے کلام: جمعِ ضدین، در جمعِ متناسبین، لفظ ذو معنیین، اشیائے متعددہ، طرفین جملہ، اثباتِ صفت، حسنِ کلام۔

متعلق بہ مضمون کلام: تحسین مضمون، اثبات مضمون۔

بابِ دوم: در محسنات لفظیہ

متعلق بہ: تشابہ لفظین، اختلافِ لفظین، متعلق بہ تحسین کلمہ، متعلق باختتام فقرہ۔

خاتمہ: متعلق بہ تحسین کلام۔

ضمیمہ: در سرقاتِ شعریہ، وضروری اصطلاحات شعریہ۔

بابِ اوّل

محسناتِ معنویہ

متعلق بہ اجزائے کلام

فصل اول: در جمع ضدین

طباق کی اوّلاً تین قسمیں ہیں: ① طباقِ جلی ② طباقِ خفی ③ طباقِ مقابلہ۔

① **طِبَاقِ جَلِی:** کلام نثر یا کلام شعر میں دو متضاد چیزوں کو اکٹھا کر دینا، جیسے: ﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى﴾[البقرة:١٦]؛ ﴿فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلاً، وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا﴾ [التوبة:٨٢]؛ ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ [البقرة:٢٨٦]؛ ﴿رَبِّ أَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى﴾[1] [البقرة:٢٦٠].

طباق کی مختلف صورتیں:

کلمہ کے اعتبار سے طباق کل چار صورتوں میں مستعمل ہے:

① دو اسموں کے درمیان طِباق ہو، جیسے: ﴿وَتَحْسَبُهُمْ "أَيْقَاظًا" وَّهُمْ "رُقُوْدٌ"﴾ [الكهف:١٨] وقوله عز وجل: ﴿وَمَا يَسْتَوِي "الْأَعْمٰى" وَ"الْبَصِيْرُ" ۝ وَلَا "الظُّلُمٰتُ"

---

① آیتِ اولی: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی ہے۔ آیتِ ثانیہ: اب یہ لوگ (دُنیا میں) تھوڑا بہت ہنس لیں، اور پھر (آخرت میں) خوب روتے رہیں۔ آیتِ ثالثہ: اس کو فائدہ بھی اسی کام سے ہوگا جو وہ اپنے ارادے سے کرے، اور نقصان بھی اسی کام سے ہوگا جو اپنے ارادے سے کرے۔ آیتِ رابعہ: اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ابراہیمؑ نے کہا تھا کہ میرے پروردگار! مجھے دکھایئے کہ آپ مُردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں؟

دیکھیے: آیتِ اولیٰ میں ہدایت وضلالت متضاد اسموں کو جمع کیا ہے؛ آیت ثانیہ میں ﴿لِيَضْحَكُوْا﴾ اور ﴿لِيَبْكُوْا﴾ متضاد فعلوں کو، اور ﴿قَلِيْلاً﴾ اور ﴿كَثِيْرًا﴾ دو اسموں کو جمع کیا ہے؛ اور آیت ثالثہ میں لام (برائے منفعت) اور علی (برائے مضرت) متضاد حرفوں کو جمع کیا ہے، اور آیت رابعہ میں دو متضاد اسم وفعل کو جمع کیا ہے۔

ملحوظہ: صنعتِ طباق میں مذکور لفظِ تضاد – بلغاء کی اصطلاح کے مطابق – ضدوں اور نقیضوں دونوں کو مشتمل ہے؛ ورنہ مناطقہ کے نزدیک ضدین: وہ ہیں جو آپس میں جمع نہ ہوں، ہاں! دونوں ایک ساتھ مرتفع ہوسکتی ہیں، جیسے: سواد وبیاض، کہ: یہ دونوں ایک ساتھ جمع تو نہیں ہوسکتیں؛ لیکن دونوں مرتفع ضرور ہوسکتی ہیں۔ اور متناقضین: وہ دو چیزیں کہلاتی ہیں جو نہ ہی آپس میں جمع ہوں اور نہ ہی ایک ساتھ مرتفع ہوسکتی ہوں، جیسے: موت وحیات اور لیل ونہار۔ (علم البدیع)

وَلَا "النُّوْرُ" ۝﴾[1] [فاطر:۲۰-۱۹]

② دو فعلوں کے درمیان طِباق ہو، جیسے: ﴿وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ۝﴾ [النجم:۴۴]،
وقوله عز وجل: ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ، وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ﴾[2] [آل عمران:۲٦].

③ دو حرفوں کے درمیان طباق ہو، جیسے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا، لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾[3] [البقرة:۲۸٦].

④ ایک اسم اور ایک فعل کے درمیان طباق ہو، جیسے: ﴿أَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنٰهُ﴾ [الأنعام:۱۲۲]؛ ﴿رَبِّ أَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى﴾[4] [البقرة:۲٦۰].

---

① آیتِ اولیٰ: تم انھیں (دیکھ کر) یہ سمجھتے کہ وہ جاگ رہے ہیں، حالاں کہ وہ سوئے ہوئے تھے؛ یہاں اَیقاظ ورُقود کے معانی کے درمیان تقابل ہے۔ آیتِ ثانیہ: نابینا اور بینا برابر نہیں، نیز اندھیرا اور اُجالا برابر نہیں!

② اور یہ کہ وہی ہے جو موت بھی دیتا ہے اور زندگی بھی؛ یعنی: اس عالم میں تمام متضاد ومتقابل احوال اُسی نے پیدا کیے ہیں؛ خیر وشر کا خالق وہی ہے، خوشی یا غم کی کیفیات بھیجنا، ہنسانا رُلانا، مارنا جِلانا، اور کسی کو نَر کسی کو مادہ بنانا اُسی کا کام ہے۔ یہاں ﴿أَمَاتَ﴾ اور ﴿أَحْيَا﴾ دو فعلوں میں تضاد ہے۔

آپ کہہ دیجئے: "اے اللہ! اے اقتدار کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے اقتدار بخشتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے اقتدار چھین لیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رُسوا کر دیتا ہے؛ تیرے ہاتھ میں سب خوبی ہے۔ یہاں "سلطنت دینا" اور "سلطنت چھین لینا" کے درمیان اسی طرح "عزت دینا" اور "ذلیل کرنا" دو فعلوں کے درمیان تضاد ہے۔

③ اللہ پاک مکلف نہیں بناتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہو، یعنی مقدور سے باہر کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی؛ اس کو نیک عمل کا فائدہ بھی اسی کام کا ملتا ہے جو اپنے ارادے سے کرے؛ اور بُرے کام کا نقصان بھی اسی کام سے ہوگا جو اپنے ارادے سے کرے۔ یہاں لام اور علیٰ کے درمیان تضاد ہے۔

④ آیتِ اولیٰ: بھلا وہ شخص جو کہ مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کو روشنی دی جس کو لیے پھرتا ہے، (کیا) لوگوں میں وہ آدمی اس کے برابر ہو سکتا ہے جس کا حال یہ کہ: اندھیروں میں پڑا ہے وہاں سے نکل نہیں سکتا! یہاں ﴿مَيْتًا﴾ اسم اور ﴿أَحْيَيْنَا﴾ فعل کے درمیان تضاد ہے۔ آیتِ ثانیہ: اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ابراہیمؑ نے فرمایا: اے میرے پروردگار! مجھے دکھائیے کہ آپ مُردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں؟ یہاں ﴿تحي﴾ فعل اور ﴿اَلْمَوْتٰى﴾ اسم کے درمیان تضاد ہے (علم البدیع)

نسبت کے اعتبار سے طِباق کی دوصورتیں ہیں ① طباقِ ایجابی، ② طباقِ سلبی۔

① **طِبَاقِ اِیْجَابِی:** وہ طباق ہے جس میں دومعنوں کے درمیان تضاد ہو، اور دونوں مثبت یا دونوں ہی منفی ہوں؛ یعنی: ایجاب وسلب کا اختلاف نہ ہو، جیسے: ﴿وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ ○ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا○﴾ [النجم:۴۳-۴۴]؛ ﴿ثُمَّ لا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلا يَحْيٰ﴾[1] [الأعلیٰ:۱۳]

② **طِبَاقِ سَلَبِی:** وہ طباق ہے جس میں ایجاب وسلب کا اختلاف ہو (یعنی ایک معنی مثبت ہو اور دوسرا منفی) چاہے ایک مصدر کے دو فعلوں کو جمع کرنے سے ہو، جیسے: ﴿يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ﴾ [النساء:۱۰۸]؛ یا امر ونہی کو جمع کرنے سے ہو، جیسے: ﴿فَـ"لا تَقُلْ" لَّهُمَا أُفٍّ وَلا تَنْهَرْهُمَا وَ"قُلْ" لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيْمًا○﴾ [الإسراء:۲۳]؛ ﴿فَـ"لا تَخْشَوُا" النَّاسَ وَ"اخْشَوْنِ"﴾[2] [المائدة:۴۴]۔

طباقِ تَدْبِيج: مدح یا غیر مدح میں کنایہ یا توریہ کی غرض سے دو یا زیادہ رنگوں کو ذکر کرنا، جیسے: ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا، وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ○﴾[3] [فاطر:۲۷]۔

---

① آیتِ اولیٰ: اور یہ کہ وہی ہے جو ہنساتا اور رُلاتا ہے، اور یہ کہ وہی ہے جو موت بھی دیتا ہے اور زندگی بھی؛ دیکھیے: یہاں ﴿أَضْحَكَ - وَأَبْكىٰ، أَمَاتَ - أَحْيَا﴾ دونوں ہی فعل مثبت ہیں۔ آیتِ ثانیہ: پھر وہ (جہنمی) اس آگ میں نہ مرے گا، اور نہ جئے گا؛ اس آیت میں ﴿لا يَمُوْتُ - لا يَحْيٰ﴾ دونوں ہی فعل منفی ہیں۔

② آیتِ اولیٰ: یہ لوگوں سے تو شرماتے ہیں اور اللہ سے نہیں شرماتے۔ آیتِ ثانیہ: اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو، اور نہ انہیں جھڑکو؛ بلکہ اُن سے عزت کے ساتھ بات کیا کرو۔ آیتِ ثالثہ: (اے یہودیو!) تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ دیکھیے: یہاں پر ﴿يَسْتَخْفُوْنَ﴾ اور ﴿وَلا يَسْتَخْفُوْنَ﴾ کے درمیان، ﴿لا تَقُلْ﴾ منفی اور ﴿قُلْ﴾ مثبت کے درمیان اور ﴿لا تَخْشَوُا﴾ نہی اور ﴿اخْشَوْنِ﴾ امر کے درمیان اثبات ونفی کا اختلاف ہے۔ (جواہر، علم البدیع)

③ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ: اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اُتارا، پھر ہم نے اس کے ذریعے رنگ برنگ کے پھل اُگائے؛ اور پہاڑوں میں بھی ایسے ٹکڑے ہیں جو رنگ برنگ کے سفید اور سرخ ہیں اور کالے سیاہ بھی۔ اس آیت میں بقولِ بعض: واضح راستہ کو جادۂ بیضاء سے، مشتبہ راستہ کو جادۂ سوداء سے، اور درمیانی راستے کو جادۂ حمراء سے کنایہ کیا گیا ہے۔ بہر حال آیت میں بِيْضٌ، حُمْرٌ، اور سُوْدٌ کے ذریعے مختلف راستوں کا کنایہ کیا گیا ہے۔ نیز اس آیت میں ایک اور

طباق کی باقی دو قسمیں: ① طباقِ خفی، ② طباقِ مقابلہ۔

② **طباقِ خفی**: وہ طباق ہے جس میں ایک معنیٰ کو اس کے مقابل کے ساتھ تو اکٹھا نہ کیا جائے؛ بلکہ ایک معنیٰ کو اس کے مقابل کے متعلِّق کے ساتھ جمع کیا جائے، جیسے ﴿قَالُوْا مَا أَنْتُمْ إِلاَّ بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلاَّ "تَكْذِبُوْنَ" ۝ قَالُوْا: "رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّآ إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ" ۝﴾[1] [یٰس:۱۵-۱۶]

② **مُقَابَلَۃ**: یہ ہے کہ: دو یا زیادہ باہم متفق معنوں کو ذکر کیا جائے، پھر ترتیب وار اُن کے مقابل کو بھی لایا جائے، جیسے: ﴿فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلاً، وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا، جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝﴾ [التوبۃ:۸۲]؛ ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى ۝ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرٰى ۝﴾[2]

[اللیل:۵-۱۰]

⇐ صنعت "تقسیم" بھی ہے؛ کیوں کہ پہاڑ ان تین رنگوں سے خارج نہیں۔ تقسیم کا بیان آگے آرہا ہے۔ (علم البدیع الزیادۃ)

ملحوظہ: یہ طباق بھی تقریباً طباقِ جلی ہی ہے، لیکن اس کے رنگوں کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے بُلغاء اس کو مستقل بیان کرتے ہیں۔

① انھوں نے کہا: "تمھاری حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ تم ہم جیسے ہی آدمی ہو۔ اور خدائے رحمٰن نے کوئی چیز نازل نہیں کی ہے، اور تم سراسر جھوٹ بول رہے ہو"۔ اُن رسولوں نے کہا: "ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ ہمیں واقعی تمھارے پاس رسول بنا کر بھیجا گیا ہے؛ دیکھیے یہاں ﴿رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّآ إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ﴾ "أي: ربُّنا يعْلمُ إنَّا لصَادِقوْن"، کذب کا مقابل صدق کا ذکر نہیں فرمایا؛ البتہ صدق کا متعلق یعنی: "رسول ہونا" ﴿إِنَّآ إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ﴾ کے ذریعے بیان کیا، اور کذب کے بالمقابل رسالت کو لا کر لطیف اشارہ فرمایا کہ: رسول ہمیشہ سچے ہی ہوتے ہیں۔ (علم البدیع)

② آیتِ اولیٰ: اب یہ لوگ (دُنیا میں) تھوڑا بہت ہنس لیں، اور پھر (آخرت میں) خوب روتے رہیں، کیوں کہ جو کچھ کمائی یہ کرتے رہے ہیں اُس کا یہی بدلہ ہے۔ آیتِ ثانیہ: خبردار! قسم ہے چاند کی اور رات کی جب وہ منہ پھیر کر جانے لگے، اور صبح کی جب اُس کا اُجالا پھیل جائے۔ آیتِ ثالثہ: اب جس کسی نے (اللہ کے راستے میں مال) دیا، اور تقویٰ اختیار کیا، اور سب سے اچھی بات کو دل سے مانا، تو ہم اُس کو آرام کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کرا دیں گے، رہا وہ شخص جس نے بخل سے کام لیا اور (اللہ سے) بے نیازی اختیار کی اور سب سے اچھی بات جھٹلایا تو ہم اس کو تکلیف کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کرا دیں گے۔ ⇐

ملحوظہ: طباق اور مقابلہ میں فرق یہ ہے کہ ① طباق باہم متضاد معانی میں ہی ہوتا ہے؛ جب کہ مقابلہ دو یا زیادہ متوافق معانی کو اُن کے مقابل معانی کے ساتھ مرتب ذکر کرنے سے ہوتا ہے؛ چاہے وہ متقابل معانی متضاد ہوں یا غیر متضاد۔ ② طباق کا تصوّر صرف ضدین (ایک ایک) میں ہوگا، جب کہ مقابلہ کا وجود ایک ایک سے بڑھ کر دو دو، تین تین یا زیادہ باہم متوافق معانی اور ان کے مقابلات میں ہوتا ہے۔ (الزیادۃ)

❂ ❂ ❂

⊃ دیکھیے: ان آیات میں ضحک وقلت کو ذکر کیا گیا ہے پھر ان کے مقابل بکاء وکثرت کو؛ نیز اعطاء واتقاء، تصدیق حسنیٰ وتیسیر یسری کو ذکر کرنے کے بعد ترتیب وار ان کے مقابلات یعنی: بخل، استغناء عن الدین، تکذیب حسنیٰ اور تیسیر عسریٰ کو ذکر کیا گیا ہے۔ (علم البدیع)

مقابلہ کبھی دو دو چیزوں میں ہوتا ہے اور کبھی اس سے زیادہ میں، دو دو کی مثال، جیسے ﴿فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلاً وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا﴾ [التوبة: ٨٢]؛ تین تین کی مثال، جیسے: ﴿"يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ"، وَ"يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ"، وَ"يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ، وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ"﴾ [الأعراف: ١٥٧] یہاں امر کا نہی سے، معروف کا منکر سے اور تحلیلِ طیبات کا تحریمِ خبائث سے مقابلہ ہے؛ چار چار کی مثال ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى...﴾ ہے؛ یہاں سخاوت، ڈرنا، تصدیق حسنیٰ اور تیسیر یسریٰ کو ذکر کرنے کے بعد ترتیب وار ہر ایک کے مقابل کو ذکر کیا ہے، یعنی: بخل، بے پروا رہنا، تکذیب حسنیٰ اور تیسیر عسری۔ پانچ پانچ کی مثال، جیسے ﴿إِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحْىٖ﴾ [البقرة: ٢٦] یہاں ﴿بَعُوْضَةً - فَمَا فَوْقَهَا﴾، ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا - اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾، ﴿يُضِلُّ - يَهْدِيْ﴾، ﴿يَنْقُضُوْنَ - مِيْثَاق﴾، ﴿يَقْطَعُوْنَ - أَنْ يُّوْصَلَ﴾ میں مقابلہ ہے۔ (الزیادۃ والاحسان)

فصلِ ثانی: در جمع متناسبین

① **مُرَاعَاةُ النَّظِيرِ**: (طباق کا برعکس) یہ ہے کہ کلام میں دو یا زیادہ باہم مشابہ (متناسب) چیزوں کو جمع کرنا جن میں تضاد نہ ہو، جیسے ﴿"اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ" بِحُسْبَانٍ۝﴾ [الرحمن:٥]؛ ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ "الذَّهَبَ، وَالْفِضَّةَ" وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ [1] [التوبة:٣٤]

② **إِيْهَامُ التَّنَاسُبِ**: یہ مراعات النظیر ہی سے ملحق ہے، اور وہ یہ ہے کہ: کسی لفظ کے دو معانی ہوں: ایک معنیٰ مرادی اور دوسرا معنیٰ غیر مرادی؛ اور عبارت میں مذکور چیزیں اس معنیٰ غیر مرادی سے مشابہ ہوں، جیسے: ﴿اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ۝ وَ"النَّجْمُ" وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ۝﴾ [2] [الرحمن:٥-٦]۔

مراعاة النظیر کے قبیل سے تشابہِ اطراف ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: معنوی، لفظی۔

③ **تشابه أطراف معنی**: یہ ہے کہ: ابتدائے کلام کے ساتھ معنوی طور پر مناسبت ومشابہت رکھنے والے الفاظ پر کلام ختم کرنا، جیسے ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ، وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ؛ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۝﴾ [3] [الأنعام:١٠٣]۔

---

① آیتِ اولیٰ: سورج اور چاند ایک حساب میں جکڑے ہوئے ہیں؛ یعنی: سورج وچاند کا طلوع وغروب اور گھٹنا، بڑھنا ایک خاص حساب اور مضبوط نظام کے ماتحت ہے۔ آیتِ ثانیہ: اور جو لوگ سونے چاندی کو جمع کر کر کے رکھتے ہیں اور اُس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے۔ دیکھیے: مثالِ اول میں سورج وچاند؛ اور مثالِ ثانی میں سونا اور چاندی نقدیت میں شریک ہیں۔

② سورج اور چاند ایک حساب میں جکڑے ہوئے ہیں۔ دیکھئے! ﴿النجم﴾ کے دو معانی ہیں ① ستارہ، ② بے ساق نبات؛ ان میں پہلا معنیٰ عبارت میں مذکور اشیاء (شمس وقمر) کے مشابہ ضرور ہے؛ لیکن وہ معنیٰ یہاں مراد نہیں؛ بلکہ یہاں مراد بے ساق نبات ہے؛ لہٰذا یہاں نجم اور شمس وقمر میں ایہام تناسب ہے؛ ہاں! نجم وشجر میں مراعاة النظیر ہے (علم البدیع)

③ نگاہیں اُس کو نہیں پاسکتیں، اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے۔ اُس کی ذات اتنی ہی لطیف ہے اور وہ اتنا ہی باخبر ہے۔ یہاں ﴿وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ پر کلام کا اختتام کیا ہے جس میں ﴿اللَّطِيْفُ﴾ یہ جزوِ اول ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ کے متناسب ہے، اور ﴿الْخَبِيْرُ﴾ یہ جزوِ ثانی ﴿وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾ کے متناسب ہے (علم البدیع) ⇐

④ **تشابہِ اطراف لفظًا:** کی دو صورتیں ہیں:

صورت اولیٰ: یہ ہے کہ: ناثر یا ناظم جملۂ اُولیٰ یا مصراعِ اوّل کے اخیری لفظ کو جملۂ ثانیہ یا مصراع ثانی کی ابتدا میں دوبارہ ذکر کرے، جیسے: ﴿فِيْهَا مِصْبَاحٌ، اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ، اَلزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ﴾① [النور:۳۵]۔

تشابہ اَطراف لفظی کی دوسری صورت یہ ہے کہ: ناظم ہر بیت کے قافیہ کے لفظ کو بعد والے بیت کے شروع میں دوبارہ ذکر کرے، جیسے:

إِذَا نَزَلَ الْحَجَّاجُ أَرْضاً مَرِيْضَةً ❁ تَتَبَّعَ أَقْصٰى دَائِهَا فَشَفَاهَا

شَفَاهَا مِنَ الدَّاءِ الْعُضَالِ الَّذِيْ بِهَا ❁ هُمَامٌ إِذَا هَزَّ الْقَنَاةَ سَقَاهَا②

⑤ **اِرصاد:** (تسہیم) بیت یا فقرے کے عَجُز سے پہلے ایسی عبارت لانا جو آنے والے عجز پر دلالت کرے جب کہ رَوِی معلوم ہو، جیسے: ﴿وَمَا كَانَ اللهُ لِـ"يَظْلِمَهُمْ"

⇐ یعنی نگاہیں کبھی اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں؛ آخرت میں جب وہ از راہِ لطف کرم اپنے آپ کو دِکھانا چاہے گا تو آنکھوں میں ویسی قوت بھی پیدا فرمادے گا، اور وہ ذات ابصار و مبصرات کا احاطہ کئے ہوئے ہے اس لیے کہ وہ باخبر ہے۔

اہم واقعہ: ایک اعرابی نے قاریٔ قرآن کو ﴿فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا أَنَّ اللهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ [البقرة:۲۰۹] اس آیت کو بجائے ﴿أَنَّ اللهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ کے "أن الله غفور رحيم" پڑھتے سنا، تو دیہاتی بول اٹھا کہ: یہ حکیم۔یعنی اللہ۔ کا کلام نہیں؛ کیوں کہ عصیان اور نافرمانی کے موقع پر مغفرت کا ذکر کرنا عصیان پر اُبھارنا ہے؛ چناں چہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ: آیت کا اختتام ﴿أَنَّ اللهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ہے؛ یعنی شریعت محمدی کے صاف صاف احکام معلوم ہونے کے بعد بھی اگر کوئی اس پر قائم نہ ہو؛ بلکہ دوسری طرف بھی نظر رکھے تو خوب سمجھ لو کہ: اللہ سب پر غالب ہے جس کو چاہے سزا دے، کوئی اس کو عذاب سے روک نہیں سکتا؛ بڑا حکمت والا ہے جو کرتا ہے حق اور مصلحت کے موافق کرتا ہے؛ خواہ عذاب دے یا ڈھیل دے۔ (علم البدیع)

① اللہ کے نور کی مثال کچھ یوں ہے جیسے ایک طاق میں ایک چراغ رکھا ہو، اور وہ چراغ ایک شیشہ میں ہو، وہ شیشہ ایسا ہو جیسے ایک چمک دار ستارہ موتی کی طرح چمکتا ہوا۔ اور دوسری مثال شعر هَوًى كان خِلْسًا إن من أبرَدِ الهوى - هوًى جُلْتُ في أفيائه وهو خاملُ. (جواہر البلاغۃ)

② ترجمہ: جب حجاج کسی بیمار زمین میں اترتا ہے تو اُس کی بیماری کی جڑ کو تلاش کر کے اُس کا علاج کر دیتا ہے؛ اُس کا علاج کر دیتا ہے اُس لاعلاج بیماری سے جو وہاں ہوتی ہے۔ وہ ایسا سردار ہے کہ جب وہ نیزے کو حرکت دیتا ہے تو اُسے سیراب کر دیتا ہے۔ (جواہر البلاغۃ)

وَلٰكِنْ كَانُوْٓا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۝﴾ [العنکبوت:۴۰]؛ ﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّآ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَـ"اخْتَلَفُوْا"، وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ۝﴾[1]

[یونس:۱۹]۔

⑥ **مُشَاکَلَت:** کسی معنی کو اس کے موضوع لفظ کے علاوہ ایسے لفظ سے تعبیر کرنا جس سے وہ لگا ہوا ہو، جیسے: ﴿وَجَزٰؤُا سَيِّئَةٍ "سَيِّئَةٌ" مِّثْلُهَا﴾ [الشوریٰ:۴۰]؛ ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَـ"اعْتَدُوْا" عَلَيْهِ﴾۔ [البقرۃ:۱۹۴]؛ ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ﴾[2] [البقرۃ:۱۳۸]

❁ ❁ ❁

① آیتِ اولیٰ: اور اللہ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا؛ لیکن یہ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔ آیتِ ثانیہ: اور (شروع میں) تمام انسان کسی اور دین کے نہیں، صرف ایک ہی دین کے قائم تھے، پھر بعد میں وہ آپس میں اختلاف کرکے الگ الگ ہوئے، اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو جس معاملہ میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں، اُس کا فیصلہ (دنیا ہی میں) کر دیا جاتا۔ دیکھئے! ان دونوں آیتوں میں ارصاد ﴿لِيَظْلِمَهُمْ﴾ اور ﴿فَاخْتَلَفُوْا﴾ ہے؛ کیوں کہ یہ دونوں دلالت کرتے ہیں کہ آنے والا عجز مادۂ ظلم و اختلاف سے ہوگا؛ اب اُن سے اگلی آیات کے فواصل پر وقف کرنے کی صورت میں فواصل میں مذکور حرفِ روی (نون) سے معلوم ہوتا ہے کہ آنے والا عجز ﴿يَظْلِمُوْنَ﴾ اور ﴿يَخْتَلِفُوْنَ﴾ ہوگا۔ (علم البدیع، الزیادۃ والاحسان)

② آیتِ اولیٰ: اور کسی برائی کا بدلہ اُسی جیسی "برائی" ہے؛ دیکھئے! بدلہ کے طور پر جو بُرائی کی جاتی ہے وہ حقیقۃً برائی نہیں ہوتی، محض صورۃً برائی معلوم ہوتی ہے، جس کو جزاء و عقاب کہا جاتا ہے؛ یہاں اس بدلہ ﴿سیئۃ﴾ کا اطلاق مشاکلۃً ہے۔ الحاصل: ظاہر میں دونوں لفظ سیئۃ یکساں ہیں مگر معنی میں مختلف ہیں۔ آیتِ ثانیہ: چناں چہ اگر کوئی شخص تم پر کوئی زیادتی کرے تو تم بھی ویسی ہی زیادتی اس پر کرو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہو۔ اس میں ظلم کا بدلہ لینے پر اعتداء کا اطلاق کرنا مشاکلۃً ہے۔ (جواہر، الزیادۃ) آیتِ ثالثہ: (اے مسلمانو! کہہ دو کہ:) ہم پر تو اللہ نے اپنا رنگ چڑھا دیا ہے، اور کون ہے جو اللہ سے بہتر رنگ چڑھائے؟ اور ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ دیکھیے یہاں عیسائیوں کی بے سروپا رسم "اصطباغ" (رنگ چڑھانا، بپتسمہ) – جس کو وہ کسی شخص کو عیسائی بناتے وقت یا بچہ کے پیدا ہونے کے وقت – انجام دیتے تھے، باری تعالیٰ نے مشاکلۃً فرمایا کہ: رنگ چڑھانا ہے تو اللہ کا چڑھاؤ! جو توحیدِ خالص کا رنگ ہے۔

فصل ثالث: در لفظِ ذو معنیین

① **تَوْرِيَة**: یہ ہے کہ: متکلم ایک ایسا لفظ استعمال کرے جس کے دو معنی ہوں ایک قریبی معنیٰ (یعنی: مشہور معنیٰ جو لفظ سے بہت جلد سمجھ میں آنے والا ہو) اور دوسرا بعیدی (قلیل الاستعمال)، اور متکلم کسی مخفی قرینے کی وجہ سے اسی معنیٰ کو مراد لے رہا ہو، جیسے ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ، وَيَعْلَمُ مَا "جَرَحْتُمْ" بِالنَّهَارِ﴾[1] [الأنعام:٦٠].

ملحوظہ: توریہ اور مجاز و کنایہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ:

① توریہ میں قرینہ عموماً مخفی ہوتا ہے جب کہ مجاز و کنایہ میں عموماً قرینہ ظاہر ہوتا ہے۔

② توریہ میں دونوں معانی لفظ ہی سے سمجھ میں آجاتے ہیں ان میں کسی واسطے اور علاقے کی ضرورت نہیں ہوتی؛ جب کہ مجاز و کنایہ میں معنیٔ اصلی اور معنیٔ مجازی و کنائی کے درمیان علاقے کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ (علم البدیع)

توریہ کا مقصد: توریہ کرنے کا مقصد یا تو یہ ہوتا ہے کہ: وہ معنیٔ بعیدی دل و دماغ میں اتر جائے؛ یا کبھی تصریح کرنے پر ضرر پہنچنے کا خدشہ ہوتا ہے؛ اس وجہ سے توریہ کیا جاتا ہے، جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کسی نے بوقت ہجرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بابت دریافت کیا کہ: یہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: "هَادٍ يَهْدِيْنِيْ".[2] (علم البدیع)

توریہ کی دو قسمیں ہیں: ① مُجَرَّدَه، ② مُرَشَّحَهْ.

---

① اور وہی ہے جو رات کے وقت (نیند میں) تمہاری روح (ایک حد تک) قبض کر لیتا ہے، اور دن بھر میں تم نے جو کچھ کیا ہوتا ہے اسے خوب جانتا ہے۔ یہاں آیتِ کریمہ میں ﴿جَرَحْتُمْ﴾ کے دو معنی ہیں، ایک معنی قریبی ظاہری غیر مرادی یعنی "زخم لگانا" اور یہی معنی مشہور بھی ہے، مگر یہاں مراد نہیں؛ اور دوسرا معنی بعیدی حقی مرادی یعنی اعضاء و جوارح سے کچھ کرنا (گناہ کرنا) اور یہاں یہی معنی مراد ہے، اور ظاہر ہے کہ معنیٔ قریب کے مناسبات یہاں مذکور نہیں ہے۔ اور قرینہ مقامِ مدح ہے؛ کیوں کہ: انسانوں کے ظاہری زخم لگانے کو تو عام لوگ بھی جانتے ہیں؛ لیکن ہر انسان کے ظاہری و باطنی گناہوں کو صرف عليمٌ بذات الصدور ذات ہی جانتی ہے۔ (علم البدیع) بزیادۃ

② هَادٍ کے دو معنی ہیں: ① معنی قریب غیر مرادی، راستہ بتانے والا ② معنی بعید مرادی، صراطِ مستقیم کی راہ دکھانے والا؛ یہاں صدیق اکبر نے آپ پر ضرر کے خدشے سے ایسا لفظ استعمال فرمایا کہ: نہ ضرر لاحق ہوا اور نہ ہی جھوٹ کا ارتکاب ہوا۔

① توریہ مُجَرَّدَہ: یہ ہے کہ اس میں معنیٰ قریبی کے مناسبات مذکور نہ ہوں، جیسے ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ﴾① [الأنعام:٦٠]۔

② توریہ مُرَشَّحَہ: یہ ہے کہ اس میں معنیٰ قریبی کے مناسبات مذکور ہوں، جیسے ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ "اسْتَوٰى"○﴾② [طٰہٰ:٥]۔

② **اِسْتِخْدَامُ**: بُلغاء کے نزدیک صنعتِ استخدام کی دو صورتیں ہیں:

① کسی لفظ کے دو یا زیادہ معانی ہوں، ایک معنیٰ، لفظ سے مراد لیں اور اس لفظ کی طرف ضمیر راجع کرتے ہوئے اس کے دوسرے معنیٰ مراد لیں، جیسے ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا "الْإِنْسَانَ" مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ○ ثُمَّ جَعَلْنٰـ"هُ" نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ○﴾ [المؤمنون:١٢-١٣]؛ ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ "الشَّهْرَ" فَلْيَصُمْهُ﴾③ [البقرۃ:١٨٥]۔

---

① اور وہی ذات تو ہے جو رات کے وقت (نیند میں) تمھاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کیا کرتے ہو، اس کی خبر رکھتا ہے (علم البدیع) تفصیل "توریہ" کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمالیں۔

② وہ بڑی رحمت والا عرش پر اِستوا فرمائے ہوئے ہے۔ دیکھیے: استوٰی کے دو معنی ہیں ① قریبی غیر مرادی: استقرار فی المکان، اور ﴿عَلَى الْعَرْشِ﴾ اس معنیٰ غیر مرادی کے مناسبات میں سے ہے ② بعید مرادی: استعلاء وملک۔

③ آیتِ اولیٰ: ہم نے انسان (آدم علیہ السلام) کو منتخب مٹی سے بنایا؛ پھر ہم نے اُسے (تمام بنی آدم) پانی کی ٹپکی ہوئی بوند کی شکل میں ایک جمے ہوئے ٹھکانے میں رکھا۔ یہاں ﴿الْإِنْسَان﴾ سے حضرت آدمؑ مراد ہیں اور اس کی طرف راجع ﴿جَعَلْنٰهُ﴾ کی ﴿هُ﴾ ضمیر سے ولدِ آدم مراد ہے۔ آیتِ ثانیہ: پس جو کوئی تم میں سے اس مہینے کا چاند پائے، اُسے چاہیے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے۔ یہاں ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ﴾ میں ﴿شَهْر﴾ سے مراد ہلال ہے، اور اس کی طرف لوٹنے والی ﴿فَلْيَصُمْهُ﴾ کی ضمیر ﴿هُ﴾ مفعول سے متعین زمانہ (ماہِ رمضان) مراد ہے۔

ملحوظہ: یاد رہے کہ مذکورہ آیت میں استخدام اس وقت ہوگا جب کہ ﴿فَمَنْ شَهِدَ﴾ میں شَهِدَ بمعنیٰ رَأٰى وأَبْصَرَ ہو؛ اگر شَهِدَ بمعنیٰ حَضَرَ ہو تو اس وقت استخدام نہ ہوگا۔ (علم البدیع) اور شاعر کا شعر:

وَالْعَيْنُ قَرَّتْ بِهِمْ لَمَّا بِهَا سَمَحُوْا ۞ وَاسْتَخْدَمُوْهَا مَعَ الْأَعْدَاءِ فَلَمْ تَنَم

ترجمہ: آنکھ (عین) اُن (ممدوحین) کی وجہ سے ٹھنڈی ہوگئی جب کہ انھوں نے اس (عین: سونے) کی فیاضی کی؛ اور جب دشمنوں کے مقابلے میں اس (عین: جاسوس) سے خدمت لی تو وہ (عین: آنکھ) نہ سوئی۔ اس شعر میں لفظ "عَيْن" مذکور ہوا ہے، جو کئی معانی میں مستعمل ہوتا ہے، (آنکھ، سونا، جاسوس، چشمہ، گھنٹہ)، اور شاعر نے لفظ "العین" سے آنکھ مراد لی ہے، پھر اس کی طرف دو ضمیریں راجع کی ہیں: اول بہ معنیٰ: سونا ہے، اور ثانی بہ معنیٰ: جاسوس ہے۔

② دو معنوں میں مشترک لفظ کو ذکر کیا جائے، پھر دو ایسے لفظوں (قرینوں) کو ذکر کیا جائے جن میں سے ایک لفظ سے ایک معنی اور دوسرے سے دوسرا معنی مفہوم ہو، جیسے ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَقْرَبُوا "الصَّلٰوةَ" وَأَنْتُمْ سُكٰرٰى، حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ، وَلَا جُنُباً إِلاَّ عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾① [النساء:٤٣].

ملحوظہ: استخدام اور توریہ میں فرق یہ ہے کہ: استخدام میں لفظ کے دونوں ہی معانی مراد ہوتے ہیں؛ بایں طور کہ: لفظ سے ایک معنی مراد لیں اور مرجع بناتے ہوئے دوسرا معنی مراد لیں؛ جب کہ توریہ میں بعیدی معنی ہی مراد ہوتا ہے، اور قریبی معنی بے معنی رہتا ہے (علم البدیع)

③ **تردید**: متکلم اپنے کلام میں کسی کلمہ کو ذکر کرے پھر اسی کلمہ کو کسی دوسرے کلمے سے متعلق کر کے دُہرائے، جیسے ﴿وَمَآ أَدْرٰكَ مَا "لَيْلَةُ الْقَدْرِ" ۝، "لَيْلَةُ الْقَدْرِ" خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝﴾ [القدر:٢-٣]؛ ﴿مِثْلَ مَآ أُوْتِيَ رُسُلُ "اللهِ"، "اَللهُ" أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾② [الأنعام:١٢٤].

④ **تَوْجِيْهٌ**: یہ ہے کہ ایسے الفاظ جو عرف میں بطور "اعلام" (انسانوں یا غیر انسانوں کے نام) استعمال ہوتے ہیں، ان کو کسی کلام میں لا کر ان کے اصل معانی جن کے لیے یہ وضع کئے گئے ہیں ان کو مراد لیا جائے، جیسے شاعر کا شعر:

---

① ترجمہ: اے ایمان والو! جس وقت تم نشہ میں ہو تو اس وقت تک نماز کے قریب بھی نہ جانا جب تک تم جو کچھ کہہ رہے ہو اسے سمجھنے نہ لگو، اور نہ جنابت کی حالت میں بھی (مسجد میں جاؤ)؛ مگر راہ چلتے ہوئے، اور جب تک غسل نہ کر لو (نماز جائز نہیں)۔ یہاں ﴿الصَّلٰوة﴾ کے دو معنی ہیں: فعلِ صلوۃ اور موضعِ صلوۃ؛ ان میں سے فعلِ صلوۃ ﴿حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ سے سمجھ میں آتے ہیں اور موضعِ صلوۃ کے معنی ﴿إِلاَّ عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾ سے مفہوم ہوتے ہیں، أي: لاتقربوا الصَّلٰوة جُنُباً إلا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ۔ (الزیادۃ والاحسان)

② آیتِ اولیٰ: اور تمھیں کیا معلوم کہ شبِ قدر کیا چیز ہے؟ شبِ قدر ایک ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔ دیکھئے! اس مثال میں ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ اول بار ترکیب میں خبر ہونے کے لحاظ سے مذکور ہے، پھر اُسے دہراتے ہوئے مبتدا بنا دیا ہے؛ آیتِ ثانیہ: ہم اُس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک اُس جیسی چیز خود ہمیں نہ دے دی جائے جیسی اللہ کے پیغمبروں کو دی گئی تھی، حالاں کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغمبری کس کو سپرد کرے۔ اس مثال میں ﴿اللهِ﴾ اول بار مضاف الیہ اور دوبارہ مبتدا ہونے کے لحاظ سے مذکور ہے (الزیادۃ والاحسان)

وَمَا حُسْنُ بَيْتٍ لَهُ "زُخْرُفٍ" ۞ تَرَاهُ "إِذَا زُلْزِلَتْ" "لَمْ يَكُنْ"①

۞ ۞ ۞

① اس مکان کی کیا خوبصورتی ؟ جس پر ملمع کاری کی گئی ہو، اگر اسے ہلا دیا جائے تو اسے مخاطب تو یوں سمجھے گا کہ یہاں کوئی مکان تھا ہی نہیں۔ یہاں زُخْرُف، إِذَا زُلْزِلَتْ، لَمْ يَكُنْ یہ تینوں الفاظ، غیر انسان یعنی سُوَرِ قرآن کے نام ہیں مگر شعر میں ان سے ان کے معانی موضوعہ مراد ہیں، جو شعر کے ترجمہ سے ظاہر ہے۔

بِهِ الْفَضْلُ يَبْدُوْ وَالرَّبِيْعُ وَكَمْ غَدَا ۞ بِهِ الرَّوْضُ يَحْيىٰ وَهُوَ لاشَكَّ جَعْفَرُ

اسی سے نوازش اور بہار ظاہر ہوتے ہیں اور بہت سے باغات اس کی وجہ سے زندگی پاتے ہیں اور بلاشبہ وہ چیز (جس کی تعریف کی جارہی ہے) ندی ہے۔ یہاں فضل، ربیع، یحییٰ، جعفر یہ سب انسانوں کے نام ہیں، مگر شعر میں ان چاروں الفاظ سے ان کے معانی موضوعہ (فضیلت، موسم ربیع، زندہ ہونا، ندی) مراد لیے گئے ہیں۔

فصلِ رابع: دراشیائے متعددہ

① **جمع**: یہ ہے کہ دو یا زیادہ مختلف چیزوں کو حکمِ واحد میں جمع کرنا، جیسے﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ "رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ"﴾ [المائدة:۹۰]؛ ﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ "زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا"﴾① [الکهف:٤٦].

② **تفریق**: یہ ہے کہ: متکلم تعریف وغیرہ مواقع میں ایک ہی نوع میں شریک دو چیزوں کے درمیان جدائی وتفریق بیان کرے کسی ایسے لفظ کو ذکر کرکے جو زائد معنی کا فائدہ دے، جیسے: ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ، هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ﴾ [فاطر:۱۲]؛ اور آپ ﷺ کی سخاوت بیان کرتے ہوئے شاعر نے کہا ہے:

فَجُوْدُ كَفَّيْهِ لَمْ تَقْلَعْ سَحَائِبُهُ ✿ عَنِ الْعِبَادِ وَجُوْدُ السُّحْبِ لَمْ يَدُمِ②

③ **تقسیم**: اس کی مختلف صورتیں ہیں؛ ان میں سے اہم یہ ہیں:

صورتِ اولی: متکلم چیز سے متعلق جملہ اقسامِ محتملہ کا احاطہ کرلے کہ: کوئی محتمل قسم باقی نہ رہے، جیسے: ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ، يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ: يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ إِنَاثًا،

---

① آیتِ اولی: اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے تھان اور جوے کے تیر، یہ سب ناپاک شیطانی کام ہیں؛ یہاں خمر ومیسر انصاب وازلام مختلف چیزوں کو حکمِ واحد ﴿رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ میں جمع کیا گیا ہے (علم البدیع) ۔ آیتِ ثانیہ: مال اور اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں؛ یہاں مختلف چیزوں (مال واولاد) کو دنیوی زندگی کی زینت ہونے میں جمع فرمایا ہے۔ ملحوظہ: ﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ﴾ میں مراعات النظیر بھی ہے۔

② مثالِ اوّل: اور دو دریا برابر نہیں ہوتے؛ ایک ایسا میٹھا ہے کہ اُس سے پیاس بجھتی ہے جو پینے میں خوشگوار ہے اور دوسرا کڑوا نمکین؛ دیکھئے! یہ دونوں چیزیں دریا ہونے میں شریک ہیں؛ لیکن دونوں میں ﴿عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ﴾ اور ﴿مِلْحٌ أُجَاجٌ﴾ کے ذریعے تفریق وجدائی کردی۔

مثالِ ثانی: آپ ﷺ کے ہاتھوں کی فیاضی کے بادل بندوں سے چھٹتے نہیں جب کہ بادلوں کی سخاوت کا حال یہ ہے کہ وہ ہر وقت نہیں ہوا کرتی۔ یعنی مطلق سخاوت میں تو آقا کی ہتھیلی اور بادل دونوں ضرور شریک ہیں؛ لیکن بادل کی سخاوت کو آپ ﷺ کی سخاوت سے کیا جوڑ! آنحضرت ﷺ کی سخاوت بندوں پر دائمی تاقیامت؛ بلکہ بعد قیامت ہمیشہ رہنے والی ہے جس کے بادل کبھی چھٹنے والے نہیں؛ جب کہ بادل کی سخاوت غیر دائمی اور ختم ہونے والی ہے (جواہر، علم البدیع)

﴿وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَآءُ الذُّكُورَ، أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا، وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَآءُ عَقِيمًا﴾ [الشوریٰ:٤٩] ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ: فَمِنْهُمْ مَنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهِ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِيْ عَلٰى أَرْبَعٍ؛ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ...﴾[2] [النور:٤٥]

صورتِ ثانیہ: کئی ایک چیزوں کو ذکر کیا جائے، پھر ہر ایک کی طرف متعین طور پر اس سے متعلق حکم کو منسوب کرنا، اسے "تفسیر" بھی کہا جاتا ہے، جیسے﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ۝ فَأَمَّا ثَمُوْدُ فَأُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ۝ وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ۝﴾[2] [الحاقة:٤-٦]

ملحوظہ: لف ونشر اور تقسیم کی صورتِ ثانیہ میں فرق یہ ہے کہ: لف ونشر میں بعد میں ذکر کردہ احکام ماقبل میں مذکور چیزوں کی طرف غیر متعین طور پر منسوب ہوتے ہیں؛ جب کہ تقسیم کی اس صورت میں ماقبل کی ہر چیز کی طرف احکام متعین طور پر منسوب ہوتے ہیں۔ (علم البدیع)

صورتِ ثالثہ: ایک شئ کے کئی احوال ذکر کرنا ہر حالت سے مناسب وصف وقید کو منسوب

---

① آیتِ اولیٰ: سارے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے، یا پھر ان کو ملا جلا کر لڑکے بھی دیتا ہے اور لڑکیاں بھی، اور جس کو چاہتا بانجھ بنا دیتا ہے؛ یہاں اولاد کے اعتبار سے زوجین کے چار احوالِ محتملہ ذکر کئے ہیں کہ: وہ جسے چاہتا ہے بیٹیاں بخشتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے، جسے چاہے جوڑے (بیٹے اور بیٹیاں دونوں) بخشتا ہے، اور جسے چاہے بانجھ رکھتا ہے؛ اس مضمون سے متعلق یہی چار اقسام ہیں، جن کو اس جگہ جمع فرمایا ہے۔ (علم البدیع)

آیتِ ثانیہ: اور اللہ نے زمین پر چلنے والے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے، پھر ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں، کچھ وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو چار (پاؤں) پر چلتے ہیں، اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، یقیناً اللہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے؛ دیکھئے! اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تمام اقسامِ محتملہ کا احاطہ کر لیا ہے، کہ مخلوق اپنی خلقت و پیدائش کے اعتبار سے تین قسم پر ہیں: ① پیٹ کے بل چلنے والی ② دو پیروں پر چلنے والی، ③ چار پیروں پر چلنے والی۔

② ثمود اور عاد کی قوموں نے اُسی جھنجھوڑ ڈالنے والی حقیقت کو جھٹلایا تھا، نتیجہ یہ کہ جو ثمود کے لوگ تھے وہ (چنگھاڑ کی) ایسی آفت سے ہلاک کیے گئے جو حد سے زیادہ (خوفناک) تھی؛ رہے عاد، تو ان کا نہایت تیز آندھی سے ستیاناس کر دیا گیا۔ دیکھیے: آیت کریمہ میں پہلے چند چیزوں یعنی: قومِ ثمود اور قومِ عاد کی تکذیب کو ذکر کیا پھر علی التعیین دونوں پر آنے والے عذاب کو ذکر کیا۔ (علم البدیع)

کرتے ہوئے، جیسے:﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهُ، "أَذِلَّةٍ" عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ "أَعِزَّةٍ" عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾[1] [المائدہ:٥٤]۔

④ **جَمع مع التَّفرِيق**: دو چیزوں کو حکمِ واحد میں داخل کرکے ادخال کی دو جہتوں میں جدائی اور فرق بیان کرنا، جیسے: ﴿اَللهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا، وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا، فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ، وَيُرْسِلُ الْأُخْرٰى إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾[2]

[الزمر:٤٢]

⑤ **جَمع مَعَ التَّقسِيم**: چند چیزوں کو حکمِ واحد کے تحت داخل کرنا، پھر ان کو مختلف قسموں پر تقسیم کرنا، جیسے: ﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا، فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ، وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ، وَّمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِإِذْنِ اللهِ﴾[3] [فاطر:٣٢]۔

---

① اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو حق تعالیٰ شانہٗ (مرتدین کے مقابلہ پر) "ایسے لوگ" پیدا کردے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے، جو: مؤمنوں کے لیے نرم، اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے؛ یہاں مؤمنین کے دو احوال مع القیود ذکر فرمائے ہیں۔(جواھر) اور شاعر کا شعر:

أَنْتَ بَدْرٌ حُسْنًا وَشَمْسٌ عُلُوًّا ❁ وحُسَامٌ عَزًّا وَبَحْرٌ نَوَالا

ترجمہ: آپ چودھویں کا چاند ہیں حسن کے اعتبار سے؛ سورج ہیں بلندی کے اعتبار سے؛ تیز تلوار ہیں غلبہ کے اعتبار سے؛ اور سمندر ہیں بخشش کے اعتبار سے۔ شاعر نے اس شعر میں مخاطب کے چار احوال: بَدْرٌ، شَمْسٌ، حُسَامٌ، بَحْرٌ ذکر کیے ہیں، پھر ہر حال کے مناسب ایک ایک وصف کو بھی ذکر کیا یعنی بدر کے لیے حُسْن، شَمْس کے لیے عُلُوّ، حُسَام کے لیے عَزًّا، بَحْر کے لیے نَوَالا۔

② اللہ تعالیٰ تمام روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرلیتا ہے اور جن کو ابھی موت نہیں آئی ہوتی ان کو بھی اُن کی نیند کی حالت میں (قبض کرلیتا ہے)، پھر جن کے بارے میں اُس نے موت کا فیصلہ کرلیا، انھیں اپنے پاس روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک معین وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے؛ دیکھیے! اس آیت میں تمام نفوس کو حکمِ واحد (متوفی: روح قبض کیا ہوا) میں داخل کیا ہے؛ پھر ارسال و امساک کے حکم سے متوفی کی دو جہتوں کے درمیان فرق کیا (کذا فی الزیادۃ والاحسان)

③ ترجمہ: پھر ہم نے اس کتاب کا وارث اپنے بندوں میں سے اُن کو بنایا جنھیں ہم نے چن لیا تھا، پھر اُن میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں، اور انھی میں سے کچھ ایسے ہیں جو درمیانی درجے کے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں بڑھے چلے جاتے ہیں۔ اور یہ (اللہ کا) بہت بڑا فضل ہے۔

دیکھیے! وارث بنانے کے حکم میں سب داخل ہیں؛ ہاں امت کے سب افراد یکساں نہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو

⑥ **الجمع مع التّفريق والتّقسيم**: (ایضاح) دو یا زیادہ چیزوں کو حکمِ واحد میں جمع کرنا، پھر کسی زائد معنی کے ذریعے اُن میں جدائی بیان کرنا؛ پھر جدا کی ہوئی چیزوں میں سے ہر ایک کی طرف ان کے مناسب حکم کو متعین طور پر منسوب کرنا، جیسے: ﴿يَوْمَ يَأْتِ "لاتَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلاَّ بِإِذْنِهِ"؛ "فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ، وَسَعِيْدٌ"○؛ "فَأَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ○ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلاَّ مَا شَآءَ رَبُّكَ، إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيْدُ"○ "وَأَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ إِلاَّ مَا شَآءَ رَبُّكَ، عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ"○﴾[1] [هود:١٠٥-١٠٨]

⑦ **جمع المؤتَلِف والمختَلِف**: دو ممدوحوں میں پائی جانے والی صفات ذکر کر کے دونوں میں برابری ثابت کرنا، پھر دوسرے میں نقص بیان کیے بغیر محض پہلے ممدوح کی فضیلت و برتری ظاہر کرنے کے لیے اس کے مخصوص وصف کو بیان کرنا، جیسے: ﴿وَدَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ إِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ○ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلاًّ اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾[2]. [الأنبياء:٧٨-٧٩]

⬅ باوجود ایمانِ صحیح کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، (یہ "ظالم لنفسہ" ہوئے)؛ اور وہ بھی ہیں جو میانہ روی سے رہتے ہیں، نہ گناہوں میں منہمک، نہ بڑے بزرگ و ولی۔ (ان کو "مقتصد" فرمایا)؛ اور ایک وہ کامل بندے جو اللہ کے فضل و توفیق سے آگے بڑھ بڑھ کر نیکیاں سمیٹتے اور تحصیلِ کمال میں مقتصدین سے آگے نکل جاتے ہیں؛ وہ مستحب چیزوں کو بھی نہیں چھوڑتے، اور گناہ کے خوف سے مکروہِ تنزیہی؛ بلکہ بعض مُباحات تک سے پرہیز کرتے ہیں (یہ تفریق ہوئی)۔ اعلی درجہ کی بزرگی اور فضیلت تو اُن کو ہے، ویسے چنے ہوئے بندوں میں ایک حیثیت سے سب کو شمار کیا؛ کیوں کہ درجہ بدرجہ بہشتی سب ہیں۔ (الزیادۃ والاحسان)

① اس جگہ باری تعالیٰ نے ﴿لاتَكَلَّمُ نَفْسٌ﴾ میں ــ نکرہ تحت النفی لا کر ــ تمام نفوس کو جمع کر دیا، پھر ان نفوس میں سے بعض کو شقی (بدحال) اور بعض کو سعید (خوش حال) قرار دے کر تفریق و جدائی بیان کی؛ پھر اشقیاء کی طرف ان کے مناسب حکم یعنی: جہنم کے عذاب اور چیخنے کو منسوب کیا، اور سعداء کی طرف ان کے مناسب حکم، یعنی: ختم نہ ہونے والی جنت کی نعمتوں کو منسوب کیا۔ (علم البدیع)

② ترجمہ: اور داؤد و سلیمان کو (بھی ہم نے حکمت اور علم عطا کیا تھا) جب وہ دونوں ایک کھیت کے جھگڑے کا فیصلہ کر رہے تھے؛ کیوں کہ کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت اُس کھیت میں جا گھسی تھیں، اور ان لوگوں کے بارے میں ⬅

ملحوظہ: تفریق اور جمع المؤتلف والمختلف میں فرق یہ ہے کہ: تفریق میں وصفِ مشترک کو کسی ایک کے لیے زیادہ اور دوسرے کے لیے کم ثابت کیا جاتا ہے؛ جب کہ جمع المؤتلف والمختلف میں اوصافِ مشترکہ کے علاوہ کسی وصفِ زائد کے ذریعے کسی ایک میں جزوی فضیلت ثابت کی جاتی ہے۔

تقسیم سے قریب قریب اور بہت سی قسمیں ہیں، جن میں زیادہ فرق نہیں: لف ونشر، جمع مع التفریق اور جمع مع التقسیم۔

⑧ **لَفٌّ وَنَشْرٌ:** (طی ونشر) چند چیزوں کو اجمالاً (غیر ممتاز) یا تفصیلاً (ممتاز) ذکر کرنا، پھر بلا تعیین ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک حکم کو ذکر کرنا، محض اس اعتماد پر کہ مخاطب اِن احکام کو اس کے مناسب کی طرف لوٹائے گا۔

لف ونشر تفصلاً کی دو قسمیں ہیں: ① لف ونشر مرتَّب، یعنی: لف ونشر غیر مشوَّش ② لف ونشر غیر مرتب، یعنی: لف ونشر مشوَّش۔

⑨ **لَفٌّ وَنَشْرٌ مُرَتَّبٌ:** یہ ہے کہ: متعدد چیزوں کو تفصیلا (علاحدہ علاحدہ) ذکر کرنا، پھر بلا تعیین فہمِ سامع پر اعتماد کرتے ہوئے ہر ایک کا حکم مرتب طور بیان کرنا، جیسے ﴿وَمِنْ رَّحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ "اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ" "لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ، وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهِ"﴾ [القصص:٧٣]؛ ﴿ولا تَجْعَلْ يَدَكَ "مَغْلُوْلَةً إِلىٰ عُنُقِكَ" وَ"لَاتَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ" فَتَقْعُدَ "مَلُوْمًا" "مَّحْسُوْرًا"○﴾[1] [إسراءيل:٢٩].

⇐ جو فیصلہ ہوا اُسے ہم خود دیکھ رہے تھے؛ چناں چہ اس فیصلے کی سمجھ ہم نے سلیمان کو دے دی، اور (ویسے) ہم نے دونوں ہی کو حکمت اور علم عطا کیا تھا۔ دیکھیے! یہاں علم وحکمت میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام میں برابری ثابت کی ہے اور حضرت داؤدؑ میں نقص بیان کیے بغیر حضرت سلیمانؑ کی فضیلت کو ﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ﴾ سے ظاہر فرمایا۔

(الزیادۃ والاحسان)

① آیتِ اولیٰ: یہ تو اسی نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات بھی بنائی ہے اور دن بھی، تا کہ تم اُس میں سکون حاصل کرو، اور اُس میں اللہ کا فضل تلاش کرو۔ یہاں ﴿اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ کو بذریعۂ عطف تفصیلا (علاحدہ اور ممتاز ⇐

خلاصۂ کلام: تفصیلاً جس ترتیب سے چند چیزوں کو ذکر کیا گیا ہو، اسی ترتیب سے ہر ایک کے احکام بھی ذکر کرنا۔

⑩ **لف ونشر غیر مرتب**: یہ ہے کہ متعدد چیزوں کو تفصیلاً (علاحدہ علاحدہ) ذکر کرنا، پھر بلا تعیین فہم سامع پر اعتماد کرتے ہوئے ہر ایک کے حکم (مناسب) کو غیر مرتب طور پر بیان کرنا، جیسے: ﴿وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلاَّ أَنْ قَالُوْا: "رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيْٓ أَمْرِنَا"، "وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ"○ "فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا"، "وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ"﴾ [آل عمران:۱۴۷]؛ ﴿فَمَحَوْنَا "اٰيَةَ الَّيْلِ" وَجَعَلْنَآ "اٰيَةَ النَّهَارِ" مُبْصِرَةً، "لِتَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ" وَ"لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ"﴾① [بنی اسرائیل:۱۲]۔

⇐ بیان کیا — اس کو "لف" اور "طی" کہتے ہیں —، پھر ان دونوں کے مناسب احکام کو غیر متعین طور پر (احکام کو معین چیز کی طرف منسوب کیے بغیر) بالترتیب ﴿لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ، وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ کے ذریعے ذکر کیے فہم سامع پر اعتماد کرتے ہوئے کہ: وہ اپنی سمجھ سے ان احکام کو ان کے مناسب چیزوں کے ساتھ ملحق کردے گا؛ اس کو "نشر" کہتے ہیں۔

آیت ثانیہ: اور نہ تو (ایسے کنجوس بنو کہ) اپنے ہاتھ کو گردن سے باندھ کر رکھو، اور نہ (ایسے فضول خرچ کہ) ہاتھ کو بالکل ہی کھلا چھوڑ دو جس کے نتیجے میں تمھیں قابلِ ملامت اور قلاش ہو کر بیٹھنا پڑے۔ یہاں ﴿مَلُوْمًا﴾ بخل کی طرف اور ﴿مَحْسُوْرًا﴾ اسراف کی طرف راجع ہے۔

① آیتِ اولیٰ: ان کے منہ سے جو بات نکلی وہ اس کے سوا نہیں تھی کہ وہ کہہ رہے تھے: "ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو بھی اور ہم سے اپنے کاموں میں جو زیادتی ہوئی ہو اس کو بھی معاف فرمادے، ہمیں ثابت قدمی بخش دے، اور کافر لوگوں کے مقابلے میں ہمیں فتح عطا فرمادے"، چناں چہ اللہ نے انھیں دنیا کا انعام بھی دیا اور آخرت کا بہترین ثواب بھی، اور اللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ یہاں امورِ دنیویہ واخرویہ کے متعلق دعاؤں کو تفصیلا (علاحدہ) ذکر کرتے ہوئے اوّلاً امورِ اخرویہ سے متعلق دعا ﴿اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيْٓ أَمْرِنَا﴾ کو ذکر کیا، ثانیاً امورِ دنیویہ سے متعلق دعا ﴿وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا﴾ کو بعد میں ذکر کیا۔ یہ "لف وطی" ہے اور "نشر" کے وقت اس کے مناسبات کو غیر مرتب طور پر ذکر کیا ہے؛ کیوں کہ ﴿ثَوَابُ الدُّنْيَا﴾ کو پہلے ذکر کیا، جس کا متعلق بوقتِ لف میں مؤخر تھا، اور ﴿حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ﴾ کو مؤخر ذکر کیا، جس کا متعلق لف میں مقدم تھا۔

آیتِ ثانیہ: اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیوں کے طور پر پیدا کیا ہے، پھر رات کی نشانی کو تو اندھیری بنادیا، اور دن کی نشانی کو روشن کردیا، تاکہ تم (دن سے) اپنے رب کا فضل تلاش کرسکو، اور (رات سے) سالوں کی گنتی اور (مہینوں کا) حساب معلوم کرسکو؛ اور ہم نے ہر چیز کو الگ الگ واضح کردیا ہے۔

ملحوظہ: یاد رہے کہ: مذکورہ دو صورتیں یعنی: لف ونشر مرتب اور لف ونشر غیر مرتب، اسی وقت ہوں گی جب کہ بوقت "لف" دو چیزوں کو تفصیلاً یعنی علاحدہ علاحدہ اور ممتاز بیان کیا گیا ہو؛ ہاں اگر بوقتِ "لف" ابتداءً ہی دو یا زیادہ چیزوں کو اجمالاً (غیر ممتاز) بیان کیا ہو تو وہاں مرتب وغیر مرتب کی تقسیم نہ ہوگی، جیسے: ﴿وَقَالُوْا، لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلاَّ مَنْ كَانَ هُوْدًا، أَوْ نَصٰرٰى؛ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ﴾ ① [البقرة:۱۱۱].

⑪ **ترتیب**: ایک موصوف کی چند صفات کو یا چند افعال کو فطری (قدرتی) یا وقوعی ترتیب کے مطابق بیان کرنا، جیسے: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ، ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ، ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ، ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلاً، ثُمَّ لِتَبْلُغُوْا أَشُدَّكُمْ، ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا﴾ [غافر:٦٧]؛ ﴿فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا۝﴾ [الشمس:١٤]؛ ﴿هُوَ الأَوَّلُ وَالآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالبَاطِنُ﴾ ② [الحديد:۳]. (الزیادۃ)

⑫ **تَدَلِّي مِنَ الأَعلىٰ إِلَى الأَدْنىٰ**: بعض کلمات یا جملوں کو دوسرے بعض سے مؤخر کرنا اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف اترتے ہوئے، جیسے: ﴿فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾ ③ [النساء:٦٩].

---

① اور یہ (یعنی یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ: "جنت میں سوائے یہودیوں یا عیسائیوں کے کوئی بھی ہرگز داخل نہیں ہوگا، یہ محض ان کی آرزوئیں ہیں، آپ ان سے کہیے کہ اگر تم (اپنے اس دعوے میں) سچے ہو تو اپنی کوئی دلیل لے کر آؤ۔ یہاں ﴿قَالُوْا﴾ کی ضمیر یہود ونصاریٰ دونوں کی طرف اجمالاً لوٹتی ہے اور معنی یہ ہے: "قالت اليهود: لن يدخل الجنة إلا من كان هودا"، وقالت النصارىٰ: لن يدخل الجنة إلا من كان نصرٰى"؛ گویا یہود ونصاریٰ دونوں ﴿قَالُوْا﴾ میں داخل ہیں؛ پھر ﴿إِلاَّ مَنْ كَانَ هُوْدًا أَوْ نَصٰرٰى﴾ کے ذریعے نشر کیا؛ ایسا لف ونشر، ترتیب وعدمِ ترتیب کا متقاضی نہ ہوگا؛ کیوں کہ لف مجمل ہے جس کی وجہ سے اس میں ترتیب معلوم ہی نہیں۔ (علم البدیع)

② آیتِ اولیٰ: وہی ہے جس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر وہ تمھیں بچے کی شکل میں باہر لاتا ہے، پھر (وہ تمہاری پرورش کرتا ہے) تاکہ تم اپنی بھرپور طاقت کو پہنچ جاؤ، اور پھر بوڑھے ہو جاؤ۔ آیتِ ثانیہ: پھر بھی انھوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اُس اونٹنی کو مار ڈالا۔ آیتِ ثالثہ: وہی اول بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور چھپا ہوا بھی، اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جاننے والا ہے۔

③ اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ اُن کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے اِنعام فرمایا ہے☜

⑬ **تَرَقِّي مِنَ الأَدْنىٰ إِلَى الأَعْلىٰ:** بعض کلمات یا جملوں کو دوسرے بعض سے مؤخر کرنا ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف چڑھتے ہوئے، جیسے: ﴿أَ لَهُمْ أَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَا، أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَا، أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَا، أَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا؛ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنَ۝﴾[①] [الأعراف:۱۹۵].

⑭ **تَعْدِيْد:** چند الفاظِ مفردہ کو ایک ساتھ تسلسل سے (بلا عطف) بیان کرنا جن میں باہم صنعتِ طِباق یا جناس ہو[②]. یہ صنعت اکثر وبیشتر صفات کے ذکر میں پائی جاتی ہے، جیسے: ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ﴾[التوبة:۱۱۲]؛ ﴿مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ﴾[③] [تحریم:۵].

ملحوظہ: ہاں! اگر چند صفات متضادہ کو جمع کیا جائے تو اس وقت صفات کو بذریعۂ عطف ذکر کیا جائے گا، جیسے: ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ، وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۝﴾[④] [الحديد:۳]. (علم المعانی)

⑮ **اِطِّرَاد:** متکلم اپنے ممدوح کے آبا واجداد کے اسماء کو معروف ترتیب (باپ، دادا، پردادا) کے خلاف وِلادت کی ترتیب (پردادا، دادا، باپ) میں ذکر کرے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا فرمان: ﴿وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْ إِبْرٰهِيْمَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ﴾[⑤] [يوسف:۳۸].

⊃ یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔

① بھلا اُن کے پاس پاؤں ہیں جن سے وہ چلیں؟ یا اُن کے پاس ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑیں؟ یا اُن کے پاس آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھیں؟ یا ان کے پاس کان ہیں جن سے وہ سنیں؟ (اُن سے کہہ دو کہ:) "تم ان سب دیوتاؤں کو بلا لاؤ جنہیں تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے، پھر میرے خلاف کوئی سازش کرو اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ دیکھئے! یہاں ادنیٰ سے اعلیٰ کی ترقی کرتے ہوئے پہلے پاؤں پھر ہاتھ پھر آنکھ پھر کان کو ذکر فرمایا ہے اور بعد والا پہلے کے مقابلہ میں اشرف ہے۔ (الزيادة)

② ملحوظہ: یہاں طباق سے مطلقاً محسنات معنویہ اور جناس سے مطلقاً محسنات لفظیہ مراد ہیں۔

③ آیتِ اولیٰ: (جنہوں نے یہ کامیاب سودا کیا ہے وہ کون ہیں؟) توبہ کرنے والے! اللہ کی بندگی کرنے والے! اس کی حمد کرنے والے! آیتِ ثانیہ: اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو ان کے پروردگار کو اس بات میں دیر نہیں لگے گی کہ وہ ان کو (تمہارے) بدلے میں ایسی بیویاں عطا فرما دے جو تم سے بہتر ہوں، مسلمان، ایمان والی، طاعت شعار، توبہ کرنے والی...۔

④ وہی اول بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور چھپا ہوا بھی، اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جاننے والا ہے۔

⑤ ترجمہ: اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے۔

فصل خامس: در تقدیم وتاخیر

① **عَکْس وتَبْدِیل:** کلام کے دو جزؤں کو اس طور پر مکرر ذکر کرنا کہ: مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کردیا جائے، یعنی: بالکل پلٹ دینا۔ اس کی چند صورتیں ہیں:

① ایک جملے کے دو طرفوں (کے بعینہ الفاظ) میں تقدیم وتاخیر ہو، جیسے کَلَامُ المُلُوْكِ، مُلُوْكُ الكَلَامِ؛ عَادَاتُ السَّادَاتِ، سَادَاتُ العَادَاتِ؛ لاخَیْرَ فِيْ السَّرَفِ، ولا سَرَفَ فِيْ الخَیْرِ.

② دو جملوں کے دو متعلقوں (کے بعینہ الفاظ) میں تقدیم وتاخیر ہو، جیسے ﴿تُوْلِجُ اللَّیْلَ فِي النَّهَارِ، وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي اللَّیْلِ؛ وَتُخْرِجُ الحَيَّ مِنَ المَیِّتِ، وَتُخْرِجُ المَیِّتَ مِنَ الحَيِّ﴾[1] [آل عمران:۲۷]

③ دو جملوں کے طرفین (سے مناسبت رکھنے والے) الفاظ میں تقدیم وتاخیر ہو، جیسے: ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ، وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ﴾ [البقرۃ: ۱۸۷] ﴿لاهُنَّ حِلٌّ لَهُمْ، وَلاهُمْ یَحِلُّوْنَ لَهُنَّ﴾[2] [الممتحنۃ:۱۰].

② **مَالایَسْتَحِیل بالانعِکَاس:** (قلب) کلمے یا کلام کو اوّل سے آخیر تک پڑھنا اور آخر سے اول کی طرف پڑھنا یکساں ہو کہ: لفظ ومعنیٰ میں کوئی فرق نہ آئے، یعنی: اگر اُسے اُلٹا پڑھا جائے تو بھی بعینہ ویسا ہی کلام رہے، جیسے ﴿كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ﴾ [یٰس:۴۰]، ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ○﴾[3] [المدثر:۳].

---

① ترجمہ: تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے؛ اور تو ہی بے جان چیز میں سے جاندار کو برآمد کرلیتا ہے، اور جاندار میں سے بے جان چیز نکال لاتا ہے؛ اور جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ یہاں دو فعل کے مفعول ومتعلق میں تقدیم وتاخیر ہے۔

② آیتِ اولیٰ: وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم اُن کے لیے لباس ہو۔ یہاں جملۂ اولی میں پہلے غائب کی ضمیر ہے اس کے بعد خطاب کی ہے، اور جملۂ ثانیہ میں پہلے خطاب اس کے بعد غائب کی ضمیر ہے۔ آیتِ ثانیہ: وہ ان کافروں کے لیے حلال نہیں ہیں، اور وہ کافر ان کے لیے حلال نہیں ہیں۔ یہاں جمع مؤنث غائب اور جمع مذکر غائب کی ضمیر میں تقدیم وتاخیر ہے۔ (علم البدیع)

③ آیتِ اولیٰ: اور یہ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ آیتِ ثانیہ: اور اپنے پروردگار کی تکبیر کہو۔

③ **تَصْدِیر:** (نثری)، کلامِ نثر میں دومکرر یا متجانس یا ملحق بالمتجانسین① میں سے ایک لفظ کو فقرے کے شروع میں اور دوسرے کو فقرے کے اخیر میں لانا، جیسے ﴿وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشٰهُ﴾ [الأحزاب:۳۷]؛ ﴿وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً، إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ٥﴾② [آل عمران:۸].

تصدیر کی دوسری دوصورتیں ہیں اور وہ ملحق بالمتجانسین کہلاتی ہیں:

① وہ الفاظ مراد ہیں جن دونوں کا ماخذِ اِشتقاق ایک ہو، اُن میں سے لفظِ اول کلام کی ابتداء میں ہو اور لفظِ ثانی کلام کے آخر میں ہو، جیسے: ﴿فَقُلْتُ: "اسْتَغْفِرُوْا" رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ "غَفَّارًا"٥﴾③ [نوح:۱۰].

ملحوظہ: قلب کی اس صناعت میں معکوس حالت میں مقصور کا ممدود ہوجانا، اور ممدود کا مقصور ہوجانا نقصان دہ نہیں؛ اسی طرح مشدد کا مخفف ہوجانا، اور مخفف کا مشدد ہوجانا؛ ہمزہ کا الف ہوجانا یا الف کا ہمزہ ہوجانا؛ اسی طرح بعضے حرکات وسکنات میں تبدیلی کا ہوجانا نقصان دہ نہیں ہوتا۔ (علم البدیع) اس کی کلامِ شعر کی مثال:

مَوَدَّتُه تَدُوْمُ لِكُلِّ هَوْلٍ ❁ وَهَلْ كُلٌّ مَوَدَّتُه تَدُوْمُ

① دومکرر الفاظ سے وہ الفاظ مراد ہیں جو لفظ اور معنی دونوں میں متفق ہوں، جیسے: ﴿وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَ"تَخْشَى النَّاسَ" وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ "تَخْشٰهُ"﴾ [الأحزاب:۳۷]. (علم البدیع)

متجانس الفاظ سے وہ الفاظ مراد ہیں جو صرف لفظوں میں مشابہ ہوں معنی میں مشابہ نہ ہوں، جیسے: "سَائِلُ" اللَّئِيْمِ يَرْجِعُ وَدَمْعُهُ "سَائِلٌ" کمینے شخص سے کسی چیز کا سوال کرنے والا اس حال میں لوٹے گا کہ اس کے آنسو بہہ رہے ہوں گے۔

ملحق بالمتجانسین سے وہ الفاظ مراد ہیں جو لفظ اور معنی میں مختلف ہوں؛ لیکن دونوں کا ماخذ اشتقاق ایک ہو، جیسے: ﴿فَـ"أَقِمْ" وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ "الْقَيِّمِ"﴾ [الروم:۱۹]. (علم البدیع)

② آیتِ اولیٰ: اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے، حالاں کہ اللہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اُس سے ڈرو۔ یہاں آیتِ کریمہ کی ابتداء ﴿تخشیٰ﴾ سے ہے اور ختم بھی ﴿تخشیٰ﴾ پر ہی ہے۔ اسی طرح: "القتل أنفى للقتل"، قصاصاً قتل کرنا قتل وقتال کو روکتا ہے۔ آیتِ ثانیہ: اور خاص اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرما، بیشک تیری اور صرف تیری ذات وہ ہے جو بے انتہا بخشش کی خوگر ہے۔

③ ترجمہ: چناں چہ میں نے کہا کہ: اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو، یقین جانو وہ بہت بخشنے والا ہے۔ تم اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو، بلاشبہ وہ بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے یہاں ﴿اِسْتَغْفِرُوْا﴾ اور ﴿غَفَّارًا﴾ دونوں نہ مکرر ہیں اور نہ ہی متجانسین ہیں؛ بلکہ اشتقاق کی وجہ سے ملحق بمتجانسین ہیں۔

② وہ دو الفاظ جن کا مَاخَذِ اشتقاق ایک جیسا معلوم ہوتا ہو؛ لیکن حقیقت میں الگ الگ ہوں، جیسے: ﴿''قَالَ'' إِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ ''الْقَالِيْنَ''۝﴾[1] [الشعراء:۱۶۸]۔

۞ ۞ ۞

① ترجمہ: حضرت لوط علیہ السلام نے کہا: ''یقین جانو! میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو تمہارے اس کام سے بالکل بیزار ہیں؛ یہاں ﴿قَالَ﴾ قول سے فعل ماضی ہے اور ﴿قَالِيْنَ﴾ قلیٰ سے اسم فاعل جمع مذکر کا صیغہ ہے جو حالتِ جری میں ہے۔ اور ان دونوں کا استعمال دو آیت کے طرفوں میں ہوا ہے۔ (علم البدیع)

فصل سادس: در اِثباتِ صفت

① **مُبَالَغَه:** کسی صفت کی شِدّت یا ضعف کے متعلق اِس درجہ پہنچنے کا دعویٰ کرنا جو دُور اَز قیاس (بعید از عقل) یا ناممکن (محال) ہو؛ جیسے باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ، وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا، وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى، وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ۝﴾ [الحج:١-٢] ﴿وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾② [الأعراف:٤٠].

---

① علمائے بلاغت کے نزدیک مبالغہ کے لیے اور بھی نام ہیں: اِفراط فی الصفت، تبلیغ، اغراق اور غلو۔

مبالغہ کے مقبول و مردود ہونے کے بارے میں علمائے بلاغت کی رائیں مختلف ہیں: قول اول: مطلقاً مبالغہ مقبول ہے، قول ثانی: مبالغہ مطلقاً مردود ہے، قول ثالث: بعض انواعِ مبالغہ مقبول اور بعض مردود ہیں؛ یعنی: تبلیغ اور اغراق مقبول ہیں اور غلو کی بعض قسمیں مردود ہیں۔ (علم البدیع)

ملحوظہ: مبالغہ کے صیغے دو قسموں پر ہیں، بعض میں فعل کی زیادتی کی وجہ سے مبالغہ پایا جاتا ہے اور بعض میں مفعولات کے متعدد ہونے کے اعتبار سے مبالغہ ہوتا ہے، جیسے﴿توّاب﴾، من يتوب عليه (مفعولات) میں کثرت کی بناء پر کہا جاتا ہے۔ (الزیادۃ)

② آیتِ اولیٰ: اے لوگو! اپنے پروردگار (کے غضب) سے ڈرو، یقین جانو کہ قیامت کا بھونچال بڑی زبردست چیز ہے، جس دن وہ تمھیں نظر آجائے گا اس دن پر دودھ پلانے والی اس بچے (تک) کو بھول بیٹھے گی جس کو اس نے دودھ پلایا، اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا بیٹھے گی، اور لوگ تمھیں یوں نظر آئیں گے کہ وہ نشہ میں بدحواس ہیں، حالاں کہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے؛ بلکہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہوگا۔

قیامت کے عظیم الشان زلزلے دو ہیں: ① قیامت سے کچھ پیشتر زلزلے ہوں گے جو علامات قیامت میں سے ہیں۔ ② نفخۂ ثانیہ کے بعد والا زلزلہ؛ اگر آیتِ مذکورہ میں پہلے والے زلزلے مراد ہیں تو آیت اپنے ظاہری معنی پر ہے، یعنی: دودھ پلانے والی اور حاملہ عورتیں اسی حال میں محشور ہوں گی۔ اور اگر دوسرا زلزلہ مراد ہے تو قیامت کے اہوال وشدائد مراد ہوں گے اور ﴿يَوْمَ تَرَوْنَهَا اِلخ﴾ کو اہوال قیامت بیان کرنے میں مبالغۃً (بطور تمثیل) بیان کیا گیا ہے کہ: اس دن اس قدر گھبراہٹ اور سختی ہوگی کہ اگر دودھ پلانے والی عورتیں ہوں تو مارے گھبراہٹ اور شدتِ ہول کے اپنے بچوں کو بھول جائیں اور حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہوجائیں؛ اس مبالغہ کے ذریعے ہر عقل مند کو اپنا انجام سوچنے اور قیامت کی ہولناکیوں اور شدائد سے نجات کی تیاری کرنے پر آگاہ کیا ہے۔ (علم المعانی، فوائد) ⇐

وصف میں مبالغہ بیان کرنا تین طرح سے ہوتا ہے: تبلیغ، اِغراق اور غُلو۔

② **تَبْلِيْغ**: وہ وصف جس سے مبالغہ بیان کیا جارہا ہے اس کا وقوع عقلاً وعادۃً ممکن ہو، جیسے: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ①. (شمائل)

③ **اِغْرَاق**: وہ وصف جس سے مبالغہ بیان کیا جارہا ہے اس کا وقوع عقلاً تو بعید نہ ہو؛ لیکن عادتاً ناممکن ہو، جیسے: حدیث امِ زرع میں امِ زرع کا اپنے دوسرے شوہر کی طرف سے ملنے والی عطا و بخشش اور اسبابِ عیش و عشرت اور ناز و نعمت پر فوقیت دیتے ہوئے ابوزرع کے بابت یوں فرمانا: لَوْ جُمِعَتْ كُلُّ شَيْءٍ أَعْطَانِيْهِ مَا بَلَغَ أَصْغَرَ آنِيَةِ أَبِيْ زَرْعٍ"②.

⇦ آیتِ ثانیہ: اور وہ جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کوئی اونٹ ایک سوئی کے ناکے میں داخل نہیں ہوجاتا۔ دیکھیے: یہ تعلیق بالمحال کے طور پر فرمایا ہے، ہر زبان کے محاورات میں ایسی امثال موجود ہیں جن میں کسی چیز کے محال ہونے کو کسی دوسری محال چیز پر معلق کر کے ظاہر کرتے ہیں، یعنی: جس طرح یہ ناممکن ہے کہ: اونٹ اسی جسامت پر رہے اور سوئی کا ناکہ ایسا ہی تنگ اور چھوٹا ہو اس کے باوجود اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہوجائے؛ اسی طرح ان مکذبین ومستکبرین کا جنت میں داخل ہونا بھی محال ہے؛ کیوں کہ باری تعالیٰ ان کے خلود فی النار کی خبر دے چکا ہے۔

① آنحضرت ﷺ وصفِ سخاوت کے سانچے میں ڈھالا گیا تھا، آپ ﷺ سخاوت کا مقابلہ بادشاہ لوگ بھی نہیں کرسکتے؛ عام حالات میں اس قدر سخی تھے کہ: إذا وجَدَ جادَ، وإنْ لم يجِدْ وَعَد، ولا يُخلِفُ الميْعَاد، لیکن جب حضرت جبرئیلؑ حضرت کو ماہِ رمضان میں کلام اللہ شریف سناتے اس وقت آپ لوگوں کو بھلائی اور نفع پہنچانے میں تیز بارش لانے والی ہوا سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے تھے، یہاں حضرت کی صفتِ سخاوت کو ریح مرسلہ کی سخاوت سے زیادہ بتائی ہے، اور کیوں نہ ہو؟ بارش کو حضرت کی سخاوت سے کیا نسبت! بسا اوقات ہوائیں بے بارش بھی ہوتی ہیں، اور جب بارش برساتی ہیں تو صرف زمین کو زندہ کرتی ہیں؛ جب کہ حضرت کی سخاوت دلوں کو بھی زندہ فرماتی تھی، اور قیامت تک آنے والی انسانیت کی ظاہری وباطنی ضروریاتِ دنیویہ ودینیہ کو پورا کرنے والی تھی اللّٰھمّ ارزقنا اتباعہ -صلی اللہ علیہ وسلم-، رضیت باللہ ربًّا وبالإسلام دِینا وّبمحمدٍ نبیًّا. اسی طرح گھوڑے کی تعریف میں شاعر کا یہ شعر:

إِذَا مَا سَابَقَتْهَا الرِّيْحُ فَرَّتْ ❁ وَأَلْقَتْ فِيْ يَدِ الرِّيْحِ التُّرَابَا

ترجمہ: جب اس گھوڑی کا ہوا سے مسابقہ ہوتا ہے تو وہ آگے نکل جاتی ہے، اور ہوا کے ہاتھ میں دھول پھینک دیتی ہے۔ دیکھیے ہوا کے مقابلہ میں کبھی گھوڑے کا آگے نکل کر گرد وغبار کو اپنے پیچھے چھوڑ جانا عقلاً اور عادتاً دونوں طرح ممکن ضرور ہے؛ لیکن شاعر کا مقصد یہاں پر گھوڑی کی تیز رفتاری بیان کرنا ہے اور اس کے لیے اس وصف کو بیان کررہا ہے جو عقلاً وعادۃً ممکن ہے؛ لہٰذا یہ تبلیغ کے قبیل سے ہوگا۔ (علم البدیع) بزیادۃ

② شاعر کا شعر: ⇦

④ **غُلُوّ**: وہ وصف ہے جس سے مبالغہ بیان کیا جارہا ہے اس کا وقوع عقلاً اور عادۃً دونوں اعتبار سے محال ہو۔

غلوِّ مقبول: وہ ہے جس میں لفظ کادَ، یُخَیَّل یا لَوْ، لَوْلَا کو استعمال کیا گیا ہو، جیسے:
﴿یَکَادُ زَیْتُهَا یُضِیْءُ وَلَوْلَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ﴾ [النور:۳۵]؛ ﴿ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ، إِذَآ أَخْرَجَ یَدَہٗ لَمْ یَکَدْ یَرٰهَا﴾[1] [النور:۴۰]۔

⑤ **تَفْوِیْف**: متکلم مدح وثنا وغیرہ مضمون میں ممدوح کی مختلف صفاتِ حمیدہ کو الگ الگ

⊃

وَنُكْرِمُ جَارَنَا مَا دَامَ فِیْنَا ❁ وَنُتْبِعُهُ الْكَرَامَةَ حَیْثُ مَالَا

ترجمہ: ہم پڑوسی پر احسان کرتے رہتے ہیں جب تک وہ ہمارے پڑوس میں رہے، اور اس کے پیچھے احسان کو بھیجتے ہیں جہاں کہیں وہ جائے۔ دیکھئے کسی سابقہ پڑوسی کے پیچھے پیچھے جہاں کہیں جائے احسانات اور نوازشوں کا بھیجتے رہنا عقلاً تو ممکن ہے، مگر عادتاً غیر ممکن ہے؛ کیوں کہ آدمی جب دور ہوجاتا ہے تو عام طور پر احسان ونوازش کا معاملہ ختم ہوجایا کرتا ہے۔

① آیتِ اولیٰ: قریب ہے کہ زیتون کا تیل خود ہی روشنی دے گا، چاہے اُسے آگ بھی نہ لگے۔ دیکھئے بدون آگ دکھلائے زیتون کے تیل کا روشن ہونا عقلاً وعادۃً ممتنع ہے؛ لیکن لفظ﴿یَکَادُ﴾ نے فائدہ دیا کہ یہ روشن کرنا پایا نہیں گیا؛ لیکن روشن ہونے کے قریب کردیا ہے۔

آیتِ ثانیہ: غرض اُوپر تلے اندھیرے ہی اندھیرے! اگر کوئی اپنا ہاتھ باہر نکالے تو اُسے بھی نہ دیکھ پائے۔ کافر دو قسم کے ہیں: ایک وہ جو اپنے زعم وعقیدہ کے موافق کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد کام آئیں گے؛ حالاں کہ کفر کی شامت سے وہ عند اللہ مقبول ومعتبر نہیں۔ ان فریب خوردوں کی مثال ایسی ہے کہ: دوپہر کے وقت سخت پیاس کی حالت میں دور سے پانی دکھائی دے، پیاسا شدتِ تشنگی سے بے تاب ہوکر وہاں پہنچا، دیکھا پانی وانی کچھ بھی نہیں، وہ صرف چمکتی ریت تھی؛ ہاں! ہلاکت کی گھڑی سامنے تھی، اور اللہ تعالیٰ عمر بھر کا حساب لینے کے لیے وہاں موجود تھے۔

دوسرے وہ کفار ہیں جو سر سے پاؤں تک دنیا کے مزوں میں غرق اور جہل وکفر، ظلم وعصیان کی اندھریوں میں پڑے غوطے کھا رہے ہیں، ان کی مثال یہاں بیان فرمائی کہ: اِن (کافروں کے اعمال) کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گہرے سمندر میں پھیلے ہوئے اندھیرے، کہ: سمندر کو ایک موج نے ڈھانپ رکھا ہو، جس کے اوپر ایک اَور موج ہو، اور اُس کے اوپر بادل؛ غرض اوپر تلے اندھیرے ہی اندھیرے، اگر کوئی اپنا ہاتھ باہر نکالے تو اُسے بھی دیکھ نہ پائے۔ یعنی: اُن کے پاس روشنی کی اتنی چمک بھی نہیں جتنی سراب پر دھوکہ کھانے والوں کو نظر آتی تھی، یہ لوگ خالص اندھیریوں اور تہ بہ تہ ظلمات میں بند ہیں، کسی طرف سے روشنی کی شعاع اپنے تک نہیں پہنچنے دیتے۔ نعوذ باللہ من ذٰلك (فوائد) بزیادۃ

جملوں میں بیان کرے جو جملے وزن میں باہم مساوی ہوں، جیسے: ﴿اَلَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ○ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ○ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ○ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ○﴾[1] [الشعراء:۷۸-۸۱](الزيادة)

⑥ **تَجْرِيْد**: متکلم کسی موصوف کی صفت سے اسی جیسی ایک دوسری صفت نکال کر مبالغۃً یہ باور کرائے کہ: اس موصوفِ حقیقی میں ایک دوسرا موصوف ــــ (صفتِ اول) اور بھی ہے جو دوسری صفت سے متصف ہے، جیسے ﴿ذٰلِكَ جَزَآءُ أَعْدَآءِ اللهِ النَّارُ، لَهُمْ "فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ"﴾[2] [حٰم السجدة:۲۸]۔

ملحوظہ: بیانِ تجرید کے لیے منتزع منہ پر تین حروف داخل کیے جاتے ہیں: ① حرف: في، جیسے آیت بالا میں ہے؛ نیز: لَكَ فِي دَارِكَ دَارُ كَرَامَةٍ؛ ② حرف: بَاء، جیسے: لَئِنْ سَأَلْتَ فُلاناً لَتَسْأَلَنَّ بِهِ البَحْرَ؛ ③ حرف: مِنْ، جیسے: لِيْ مِنْ فُلَانٍ صَدِيْقٌ حَمِيْمٌ. (علم البدیع)

⑦ **اِیہام وتوجیہ**: دو متضاد مفہوم (مثلاً: مدح وہجاء، ذم وثناء) کا احتمال رکھنے والا کلام کرنا، جیسے: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَقُوْلُوْا: "رَاعِنَا"؛ وَقُوْلُوا: انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا﴾[3].

[البقرة:۱۰٤]

---

① ترجمہ: میرے لیے تو یہ سب دشمن ہیں؛ سوائے ایک رب العالمین کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے، اور جو مجھے کھلاتا ہے، اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے، اور جو مجھے موت دے گا پھر زندہ کرے گا۔

② یہی ہے سزا اللہ کے دشمنوں کی جو آگ کی صورت میں ہوگی، اُسی میں اُن کا "دائمی ٹھکانا" ہوگا، جو اس بات کا بدلہ ہوگا کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ دیکھیے! آیت کا مطلب یہ نہیں کہ: جہنم میں ایک دار الخلد ہے اور دوسرا غیر دار الخلد؛ بلکہ جہنم ہی خود دار الخلد ہے، اس کی ایک صفت عذاب ہے، اور عذاب کی ایک صفت دار الخلد ہے۔ یہاں جہنم (موصوف) ہی دار الخلد ہے؛ لیکن عذابِ جہنم (صفت) کی شدت اور اس کی ہولناکی میں مبالغہ وکمال بیان کرنے کے لیے عذابِ جہنم (صفت) سے متصف ایک دوسرا دار نکالا گیا، اس کو دار الخلد کا نام دیا، اور بتایا کہ: جہنم کا عذاب اس قدر خوف ناک ہے کہ اس عذاب سے ایک دوسری جہنم (دار الخلد) بھی نکالی جاسکتی ہے۔

③ ترجمہ: ایمان والو! (رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہوکر) "راعنا" نہ کہا کرو، اور "انظرنا" کہہ دیا کرو، اور سنا کرو۔ یہود حضرت کی مجلس میں بیٹھتے اور حضرت کی باتیں سنتے، اور بعضے جو اچھی طرح بات نہ سنتے وہ کہتے تھے: ←

⑧ **اِسْتِتْبَاعُ:** کسی شی کی تعریف اس انداز سے کرنا کہ اس سے دوسری چیز کی تعریف بھی ہوجائے، جیسے: ﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۝﴾[1] [التوبة:۱۰۸]

⑨ **اِدْمَاج:** متکلم ایک مقصد کو بیان کرتے ہوئے دوسرے مقصد کو بھی ساتھ سمیٹ لے اس طور پر کہ کلام سے ان دو مقصدوں میں سے صرف ایک ہی مقصد ظاہر ہوتا ہو، جیسے: ﴿لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُوْلٰى وَالْآخِرَةِ﴾ [القصص:۷۰]؛ ﴿فَإِنْ "طِبْنَ" لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَرِيْئًا﴾[2] [نساء:۴].

⊃ ﴿رَاعِنَا﴾ یعنی ہماری رعایت کرو! یہ کلمہ سن کر کبھی مسلمان بھی کہہ دیتے۔ لہٰذا مؤمنین کو یہ کلمہ بولنے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ: حضرت کی بات کو دھیان اور توجہ سے سنیں اور اگر کہنا ہے تو "انظرنا" کہیں؛ کیوں کہ یہود اس لفظ کو بدنیتی سے زبان دبا کر "رَاعِيْنَا" یعنی: ہمارا چرواہا کہتے تھے؛ نیز یہود کی زبان میں ﴿رَاعِنَا﴾ احمق کو بھی کہتے ہیں۔ (علم البدیع)

① قُبا میں ایسے لوگ ہیں جو پاک صاف رہنے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ یعنی: آپ کی نماز کے لائق وہ مسجد ہے جس کی بنیاد اوّل دن سے تقویٰ اور پرہیزگاری پر قائم ہوئی (خواہ مسجد نبوی ہو یا مسجد قُبا)؛ اس کے نمازی گناہوں، شرارتوں اور ہر قسم کی نجاستوں سے اپنا ظاہر وباطن پاک صاف رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں؛ اسی لیے خدائے پاک ان کو محبوب رکھتا ہے۔ دیکھیے! آیت میں مطَّہِّرین کی تعریف کے ضمن میں طہارت کی تعریف بھی ہوگئی۔

② آیتِ اولیٰ: تعریف اسی کی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دیکھیے! یہ مضمون بیان کرنا مقصود ہے کہ: قابلِ ستائش صرف اللہ کی ذات ہے اور یہ مقصد ﴿وَلَهُ الْحَمْدُ﴾ سے حاصل ہوگیا؛ لیکن اس معنی میں مبالغہ پیدا کرنے کے لیے ﴿فِي الْأُوْلٰى وَالْآخِرَةِ﴾ کا لفظ بڑھا کر امورِ آخرت (حشر ونشر اور جزا وسزا) کی طرف بھی اشارہ فرما لیا۔ (الزیادة والاحسان)۔ آیتِ ثانیہ: اور عورتوں کو ان کا مہر خوشی سے دیا کرو۔ ہاں! وہ خود اس کا کچھ حصہ خوش دلی سے چھوڑ دیں (یعنی: مُعاف کردے) تو اُسے مزیدار اور خوشگوار سمجھ کر کھاؤ! دیکھیے: یہاں "عَفَوْنَ" کے بجائے ﴿طِبْنَ﴾ کا لفظ استعمال فرما کر یہ بھی اشارہ کرلیا کہ: اگر عورت کسی دباؤ میں آ کر مہر کو مُعاف کرے تو یہ معافی صحیح نہیں۔

اور ادماج کی مثال: جیسے شاعر کا قول:

أُقَلِّبُ فِيْهِ أَجْفَانِيْ كَأَنِّيْ ۞ أَعُدُّ بِهٖ عَلَى الدَّهْرِ الذُّنُوْبَا

مَیں اس رات میں اپنی پلکوں کو اس قدر کثرت سے پلٹتا تھا کہ گویا اس کے ذریعہ زمانے کے گناہوں کو شمار کر رہا ہوں۔ اس میں شاعر اصالۃً تو تکالیف سے بھری رات کی درازی کو بیان کرنا چاہتا ہے کہ: کب یہ رات گزرے اور میں مصیبت سے رہا ہوں؛ مگر اس مقصد کو بیان کرنے کے ضمن میں اس نے یہ بات بھی شامل کردی، کہ: اہلِ زمانہ کے گناہ اور مظالم کی تعداد اس قدر بے حساب ہے کہ میں انھیں پلک کو جھپکا کر شمار کر رہا تھا تو بھی وہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

ملحوظہ: ادماج اور استتباع کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے کہ: استتباع خوبیاں بیان کرنے کے ساتھ خاص ہے جب کہ ادماج تعریف اور غیر تعریف سب میں عام ہے۔(علم البدیع)

⑩ **تَاكِيدُ الْمَدْحِ بِمَا يُشْبِهُ الذَّمّ**: یہ ہے کہ مدح کو ایسے الفاظ مدحیہ سے مؤکد کرنا جو ذم کے مشابہ ہوں؛ یعنی ذم کی صورت میں مدح کرنا؛ اس کی دو صورتیں ہیں:

صورتِ اولیٰ: کسی صفتِ مدح کو نفی کی ہوئی صفتِ ذم سے مستثنیٰ کرنا اس تقدیر پر کہ: استثناء کی ہوئی صفتِ مدح اس منفی صفتِ ذم میں پہلے سے داخل تھی پھر اس سے نکالی گئی، جیسے:

﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَأْثِيْمًا۝ إِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا۝﴾[1] [الواقعة:۲۵-۲۶]

صورتِ ثانیہ: کسی چیز کے لیے ایک صفت مدح کو ثابت کرنا، پھر اس صفت کے بعد اداتِ استثناء یا اداتِ استدراک کے بعد متصلا دوسری صفت مدح لانا، جیسے آپ ﷺ کا فرمان:

"أَنَا أَفْصَحُ الْعَرَبِ، بَيْدَ أَنِّيْ مِنْ قُرَيْشٍ"[2].

⑪ **تَاكِيدُ الذَّمِّ بِمَا يُشْبِهُ الْمَدْح**: یہ ہے کہ صفتِ ذم کو ایسے الفاظ مذمت سے مؤکد اور پختہ کرنا جو مدح کے مشابہ ہوں؛ یعنی: مدح کی صورت میں بُرائی کرنا؛ اس کی بھی دو

---

① ترجمہ: وہ (جنتی لوگ) اس جنت میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ کوئی گناہ کی بات، ہاں! جو بات ہوگی، سلامتی ہی سلامتی (جو کہ لغو وتاثیم کی ضد ہے) آوازیں آئیں گی۔ یہاں إلا سے قبل صفت ذم (سماع لغو وتاثیم) کی نفی ہے، پھر إلا کے بعد (مقام ذم میں) سلام (صفتِ مدح) کا اثبات فرمایا؛ حالاں کہ مستثنیٰ ومستثنیٰ منہ دونوں ہی صفت مدح ہیں؛ دیکھیے! عموماً صفتِ ذم کی نفی کے بعد صفتِ ذم کا استثنا کیا جاتا ہے؛ چنانچہ یہ ذم کی صورت میں مدح کرنا ہے؛ جو کہ لغو وتاثیم کے جنت میں نہ ہونے کو مؤکد بیان کرتا ہے۔

② آپ ﷺ نے اوّلاً اپنے لیے ایک صفت مدح (فصیح ترین ہونا) کو ثابت فرمایا، پھر اس کے بعد بَيْدَ اداتِ استثناء کو ذکر فرمایا جس سے یہ اشارہ ہو رہا تھا کہ: اب برائی بیان ہوگی؛ لیکن آپ ﷺ نے بعد میں فرمایا کہ: ہاں! میں قریش سے بھی تعلق رکھتا ہوں، یعنی: میں خود افصح ہوں اور افصح العرب (قریش) سے میرا تعلق بھی ہے؛ گویا آقا ﷺ نے اپنے فصیح وبلیغ ہونے کو ایسے الفاظ مدحیہ سے پختہ کیا جو واقعی ایک فصیح وبلیغ کی شان ہوتی ہے؛ کیوں ایک صفت مدح کے بعد استثناء کرنا، آنے والی صفت کے صفتِ ذم ہونے کی طرف مشیر ہوتا ہے(علم البدیع) بزیادۃ

صورتیں ہیں:

صورتِ اولیٰ: کسی صفتِ مدح منفی سے صفت ذم کو مستثنیٰ کرنا، اس تقدیر پر کہ: استثناء کی ہوئی صفتِ ذم، اُس منفی صفت مدح میں پہلے سے داخل تھی، جیسے ﴿فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ۝ وَّلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ۝﴾[1] [الحاقة:۳۵-۳۶]

صورتِ ثانیہ: یہ ہے کہ کسی چیز کے لیے ایک صفتِ ذم کو ثابت کرنا، پھر اس صفت کے بعد اَدات استثناء یا اَدات استدراک لایا جائے جس سے متصل ایک اَور صفت ذم لانا، جیسے يَا رَسُوْلاً أَعْدَاؤُه أَرَاذِلُ النَّا- سِ جَمِيْعًا، لٰكِنَّهُمْ فِي الْجَحِيْمِ[2].

⑫ **الهزل يُرادُ بِهِ الجِدُّ:** کسی چیز کو ہنسی مذاق، دِل لگی یا چٹکی لیتے ہوئے ذکر کرنا اور مقصد حقیقت وواقعیت بتلانا ہو، جیسے شاعر کا شعر:

إِذَا مَا تَمِيْمِيٌّ أَتَاكَ مُفَاخِرًا ۞ فَقُلْ عُدْ عَنْ ذَا! كَيْفَ أَكْلُكَ للضَّبِّ[3]

---

① ترجمہ: لہٰذا آج یہاں نہ اس کا کوئی یار ومددگار ہے، اور نہ اُس کو کوئی کھانے کی چیز میسر ہے سوائے غسلین کے۔ جہنمیوں کا آخرت میں نہ کوئی حمایتی دوست ہوگا اور نہ ہی کچھ کھانا ملے گا سوائے زخمیوں کے دھوون کے۔ یہاں اِلا سے قبل صفت ذم (صدیق وحمیم کا نہ ہونا) کو ذکر کیا اور اِلا کے بعد بھی صفت ذم (خبیث کھانے کے پائے جانے) کا اثبات کیا؛ حالاں کہ صفت ذم کے استثناء کے بعد صفت مدح کو ذکر کیا جاتا ہے؛ جب کہ یہاں یہ دونوں صفت ذم ہیں (علم البدیع)

② دیکھیے! یہاں شاعر نے دشمنانِ رسول کی بُرائی اراذل الناس کہہ کر بیان کی ہے، پھر اداتِ استدراک لاکر — جو مقام مدح ہوا کرتا ہے — مزید بُرائی بیان کی کہ: وہ جہنمی ہیں۔

③ کوئی تمیمی اگر اپنی خوبیوں پر ناز کرے تو اس کو کہہ دے کہ: تو فخر کرنا چھوڑ! پہلے مجھے یہ بتا کہ: تم لوگ گوہ کیسے کھا جاتے ہو! دیکھیے اشراف عرب گوہ کھانے کو ناپسند کرتے تھے، اس جگہ مذاق کرتے ہوئے تمیمیوں حقیقت بھی کھولی ہے۔

فصلِ سابع: متعلق بہ حسنِ کلام

① **فَرَائِد:** کلام میں ایسا لفظ ذکر کرنا جو بیش قیمت ہار کے موتیوں میں سے بے نظیر موتی کی طرح ہو؛ یعنی: اگر کلام سے اس لفظ کو ہٹا دیا جائے تو اس کی خانہ پُری فصحاء و بلغاء کے لیے مشکل ہو جائے، جیسے: ﴿قَالَتِ امْرَأَةُ الْعَزِيْزِ: اَلْئٰنَ "حَصْحَصَ" الْحَقُّ﴾ [یوسف:۵۱]؛ ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ "الرَّفَثُ" إِلٰى نِسَآئِكُمْ﴾ [البقرة:۱۸۷]؛ ﴿وَلِيُمَحِّصَ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا، وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [1] [آل عمران:۱۴۱]۔

② **نَزَاهَت:** ہجو اور عیب گیری کے موقع پر ایسے پُر وقار الفاظ ذکر کرنا جو با وقار لوگوں کی سمع خراشی اور لطیف طبیعت کو متنفر کرنے سے پاک ہوں؛ قرآن مجید میں جہاں عیب گیری کا موقع آیا ہے وہاں نزاهت کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے، جیسے: ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰى أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمٰى،

---

① آیتِ اولیٰ: عزیز کی بیوی نے کہا کہ: "اب تو حق بات سب پر کھل ہی گئی ہے۔ دیکھئے! حصحص کے معنی ہے حق و باطل کا پوشیدگی کے بعد حصہ حصہ (ممتاز) ہو کر اس طرح عیاں ہو جانا کہ حق واضح ہو کر سامنے آجائے کہ اس کا انکار نہ کیا جاسکے اور جھوٹ و باطل بے حقیقت ہو کر رہ جائے، دیکھئے! یہاں سے اگر ﴿حَصْحَصَ﴾ ہٹا دیا جائے تو اس کی خانہ پوری مشکل ہو جائے؛ آیتِ ثانیہ: ترجمہ: تمھارے لیے حلال کر دیا گیا ہے کہ روزوں کی رات میں تم اپنی بیویوں سے بے تکلف صحبت کرو۔ دیکھیے: اس مثال میں ﴿الرفث﴾ ہے، زجاج کہتے ہیں کہ: رفث ایسا جامع کلمہ ہے جو ہر ایسے قول و فعل پر مشتمل ہے جو میاں اپنی بیوی سے چاہتا ہے۔ (الزیادۃ والاحسان)

آیتِ ثالثہ: اگر تمھیں (جنگ اُحد میں) ایک زخم لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی (جنگ بدر میں) اسی جیسا زخم لگ چکا ہے، یہ تو آتے جاتے دن ہیں جنھیں ہم لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں؛ اور مقصد یہ تھا کہ:...، اور مقصد یہ بھی تھا کہ: "اللہ پاک ایمان والوں کو میل کچیل سے نکھار کر رکھ دے، اور کافروں کو ملیا میٹ کر ڈالے"۔ دیکھیے (مَحَّصَ) کے معنی: کسی (قیمتی) چیز کو اس میں موجود عیوب سے ایسا پاک صاف کرنا کہ اس میں کسی قسم کی کھوٹ باقی نہ رہے، کہا جاتا ہے: مَحَّصَ الذَّهَبَ بِالنَّارِ، سونے کو آگ میں پگھلا کر کھوٹ سے صاف کرنا؛ گویا ایمان والوں کو میل کچیل سے پاک صاف کرنے کو تشبیہ دی ہے سونے کو آگ میں پگھلا کر کھوٹ سے صاف کرنا۔ اسی طرح (مَحَقَ) کے معنی: بے برکت کرنا، بے اثر و بے نتیجہ بنانا، تباہ و برباد کرنا، اسی سے اُمحاق ہے، یعنی: چاند کی روشنی میں کمی، چاند پورا ہو جانے کی راتوں کے بعد اس میں آنے والی کمی، بے نوری اور نقص؛ یعنی: اللہ پاک کافروں کو مختلف مواقع دے کر آہستہ آہستہ انھیں مکمل پھلنے پھولنے کا موقع دیں گے پھر انھیں ایسا تباہ و برباد کریں گے کہ: نام و نشان مٹ جائے۔

وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهُ يَزَّكّٰى، أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى﴾ [عبس]؛ ﴿وَإِذَا دُعُوْا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝﴾ [النور:٤٨]؛ اس کے بعد آگے فرمایا: ﴿أَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ، أَمِ ارْتَابُوْا، أَمْ يَخَافُوْنَ أَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ؛ بَلْ أُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝﴾ ① [النور:٥٠]۔

ملحوظہ: ابوعمر بن العلاء سے پوچھا گیا: بہترین عیب گیری کون سی ہے؟ جواب دیا کہ: تو کسی پردہ نشین شرمیلی لڑکی پر ایسی عبارت سے گرفت کرے جو اسے ناگوار نہ ہو (الزیادۃ)

③ **اِقْتِدَار:** قادر الکلام متکلم ایک ہی مضمون کو مختلف جگہوں میں الگ الگ اسالیب (استعارہ، مجاز، کنایہ؛ ایجاز، اطناب وغیرہ) میں بیان کرے؛ یہ اسلوب قرآن مجید کے ذکر کردہ تمام واقعات میں ہے کہ ایک ہی معنی بیان کرنے والی چند آیتیں مختلف صورتوں اور الگ الگ سانچوں میں ایسی ڈھالی گئی ہیں کہ ہر دو آیتیں صورۃً مختلف ہیں، جیسے: ﴿وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ، وَأَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [الشعراء:١٩]؛ ﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرٰى، إِذْ

---

① آیتِ اولیٰ: (پیغمبر ﷺ نے) منہ بنایا، اور رُخ پھیر لیا، اس لیے کہ ان کے پاس وہ نابینا آ گیا تھا؛ اور (اے پیغمبر!) تمھیں کیا خبر؟ وہ سدھر جاتا! یعنی: پیغمبر ﷺ اندھے کی معذوری، شکستہ حالی اور طلبِ صادق کا لحاظ کرنا چاہیے تھا۔ محققین کہتے ہیں کہ: یہ متکلم کا غایتِ تکرّم واستحیاء ہے، اور مخاطب کی غایتِ کرامت ہے کہ عتاب کے وقت بھی رُودررُو اس امر کی نسبت آپ کی طرف نہیں فرمائی، اور آگے خطاب کا صیغہ بطورِ التفات کے اس لیے اختیار فرمایا تاکہ اعراض کا شبہ نہ ہو، نیز وہ مضمون پہلے سے ہلکا ہے۔ (فوائد عثمانی)

اللہ اکبر! موضعِ عتاب میں بھی کیا اسلوب ہے! حضرت ﷺ انتہائی درجہ شرمیلے تھے؛ حتیٰ کہ علماء نے لکھا ہے کہ: آپ ﷺ پردہ نشین باکرہ لڑکی سے بھی زیادہ شرمیلے تھے؛ اب اگر عتاب کے وقت بھی حضرت کی طرف نسبت فرماتے تو شاید حضرت بھی غایت استحیاء من اللہ کی وجہ سے اس عتاب کی تاب نہ لاتے! ۔محمد الیاس

آیتِ ثانیہ: اور جب اُن منافقین کو اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ان میں سے کچھ لوگ ایک دم رُخ پھیر لیتے ہیں، اور جب خود اُنھیں حق وصول کرنا ہو تو وہ بڑے فرماں بردار بن کر رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے آتے ہیں؛ کیا ان کے دلوں میں کوئی روگ ہے، یا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں، یا انھیں یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اُس کا رسول ان پر ظلم ڈھائے گا؟ نہیں، بلکہ ظلم ڈھانے والے تو خود یہ لوگ ہیں۔ دیکھیے: یہاں منافقین کی گرفت فرماتے ہوئے کیسا اسلوب اختیار فرمایا ہے (الزیادۃ والاحسان)

أَوْحَيْنَا... إِذْ تَمْشِيْ أُخْتُكَ...، ''وَقَتَلْتَ نَفْسًا'' فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا﴾① [طٰه:٤٠]

ملحوظہ: اس کی مثال کے لیے اِنفاق فی سبیل اللہ کے مضمون پر مشتمل آیات کو''ایجاز، اطناب اور مساوات'' کے ضمن میں ص: ۲۰۱ پر ملاحظہ فرمالیں۔

④ **اِئْتِلافُ اللَّفْظِ مَعَ المَعْنیٰ**: الفاظ کا معنیٰ مرادی کے موافق (جیسے معانی ایسے الفاظ) ہونا؛ پس فخر وشجاعت کے لیے مستحکم الفاظ اور پُرشوکت عبارت منتخب کرنا؛ مدح واظہارِ محبت کے لیے شیریں کلمات لچکدار عبارت لانا؛ اسی طرح انوکھے معنیٰ کے لیے نامانوس الفاظ اور مانوس معنیٰ کے لیے مانوس الفاظ ذکر کرنا، جیسے: ﴿أَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ٥﴾ [القمر:٤٢]؛ ﴿وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا﴾ [فاطر:٣٧]؛ ﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًا لَقَالُوْا: لَوْلَا فُصِّلَتْ ءَايَاتُهُ! ءَأَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ﴾② [حم السجدة:٤٤]۔

① آیتِ اولیٰ: فرعون نے کہا: جو کرتوت (قبطی کا قتل) تو کر کے تو بھاگا تھا اُسے ہم نہیں بھولے!۔ آیتِ ثانیہ: اللہ پاک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احسان جتلاتے ہوئے فرماتے ہیں: ہم تو پہلے ایک مرتبہ بھاری احسان (نبوت دے کر) کر چکے ہیں، اور اب دعوت وتبلیغ کے کام میں دوسرے معین ومددگار کے سوال کے متعلق جو مانگا وہ بھی دے دیا...، اور تم پر یہ بھی احسان کیا تھا کہ: جب تم نے اپنے ہاتھ سے ایک قبطی کو مار ڈالا تھا، آپ اس ڈر سے کہ: دنیا میں پکڑا جاؤں گا اور آخرت میں بھی ماخوذ ہوں گا؛ ہم نے دونوں پریشانیوں سے نجات دے دی، اُخروی پریشانی سے تو اس طرح کہ توبہ قبول کر دی، اور دنیوی سے اس طرح کہ: آپ کو مصر سے نکال کر مدین پہنچا دیا۔

دیکھیے: یہاں احسان جتاتے ہوئے تو حضرت موسیٰ کی طرف قتل کی نسبت فرمائی ہے؛ لیکن موسیٰ وفرعون کے درمیان کے مراجعہ (آپسی گفتگو) کے موقع پر باری تعالیٰ نے قتل کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ فَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُوْلیٰ وَالْآخِرَةِ. (الزیادۃ والاحسان) بزیادۃ المثال

② آیتِ اولیٰ: اُنھوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلا دیا تھا، اس لیے ہم نے اُن کو ایسی پکڑ میں لیا جیسی ایک زبردست قدرت والے کی پکڑ ہوتی ہے۔ دیکھیے: اس مثال میں: قادر بمعنی صاحبِ قدرت سے زیادہ بلیغ لفظ مقتدر یعنی ''قابو پانے والا'' ہے؛ کیوں کہ مقتدر کے معنیٰ: وہ ایسا قابو پانے والا ہے جس کے سامنے ساری کائنات بے بس ہے۔

آیتِ ثانیہ: اور وہ اُس دوزخ میں چیخ پکار مچائیں گے کہ: ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں باہر نکال دے تا کہ ہم جو کام پہلے کیا کرتے تھے اُنھیں چھوڑ کر نیک عمل کریں''۔ دیکھیے: جہنمی لوگ جہنم میں زور زور سے چلائیں گے صَرَخَ (ن) سے صُراخًا، فریاد کرنا اور اصطرخ (افتعال) سے غیر معتاد (زور زور سے) چیخنا چلانا۔ دیکھئے! ان کا چلانا غیر معتاد ہوگا اس تعبیر کے لیے ﴿يَصْطَرِخُوْنَ﴾ کا استعمال ابلغ ہے۔ (الزیادۃ) ⇐

⑤ **اِنْسِجَام**: یہ ہے کہ متکلم کا کلام خوش گوار الفاظ اور ہموار ترکیب (عدمِ تعقید) کی بناء پر ڈھلان کی طرف بہنے والے پانی کی طرح آسانی کے ساتھ زبان پر رواں ہوجائے؛ پورا قرآن مجید ایسا ہی ہے [۱]۔ (الزیادۃ والاحسان)

⑥ **تَهْذِيب**: وہ زبان سے بآسانی ادا ہونے والا مرتب نغمہ دار کلام ہے جو قاری کے حلق میں مزیدار معلوم ہو اور سامع کو ایسا لطیف اور خوسگوار معلوم ہو کہ غافل بھی کان لگا کر سننے لگے اور فہمِ سامع سے ایسا قریب ہو کہ: تدبر و تفکر کرنے والا اس کے معنی کو عقل میں مستحضر کرلے؛ پورا قرآن مجید تہذیب میں اپنی نظیر آپ ہے اس کی مثال "ابداع" میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ (الزیادۃ)

⑦ **إِرْدَاف**: متکلم ایک معنی کو ادا کرنے کے لیے اس کے موضوع لفظ کے ردیف اور تابع لفظ کو ذکر کرے، جیسے: ﴿وَلَا هُمْ مِنَّا لَا يُصْحَبُوْنَ﴾ [۲] [الأنبياء:٤٣]، أي: لَا يُنْصَرُوْنَ.

⊃ آیتِ ثالثہ: اور اگر ہم اس (قرآن) کو عجمی قرآن بناتے تو یہ لوگ کہتے: "اس کی آیتیں کیوں کھول کھول کر کیوں نہیں بیان کی گئیں؟ یہ کیا بات ہے کہ: قرآن عجمی (غیر فصیح وغیر واضح کتاب) ہے، اور پیغمبر عربی؟"؛ دیکھیے: باری تعالی نے ان کے اس واہی وباطل اعتراض کہ: العیاذ باللہ "قرآن عجمی زبان میں ہونا چاہیے تھا" کو ﴿أَعْجَمِيًّا - ءَأَعْجَمِيٌّ﴾ کے ایسے لفظ سے تعبیر فرمایا کہ اس کا پڑھنا اہلِ عرب کے یہاں کسی حد تک دشوار ثابت ہوا؛ اسی وجہ سے تو تسہیل کی ضرورت پیش آئی۔ منہ

① جس کلام کے اجزاء میں ہم آہنگی اور یکسانیت ہوتی ہے تو مخاطب کو ایک خاص قسم کی لذت محسوس ہوتی ہے، اور ایسا کلام نفس کو اُسی جیسے دوسرے کلام کا مشتاق بنا دیتا ہے؛ پھر جب اُسی توافق اور کلام کے اجزاء میں ہم آہنگی (سُر اور راگ کا فطرتِ انسانی سے قریب ہونا) کے ساتھ دوسرا کلام بھی اُسی انداز میں پیش ہوتا ہے۔ جس کا نفس منتظر تھا۔ تو اس وقت لذت دوگنا ہوجاتی ہے، اور جب فواصل میں دونوں فقرے مشترک ہوجاتے ہیں تو لذت سہ گنا ہوجاتی ہے، اور فطرتِ سلیمہ اپنے ذوق سے موزون ومقفی کلام کی حلاوت اور مٹھاس محسوس کرتی ہے۔ (الفوز الکبیر)

② ترجمہ: بھلا ان کے پاس ہمارے سوا کوئی ایسے خدا ہیں جو اُن کی حفاظت کرتے ہوں؟ وہ تو خود اپنی مدد نہیں کرسکتے، اور نہ ہمارے مقابلے میں کوئی اُن کا ساتھ دے سکتا ہے!۔ دیکھیے: اجتماع وصحبت یعنی: ساتھ دیے بغیر نصرت کا تصوّر ممکن ہی نہیں! لہٰذا (لَا يُنْصَرُوْنَ) کے بدلے اسی معنی کو مبالغۃً ادا کرنے والے ردیف لفظ ﴿لَا يُصْحَبُوْنَ﴾ کو ذکر فرما کر نصرت کے ساتھ صحبت کی بھی نفی فرمائی۔

⑧ **اِبْدَاع:** متکلم کا کلام، بدیع کی چند مختلف ضربوں پر مشتمل ہو؛ قرآنِ کریم میں یہ صنعت کمال درجہ ہے، جیسے:﴿وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ، وَغِيْضَ الْمَآءُ، وَقُضِيَ الْاَمْرُ، وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ: بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝﴾[1] [هود:۴۴]؛

---

① ترجمہ: اور پروردگارِ عالم کا حکم آیا کہ: "اے زمین اپنا پانی نگل جا! اور اے آسمان! تھم جا؛ اور پانی اُتر گیا (سُکھا دیا گیا)، سارا قصہ چکا دیا گیا، اور کشتی جودی پہاڑ پر آٹھہری، اور کہہ دیا گیا کہ: "بربادی ہے اُس قوم کی جو ظالم ہو"!۔
یعنی: ایک مدت تک پانی برسا گویا آسمان کے دہانے کھل گئے اور زمین کے پردے پھٹ پڑے، درخت اور پہاڑیاں تک پانی میں چھپ گئیں، اصحابِ سفینہ کے سوا تمام لوگ غرق ہو گئے۔ اس وقت خداوندِ قدوس نے زمین کو حکم دیا کہ: اپنا پانی نگل جا! اور بادل کو فرمایا: تھم جا! پھر کیا مجال تھی کہ دونوں امتثالِ حکم میں ایک لحہ کی تاخیر کرتے؛ چناں چہ پانی خشک ہونا شروع ہو گیا۔ کشتی جودی پہاڑ پر جا لگی اور جو خدا نے چاہا (یعنی مجرمین کو سزا دینا) وہ پورا ہو چکا۔ ظالموں کے حق میں کہہ دیا گیا: خدا کی رحمت سے دور ہو کر ہمیشہ کے لیے مصیبت و ہلاکت کی غار میں پڑے رہو! (فوائد)

آیتِ مذکورہ مندرجہ ذیل فنونِ بدیعیہ کو مشتمل ہے:

① ﴿أَبْلَعِيْ، أَقْلِعِيْ﴾ کے درمیان مناسبتِ تامہ؛ کیوں کہ دونوں جملوں کے توسط بین الکمالین کی وجہ سے صنعتِ وصل ہے۔ تفصیل علم المعانی، "وصل وفصل" میں ملاحظہ ہو۔

② ان دونوں میں استعارہ ہے، یعنی: آسمان وزمین کو جاندار سے تشبیہ دی ہے، اور قرینہ آسمان وزمین کو ﴿أَبْلَعِيْ، أَقْلِعِيْ﴾ کا حکم دینا ہے۔

③ ﴿أَرْضُ، سَمَآءُ﴾ کے درمیان طباق ہے۔

④ ﴿يٰسَمَآءُ﴾ میں مجاز ہے؛ کیوں کہ حقیقت "یا مطر السماء" ہے، یعنی: آسمان خود نہیں برستا تھا؛ بلکہ اس سے بارش برستی تھی، یہاں آسمان سے نازل ہونے والی بارش کو حکم ہے۔

⑤ ﴿غِيْضَ الْمَآءُ﴾ میں اشارہ ہے، یعنی: لفظِ قلیل معانیٔ کثیرہ کی طرف مشیر ہو؛ یہاں پانی کے سوکھنے سے سرسری طور پر ذہن دو چیزوں کی طرف جاتا ہے، یعنی: زمین کا پانی نگلنا اور آسمان کا تھم جانا۔

⑥ ﴿اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ﴾ میں اِرداف ہے؛ یہاں پانی کے سُکھ جانے کے لیے یہ تعبیر اختیار فرمائی کہ: "کشتی رُک گئی"؛ دیکھیے: کشتی یہ پانی نہ ہونے پر ہی رُکتی؛ ورنہ چلتی رہتی ہے؛ گویا ﴿غَاضَ الْمَآءُ﴾ "پانی سُکھ گیا" کے لیے اس کا ردیف لفظ ﴿اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ﴾ "کشتی رُک گئی" سے تعبیر فرمائی۔

⑦ ﴿قُضِيَ الْأَمْرُ﴾ میں تمثیل ہے، تمثیل کہتے ہیں: متکلم ایک معنی ادا کرنے کے لیے نہ اس کا موضوع لفظ لائے نہ اس کا ردیف وتابع لفظ لائے؛ بلکہ ردیف سے بھی دور ایک ایسا لفظ لائے جو معنیٔ مذکور کے لیے موضوع لفظ کی مثال بن سکے؛ گویا آسمان کے تھمنے اور پانی کے سُکھنے کو تمثیلی پیرایے میں تعبیر فرما کر بتایا کہ: قومِ نوح کا سارا قصہ چُکا دیا گیا۔

⑧ تعلیل ہے؛ کیوں کہ پانی کا سُکھنا استواء کی علت ہے۔ ←

اس آیات میں سترہ الفاظ ہیں اور بدیع کی بیس ضربوں پر مشتمل ہے۔

⇐ ⑨ تقسیم ہے، یعنی: پانی کم ہونے کی تینوں قسموں کو گھیر لیا ہے: آسمان کا تھمنا، زمین کا پانی نگلنا اور باقی پانی کا دھوپ سے سُکھ جانا۔

⑩ ﴿بُعْداً لِلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ میں ﴿الظّٰلِمِيْنَ﴾ میں احتراس ہے؛ تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ غرق کرنا ظالمین وغیر ظالمین سب کے لیے تھا؛ حالاں کہ ایسی بات نہ تھی۔

⑪ انسجام ہے یعنی: آیتِ کریمہ سلاست سے ادا ہو رہی ہے، جیسے جاری پانی بہتا ہو۔

⑫ حسنِ نسق ہے، یعنی: متکلم کسی قصہ یا مضمون کو بیان کرنے کے لیے چند ایسے جملے بذریعۂ حرفِ عطف (واوٌ) ذکر کرے جو جملے آپس میں متناسب اور جوڑ رکھے ہوئے ہوں اور ترتیبِ واقعی کے مطابق ہوں۔

⑬ ایجاز ہے؛ کیوں کہ اس میں امر ہے تو نہی (اے آسمان پانی مت برسا) بھی ہے؛ خبر ہے تو ندا (انشاء) بھی ہے؛ اِہلاک ہے تو اِبقاء بھی ہے؛ سعادت مند بنانا ہے تو شقی و بدبخت بنانا بھی ہے۔

⑭ ائتلاف اللفظ مع المعنی (جیسا معنی ویسا لفظ) ہے۔

⑮ تسہیم ہے، یعنی اولِ آیت آخرِ آیت پر دلالت کرتی ہے۔

⑯ تہذیب ہے، یعنی: اس کے مفردات خوبصورت ہیں؛ کیوں کہ مفردات کا ہر ہر لفظ سہل المخارج کے قبیل سے ہے؛ نیز یہ کہ فصاحت بھی ہے کہ: آیت میں نہ تنافر ہے نہ ہی تعقید۔

⑰ حسنِ بیان ہے؛ کیوں کہ سامع کو آیت کے معانی سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں۔

⑱ ﴿وَغِيْضَ الْمَآءُ﴾ میں اعتراض (جملہ معترضہ) ہے؛ گویا آسمان کے تھمنے اور زمین کے پانی نگلنے کے بعد کچھ بھی نہ رہا؛ بلکہ وہ بھی سُکھ گیا۔

⑲ کنایہ ہے؛ کیوں کہ آیت میں ذکر کردہ فاعلین کی تصریح نہیں ہے کہ مَنْ أغَاضَ الماءَ؟ مَنْ قَضَى الأَمْرَ، مَنْ قال: (قِيْلَ يٰأَرْضُ).

⑳ تعریض ہے کہ: رسولوں کی تکذیب کرنا ظلم ہے؛ کیوں کہ طوفان اور یہ ہولناک منظر اسی کا نتیجہ تھا۔

㉑ ابداع ہے، یعنی: مختلف فنونِ بدیعیہ کو سمیٹ لینا۔ (جواھر، الزیادۃ) هٰذا كلام ربي، هٰذا كلام ربي، هٰذا كلام ربي؛ رضينا بالله ربا وبالإسلام دينا وبمحمد نبيا وبالقرآن كتابا.

فصلِ ثامن: در تحسین مضمون

① **حُسنِ نَسَق**: متکلم یکے بعد دیگرے ایسے جملوں کو ذکر کرے جو مرتب ہوں، معنوی طور پر ایسے متحد ہوں کہ ہر جملہ بذاتِ خود مضمون کو ادا کر دیتا ہو اور عمدگی کے ساتھ حرف عطف کے ذریعے جڑے ہوئے ہوں، جیسے:﴿وَقِيْلَ: يٰأَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ، وَيٰسَمَآءُ أَقْلِعِيْ، وَغِيْضَ الْمَآءُ، وَقُضِيَ الْأَمْرُ﴾[1] [هود:٤٤].

② **عطفِ مفردات**: مفردات میں آپس کا تناسب ہو تو وصل یعنی عطف کیا جاتا ہے، جیسے: ﴿قُلْ إِنَّ صَلاَتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝﴾ [الأنعام:١٦٢]؛ ﴿كُلٌّ اٰمَنَ بِاللهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ﴾[2] [البقرة:٢٨٥].

ملحوظہ: مفردات کے درمیان عطف کے موقع پر معطوف، معطوف علیہ کے ذکر میں ترتیب (تقدیم ماحقُّہ التقدیم، تاخیر ماحقُّہ التاخیر) کی رعایت ضروری ہے؛ اسی بنا پر عطفِ مفردات کے موقع پر تقدیم وتاخیر سے بہت سے دقائق ولطائف کا علم ہوتا ہے، مثلاً:

① مؤخر کی شرافت کی طرف اشارہ کرنا، جیسے: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ أَلاَّ تَعْبُدُوْآ إِلاَّ "إِيَّاهُ"، وَبِـ "الْوَالِدَيْنِ" إِحْسَانًا﴾[3] [الإسراء:٢٣].

---

① ترجمہ: اور حکم ہوا کہ: "اے زمین! اپنا پانی نگل لے، اور اے آسمان! تھم جا" چناں چہ پانی اتر گیا، اور سارا قصہ چکا دیا گیا۔ دیکھئے! زمین سے پانی کو کم کرنا اہلِ سفینہ کا مقصد تھا، اس مقصد کے پورا ہونے کو بیان کرنے کے لیے چار جملوں کو مرتّب بہ ترتیب وقوی حرفِ عطف کے ذریعے ایسا ذکر فرمایا ہے کہ ہر جملہ اصحابِ سفینہ کے مقصد کو واضح کرتا ہے۔ (الزیادة والاحسان)

② آیتِ اولی: کہہ دو کہ: بیشک میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا؛ سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ آیتِ ثانیہ: یہ سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔

③ ترجمہ: اور تمہارے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ آیت میں والدین کا عطف ذاتِ باری سبحانہ کی طرف لوٹنے والی ضمیر پر کرنے سے والدین کی خدمت کی شرافت معلوم ہوتی ہے۔

② مقدم کی تعظیم وتشریف کی طرف اشارہ کرنا، جیسے: ﴿فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ "النَّبِيّنَ" وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾① [النساء:٦٩].

③ تقدُّمِ زَمنی کی طرف اشارہ کرنا، نہ کہ تقدُّمِ رُتبی کی طرف، جیسے: ﴿وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي "التَّوْرٰةِ" وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ﴾② [التوبة:١١١].

اسی طرح کبھی مفردات کی ترتیب میں تَدَلِّي مِنَ الأَعْلٰى اِلَى الأَدْنٰى یا تَرَقی مِنَ الأَدْنٰى اِلَى الأَعْلٰى کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے، جیسے ﴿وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ﴾③ [الحجرٰت:٧] میں تَدَلِّي مِنَ الأَعْلٰى إِلَى الأَدْنٰى ہے۔ ایسے مواقع پر اور بہت سارے دقائق واسرار کا استخراج ہوسکتا ہے۔ (علم المعاني) بزيادة

④ **اِرْسَالُ الْمَثَلِ**: (کلامِ جامع) یہ ہے کہ: ایسا کلام لایا جائے، جو بہت سی جگہوں میں مثل اور کہاوت بن سکے، جیسے: ﴿وَأَوْحَيْنَآ إِلٰى مُوْسٰى أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُوْنَ○ فَـ"وَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○"﴾④ [الأعراف:١١٧-١١٨]

---

① ترجمہ: اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ اُن کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے اِنعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔

② ترجمہ: یہ ایک سچا وعدہ ہے جس کی ذمہ داری اللہ نے تورات اور انجیل میں بھی لی ہے اور قرآن میں بھی۔ دیکھیے: قرآنِ مجید کا درجہ تورات اور انجیل سے بڑھ کر ہے؛ لیکن تقدُّمِ زمنی کی رعایت میں تورات، انجیل اور قرآن کا مرتب سب ترتیبِ زمنی تذکرہ فرمایا ہے۔

③ ترجمہ: اور تمہارے اندر کفر کی اور گناہوں اور نافرمانی کی نفرت بٹھادی ہے۔
دو جملوں کے درمیان عطف کے لیے علمِ بیان میں صنعتِ وصل وفصل ملاحظہ فرمائیے۔

④ ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ تم اپنی لاٹھی ڈال دو، بس پھر کیا تھا، اُس نے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ساری چیزیں نگلنی شروع کردیں جو انہوں نے جھوٹ موٹ بنائی تھیں۔ اس طرح "حق کھل کر سامنے آگیا! اور باطل ملیا میٹ ہوگیا"۔ یہ محض تخییل اور نظر بندی تھی، عصائے موسیٰ اُن کی تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا اور سارا بنا بنایا کھیل ختم کردیا، جس سے ساحروں کو تنبیہ ہوا کہ: یہ سحر سے بالاتر کوئی اور حقیقت ہے!۔
یہ کلام ابطالِ باطل اور احقاقِ حق کے معنی بتلانے کے مواقع پر بطورِ کہاوت اور ضرب المثل کے استعمال کیے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ شاعر نے اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا، شعر:

ملحوظہ: کلام جامع: پورے بیت میں مثل لانے کو کہتے ہیں، ارسال مثل: ایک مصرعے میں مثل لانا۔ (دروس البلاغۃ)

④ **اِستِطْرَاد:** متکلم کا ایک غرض سے —جس کو وہ بیان کررہا تھا— دوسری غرض کی طرف نکل جانا، دونوں غرضوں کے مابین مناسبت کی وجہ سے؛ پھر پہلی غرض کی طرف عود کرنا، جیسے: ﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ -إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا- وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ﴾① [بني إسرائيل:۷۸].

⑤ **اِفْتِنَانْ:** متکلم کا اپنے کلام میں دو متنوع فنون کو جمع کرنا خواہ متضاد ہوں یا مختلف ہوں یا متفق، مثلاً: مدح وہجو، غزل وحماست، تعزیت وتہنیت، جیسے: ﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِيْ

⬅

إِذَا جَاءَ مُوْسٰى وَأَلْقَى الْعَصَا ✿ فَقَدْ بَطَلَ السِّحْرُ وَالسَّاحِرُ

جیسے ہی موسیٰ علیہ السلام آئے اور اپنا عصا ڈالا، فوراً جادو اور جادو گر دونوں کا بطلان ظاہر ہو گیا۔

اسی طرح کوئی کہے: لَيْسَ التَّكَحُّلُ فِي الْعَيْنَيْنِ كَالْكَحَلِ، سرمے کے ذریعہ آنکھوں کو سیاہ کرنا وہ فطری سیاہ آنکھ والے کی طرح نہیں ہوسکتا۔

دیکھئے! یہ مثال حقیقی اشیاء اور مصنوعی اشیاء کے درمیان فرق بتانے کے مواقع میں کہاوت اور ضرب المثل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، مثلاً: ایک آدمی فطری باادب ہو، اور دوسرا بہ تکلف باادب بنا ہوا ہو، اس سے کہا جائے کہ سرمہ لگا کر آنکھیں سرمگیں کرنا، اس سرمگیں آنکھ کی طرح نہیں ہوسکتا، جو پیدائشی سرمگیں ہو۔

ملحوظہ: ارسالِ مثل اور کلام جامع دونوں میں فرق یہ ہیں کہ ارسالِ مثل کسی شعر کا ایک جزء ہوتا ہے، جیسا کہ مثالِ اول میں متنبی کے شعر کا ایک جزء یعنی مصرعہ ثانیہ ہے، جو اس نے سیف الدولہ سے اس کی فطری وطبعی وصف (حلم وبردباری) کے بارے میں کہا تھا، اور قسمِ ثانی مکمل ایک شعر ہوتا ہے، جیسا کہ مثالِ ثانی سے ظاہر ہے۔

① ترجمہ: (اے پیغمبر!) سورج ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز قائم کرو، اور فجر کے وقت قرآن پڑھنے کا اہتمام کرو؛ یاد رکھو کہ فجر کی تلاوت میں مجمع حاضر ہوتا ہے، اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھا کرو جو تمہارے لیے ایک اضافی عبادت ہے۔ یہاں چار نمازیں: ظہر، عصر، مغرب اور عشا ﴿لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ﴾ میں آگئیں اور ﴿قُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ میں فجر کی نماز آگئی؛ اس کے بعد ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ﴾ سے تہجد کی نماز کا حکم ہوا؛ اور پانچ نمازوں اور نمازِ تہجد کے درمیان ﴿إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ سے نمازِ فجر کا —فرشتوں کے اجتماع کی وجہ سے مزید برکت وسکینہ کا— موجب ہونا بیان کیا، جس کو ﴿قُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ سے مناسبت ہے (علم البدیع)

نَعِيمٍ○ وَّإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ○﴾[1] [انفطار:۱۳]۔

⑥ **مُغَایَرَت**: یہ ہے کہ ایک شئ کی تعریف کرنے کے بعد، اس کی برائی بیان کرنا یا اس کے برعکس کرنا، جیسے:﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ إِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾[2] [بقرۃ:۲۱۹]۔

⑦ **مُراجَعَہ**: (سوال وجواب) متکلم زمانۂ ماضی میں دو کے درمیان ہوئی گفتگو یا سوال وجواب کو نہایت مختصر عبارت سے شیریں الفاظ میں ملبوس، مناسب سانچہ میں ڈھال کر تعبیر کرے، جیسے: ﴿قَالَ: "إِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا"، "قَالَ: وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ"، "قَالَ: لَايَنَالُ عَهْدِے الظّٰلِمِيْنَ"○﴾ [البقرۃ:۱۲٤]؛ ﴿وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ، وَأَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾[3] [الشعراء:۱۹]۔

---

① ترجمہ: یقین رکھو کہ نیک لوگ یقیناً بڑی نعمتوں میں ہوں گے، اور بدکار لوگ ضرور دوزخ میں ہوں گے۔ یہاں دو مختلف فنون: مؤمنین کی مدح اور مشرکین کی ہجو، کو ایک ساتھ جمع فرمایا ہے۔

تعزیت کے مناسب مردے کے اوصافِ حمیدہ ذکر کر کے رونے، رُلانے یا صبر وتسلی دینے والے الفاظ ذکر کیے جاتے ہیں، جب کہ اس کے بالمقابل تہنیت میں نعمتوں پر مسرت اور دل لگی وغیرہ جذبات ادا کرنے والے الفاظ ذکر کیے جاتے ہیں۔ غزل بمعنیٰ عشقیہ مضمون، اس کے لیے نرم ونازک اور محبت بڑھانے والے الفاظ ہونے چاہیے۔ حماسہ (شجاعت) پر مشتمل مضمون، اس کے لیے پر شوکت اور تیز وتند اور سخت الفاظ ہونے چاہیے، اسی پر مدح وذم کو قیاس کر لیجئے۔

② ترجمہ: لوگ آپ سے شراب اور جوے کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ بھی ہے، اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں، اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے بڑھا ہوا ہے۔ یہاں پہلے شراب پینے کے نقصانات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ: اس سے عقل جاتی رہتی ہے جو تمام امورِ شنیعہ (لڑائی، قتل وغیرہ) سے بچاتی ہے، اور اس سے مختلف قسم کے امراضِ روحانی وجسمانی پیدا ہوتے ہیں جو بسا اوقات باعثِ ہلاکت ہیں، پھر اس کی معمولی تعریف کی کہ: ہاں اس میں سرسری نفع بھی ہے، مثلاً شراب پی کر لذت وسرور ہو گیا، اور جوا کھیل کر بلا مشقت مال ہاتھ آ گیا۔ (دروس البلاغۃ القرآنیۃ)

③ ترجمہ: اللہ نے (ان سے) کہا: "میں تمھیں تمام انسانوں کا پیشوا بنانے والا ہوں"۔ ابراہیم نے پوچھا: "اور میری اولاد میں سے؟" اللہ نے فرمایا: "میرا (یہ) عہد ظالموں کو شامل نہیں ہے"۔ جب ابراھیم علیہ السلام پروردگارِ عالم کی چند باتوں (حج کے افعال، ختنہ، حجامت اور مسواک وغیرہ) کو ارشادِ الٰہی کے موافق بجالائے، ان سب کو پوری طرح سے ادا کیا؛ تو اللہ تعالیٰ نے بشارت سنائی﴿إِنِّيْ جَاعِلُكَ......﴾ اس آیت میں تین مراجع ہیں: ① آپ کو تمام لوگوں ☜

⑧ **تنکیت:** (نکتہ آفرینی کرنا) متکلم کسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے کسی مخصوص لفظ کو ذکر کرے اور اپنی بات میں نکتہ بیان کرے؛ حالاں کہ وہاں دوسرے لفظ سے بھی تعبیر ممکن ہو، جیسے: ﴿وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى○﴾ [النجم:۴۹]؛ ﴿فَإِنْ "طِبْنَ" لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَرِيْئًا﴾ [نساء:۴]؛ ﴿وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ﴾[1] [مریم:۱۲]۔

⑨ **اِلتفات:** کلام کو تکلم، خطاب اور غیبوبت میں سے کسی ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف پھیرنا، تاکہ سامع میں نشاط پیدا ہو جائے یا اکتاہٹ سے بچ جائے؛ اس کی چھ صورتیں ہیں:

① التفات من التکلم الی الخطاب: سامع کو متکلم کا کلام سننے پر ابھارنے کے لیے تکلم سے خطاب کی طرف انتقال والتفات کرنا، جیسے: ﴿وَمَا لِيَ لاَ أَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ○﴾[2] [یٰسٓ:۲۰]۔

⊃ کا پیشوا بنائیں گے یعنی تمام انبیاء آپ کی متابعت پر چلیں گے ② حضرت ابراھیم علیہ السلام نے فرمایا: میری اولاد میں بھی پیشوا ہوں گے؛ ③ اللہ پاک نے جواب دیا، ہاں؛ لیکن میرا اقرار ظالموں کو نہ پہنچے گا! اس جگہ اِن تین مراجع کے ساتھ اس مختصر سی عبارت نے چند فنون کو بھی جمع کیا ہے ① خبر واستخبار (سوال وجواب) ② اثبات ونفی، ③ بشارت ونذارت اور ④ وعدہ ووعید، جو منطوقِ کلام یا مفہومِ کلام سے معلوم ہوتے ہیں۔ (الزیادۃ)

آیت ثانیہ: اس کی وضاحت "اقتدار" کے ضمن میں ملاحظہ فرمالیں۔

① آیتِ اولیٰ: اور یہ کہ یہ وہی جو شعریٰ ستارے کا پروردگار ہے۔ یہاں قدرتِ الٰہی کے ضمن میں باری تعالیٰ نے فرمایا کہ: "وہی شِعریٰ ستارے کا رب ہے"؛ دیکھئے! اللہ سبحانہ وتعالیٰ "رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ" ہے، پھر بھی ﴿رَبُّ الشِّعْرٰى﴾ سے تعبیر فرمائی؛ کیوں کہ شِعْرٰی ایک بہت بڑا ستارہ ہے جس کو بعض عرب (خزاعہ) پوجتے تھے اور سمجھتے تھے کہ: عالم کے احوال میں اس کی بہت بڑی تاثیر ہے۔ یہاں یہ بتلادیا کہ: شِعری کا رب بھی اللہ ہی ہے، اور دنیا کے تمام اُلٹ پھیر اسی کے دستِ قدرت میں ہیں؛ شعری غریب بھی ایک ادنی مزدور کی طرح اس کا حکم بجالاتا ہے، اِس نکتے کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ﴿رَبُّ الشِّعْرٰى﴾ فرمایا۔ (الزیادۃ)

آیتِ ثانیہ: اس کی وضاحت "اِدماج" کے ضمن میں ملاحظہ فرمالیں۔ آیتِ ثالثہ: حضرت مریم رضی اللہ عنہا عابدہ ومطیعہ تو تھیں ہی؛ لیکن عبادت واطاعت میں کامل مَردوں سے کم بھی نہیں تھیں، یہ نکتہ بیان کرنے کے لیے بجائے "القَانِتَاتِ" ﴿القَانِتِيْنَ﴾ فرمایا ہے۔

② ترجمہ: اور بھلا میں اس ذات کی عبادت کیوں نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے، اور اسی کی طرف تم سب ⊂

② التفات من المتکلم إلی الغیبوبت: متکلم رہے یا نہ رہے سامع سے یہ حکم مطلوب ہے یہ بتانے کے لیے تکلم سے غیبوبت کی طرف انتقال والتفات کرنا، جیسے: ﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعًا... فَاٰمِنُوْا بِاللهِ وَ"رَسُوْلِهِ"﴾ [الأعراف:١٥٨]؛ ﴿إِنَّا أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ○فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ○﴾[1] [الکوثر:١-٢].

③ التفات من الخطاب إلی المتکلم: خطاب سے تکلم کی طرف انتقال والتفات کرنا، جیسے: ﴿وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ○﴾[2] [هود:٩٠].

④ التفات من الخطاب إلی الغیبة: حکایتِ حال یا تعجب کے اظہار کے لیے خطاب سے غیبوبت کی طرف انتقال والتفات کرنا، جیسے: ﴿حَتّٰى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا﴾[3] [یونس:٢٢]، أي: وجرين بكم.

⊃ واپس بھیجا جائے گا، یہاں تکلم "وإليه أرجع" کے بجائے خطاب کی طرف التفات ہے، اور یہ بتایا کہ جس ذاتِ علی کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے اور اسی کی طرف تمھیں بھی لوٹ کر جانا ہے، پھر ہم اس کی عبادت کیوں نہ کریں!۔ (علم المعانی)

① آیتِ اولیٰ: (اے پیغمبر!) یقین جانو! ہم نے تم کو کوثر عطا کردی ہے، لہٰذا تم اپنے پروردگار کی (خوشنودی) کے لیے نماز پڑھو! اور قربانی کرو!۔ یہاں مخاطب میں نشاط پیدا کرنے کے لیے ایک نیا اسلوب بجائے فصل لنا" کے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ﴾ تکلم سے غیبوبت کی طرف التفات فرما کر ﴿رَبِّ﴾ کا لفظ استعمال فرمایا کہ رب کی ذات تیری ہی عبادت اور نماز کے لیے زیادہ حقدار ہے۔ آیتِ ثانیہ: (اے رسول! ان سے) کہو کہ: "اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کے قبضے میں تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی زندگی اور موت دیتا ہے۔ اب تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لے آؤ جو نبی امی ہے۔ اس مثال میں "فآمنوا بالله وبي" کے بجائے ﴿بِرَسُوْلِهِ﴾ لا کر اشارہ فرمایا کہ میں رہوں یا نہ رہوں رسول کی اتباع کو لازم پکڑنا۔

② ترجمہ: (حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:) تم اپنے رب سے معافی مانگو، پھر اسی کی طرف رجوع کرو، یقین رکھو کہ: میرا رب بڑا مہربان بہت محبت کرنے والا ہے۔ یہاں مقتضائے حال کے مطابق خطاب یعنی "إن ربكم رحيم ودود" کے بجائے ﴿إِنَّ رَبِّيْ﴾ فرمایا ہے، اور یہ التفات رب ذوالجلال ہی کے لیے عظمت، رحمت اور اجابت کو خاص کرنا ہے جو فائدہ "إن ربكم" میں حاصل نہ ہو پاتا۔

③ ترجمہ: وہی اللہ ہے جو تمہیں جنگل اور دریا میں پھراتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور یہ کشتیاں "لوگوں" کو لے کر خوشگوار ہوا کے ساتھ پانی پر چلتی ہیں، اور لوگ اس بات پر مگن ہوتے ہیں تو اچانک اُن کے پاس ایک تیز آندھی آتی ہے اور ہر طرف سے اُن پر موجیں اُٹھتی ہیں.... یہاں التفات میں یہ نکتہ ہے کہ جب ⊂

⑤ التفات من الغیبۃ إلی التکلم: غیوبت سے تکلم کی طرف انتقال والتفات کرنا، جیسے:

﴿وَاللّٰهُ الَّذِيْ أَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ إِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾[1] [فاطر:۹].

⑥ التفات من الغیبۃ إلی الخطاب: غیوبت سے خطاب کی طرف انتقال والتفات کرنا، جیسے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۝﴾[2] [الفاتحۃ:۱-٤].

⑩ **تَجَاهُلُ العَارِف**: تعجب، مبالغہ یا توبیخ وغیرہ اغراض میں سے کسی غرض کی وجہ سے ایک جانی ہوئی چیز کو کسی انجان شئ کی جگہ لانا، مثلاً:

⊃ مشرکین پر ہر طرف سے موت نظر آتی ہے تو اصل فطرت انسانی کے تقاضہ کے مطابق تمام فرضی معبودوں کو چھوڑ کر خدائے واحد کو پکارنے لگتے ہیں اور یہ مقام، حضور ومشاہدہ کا ہوتا ہے اس کو خطاب سے تعبیر فرمایا، پھر جب ذرا امن نصیب ہوا شرارتیں اور ملک میں ادھم مچانا شروع کر دیا، اور خدا سے دور ہوجاتے ہیں اسی حالت پر تعجب کا اظہار کرنے کے لیے غیوبت سے تعبیر فرمایا۔

① ترجمہ: اور اللہ ہی ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے، پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں، پھر ہم انہیں ہنکا کر ایک ایسے شہر کی طرف لے جاتے ہیں جو (قحط سے) مردہ ہو چکا ہوتا ہے، پھر ہم اس (بارش) کے ذریعے مردہ زمین کو نئی زندگی عطا کرتے ہیں۔ بس اسی طرح انسانوں کی دوسری زندگی ہوگی۔ اس آیت میں غیوبت ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ أَرْسَلَ﴾ سے تکلم ﴿فَسُقْنٰهُ﴾، ﴿فَأَحْيَيْنَا بِهِ﴾ کی طرف التفات ہے، اس التفات سے ہواؤں کو چلانے اور بارش سے مردہ زمین کو زندہ کرنے کی اہمیت اور خاص قدرتِ الٰہی کا مظاہرہ مقصود ہے۔ (علم المعانی)

② ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، جو سب پر مہربان، بہت مہربان ہے، جو روزِ جزا کا مالک ہے۔ (اے اللہ!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ اس جگہ غیوبت ﴿مٰلِكِ﴾ سے خطاب ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کی طرف التفات ہے، اور اس التفات میں بلاغت یہ ہے کہ: بندے کے دل میں خشوع وخضوع اور تقرب کو پیدا کرنا ہے؛ چناں چہ باری تعالی کی حمد سے ابتدا کی، پھر اللہ کی ربوبیت کی عمومیت بتائی تمام عالمین کے لیے، پھر اس کی بہت زیادہ رحمت سے متصف ہونا، اس کے بعد اس ذات کا روزِ جزا کا مالک ہونا بتلایا، جس سے بندہ کے دل میں باری تعالی سے غایت قرب حاصل ہوا؛ چناں چہ بندہ خطاب کر رہا ہے: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾، نیز یہ اشارہ بھی ہے کہ: حمد اور تعریف تو ایک انسان دوسرے محسن کی کر سکتا ہے؛ لیکن عبادت سوائے اللہ کے کسی کی نہیں کی جاسکتی۔ (علم المعانی)

① تعجب یعنی کسی چیز کی عظمت بتانے کے لیے، جیسے ﴿قَالَ مُوْسٰی: أَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ أَسِحْرٌ هٰذَا؟ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ﴾[1] [یونس:۷۷]۔

② تعریف میں مبالغہ کرنے کے لیے، جیسے تیرا قول وجهُك بدْرٌ أمْ شَمْسٌ۔

③ توبیخ کے لیے، جیسے ﴿أَفَسِحْرٌ هٰذَآ أَمْ أَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ﴾[2] [الطور:۱۵]۔

---

① موسیٰ علیہ السلام نے کہا: کیا تم حق کے بارے میں ایسی بات کہہ رہے ہو جب کہ وہ تمھارے پاس آچکا ہے؟ بھلا کیا یہ جادو ہے؟ حالاں کہ جادوگر فلاح نہیں پایا کرتے۔

② ترجمہ: یہ ہے وہ آگ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے، "بھلا کیا یہ جادو ہے؟" یا تمھیں اب بھی کچھ نظر نہیں آرہا؟ اس کی وضاحت "تنزیل العالم بفائدۃ الخبر منزلۃ الجاہل" کے تحت ملاحظہ فرمالیں۔ اسی طرح لیلیٰ بنت طریف کا شعر جو اس نے اپنے مقتول بھائی ولید بن طریف کے مرثیہ میں کہا ہے:

أَيَا شَجَرَ الْخَابُوْرِ مَالَكَ مُوْرِقًا ❁ كَأَنَّكَ لَمْ تَجْزَعْ عَلَى ابْنِ طَرِيْفِ

اے خابور نامی درخت آخر تو کیوں پتہ دار اور تروتازہ ہے، ایسا لگتا ہے کہ تجھے میرے بھائی ابن طریف پر کوئی غم نہیں ہے۔

متعلق بہ مضمونِ کلام

فصلِ تاسع: در اثباتِ مضمون

① **تکریر**: ایک لفظ یا جملے کو دو یا زیادہ مرتبہ اعادہ کرنا؛ تکرار کی غرضیں مختلف ہیں:

① تقریر: سامعین کو خوب اچھی طرح سمجھانے کے لیے اعادہ کرنا، جیسے: ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۝﴾[1] [التکاثر:۳-۴].

② تذکیر و تاکید: کلام میں ایک لفظ یا جملے کو دو سے زیادہ مرتبہ ذکر کرنا جس کا مقصد کبھی تو اللہ کی لامحدود اور غیر متناہی نعمتوں کو یاد دِلانا، جیسے: ﴿فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۝﴾ [الرحمٰن:۱۳]؛ اور کبھی مقصد تاکید پیدا کرنا ہوتا ہے، جیسے: ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ۝﴾[2] [المرسلات:۱۵].

③ تعظیم و تہویل: کسی چیز کی عظمت و ہولناکی بیان کرنے کے لیے کسی لفظ یا جملے کو مکرر ذکر کر

---

① ترجمہ: ہر گز ایسا نہیں چاہیے، تمھیں عنقریب سب پتہ چل جائے گا، پھر (سن لو کہ:) ہر گز ایسا نہیں چاہیے، تمھیں عنقریب سب پتہ چل جائے گا۔ یہاں تاکیدِ انذار کی غرض سے ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ کو مکرر ذکر کیا ہے کہ: دیکھو تمھارا خیال صحیح نہیں کہ: مال واولاد وغیرہ کی بہتات ہی کام آنے والی چیز ہے، عن قریب تم معلوم کرلوگے کہ یہ زائل وفانی چیز ہے ہر گز فخر ومباہات کے لائق نہ تھی؛ پھر سمجھ لو کہ آخرت ایسی چیز نہیں جس سے انکار کیا جائے یا غفلت برتی جائے۔ آگے چل کر تم کو بہت جلد کھل جائے گا کہ اصل زندگی اور عیش آخرت کا ہے اور دُنیا کی زندگی اس کے مقابلہ میں ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی، یہ حقیقت بعض لوگوں کو دنیا میں تھوڑی بہت کھل جاتی ہے؛ لیکن قبر میں پہنچ کر اور اس کے بعد محشر میں سب کو پوری طرح کھل جائے گی فقد أكد الإنذار بتكراره ليكون أبلغ تحذيرا وأشد تخويفا، ونزل بعد المرتبة منزلة البعد الزمني فعطف بـ"ثم". (علم المعانی)

② آیت اولیٰ: (اے انسانوں اور جنات!) اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟۔ اس سورت میں باری تعالیٰ نے ہر نعمت کے بعد اس استفہام کو ذکر فرمایا ہے جو باری تعالیٰ کو بے بہا نعمتوں اور اس کی شکر گذاری پر متنبہ کرتا ہے۔(علم المعانی) آیت ثانیہ: بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔ باری تعالیٰ نے سورۂ مرسلات میں مختلف مواقع پر مکذبین ومنکرین ڈرانے اور دھمکانے کے لیے الگ الگ مضمون کے بعد اس آیت کو مکرر ذکر کیا ہے تاکہ کلام مؤکد ہوجائے۔

کرنا، جیسے: ﴿اَلْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ﴾؛ ﴿أَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَا أَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ﴾ [1] [الواقعة:۲۷]

④ حث علی التدبر وأخذ العبرة: انجام کو سوچنے اور ماضی سے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے پر اُبھارنے کے لیے کسی لفظ یا جملے کو بار بار ذکر کرنا، جیسے ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ [2] [القمر:۱۷].

⑤ اظہارِ ضعف: اپنی کمزوری کو ظاہر کرنے کے لیے الفاظ کو زیادہ لانا، جیسے: حضرت زکریا علیہ السلام کا فرمان: ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾ [3] [مریم:٤].

⑥ **أُسْلُوْبِ حَكِيْم:** کلامِ متکلم کو خلافِ مراد پر محمول کرتے ہوئے سائل کو جواب دینا؛ اس کی اوّلاً دو صورتیں ہیں:

صورتِ اولیٰ: سائل کو ایسا جواب دینا جو اس نے نہیں پوچھا، اس بات پر آگاہ کرنے کے لیے کہ: اس جواب کے مناسب سوال کرنا زیادہ مناسب تھا؛ یہ جواب، سوال کے بالکل مباین ہوتا ہے یا اَعم، یا اَخص ہوتا ہے۔

① جوابِ مُباین: جواب، سوال کے بالکل خلاف ہو، جیسے فرعون کے سوال: ﴿وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الشعراء:۲۳]؛ کا جواب موسیٰ نے یوں دیا: ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ [4] [الشعراء:۲٤].

---

① آیتِ اولیٰ: (یاد کرو) وہ واقعہ جو دل دہلا کر رکھ دے گا! کیا ہے وہ دِل دہلانے والا واقعہ؟۔ آیتِ ثانیہ: اور وہ دائیں ہاتھ والے ہوں گے کیا کہنا اُن دائیں ہاتھ والوں کا!

② ترجمہ: اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان بنا دیا ہے، اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟۔ باری تعالیٰ نے سورۂ قمر میں مختلف اُمم سابقہ کی تکذیب واعراض کے واقعات ذکر فرماتے ہوئے سامعین کو عبرت اور تدبر پر ابھارنے کے لیے اس آیتِ کریمہ کو بار بار دہرایا ہے (علم المعانی)

③ ترجمہ: انہوں نے کہا تھا کہ: "میرے پروردگار! میری ہڈیاں تک کمزور پڑ گئی ہیں، اور سر بڑھاپے کی سفیدی سے بھڑک اُٹھا ہے، اور میرے پروردگار! میں آپ سے دعا دعا مانگ کر کبھی نامراد نہیں ہوا۔ یہاں اگر رب إني قد كبرت فرماتے تو کبر سنی کی خبر دینا تو ہو جاتا؛ لیکن اپنے ضعف کا اظہار نہ ہو پاتا۔ (علم المعانی)

④ حضرت موسیٰ نے فرعون کے سوال ﴿وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ "اور یہ رب العالمین کیا چیز ہے"؟ کے مقتضیٰ

④ جوابِ اَعم: جواب سوال کے مقابلے میں عام ہو، جیسے: ﴿قُلْ: مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ [أنعام:٦٣] کا جواب: ﴿قُلِ: اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ﴾[1] [أنعام:٦٤] سے دلوایا گیا۔

⑤ جوابِ اَخص: جواب سوال کے مقابلے میں خاص ہو، جیسے: ﴿إِئْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هٰذَآ أَوْ بَدِّلْهُ﴾ کا جواب یوں دِلوایا گیا: ﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ أَنْ أُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ﴾[2] [یونس:١٥]۔

⇐ کے خلاف جواب دیا کہ: ''وہ سارے آسمانوں اور زمین کا، اور اُن ساری چیزوں کا پروردگار ہے جو ان کے درمیان پائی جاتی ہیں، اگر تم کو واقعی یقین کرنا ہو''۔ اور یہ بتایا کہ: سوال مَنْ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ؟ یعنی: رب العالمین کون ہے؟ سے ہونا چاہیے تھا؛ کیوں کہ ﴿ما﴾ کے ذریعے حقیقت و ماہیت اور جنس کا سوال ہوتا ہے؛ باری تعالیٰ کے متعلق یہ سوال کرنا بڑی غلطی ہے؛ اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کوئی جنس ہی نہیں جس کو ''ما'' کے جواب میں بیان کی جائے، اور نہ ہی اس کی حقیقت کا ادراک ہوسکتا ہے کہ جواب میں حقیقت بیان کی جائے؛ چناںچہ حضرت موسیٰ نے غلط سوال کا جواب نہیں دیا؛ بلکہ صحیح جواب دے کر صحیح سوال کی طرف اشارہ کیا کہ: یہاں سوال ''مَنْ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ؟'' ہونا چاہیے تھا۔

(الاتقان فی علوم القرآن)

① کہو: خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے اُس وقت کون تمھیں نجات دیتا ہے؟ کہو: اللہ ہی تمھیں اس مصیبت سے بچاتا ہے اور ہر دوسری تکلیف سے بھی۔ اس سوال میں ظلماتِ بر و بحر میں پھنسنے والوں کو نجات دلانے والی ذات کے بابت سوال تھا، کہ: تم کو جنگل اور دریا کے اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں عمومیت پیدا کرتے ہوئے ہر قسم کی شدائد و مصائب میں پھنسنے والے کو داخل فرما کر جواب دیا کہ: اللہ عز وجل تمھیں ظلمات بر و بحر سے اور ہر قسم کی شدائد و مصائب سے نجات دِلانے والے ہیں۔ (الاتقان)

② ترجمہ: وہ یہ کہتے ہیں کہ: ''یہ نہیں، کوئی اور قران لے کر آؤ، یا اس میں تبدیلی کرو''؟ (اے پیغمبر!) ان سے کہہ دو کہ: ''مجھے حق نہیں پہنچتا کہ میں اس میں اپنی طرف سے تبدیلی کروں''۔ قرآن کی عام پند و نصیحت کو بہت سے بندے پسند کرتے ہیں؛ لیکن جب بت پرستی یا ان مشرکین کے مخصوص عقائد و رسوم کا رد ہوتا ہے تو مشرکین وحشت کھاتے اور ناک بھوں چڑھا کر رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے کہ: اپنے خدا سے کہہ کر یا دوسرا قرآن لے آئے؟ جس میں یہ مضامین نہ ہوں؛ اور اگر یہی قرآن رہے تو اتنے حصے میں ترمیم کر دیجیے جو بت پرستی وغیرہ سے متعلق ہے؟۔ اس کے جواب میں صرف تبدیل کا ذکر فرمایا ہے— کہ: میں اس قرآن میں تبدیلی نہیں کرسکتا!— اختراع کا نہیں؛ حالاں کہ سوال میں دونوں کا ذکر تھا، اس اختصار کی وجہ یہ ہے کہ: تبدیل کرنا اختراع سے آسان ہوتا ہے، جب تبدیلی کی نفی کردی تو اختراع کی نفی تو بدرجہ اَولیٰ ہوگئی۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ: تبدیل کرنا بشر کے لیے کسی حد تک ممکن ہے؛ لیکن اختراع ممکن ہی نہیں!۔ (الاتقان)

صورتِ ثانیہ: مخاطب کو ایسا جواب دینا ہے جس کا وہ منتظر نہ ہو، جیسے ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ، قُلِ: الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّيْ﴾ ① [إسراء:۸۵].

③ **المَذْهَبُ الكَلامِيُ**: متکلم اپنے مدّعیٰ کے اثبات اور خصم کے دعویٰ کے ابطال کے لیے- حضراتِ متکلمین کے انداز میں- مخاطب کے نزدیک مسلَّم حجت قطعیہ سے حجت پیش کرے، جیسے: ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ إِلاَّ اللهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ [الأنبياء:۲۲]؛ ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى: نَحْنُ أَبْنٰٓؤُا اللهِ وَأَحِبَّآؤُه، قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ﴾ ② [المائدة:۱۸].

④ **اِثْبَاتِ**: متکلم اپنے مدعیٰ کے اثبات اور خصم کے دعویٰ کے ابطال پر بلا تکلف دلیلِ عقلی قطعی پیش کرے، جیسے: ﴿أَوَ لَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلَىٰٓ أَنْ

---

① ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تم سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ: روح میرے پروردگار کے حکم سے (بنی) ہے۔ روح کے متعلق سوال کا جواب دیا گیا کہ: وہ میرے رب کا امر ہے۔ یہودیوں نے روح کے متعلق یہ سوال اس لیے کیا تھا کہ لفظِ روح ایک مشترک لفظ ہے جس میں انسان، قرآن، عیسیٰؑ، جبرئیل اور ملائکہ کی ایک جماعت داخل ہیں؛ محمد ﷺ میں سے جو بھی جواب دیں گے، ہم دوسرے معنیٰ کو دیکھتے ہوئے اس کی تردید کریں گے۔ پس کیا دیکھتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے وحی کی روشنی میں خلافِ منتظَر ایسا مجمل جواب دیا کہ ان کی چال دھری کی دھری رہ گئی۔ (الاتقان)

② آیتِ اولیٰ: اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا دوسرے خدا ہوتے تو دونوں برہم درہم ہوجاتے؛ لہٰذا عرش کا مالک اللہ ان باتوں سے بالکل پاک ہے جو یہ لوگ بنایا کرتے ہیں۔ اس آیت میں توحید کے اثبات اور تعدُّدِ الٰہ کے ابطال پر نہایت پختہ اور واضح دلیل بیان کی ہے؛ اور وہ یہ ہے کہ: اگر آسمان وزمین میں دو یا چند خدا ہوتے تو ہر ایک کی زور آزمائی سے عالم کا موجودہ نظام درہم برہم ہوجاتا (یہ مقدم ہے)؛ لیکن عالم کا نظام درہم برہم نہیں ہوا (یہ تالی ہے)؛ لہٰذا معلوم ہوا کہ: آسمان وزمین میں چند خدا نہیں؛ کیوں کہ جب لازم (یعنی: فسادِ عالم) باطل ٹھہرا، تو ملزوم (تعددِ الٰہ) بھی باطل ٹھہرے گا۔ (علم البدیع)

آیتِ ثانیہ: یہود ونصاریٰ کہتے ہیں کہ: "ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں"؛ (ان سے) کہو کہ: "پھر اللہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے تمہیں سزا کیوں دیتا ہے؟"۔ یعنی اے یہود ونصاریٰ یہ تمھارے مسلمات کے قبیل سے ہے کہ: پہلے تمہیں عذاب دیا جاچکا ہے؛ اور بھلا کوئی اپنے ہی بیٹوں کو عذاب دیا کرتا ہے! معلوم ہوا کہ تم اللہ کے بیٹے نہیں!۔ (علم البدیع، جواھر، الزیادۃ)

يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ، بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ۝﴾ [يٰس:٨١]؛ ﴿بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهٗ۝﴾[1] [القيامة:٤].

⑤ **التَّسْلِيْم:** متکلم کسی ایسی چیز کو ذکر کرے جس کا محال ہونا یا مشروط بشرط المحال ہونا ثابت ہوچکا ہو، پھر قیاسِ جدلی کے انداز میں اس کے وقوع کو تسلیم کرلے؛ اس کے بعد اس (امرِ محال یا مشروط بالمحال) کے بطلان یا غیر مفید ہونے کو بیان کرے، جیسے﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ، وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ إِلٰهٍ، "إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ، وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ"، سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۝﴾[2] [المؤمنون:٩١].

⑥ **القَوْلُ بِمُوْجَبِ العِلَّة:** خصم نے کلام میں اپنے لیے (یا کسی اَور کے لیے) ایک خاص صفت کو ثابت کیا ہو اور اسی صفت کی بنیاد پر کوئی حکم بھی مرتب کرلیا ہو؛ اب سامع خصم کے صفت پر لگائے ہوئے حکم کو تسلیم کرلے؛ لیکن اس صفت کو مرادِ خصم کے برخلاف

---

① آیتِ اولیٰ: بھلا جس ذات نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو (دوبارہ) پیدا کرسکے؟ کیوں نہیں؟ جب کہ وہ سب کچھ پیدا کرنے کی پوری مہارت رکھتا ہے(زیادۃ والاحسان)۔ آیتِ ثانیہ: کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ: ہم اس کی ہڈیوں کو اِکٹھا نہیں کرسکیں گے؟ کیوں نہیں! جب کہ ہمیں اس پر بھی قدرت ہے کہ: اس کی اُنگلیوں کے پور پور کو ٹھیک ٹھیک بنادیں۔ یعنی: ہڈیوں کو جمع کرلینا تو بہت معمولی بات ہے، اللہ تعالیٰ تو اِنسان کی انگلیوں کے ایک ایک پورے کو دوبارہ ٹھیک ٹھیک اُسی طرح دوبارہ بنانے پر قادر ہیں جیسے وہ شروع میں تھے۔ انگلیوں کے پورے کا خاص طور پر اس لیے ذکر فرمایا گیا کہ: ان پوروں میں جو باریک باریک لکیریں ہوتی ہیں، وہ ہر انسان کی دوسرے سے الگ ہوتی ہیں؛ ان لکیروں میں اتنا باریک باریک فرق ہوتا ہے کہ: اربوں پدموں انسانوں کی اُنگلیوں کے فرق کو یاد رکھ کر پھر دوبارہ ویسی ہی لکیریں بنادینا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے ممکن ہی نہیں۔

② ترجمہ: نہ تو اللہ نے کوئی بیٹا بنایا ہے، اور نہ اُس کے ساتھ کوئی اَور خدا ہے؛ اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہوجاتا، پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھائی کردیتے؛ پاک ہے اللہ اُن باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں۔ یعنی: زمین وآسمان اور ذرہ ذرہ کا تنہا مالک ومختار وہی ہے، نہ اسے بیٹے کی ضرورت، نہ مددگار کی؛ نہ اس کی حکومت میں کوئی شریک جسے ایک ذرہ کا مستقل اختیار ہو۔ دیکھیے باری تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہو یہ ایک امرِ مُحال ہے؛ اس بات کو مختلف دلائل سے باری تعالیٰ نے ثابت فرمایا ہے؛ یہاں بطور قیاس جدلی اُن کے اس مدعیٰ (امرِ محال) کو تسلیم کرکے جواب دیا ہے کہ: اگر ایسا (امرِ محال) ہوتا تو ہر ایک بااختیار حاکم اپنی رعایا کو لے کر علاحدہ علاحدہ ہوجاتا اور اپنی جمعیت فراہم کرکے دوسرے پر چڑھائی کردیتا! اور عالم کا یہ مضبوط ومستحکم نظام چند روز بھی نہ رہ سکتا۔ (الزیادۃ والاحسان، جواھر)

دوسرے کے لیے ثابت کردے، جیسے: ﴿يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ إِلَى الْمَدِيْنَةِ "لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ"، وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ؛ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾[1] [المنٰفقون:۸].

⑦ **قسم**: متکلم اپنے مدّعیٰ کو ثابت کرنے کے لیے ایسی چیز کی قسم کھائے جو اس کے لیے باعثِ فخر ہو یا اس سے مقسَم بہٖ کی قدر و منزلت بڑھانا مقصود ہو، جیسے: آپ ﷺ کا فرمان: "فَوَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ"؛ ﴿فَـ"وَ رَبِّ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ" إِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ أَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ﴾[الذاریات:۲۳]؛ ﴿"لَعَمْرُكَ" إِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾[2] [الحجر:۷۲]

ملحوظہ: قرآنِ مجید میں باری تعالیٰ نے مختلف چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں، وہ اوّل تو

---

① ترجمہ: کہتے ہیں کہ: "اگر ہم مدینہ کو لوٹ کر جائیں گے تو جو عزت والا ہے وہ وہاں سے ذلت والے کو نکال باہر کرے گا" حالاں کہ عزت تو اللہ ہی کو حاصل ہے اور اُس کے رسول کو اور ایمان والوں کو، لیکن منافق لوگ نہیں جانتے۔ دیکھیے: منافقین نے یہ کہا کہ: ہم اَعز ہیں، اور یہ مہاجرین مؤمنین فقراء یہ اَذل ہیں (صغریٰ)، اور اَعز، اَذل کو مدینہ سے نکال دیں گے (کبریٰ)؛ اللہ پاک نے فرمایا کہ: تمھارا کبریٰ تو تسلیم ہی؛ لیکن صغریٰ تسلیم نہیں۔ یہاں منافقین کے اَذل (صفت) پر لگائے ہوئے "اِخراج" کے حکم کو تسلیم کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے فرمایا کہ: اَذل پر لگایا ہوا حکم تو ایسا ہی رہے گا؛ لیکن تمھارا اپنے لیے اعز صفت کو ثابت کرنا ہی غلط ہے؛ بلکہ اعز تو اللہ اور اس کے رسول ہیں، جو تمھیں مدینہ سے باہر نکال دیں گے؛ اور تم اَذل ہو، تم انھیں مدینے سے ہرگز نہیں نکال سکتے؛ یہاں ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ﴾ قول بالموجب ہے۔ (الزیادۃ والاحسان)

② مثالِ اول: آپ ﷺ بکثرت ان الفاظ سے قسم کھایا کرتے تھے: "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے!"؛ جس سے مقسَم بہٖ کا ثبوت مقصود ہے، اور اِن الفاظ سے قسم اُٹھانا باعثِ فخر بھی ہے۔۔۔۔ مثالِ ثانی: لہٰذا آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم! یہ بات یقیناً ایسی ہی سچی ہے جیسے یہ بات کہ تم بولتے ہو۔ مثالِ ثالث: (اے پیغمبر!) تمھاری زندگی کی قسم! حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی بدمستی میں اندھے بنے ہوئے تھے۔ دیکھیے! مثالِ اول میں آپ ﷺ نے متعدد مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر فخر فرماتے ہوئے ایسی قسمیں کھائی ہے۔ مثالِ ثانی: باری تعالیٰ: ﴿رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ سے قسم کھا کر فخر فرماتے ہیں؛ کیوں اس سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ساتوں آسمان اور زمین کا پالنہار ہونا سمجھ میں آتا ہے جو اس ذاتِ عالی کی عظمت و کبریائی کو بخوبی واضح کرتا ہے؛ اور دوسری مثال میں باری تعالیٰ اپنے عظیم المرتبت نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کی قسم کھا کر آپ ﷺ کی عظمتِ شان کو واضح فرماتے ہیں۔

(الزیادۃ والاحسان)

عربی فصاحت وبلاغت کا اُسلوب ہے جس سے کلام میں زور اور تاثیر پیدا ہوتی ہے؛ دوسرے جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے اُن پر اگر غور کیا جائے تو وہ در حقیقت اس دعوے کی دلیل ہوتی ہے جو اِن قسموں کے بعد مذکور ہوتا ہے، جیسے ﴿وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّاO فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًاO فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًاO "اِنَّ اِلٰـهَكُمْ لَوَاحِدٌ"O﴾① [الصّٰفّٰت:۱-٤].

⑧ **حُسنِ تَعْلِيْل**: متکلم کسی حکم کے لیے ــ بجائے اس کی علتِ مشہورہ کے ــ ایسی علتِ غیر حقیقیہ کا دعویٰ کرے جس میں نُدرت (انوکھاپن) پایا جاتا ہو، جیسے: ﴿لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌO﴾② [أنفال:٦٨].

① قسم ہے اُن فرشتوں کی جو پَر باندھ کر صف بناتے ہیں، پھر اُن فرشتوں کی جو (شیاطین کو عالمِ بالا میں داخل ہو کر شرارت کرنے) روک ٹوک کرتے ہیں، پھر اُن فرشتوں کی جو ذکر (قرآن وغیرہ) کی تلاوت کرتے ہیں؛ "یقیناً تمھارا معبود ایک ہی ہے"۔ (توضیح القرآن)

② ترجمہ: اگر اللہ کی طرف سے ایک لکھا ہوا حکم پہلے نہ آچکا ہوتا تو جو راستہ تم نے اختیار کیا، اس کی وجہ سے تم پر کوئی بڑی سزا آجاتی۔ اُسارۂ بدر کے بارے میں صلہ رحمی، رحم دلی یا مصالح دینیہ اور اخلاقی داعیہ کے ساتھ کسی درجہ مالی فوائد کا خیال رکھنا اور اُن سے فدیہ اختیار کرنا؛ یہ اتنی عظیم وثقیل غلطی تھی کہ سخت عذاب نازل ہو جانا چاہیے تھا۔ دیکھئے! یہاں عذابِ الٰہی سے نجات دینے کی علتِ حقیقیہ مشہورہ تو "تقدیرِ الٰہی" ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس غلطی پر؛ بلکہ ہر کسی غلطی پر عذابِ عظیم کی دو صورتوں میں نفی فرمادی ہے: ﴿① ماكان الله ليعذبهم وأنت فيهم، ② وماكان الله معذبهم وهم يستغفرون﴾ گویا حضرت کی حیاتِ مبارکہ میں عذاب کو نہ بھیجنے کا فیصلہ پہلے سے ہو چکا ہے (علتِ مشہورہ)؛ لیکن یہاں انوکھاپن بیان کرتے ہوئے اس کی علت ﴿كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ﴾ یعنی: آپ لوگوں کو قیدیوں کے بارے میں (وحی غیر متلو کے ذریعے) پہلے سے اختیار دیا گیا تھا یا قیدیوں میں سے بہت کی قسمت میں اسلام لانا لکھا گیا تھا اس (علتِ غیر مشہورہ) کی وجہ سے عذابِ الیم نہ آیا؛ ورنہ یہ غلطی تو اس قدر عظیم تھی کہ سخت عذاب ان پر نازل ہو جانا چاہیے تھا۔ یہاں اشارۃً یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ: ان میں سے بہت سے قیدیوں کا اسلام بھی مقدر ہے۔ (الزیادۃ، فوائد) بزیادۃ

اسی طرح شاعر کا شعر:

مَازُلْزِلَت مِصْرُ مِنْ كَيْدٍ أَلَمَّ بِهَا ۞ لٰكِنَّهَا رَقَصَتْ مِنْ عَدْلِكُمْ طَرَبًا

مصر میں زلزلہ کسی خفیہ تدبیر کی وجہ سے نہیں آیا، جو اس کو لاحق ہوئی ہو؛ لیکن وہ آپ کے انصاف کی وجہ سے خوشی سے ناچنے لگا ہے۔ دیکھئے! مصر میں زلزلہ آنے کا سبب حقیقی تو دوسرا ہے؛ لیکن شاعر نے اس کو ایک انوکھی علت کی طرف منسوب کر دیا کہ: مصر میں زلزلہ ممدوحین کے عدل وانصاف کی وجہ سے مارے خوشی کے زمین میں ناچ اور رقص پیدا ہو گیا؛ اور یہ علت ایسی ہے کہ اس میں غرابت، ندرت، اور انوکھاپن پایا جاتا ہے؛ لہٰذا اس کو حسنِ تعلیل کہا جائے گا۔

⑨ **مُوَارَبَۃ:** یہ ہے کہ متکلم پہلے ہی سے احتیاطاً اپنا کلام اس انداز سے کرے کہ: گرفت کے موقع پر طریقۂ تحریف وتصحیف سے کلام میں تبدیلی کر سکے، جس کا مخاطب انکار نہ کر سکے، جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے کی بات اللہ تعالیٰ نے نقل فرمائی ہے: ﴿اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ﴾[1] [یوسف:٨١]؛ یہاں ایک قرأت ﴿سُرِّقَ﴾ کی بھی ہے۔

۞ ۞ ۞

---

① ترجمہ: جاؤ، اپنے والد کے پاس واپس جاؤ، اوران سے کہو کہ: ابا جان! آپ کے بیٹے نے چوری کرلی تھی۔ امام زجاج فرماتے ہیں کہ: لفظِ (سرق) دومعنوں کا محتمل ہے: واقعی آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے؛ آپ کا بیٹا چور ٹھہرایا گیا!۔ دیکھئے! یہاں گرفت کے موقع پر حرکات بدل کر بات بدلی جاسکتی ہے۔ (الزیادۃ)؛ اور جیسے شعر:

لَقَدْ ضَاعَ شِعْرِيْ عَلٰى بَابِكُمْ ۞ كَمَا ضَاعَ عِقْدٌ عَلٰى خَالِصَهْ

ترجمہ: بخدا! میرا شعر آپ کے دروازے پر اس طرح ضائع ہوگیا جیسے کہ خالصہ نامی باندی کے گلے سے ہار ضائع ہوگیا۔

جب اس پر ہارون رشید نے پکڑ کی تو شاعر نے فوراً کہہ دیا، نہیں، میں نے اس طرح شعر کہا تھا۔

لَقَدْ ضَاءَ شِعْرِيْ عَلٰى بَابِكُمْ ۞ كَمَا ضَاءَ عِقْدٌ عَلٰى خَالِصَهْ

ترجمہ: بخدا میرا شعر آپ کے دروازے پر اس طرح چمکتا ہے جیسا کہ خالصہ کے گلے میں ہار چمکتا ہے۔

ملحوظہ: تَحْرِيْف: لفظ یا معنیٰ کو بدل دینا۔ تَصْحِيْف: لفظ کے بعض حروف کو بدل دینا۔ یہ شعر ابونواس شاعر کا ہے، جو اس نے ہارون رشید پر قصیدہ خوانی کے باوجود انعام واکرام سے محروم رکھنے پر کہا تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ: میرے شعر کی ناقدری ایسی ہی کی گئی، جیسے کہ خالصہ نامی باندی کے گلے میں ہار ڈال کر اس کی ناقدری کی گئی۔ ہاروں رشید نے شعر سنتے ہی چونک کر اس سے استفسار کیا کہ: کیا مطلب؟ تو شاعر نے اپنے شعر کی اس طرح توجیہ کردی کہ: میں نے "ضَاءَ" ہمزہ کے ساتھ کہا ہے، عین کے ساتھ نہیں، اور "ضَاءَ" کے معنیٰ ہے روشن ہونا اور "ضَاعَ" (بالعین) کے معنیٰ ہے: ضائع ہونا؛ شاعر نے شعر میں یہ توجیہ کرکے برائی کے پہلو میں تعریف کا پہلو پیدا کردیا اور اس طرح بادشاہ کی گرفت سے بچ گیا، اور "ضَاءَ" اور "ضَاعَ"، دونوں ہی لکھنے بولنے میں ملتے جلتے ہیں۔

بابِ دوم

محسّناتِ لفظیہ

محسّنات لفظیہ

فصلِ اوّل: در تشابہ لفظین

جِناس: دو لفظوں کا نطق وتکلم میں ایک جیسا ہونا اور معنی میں مختلف ہونا، جیسے: ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ "السَّاعَةُ" يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ، مَا لَبِثُوْا غَيْرَ "سَاعَةٍ"﴾① [الروم:۵۵]

ملحوظہ:① جناس سے سامع کی توجہ مائل کرنا یا توجہ باقی رکھنا مقصود ہوتا ہے؛ کیوں کہ عبارت میں مناسب الفاظ کو ذکر کرنا نیز لفظِ مشترک سے اولاً ایک معنی اور ثانیاً دوسرا معنی مراد لینا بھی سامع وقاری کے دل میں شوق پیدا کرتا ہے۔(الزیادۃ)

ملحوظہ:② جناس کو تجنیس، تجانس اور مجانسہ بھی کہتے ہیں۔(جواھر)

جناس کی دو قسمیں ہیں: ① جناس تام، ② جناس غیر تام۔

جِناسِ تام: وہ جناس ہے جس میں دو لفظ —معنیٰ کے اختلاف کے ساتھ— حروف کی نوعیت میں، تعداد میں، ہیئت (حرکات وسکنات) اور ترتیب میں موافق ہوں، جیسے: ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ﴾② [الروم:۵۵]۔

جناس تام کی تین قسمیں ہیں: ① مُماثِل، ② مُستَوفِي، ③ جناسِ ترکیب۔

① **جِناسِ مُماثِل**: وہ جناسِ تام ہے جس میں دو لفظ، حروف کی نوعیت تعداد، حرکات وسکنات اور ترتیب میں موافق ہونے کے ساتھ نوعیت کلمہ (یعنی: اسمیت، فعلیت اور حرفیت) میں مختلف نہ ہوں، جیسے: ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ "السَّاعَةُ" يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا

---

① جس روز قیامت برپا ہوگی، اس دن مجرم لوگ قسم کھالیں گے کہ: وہ دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔ اس آیت میں پہلی ﴿سَاعَة﴾ سے قیامت مراد ہے، اور دوسری ﴿سَاعَة﴾ سے گھڑی مراد ہے۔

② یہاں ﴿اَلسَّاعَةُ﴾ اور ﴿سَاعَةٍ﴾ دونوں نطق میں موافق ہیں اور معنیٰ مختلف ہیں؛ کیوں کہ ساعۃ اولیٰ سے قیامت مراد ہے اور ساعۃ ثانیہ سے زمانہ مراد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دونوں کے حروف ایک ہی نوعیت کے ہیں؛ لہٰذا یہ جناس تام مماثل ہے۔(علم البدیع)

غَيْرَ "سَاعَةٍ"﴾ [الروم:۵۵] ﴿يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِـ "الْأَبْصَارِ" ۝ يُقَلِّبُ اللّٰهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ؛ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي "الْأَبْصَارِ" ۝﴾ [1] [النور:۴۳-۴۴]

ملحوظہ: اس باب میں دو ملتبس الفاظ مستعمل ہیں: نوعیت حروف، نوعیت کلمہ۔

نوعیتِ حروف: کا مطلب یہ ہے کہ: دونوں کلموں میں ایک ہی جیسے حروف ہوں۔

نوعیت کلمہ کا مطلب یہ ہے کہ: دونوں کلمے اسمیت، فعلیت اور حرفیت میں متفق ہوں؛ اور جناس تام میں نوعیت حروف میں اتفاق ضروری ہے، جب کہ نوعیت کلمہ (اسمیت، فعلیت وحرفیت) میں اتفاق صرف مماثل میں ہے مستوفی وترکیب میں اختلاف ہوتا ہے۔ (علم البدیع)

۲ **مُسْتَوْفِی**: وہ جناس تام ہے جس میں دو کلمے حروف کی نوعیت میں، تعداد میں، حرکات وسکنات میں اور ترتیب میں متفق ہوں؛ لیکن کلمے کی نوعیت میں مختلف ہوں، جیسے ابن فضالہ کا شعر:

فَـ "دَارِ"هم مَا دُمْتَ فِي "دَارِ"هِم ۞ وَ"أَرْضِهِم" مَا دُمْتَ فِي "أَرْضِهِمْ" [2]

۳ **جناسِ ترکیب**: جناس کے دو لفظوں میں سے ہر ایک دو کلموں سے مرکب ہو یا ایک مرکب دوسرا غیر مرکب ہو۔ اس کی دو صورتیں ہیں (۱) مُتَشَابِہ، (۲) مَفْرُوْق۔

۱ مُتَشَابِہ: وہ جناسِ ترکیب ہے جس میں دو مفرد اور مرکب لفظ حروف کی نوعیت، تعداد،

---

۱ آیت اولی کی وضاحت ابھی اوپر مذکور ہوئی؛ آیت ثانیہ: ایسا لگتا ہے کہ اُس کی بجلی کی چمک آنکھوں کی بینائی اُچک لے جائے گی، وہی اللہ رات اور دن کا اُلٹ پھیر کرتا ہے؛ یقیناً ان سب باتوں میں اُن لوگوں کے لیے نصیحت کا سامان ہے جن کے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہیں۔ دیکھیے: یہاں ﴿اَلْأَبْصَارُ﴾ اوّل سے نظر مراد ہے اور ثانی سے عقل مراد ہے۔ (علم البدیع)

۲ تو لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ رہ! جب تک تو ان کے دیار میں رہے۔ اور تو ان کو خوش رکھ جب تک تو ان کی بستی میں رہے۔ یہاں دَارِهم اور أَرْضِهِم یہ دونوں مکرر واقع ہیں؛ لیکن پہلا فدَارِهم، مُداراة سے امر ہے، اسی طرح پہلا أَرْضِهِم، إِرْضَاءٌ سے صیغۂ امر ہے یعنی دونوں فعل ہیں؛ جب کہ دوسرے الفاظ اسم ہیں، یعنی: دار بمعنی گھر اور ارض بمعنی زمین۔ یہاں دونوں جگہ نوعیتِ حروف، تعداد، حرکات وسکنات اور ترتیب میں یکساں ہیں؛ البتہ کلمے کی نوعیت مختلف ہیں لہٰذا یہ "جناسِ تام مستوفی" ہے۔

حرکات وسکنات اور ترتیب میں متفق ہوں، نیز طریقۂ تحریر میں بھی ایک ہوں، یعنی: دونوں لکھنے میں متفق ہوں؛ لیکن اِفراد وترکیب میں مختلف ہوں، جیسے شاعر کا شعر:

إِذَا مَلَكٌ لَمْ يَكُنْ "ذَا هِبَةٍ" ۞ فَدَعْهُ فَدَوْلَتُهُ "ذَاهِبَةٌ"①

② مُفْرُوق: وہ جناسِ ترکیب ہے جس میں دو کلمے حروف کی نوعیت، تعداد، حرکات وسکنات اور ترتیب میں متفق ہوں؛ لیکن طریقۂ تحریر دونوں کا مختلف ہوں؛ نیز نوعیتِ کلمہ میں افراد وترکیب کا اختلاف ہو، جیسے:

كُلُّكُمْ قَدْ أَخَذَ الْجَامَ وَلاجَامَ لَنَا ۞ مَاالَّذِي ضَرَّ مُدِيْرَ الْجَامِ لَوْ جَامَلَنَا②

۞ ۞ ۞

① جب کوئی بادشاہ داد ودہش والا نہ ہو، تو اُسے چھوڑ دے؛ کیوں کہ اس کی حکومت جانے والی ہے۔ اس شعر میں شاہد لفظ "ذَاهِبَة" ہے، پہلا ذَا هِبَةٍ مرکب ہے، "ذَا" بمعنی صاحب از اسماءِ ستہ مکبرہ، اور "هِبَة" مصدر – بمعنی داد ودہش – مضاف الیہ ہے؛ اور دوسرا لفظ "ذَاهِبَةٌ"، مشتق از مصدر ذِهَاب – بمعنی "جانا" – سے اسمِ فاعل کا صیغۂ مفرد ہے۔ یہ دونوں لفظ خط وتحریر میں متفق ہیں؛ لہٰذا یہ "جناسِ تام متشابہ" ہے۔ (علم البدیع)

② تم میں سے ہر ایک نے اپنا جام لے لیا اور ہمیں جام نہ ملا! اگر ساقی نے ہم سے بھی اچھا برتاؤ کیا ہوتا تو اس کا کیا بگڑ جاتا۔ اس شعر میں لفظِ "جَامَ لَنَا" اور "جَامَلَنَا" شاہد ہے؛ جو ہیئت حروف، نوعیت، تعداد اور ترتیب میں متفق ہیں، مگر ان میں سے پہلا لفظ مرکب اور دوسرا مفرد ہے، اور دونوں کا طرزِ تحریر جدا جدا ہے؛ لہٰذا یہ "جناسِ تام مفروق" ہے۔ (دروس البلاغۃ)

فصل ثانی: دراختلافِ لفظین

جناسِ غیر تام: وہ جناس ہے جس میں دو لفظ مذکورہ چار چیزوں (نوعیتِ حروف، تعداد، ھیئت اور ترتیب) میں سے کسی ایک یا چند چیزوں میں مختلف ہوں؛ اس کی ابتداءً چار قسمیں ہیں: ① مُضَارِع (ولاحق)، ② ناقِص (مطرَّف، مذیَّل)، ③ مُحَرَّف (ومُصحَّف)، ④ قَلْب۔ (علم البدیع)

① **جِناسِ مُضَارِع:** وہ جناسِ غیر تام ہے جس میں دو لفظ نوعیتِ حروف میں ایسے مختلف ہوں کہ: سوائے ایک حرف کے باقی حروف یکساں ہوں؛ اور جن دو حروف میں نوعیت کا اختلاف ہوں ان دونوں کے مخارج قریب قریب ہوں، جیسے ﴿وَهُمْ "يَنْهَوْنَ" عَنْهُ وَ "يَنْئَوْنَ" عَنْهُ﴾[1] [الأنعام:٢٦]۔

جناسِ لاحق: وہ جناسِ غیر تام ہے جس میں دو لفظ نوعیتِ حروف میں ایسے مختلف ہوں کہ: سوائے ایک حرف کے باقی حروف یکساں ہوں؛ اور جن دو حروف میں نوعیت کا اختلاف ہو ان دونوں کے مخارج بعید ہوں، جیسے: ﴿وَإِنَّهُ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝ وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝﴾[2] [العاديات:٧-٨]۔

ملحوظہ: اگر یہ دو بعید المخارج حروف متجانس (ہم جنس) ہیں تو اس کو "اِزدِواج" کہتے ہیں،

---

① اور یہ دوسروں کو بھی اس (قرآن) سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں۔ یہاں ﴿يَنْهَوْنَ، وَيَنْئَوْنَ﴾ میں صرف ہمزہ اور ھاء کا فرق ہے، ہمزہ میں جہر وشدت ہے، اور "ھاء" میں ہمس ورخاوت ہے؛ لیکن شدت اتصال کی بناء پر دونوں کو ایک شمار کرلیا جاتا ہے، کہ: دونوں اقصائے حلق سے نکلتے ہیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: "اَلْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ بِنَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ"؛ حدیث پاک کے "اَلْخَيْلُ، اَلْخَيْرُ" میں صرف لام اور راء کا فرق ہے؛ لیکن دونوں کے مخارج قریب ہیں۔ (علم البدیع)

② ترجمہ: اور وہ خود اس بات کا گواہ ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ مال کی محبت میں بہت پکا ہے۔ یہاں ﴿لَشَهِيْدٌ﴾ اور ﴿لَشَدِيْدٌ﴾ میں "ھ" اور "د" کے علاوہ تمام حروف یکساں ہیں اور مذکورہ دونوں حروف کے مخارج مختلف ہیں اور ان کا مخرج بھی قریب نہیں؛ بلکہ بعید ہے "ھ" کا مخرج اقصائے حلق ہے اور "دال" کا مخرج زبان کی نوک اور ثنایا علیا کی جڑ ہے۔ (علم البدیع)

جیسے: ﴿وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍۭ بِنَبَإٍ يَقِيْنٍ۝﴾[1] [النمل: ۲۲]۔

② **جناسِ ناقص**: وہ جناسِ غیر تام ہے جس میں دو لفظ عددِ حروف میں ایسے مختلف ہوں کہ: ایک کلمے کے ایک یا دو حروف دوسرے کلمے سے کم ہوں یا زیادہ ہوں؛ چاہے یہ زیادتی شروع میں ہو یا درمیان یا اخیر میں ہو۔ اس کی دو صورتیں ہیں: مُطرَّف، مُذَیَّل۔

① مُطرَّف: وہ جناسِ غیر تام ناقص ہے جس میں دو لفظ عددِ حروف میں ایسے مختلف ہوں کہ: ایک کلمے میں دوسرے کلمے کے بالمقابل ایک حرف زائد ہوں، جیسے ﴿وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِـ"السَّاقِ"۝ إِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ "الْمَسَاقُ"۝﴾ [القیامۃ: ۲۹-۳۰] ﴿ثُمَّ "كُلِيْ" مِنْ "كُلِّ" الثَّمَرٰتِ﴾[2] [النحل: ٦٩]۔

② مُذَیَّل: وہ جناسِ غیر تام ناقص ہے جس میں دو لفظ عددِ حروف میں ایسے مختلف ہوں کہ: ایک کلمے میں دوسرے کلمے کے بالمقابل دو حروف زائد ہوں، جیسے: ﴿وَانْظُرْ "إِلٰى" "إِلٰهِكَ"﴾[3] [طٰہٰ: ۹۷] (علم البدیع)

ملحوظہ: اوپر ذکر کردہ مطرف اور مذیل کی تعریف میں دو طرح سے فرق معلوم ہوتا ہے: مطرف میں ایک حرف کی زیادتی ہوتی ہے اور مذیل میں دو حرف کی زیادتی ہوتی ہے۔

③ **جناسِ مُحرَّف**: وہ جناسِ غیر تام ہے جس میں دو لفظ ہیئتوں (یعنی: حرکات وسکنات) میں مختلف ہوں، جیسے ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ۝ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

---

① اور میں ملکِ سبا سے آپ کے پاس ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔ اس آیت میں "سبأ" اور "نبأ" میں سین اور نون کا اختلاف ہے، جن کے مخارج بعید ہیں۔

② آیتِ اولیٰ: اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی، اُس دن تمہارے پروردگار ہی کی طرف روانگی ہوگی۔ یہاں آیتِ کریمہ میں لفظِ ﴿المَسَاقُ﴾ میں ﴿سَاقُ﴾ کے مقابلہ میں ایک حرف زائد ہے۔ (علم البدیع) آیتِ ثانیہ: پھر ہر قسم کے پھلوں سے اپنی خوراک حاصل کر۔ یہاں صرف ایک حرف یاء کی زیادتی ہے۔

③ ترجمہ: اور دیکھ اپنے اس (جھوٹے) معبود کو جس پر تو جما بیٹھا تھا! ہم اُسے جلا دیں گے۔ یہاں دوسرے کلمے میں دو حروف ھاء اور کاف زائد ہیں۔

عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ﴾ [1] [الصّٰفّٰت: ۷۲-۷۳].

مُصَحَّف: (جناسِ خط) وہ جناسِ غیر تام ہے جس میں دو لفظ خط ورسم میں متفق ہوں اور نقطوں میں مختلف ہوں اس طور پر کہ اگر نقطوں کو ختم کیا جائے یا بدل دیا جائے تو ایک کلمہ دوسرے جیسا ہی ہو جائے، جیسے: ﴿وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ○ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ○﴾ [الشعراء: ۷۹-۸۰]؛ ﴿وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا○﴾ [2] [الكهف: ۱۰٤]

ملحوظہ: تصحیف وتحریف باری تعالیٰ کے فرمان میں ایک ساتھ جمع ہو گئیں ہے، جیسے ﴿وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا○﴾ [3] [الكهف: ۱۰٤].

④ **قَلْب** (مقلوب): وہ جناسِ غیر تام ہے جس میں دو لفظ ترتیب حروف میں مختلف ہوں، جیسے: ﴿إِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ "بَيْنَ" "بَنِيْ" إِسْرَآءِيْلَ﴾ [4] [طٰهٰ: ۹٤].

ملحوظہ: بعض بلغاء نے صنعتِ جناس میں "جناس اشتقاق" اور "شبیہ بالاشتقاق" کو بھی شمار کیا ہے۔

---

① ترجمہ: اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اُن کے درمیان خبردار کرنے والے (پیغمبر) بھیجے تھے، اب دیکھ لو کہ جن کو خبردار کیا گیا تھا اُن کا انجام کیسا ہوا؟۔ یہاں "مُنْذِرِيْنَ" میں زبر زیر کا فرق ہے؛ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: "اَللّٰهُمَّ حَسَّنْتَ خَلْقِيْ، فَحَسِّنْ خُلُقِيْ"، میں "خَلْقِيْ، خُلُقِيْ" حروف کی شکل وہیئت ایک نہیں؛ بلکہ مختلف ہے، جیسا کہ حرکت وسکون سے ظاہر ہے۔ (علم البدیع)

② آیتِ اولیٰ: میرے لیے تو یہ سب دشمن ہیں، سوائے ایک رب العالمین کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے، اور جو مجھے کھلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے، اور جو مجھے موت دے گا پھر زندہ کرے گا؛ یہاں ﴿يَسْقِيْنِ، يَشْفِيْنِ﴾ میں "ف، ق" کے نقطے ہٹا دیے جائیں۔ آیتِ ثانیہ: چناں چہ ہم قیامت کے دن ہم اُن کا کوئی وزن شمار نہیں کریں گے۔ یہاں ﴿يَحْسَبُوْنَ، يُحْسِنُوْنَ﴾ "باء" اور "نون" کے نقطے بدل دیے جائیں تو ایک کلمہ دوسرے جیسا ہو جائے، خط ورسم میں یکساں ہیں صرف نقطوں میں اختلاف ہے۔ اور حضرت علی کا فرمان: "قصر ثيابك فإنه أبقىٰ وأتقى وأنقىٰ". (علم البدیع) بزیادۃ

③ ترجمہ: چناں چہ ہم قیامت کے دن ہم اُن کا کوئی وزن شمار نہیں کریں گے۔

④ ترجمہ: حقیقت میں مجھے یہ اندیشہ تھا کہ تم یہ کہو گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا، اور میری بات کا پاس نہیں کیا۔ (علم البدیع)

⑤ **جناسِ اِشْتِقَاق**: وہ جناس ہے جس میں دو لفظ ایک اصل کی طرف راجع ہوں، یعنی: دونوں کا مادۂ اشتقاق ایک ہو؛ لیکن معانی الگ الگ ہوں؛ یہ صنعت کلامِ الٰہی اور کلامِ نبوی میں بہ کثرت پائی جاتی ہے، جیسے: ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ "الرِّبٰوا" وَ "يُرْبِي" الصَّدَقٰتِ﴾ [البقرة:۲۷٦]؛ ﴿فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ۝ فَـ"رَوْحٌ" وَّ "رَيْحَانٌ" وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ۝﴾[1] [الواقعة:۸۹]؛ اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان: "الظُّلْمُ" "ظُلُمَاتٌ" يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ملحوظہ: معلوم ہونا چاہئے کہ صنعت جناس کا حال بھی دیگر صنائع بدیعیہ کی طرح ہے کہ: جناس میں نہ اسراف محمود ہے اور نہ ہی بکثرت جناس کا استعمال مستحسن ہے؛ یہی وجہ ہے کہ فصحاء وبلغاء کے نزدیک جناس کی کثرت اور اس کا دیوانہ ہونا مذموم قرار دیا گیا ہے؛ کیوں کہ کلام میں اصل معانی ہی ہیں، الفاظ تو معانی کے لیے صرف بحیثیتِ خدام ہیں، اور معانی ہر جگہ ان الفاظ کا ساتھ نہیں دیا کرتے جن الفاظ کی طرف تجنیس کھینچ کر لے جایا کرتی ہے [2]۔

⑥ **جِناس شَبِيْه بالاشْتِقَاق**: وہ جناس ہے جس میں دو لفظوں کے تمام یا اکثر حروف میں یکسانیت ہو؛ لیکن دونوں کا مادۂ اشتقاق الگ الگ ہوں، جیسے: ﴿قَالَ إِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ۝﴾[3] [الشعراء:۱٦۸]۔

۞ ۞ ۞

① آیتِ اولیٰ: اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ آیتِ ثانیہ: پھر اگر وہ (مرنے والا) اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہو تو (اس کے لیے) آرام ہی آرام ہے، خوشبو ہی خوشبو ہے، اور نعمتوں سے بھرا باغ ہے۔ (علم البدیع)

② یاد رہے کہ: بے موقع الفاظ کی سخاوت (لفاظی) کرنا علم ادب کے خلاف ہے؛ ہاں ایسے الفاظ کا بلا تکلف مربوط کلام میں آجانا جن میں صنعت تجنیس ہو، اور وہ الفاظ ومعانی مقتضیات کے مطابق بھی ہوں یہ مستحسن ضرور ہیں۔ (ماخوذ من علم البدیع)

③ ترجمہ: لوط نے کہا: "یقین جانو، میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو تمہارے اس کام سے بالکل بیزار ہیں۔ دیکھئے! ﴿قال﴾ قولٌ سے مشتق ہے اور ﴿قالین﴾ قِلیٌ سے مشتق ہے۔ (علم البدیع)

فصلِ ثالث: متعلق بہ تحسینِ کلمہ

① **اِئْتِلَافُ اللَّفْظِ مَعَ اللَّفْظِ**: یہ ہے کہ عبارت کے الفاظ مانوس (کثیر الاستعمال) ہونے اور نامانوس (قلیل الاستعمال) ہونے کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مناسب ہوں، تاکہ کلام میں عمدگی اور مناسبت پیدا ہوجائے، جیسے﴿ تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ ﴾① [یوسف:۸۵]

② **تَوْزِيْعٌ**: متکلم کسی جملے کے تمام یا اکثر الفاظ میں بلا تکلف ومشقت حروفِ ہجائیہ میں سے کسی ایک حرف کو ہر کلمے میں ذکر (تقسیم) کرے، جیسے﴿ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ۝ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ۝ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ۝ ﴾② [طٰہٰ:۳۳-۳۵]

③ **حَذْفٌ**: یہ ہے کہ کسی کلام کے تمام یا اکثر الفاظ میں کسی خاص حرف کے حذف کا التزام کرنا، جیسے: ذیل کے شعر میں نقطے والے حروف لانے سے احتراز کیا گیا ہے:

أَعْدِدْ لِحُسَّادِكَ حَدَّ السِّلَاحِ ۞ وَأَوْرِدِ الْآمِلَ وِرْدَ السَّمَاحِ③

ملحوظہ: یہ دونوں اقسام، انواعِ محسنات میں سے اسی وقت شمار ہوں گی، جب کہ وہ تکلف اور گنجلک سے بری وپاک ہوں۔

۞ ۞ ۞

---

① ترجمہ: ان کے بیٹے کہنے لگے: اللہ کی قسم! آپ یوسف کو یاد کرنا نہیں چھوڑیں گے، یہاں تک کہ بالکل گھل کر رہ جائیں گے، یا ہلاک ہو بیٹھیں گے۔ اس آیت میں قسم کے لیے "تاء" کو استعمال کیا گیا ہے جو حرفِ قسم "باء" اور "واؤ" کے بنسبت قلیل الاستعمال ہے، تو اسی کی مناسبت سے استمرار کے معنی کے لیے "تَفْتَؤُا" کو اختیار فرمایا جو "تَزَالُ" کے بنسبت قلیل الاستعمال، غریب اور نامانوس ہے، اسی طرح ہلاکتی کے لیے﴿ حَرَضًا ﴾ کا استعمال بھی قلیل ہے؛ تاکہ غرابت اور قلتِ استعمال کے اعتبار سے سب متحد ہوجائیں۔ (الزیادۃ، جواھر)

② ترجمہ: تاکہ ہم کثرت سے آپ کی تسبیح کریں، اور کثرت سے آپ کا ذکر کریں، بیشک آپ ہمیں اچھی طرح دیکھنے والے ہیں۔ دیکھئے! اس آیتِ مذکورہ کے کلمات میں سے سات کلموں میں حرفِ کاف کو بلا تکلف آٹھ مرتبہ ذکر کیا ہے۔ (الزیادۃ)؛ نیز حرفِ نون کا تذکرہ بھی پانچ کلموں میں پانچ مرتبہ ہے۔

③ اور کر حسد کرنے والوں کے لیے ہتھیار کی دھار اور لے جا امید رکھنے والے کو سخاوت کی گھاٹ پر۔

فصلِ رابع: متعلق بہ اختتامِ فِقرہ

سجع واَقسامِ سجع

جس کلام کے اجزاء میں ہم آہنگی اور یکسانیت ہوتی ہے تو مخاطب کو ایک خاص قسم کی لذت محسوس ہوتی ہے، اور ایسا کلام نفس کو اُسی جیسے دوسرے کلام کا مشتاق بنا دیتا ہے؛ پھر جب اُسی توافق اور کلام کے اجزاء میں ہم آہنگی کے ساتھ دوسرا کلام بھی اُسی انداز میں پیش ہوتا ہے ـ جس کا نفس منتظر تھا ـ تو اس وقت لذت دوگنا ہوجاتی ہے؛ اور جب فواصل میں بھی دونوں فقرے مشترک ہوجاتے ہیں تو لذت سہ گنا ہوجاتی ہے، اور فطرتِ سلیمہ اپنے ذوقِ سلیم سے موزون ومقفّیٰ کلام کی حلاوت اور مٹھاس محسوس کرتی ہے۔ (الفوز الکبیر)

ملحوظہ: قرآنِ مجید کے قافیہ اور وزن کے لیے حضرت شاہ صاحب کا مفید مضمون ص: ۱۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔

① **سَجَعْ:** کلامِ منثور میں کے دو یا چند فاصلوں کا حرفِ اخیر (حاشیہ) میں یکساں اور موافق ہونا؛ چاہے یہ یکسانیت ایک ہی حرف کے استعمال سے ہو یا دو قریب المخرج حروف لانے سے ہو، جیسے: ﴿وَالطُّوْرِ○ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ○ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ○ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ○﴾ [الطور:۱-۴] ﴿قٓ○ وَالْقُرْاٰنِ "الْمَجِيْدِ"○ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ "عَجِيْبٌ"○﴾ [قٓ:۱-۲]؛ ﴿وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ○ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ.... اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ○ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ.... اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ...○ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ○﴾[1] [ص:۴-۷].

① آیتِ اولیٰ: قسم ہے کوہِ طور کی، اور اس کتاب کی جو ایک کھلے ہوئے صحیفے میں لکھی ہوئی ہے، اور قسم ہے بیتِ معمور کی اور بلند کی ہوئی چھت کی۔

ملحوظہ ①: علامہ سکا کی اور خطیب بغدادی کے نزدیک سجع کے لیے دو فاصلوں کے حرفِ اخیر کا ایک ہونا ضروری ہے، جب کہ عام بلغاء کے نزدیک قریب المخارج حروف میں یکسانیت کا ہونا بھی سجع میں داخل ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ﴿یُّرَادُ۝ إِلاَّ اخْتِلاَقٌ۝﴾ کی دو آیتوں میں ہے①۔ (علم البدیع)

ملحوظہ ②: چند جملوں کے اخیر میں واقع ہونے والا لفظی تناسب یا تو کلام اللہ میں ہوگا یا یا کلام الناس میں ہوگا؛ اگر کلام اللہ میں ہے تو اُس کو "فاصلہ" کہتے ہیں، اور کلام الناس میں ہے تو اُس کی دو صورتیں ہیں: یا تو کلامِ نثر میں ہوگا، یا کلامِ نظم میں ہوگا؛ اگر نثر میں ہے تو اُس کو

⇨ آیتِ ثانیہ: ق، قرآن مجید کی قسم! (ان کافروں نے پیغمبر کو کسی دلیل کی وجہ سے نہیں جھٹلایا، بلکہ انہوں نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ کوئی (آخرت سے) ڈرانے والا خود اُنہی میں سے (کیسے) آ گیا، چناں چہ ان کافروں نے یہ کہا ہے کہ: یہ تو بڑی عجیب بات ہے یہاں دال اور باء قریب المخرج ہیں۔

آیتِ ثالثہ: ص، قسم ہے نصیحت بھرے قرآن کی کہ جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ کسی اور وجہ سے نہیں؛ بلکہ اس لیے اپنایا ہے کہ وہ بڑائی کے گھمنڈ اور ہٹ دھرمی میں مبتلا ہیں، اور ان سے پہلے ہم نے کتنی قوموں کو ہلاک کیا، تو انہوں نے اُس وقت آوازیں دیں جب چھٹکارے کا وقت رہا ہی نہیں تھا۔ اور ان (قریش کے) لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوا ہے کہ ایک خبردار کرنے والا اُنہی میں سے آ گیا، اور ان کافروں نے یہ کہہ دیا کہ: "وہ جھوٹا جادوگر ہے، کیا اُس نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود میں تبدیل کر دیا ہے؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے"۔ اور ان میں کے سردار لوگ یہ کہہ کر چلتے بنے کہ: "چلو، اور اپنے خداؤں (کی عبادت) پر ڈٹے رہو یہ بات تو ایسی ہے کہ اس کے پیچھے کچھ اور ہی ارادے ہیں۔ ہم نے تو یہ بات پچھلے دین میں کبھی نہیں سنی، اور کچھ نہیں، یہ من گھڑت بات ہے۔؛ یہاں باء، دال اور قاف قریب المخارج حروف ہیں۔ (علم البدیع)

① دو فقروں (وہ جملے جو فاصلہ پر ختم ہوتے ہیں) کا معنوی طور پر مغائر ہونا سجع کے لیے ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اگر فقرۂ ثانیہ، فقرۂ اولیٰ کے معنی میں ہوتے ہوئے معنوی طور پر تاکید پیدا کرتا ہو، یا فقرۂ اولیٰ کی وضاحت کرتا ہو تو یہ بھی سجع میں داخل ہے؛ ایسا کلام الٰہی میں وارد ہے اور محمود بھی ہے؛ کیوں کہ یہ اطناب ہے اور اطناب بلاغت میں داخل ہے؛ ہاں! بلا وجہ معانی کا تکرار مذموم ہے۔

اطنابِ محمود کی مثال: باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۞ مَلِكِ النَّاسِ ۞ إِلٰهِ النَّاسِ ۞﴾ [الناس:۱-۳]؛ یہاں رب، ملک اور اِلٰہ کا ایک ہی معنی ہے؛ لیکن ﴿رَبِّ النَّاسِ﴾ میں باری تعالیٰ کی شان ربوبیت کا ذکر ہے ﴿مَلِكِ النَّاسِ ۞﴾ میں شانِ بادشاہت کا ذکر ہے اور ﴿إِلٰهِ النَّاسِ ۞﴾ میں اسی کے معبودِ برحق ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ (علم البدیع)

"سجع" کہتے ہیں، اور نظم میں ہے تو اُس کو "قافیہ" کہتے ہیں؛ اور قافیہ کا سب سے پچھلا بار بار آنے والا حرف جس پر نظم وقصیدہ کی بنیاد رکھی جاتی ہے اس کو "رِوِی" کہتے ہیں①۔

سجع کی وہ اقسام جو کلامِ نثر وکلامِ شعر دونوں میں مشترک ہیں؛ وہ تین ہیں: ① مُرَصَّع، ② مُتَوازِی، ③ مُطَرَّف②۔

① سجعِ مُرَصَّع: وہ سجع ہے جس میں دو فقروں (سجع دار جملوں) میں سے ہر ایک کے تمام یا اکثر الفاظ وزنِ عروضی اور قافیہ میں دوسرے فقرے جیسے ہوں، ﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ۝ وَّإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ۝﴾ [انفطار۱۳-۱٤] ﴿إِنَّ إِلَيْنَآ إِيَابَهُمْ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ۝﴾③ [الغاشية:۲۵-۲٦]

---

① شعر، وزنِ شعری، وزنِ عروضی، سجع، حرفِ رَوی

شعر: وہ کلام ہے جو بالقصد قافیہ اور وزن پر لایا گیا ہو (موزون ومقفّٰی کلام)۔

وزنِ شعری: وہ اندازہ ہے جس پر شاعر اپنی بیت، مقطع اور قصیدہ کی بنیاد رکھتے ہوئے اشعار تیار کرتا ہے؛ کل اوزانِ شعریہ سولہ ہیں، جن میں سے پندرہ اوزان امام خلیل نحوی نے بنا کر پیش کیے ہیں اور ایک وزن امام اخفش نے پیش کیا ہے۔

وزنِ عروضی: وہ لگاتار (یکے بعد دیگرے آنے والی) حرکات وسکنات ہیں جو قواعدِ علمِ عروض کے مطابق ہوں، جن پر اشعار تیار کیے جاتے ہیں؛ چاہے وہ کوئی سی بھی بحر سے متعلق ہو۔ وزنِ شعری تین چیزوں سے ترکیب پاتی ہے: سبب (دو حروف)، وتد (تین حروف کے مجموعہ) اور فاصلہ (تین یا چار حرفوں کا مجموعہ) سے، ہر ایک کی بالترتیب مثالیں یہ ہیں؛ سبب، جیسے لَکَ[//]، هَبْ[/★]؛ وتد، جیسے نَعَمْ، [//★]، مَاتَ[/★/]؛ فاصلہ، جیسے: سَکَنُوْا[///★]، قَتَلَهُمْ، [////★]۔ آنے والی مثال میں: نَعِيْمِنْ جَحِيْمِنْ وتدِ مجموع اور سببِ خفیف سے مرکب ہے۔

سجع: کلامِ منثور میں دو فاصلوں کے آخرِ الفاظ کا آخری حرفوں کی شکل (حرکت وسکون) میں یکساں اور موافق ہونا، جیسے ﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ۝ وَّإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ۝﴾ [انفطار۱۳-۱٤]

ملحوظہ: اصطلاح میں مقفّٰی الفاظ کو کہتے ہیں، خواہ وہ نظم میں استعمال ہوں یا نثر میں۔

روِی: وہ حرف ہے جس پر نظم وقصیدہ کی بنیاد ہوتی ہے، جیسے مثالِ مذکور میں حرف "میم" روی ہے۔

② یاد رہے کہ مطرف نام کی دو اصطلاحات ہیں ایک جناس غیر تام کی قسم ہے اور ایک سجع کی قسم ہے۔

③ آیتِ اولیٰ: یقین رکھو کہ نیک لوگ یقیناً بڑی نعمتوں میں ہوں گے؛ اور بدکار لوگ ضرور دوزخ میں ہوں گے۔ پس یہاں ﴿أَبْرَار، لفي﴾، یہ وزن اور قافیہ میں فُجَّار، لفي، کی طرح ہے اور نَعِيْمِنْ، جَحِيْمِنْ کی طرح ہیں؛ ⇐

② سجعِ مُتَوازی: وہ سجع ہے جس کے صرف دو فاصلے وزنِ عروضی اور رَوِی میں متفق ہوں، جیسے: ﴿فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝ وَّأَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۝﴾ [الغاشیۃ:۱۳-۱۴] آپ ﷺ کی دعا: اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ، وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ[1]. (علم البدیع)

③ سجعِ مُطَرَّف: وہ سجع ہے جس کے دو یا زیادہ جملوں کے فواصل (اخیری کلمے) وزنِ عروضی میں مختلف ہوں؛ البتہ رَوِی (حرفِ اخیر) میں متفق ہوں، جیسے: ﴿مَا لَكُمْ

⇐ اور دونوں کا قافیہ حرف ''میم'' پر ہے۔ اسی طرح دوسری آیت سمجھ لیں۔ آیتِ ثانیہ: یقین جانو ان سب کو ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، پھر یقیناً ان کا حساب لینا ہمارے ذمے ہے۔

فائدہ: وزنِ عروضی: وہ لگاتار (یکے بعد دیگرے) آنے والی حرکات وسکنات ہیں جو قواعدِ علمِ عروض کے مطابق ہوں جس پر اشعار تیار کیے جاتے ہیں؛ وہ دس ہیں: فَعُوْلُنْ [//★/★]، مَفَاعِيْلُنْ [//★/★/★]، مُفَاعَلَتُنْ [//★///★]، فَاعِلَاتُنْ [/★//★/★]، فَاعِلُنْ [/★//★]، فَاعِلَاتُنْ [/★//★/★]، مُسْتَفْعِلُنْ [/★/★//★]، مُتَفَاعِلُنْ [///★//★]، مَفْعُوْلَاتُ [/★/★/★/]، مُسْتَفْعِلُنْ [/★/★//★]. (میزان الذہب)

ملحوظہ: وزنِ عروضی میں حرفِ مشدد کو دو حروف شمار کیے جاتے ہیں: پہلا ساکن دوسرا متحرک، اسی طرح حرفِ منوّن کو بھی دو حروف شمار کیے جاتے ہیں؛ نیز حرکت کو حرکت کے مقابل کیا جاتا ہے؛ اگرچہ کسرہ فتحہ کے مقابل کیوں نہ ہو، اور سکون سکون کے مقابل ہوتا ہے۔ وزنِ عروضی تین چیزوں سے ترکیب پاتی ہے: اسباب، اوتاد اور فواصل۔ (میزان الذہب) تفصیل کے لیے دستور الطلباء ملاحظہ فرمائیں۔

① ترجمہ: اُس میں اونچی اونچی نشستیں ہوں گی اور سامنے رکھے ہوئے پیالے۔ یہاں صرف دو فاصلے ﴿مَّرْفُوْعَةٌ﴾ اور ﴿مَّوْضُوْعَةٌ﴾ وزن اور روی میں متفق ہیں؛ ورنہ دوسرے کلمات: ﴿فِيْهَا سُرُرٌ - أَكْوَابٌ﴾ مختلف ہیں؛ جب کہ مرصّع میں اکثر یا تمام کلمات وزنِ عروضی میں متفق تھے۔

فائدۂ اُولیٰ: اگر دو فاصلے صرف وزن میں متفق ہوں قافیہ میں متفق نہ ہوں تو اس کو ''موازنہ'' کہتے ہیں، جیسے: ﴿وَنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۝ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝﴾ [الغاشیۃ:۱۵-۱۶]

یہاں ﴿مَصْفُوْفَةٌ﴾ اور ﴿مَبْثُوْثَةٌ﴾ دونوں وزن میں متفق ہیں کہ دونوں مفعول کے وزن پر ہے؛ لیکن قافیہ (حرفِ روی) پہلے میں فاء ہے اور دوسرے میں ثاء ہے۔ (علم البدیع)

فائدۂ ثانیہ: یاد رہے کہ جس طرح ایک شخص کے کلام میں سجع ہوا کرتا ہے اسی طرح دو شخصوں کے کلام میں بھی سجع ہوا کرتا ہے، جیسے آقائے مدنی ﷺ نے کسی کافر کے قاتل کے بارے میں دریافت فرمایا، تو صحابہ نے جواب دیا: ''ابن الأکوع'' -أي قتله ابن الأکوع-، اس پر آپ ﷺ نے خوش خبری سنائی: له سلبه أجمع! دیکھئے صحابہ کے جواب اور آپ کے حکم، دونوں کے اخیر میں حرفِ روی عین ہے۔ (علم البدیع)

لاتَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا○ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا○﴾[1] [نوح:۱۳-۱۴]۔

② **لُزُوْمُ مَالَا يَلْزَم**: وہ سجع ہے جس میں ناظم یا ناثر بعض یا اکثر فقروں میں حرفِ روی کے ماقبل حروف میں بلا تکلف یکسانیت کو برقرار رکھے، جیسے﴿فَأَمَّا الْيَتِيْمَ فَلا تَقْهَرْ○ وَأَمَّا السَّآئِلَ فَلاتَنْهَرْ○﴾[2] [الضحیٰ:۹-۱۰]۔

③ **مُمَاثَلَت**: وہ کلام ہے جس کے دو یا زیادہ جملوں کے فواصل صرف وزنِ عروضی میں متفق ہوں نہ کہ قافیہ کے حرفِ رَوِی میں، جیسے:﴿وَالسَّمَآءِ وَ"الطَّارِقِ"○ وَمَآأَدْرٰكَ مَا "الطَّارِقُ"○ النَّجْمُ "الثَّاقِبُ"○ إِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا "حَافِظٌ"○﴾[3]

[الطارق:۱-٤]

سَجْعِ قَصِيْر: وہ مسجع کلام ہے جس کی ترکیب میں کم ازکم دو کلمے ہوں اور زیادہ سے زیادہ دس کلمے ہوں، جیسے:﴿وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا○ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا○ وَالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا○ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا○﴾[المرسلات:۱-٤]۔

---

① ترجمہ: تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ عظمت سے بالکل نہیں ڈرتے؟ حالاں کہ اس نے تمھیں تخلیق کے مختلف مرحلوں سے گذار کر پیدا کیا ہے۔ یہاں ﴿وَقَارًا﴾ اور ﴿أَطْوَارًا﴾ کا وزنِ عروضی مختلف ہے؛ البتہ روِی (حرفِ اخیر) دونوں میں راء ہے۔(علم البدیع)

② ترجمہ: اب جو یتیم ہے تم اس پر سختی مت کرنا، اور جو سوال کرنے والا ہو اُسے جھڑکنا نہیں۔ یہاں آیت کے فواصل ﴿تَقْهَرْ﴾ اور ﴿تَنْهَرْ﴾ کے حرفِ اخیر (راء) میں یکسانیت کے ساتھ حرفِ ماقبل ہاء میں بھی یکسانیت ہے۔(علم البدیع)

③ ترجمہ: قسم ہے آسمان کی، اور رات کو آنے والے کی، اور تمھیں کیا معلوم کہ وہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ چمکتا ہوا ستارا! کہ کوئی جان ایسی نہیں ہے جس کی کوئی نگرانی کرنے والا موجود نہ ہو۔ یہاں﴿طارق﴾، ﴿ثاقب﴾ اور ﴿حافظ﴾ وزن میں مماثل ہیں، قافیہ میں مماثل نہیں؛ کیوں کہ حرفِ روی قاف، باء اور ظاء ہے۔(الزیادۃ)

سجع

دو جملوں میں اتفاق صرف فواصل میں ہو	فواصل کے ساتھ تمام یا اکثر اجزاء میں اتفاق ہو

وزن متفق روی متفق	وزن مختلف روی متفق	وزن متفق روی مختلف	روی متفق ماقبلِ روی بھی متفق	مرصّع
مُتوازی	مطرّف	مُماثلت	لزوم مالایلزم	

② ﴿يٰٓأَيُّهَا الْمُدَّثِّرْ○ قُمْ فَأَنْذِرْ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ○ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ○﴾ [المدثر:۱-۵].

③ ﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى○ مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَاغَوٰى○ وَمَايَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى○﴾ [النجم:۱-۳].

④ ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ○ وَإِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ○ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا أَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ○﴾ [1] [القمر:۱-۳].

سَجعِ طَوِیل: وہ مسجع کلام ہے جس میں کم از کم گیارہ کلمے ہوں اور زیادہ سے زیادہ بیس کلمے ہوں، جیسے: ﴿وَلَئِنْ أَذَقْنَا الإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ، إِنَّهُ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ○ وَلَئِنْ أَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ، إِنَّه لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ○﴾ [هود:۹-۱۰] ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَحِيْمٌ○ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ○﴾ [2] [التوبة:۱۲۸-۱۲۹]

---

① آیتِ اولیٰ: قسم ہے اُن (ہواؤں) کی جو ایک کے بعد ایک بھیجی جاتی ہیں، پھر جو آندھی بن کر زور سے چلتی ہیں، اور جو (بادلوں کو) خوب اچھی طرح پھیلا دیتی ہیں، پھر قسم ہے اُن (فرشتوں) کی جو حق اور باطل کو الگ الگ کردیتے ہیں۔ آیتِ ثانیہ: اے کپڑے میں لپیٹنے والے! اُٹھو اور لوگوں کو خبر دار کرو اور اپنے پروردگار کی تکبیر کہو، اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو، اور گندگی سے کنارہ کرلو۔ آیتِ ثالثہ: قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے، (اے مکے کے باشندو!) یہ تمہارے ساتھ رہنے والے صاحب نہ راستہ بھولے ہیں نہ بھٹکے ہیں، اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے۔ آیتِ رابعہ: قیامت قریب آلگی ہے، اور چاند پھٹ گیا ہے، اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ موڑ لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ تو ایک چلتا ہوا جادو ہے۔ انہوں نے حق کو جھٹلایا اور اپنی خواہشات کے پیچھے چل نکلے، اور ہر کام کو آخر کسی ٹھکانے پر ٹک کر رہنا ہے۔

② آیتِ اولیٰ: اور جب ہم انسان کو اپنی طرف سے کسی رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں، پھر وہ اُس سے واپس لے لیتے ہیں تو وہ مایوس (اور) ناشکرا بن جاتا ہے، اور اگر اُسے کوئی تکلیف پہنچنے کے بعد ہم اُسے نعمتوں کا مزہ چکھا دیں تو وہ کہتا ہے کہ ساری برائیاں مجھ سے دور ہوگئیں؛ (اس وقت) وہ اِترا کر شیخیاں بگھارنے لگتا ہے۔ آیتِ ثانیہ: (لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جو

فِقروں ① کی تساوی اور عدمِ تساوی کے اعتبار سے مختلف صورتیں ہیں:

① سجع کے تمام فِقرے متساوی ہوں، جیسے: ﴿فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۝ وَطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۝﴾ [الواقعة:۲۸]؛ ﴿فَأَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَأَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝﴾ ② [الضحیٰ:۹-۱۰]۔

② سجع کا دوسرا فقرہ اعتدال کے ساتھ معمولی طول لیے ہوئے ہو، جیسے: ﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ ③ [النجم:۱-۴]۔

③ سجع کے پہلے دو فقرے برابر سرابر ہوں اور تیسرا فقرہ معمول طول لیے ہوئے ہو، جیسے: ﴿خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝﴾ ④ [الحاقة:۳۰-۳۲]۔

④ سجع کا دوسرا فقرہ پہلے فقرے کے بالمقابل معمولی اختصار لیے ہوئے ہو، جیسے: ﴿أَلَمْ

= تمہاری بھلائی کی دُھن لگی ہوئی ہے، جو مؤمنوں کے لیے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے! پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو (اے رسول! ان سے) کہہ دو کہ: "میرے لیے اللہ کافی ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اُسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے، اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے"۔

① فقرہ اس جملے کو کہتے ہیں جو فاصلہ پر منتہی ہو اس کو "قرینہ" بھی کہتے ہیں؛ اور ہر فقرہ میں کم از کم دو الفاظ کا ہونا ضروری ہے، اور زیادہ سے زیادہ بیس الفاظ ہوتے ہیں، جیسا کہ مثالوں سے واضح ہے۔

② آیتِ اولیٰ: (وہ عیش کریں گے) کانٹوں سے پاک بیریوں میں! اور اوپر تلے لدے ہوئے کیلے کے درختوں میں، اور دور تک پھیلے ہوئے سائے میں۔ آیتِ ثانیہ: اب جو یتیم ہے تم اس پر سختی مت کرنا، اور جو سوال کرنے والا ہو اُسے جھڑکنا نہیں۔

③ ترجمہ: قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے، (اے مکے کے باشندو!) یہ تمہارے ساتھ رہنے والے صاحب نہ راستہ بھولے ہیں، نہ بھٹکے ہیں، اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

④ ترجمہ: (ایسے شخص کے بارے میں حکم ہوگا:) "پکڑو اسے، اور اس کے گلے میں طوق ڈال دو، پھر اسے دوزخ میں جھونک دو، پھر اسے زنجیروں میں پرو دو جس کی پیمائش ستر ہاتھ کے برابر ہو۔

تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيْلِ۝ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ۝ وَّأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيْلَ۝﴾[1] [الفیل:۱-۳]۔

④ **رَدِّ عجز علی الصَّدر:** (تصدیر شعری) دو مکرر یا متجانس یا ملحق بالمتجانسین میں سے ایک لفظ کو بیت کے مصراع اول کے صدر، حشو یا عَرُوض میں ذکر کرنا یا پھر مصراع ثانی کے صدر میں ذکر کرنا، اور دوسرے لفظ کو بیت کے اخیر (قافیہ) میں ذکر کرنا، جیسے شعر:

سَرِيْعٌ إِلَى ابْنِ العَمِّ يَلْطِمُ وَجْهَهُ ۞ وَلَيْسَ إِلَى دَاعِي النَّدىٰ بِسَرِيْعِ[2]

ملحوظہ: بیت کے دو مصرعے ہوتے ہیں، اول مصراع کو "صدر" اور ثانی کو "عجز" کہتے ہیں؛ لیکن یہاں صدر سے مراد مقابل حشو وعروض یعنی جزء اول۔

⑤ **تَشْرِيْع:** یہ ہے کہ نظم ونثر کی بنیاد دو قافیوں پر اس طرح ہو کہ: اگر کسی ایک قافیہ کو حذف کر دیا جائے، تب بھی اس کا مطلب صحیح رہے، جیسے: ﴿إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ۝ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ۝ ...، وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً۝ فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ؛ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ۝ وَأَصْحَابُ الْمَشْئَمَةِ؛ مَا أَصْحَابُ الْمَشْئَمَةِ۝﴾[3] [الواقعۃ]۔

---

① ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ کیا اُس نے ان لوگوں کی ساری چالیں بیکار نہیں کردی تھیں؟ اور اُن پر غول کے غول پرندے چھوڑ دیئے تھے۔

② وہ آدمی اپنے چچا زاد بھائی کے چہرے پر طمانچہ مارنے میں بہت تیز ہے؛ حالاں کہ بخشش مانگنے والے کی طرف تیز نہیں ہے۔ (دروس)

مَنْ ذَا الَّذِيْ تَصفُوْا لَهُ "أَوقَاتُهُ" ۞ طُرًّا وَيَبلُغُ كُلَّ مَا "يَختَارُهُ"

عروض: صدر یعنی مصراع اول کا جزءِ اخیر، جیسے: ہماری مثال میں: "أَوقَاتُهُ"۔

ضرب: عجز یعنی مصراع ثانی کا جزءِ اخیر، جیسے: ہماری مثال میں: "يَختَارُهُ"۔

حشو: شعر کے عروض اور ضرب کے علاوہ اجزاء کو "حشو" کہا جاتا ہے۔

③ اور لوگ (قیامت کے دن) تین قسموں میں بٹ جائیں گے؛ چنانچہ جو دائیں ہاتھ والے ہیں، کیسا کہنا اُن دائیں ہاتھ والوں کا! اور جو بائیں ہاتھ والے ہیں، کیا بتائیں کہ وہ بائیں ہاتھ والے کیا ہیں؟ اور جو سبقت لے جانے والے ہیں وہ تو ہے ہی سبقت لے جانے والے!۔ دیکھیے: یہاں آٹھویں اور نویں آیت کے قافیہ والا فقرہ حذف کر کر دیا جائے

۞ ۞ ۞

⇐ تو بھی مطلب صحیح رہتا ہے: ﴿وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلاثَةً۝ فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ۝ وَأَصْحَابُ الْمَشْئَمَةِ۝﴾؛ اسی طرح ﴿مِمَّا خَطِيْئَتِهِمْ أُغْرِقُوْا فَأُدْخِلُوْا نَارًا، وَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِنْ دُوْنِ اللهِ أَنْصَارًا﴾ [نوح:۲۵].

(الفوز الکبیر، الخیر الکثیر)

يَأَيُّهَا الْمَلِكُ الَّذِيْ "عَمَّ الْوَرىٰ" ۞ مَا فِي الْكِرَامِ لَهُ نَظِيْرٌ "يُنْظَرُ"
لَوْ كَانَ مِثْلُكَ آخَرَ "فِيْ عَصْرِنَا" ۞ مَا كَانَ فِي الدُّنْيَا فَقِيْرٌ "مُعْسِرٌ"

ترجمہ: اے وہ بادشاہ! جس کی سخاوت مخلوق پر عام ہے، سخیوں میں اس کی کوئی مثال نظر نہیں آتی، اگر اس زمانہ میں آپ کی طرح کوئی دوسرا بھی بادشاہ ہوتا تو دنیا میں کوئی تنگ دست اور فقیر نہ رہتا۔ ان چار مصرعوں کے اخیری الفاظ، یعنی: "عَمَّ الْوَرىٰ، يُنْظَرُ؛ فِيْ عَصْرِنَا، مُعْسِرٌ" کو اگر حذف کردیا جائے تو بھی یہ دونوں اشعار کا مطلب صحیح باقی رہے گا، اور شعر یوں ہوجائے گا۔

يَأَيُّهَا الْمَلِكُ الَّذِيْ ۞ مَا فِي الْكِرَامِ لَهُ نَظِيْرٌ
لَوْ كَانَ مِثْلُكَ آخَرَ ۞ مَا كَانَ فِي الدُّنْيَا فَقِيْرٌ

ترجمہ: اے وہ بادشاہ! جس کی سخیوں میں کوئی مثال نہیں ہے، اگر آپ کا مماثل کوئی اور بھی ہوتا تو دنیا میں کوئی شخص فقیر نہ رہتا۔

خاتمہ

متعلق بہ تحسینِ کلام

اِبتداء وانتہائے کلام

علمائے بلاغت نے متکلم کو اس بات پر آگاہ کیا ہے کہ: وہ اپنے کلام میں تین جگہوں پر اپنی فن کاری دِکھائے: ① ابتدائے کلام میں، ② ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہونے، یا قرآن وحدیث سے اقتباس کرنے، یا غیر کے کلام کو اپنے کلام کا جزو بنانے میں، یا کسی عبارت سے کوئی بات اشارۃً یا استنباطاً سمجھانے میں ③ انتہائے کلام میں۔ تفصیل مندرجۂ ذیل ہے[1]:

① حسن ابتدا، ② براعتِ استہلال، (وبراعتِ مطلع) ③ حسن تخلص، ④ عنوان، ⑤ اقتضاب، ⑥ براعۃ طلب، ⑦ اقتباس، ⑧ استشہاد، ⑨ تضمین، ⑩ تلمیح، ⑪ حسن انتہاء، (وبراعتِ مقطع)۔

① **حُسنِ اِبتدا:** متکلم مقتضائے حال کے مطابق لطیف معانی اور بلند خیالات کی ادائیگی کے لیے اپنے کلام کے آغاز میں شریں کلمات، عمدہ ترکیبات لائے؛ تاکہ مخاطب ابتدا ہی سے اس کلام کی طرف راغب ہو کر مکمل دھیان سے سنے اور محفوظ کر لے، جیسے:

﴿الرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ القُرْآنَ ۝ خَلَقَ الإِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ البَيَانَ ۝﴾[2].

ملحوظہ: عربوں کی بلاغت قصائد سے آشکارا ہوتی ہے، وہ قصیدوں کے آغاز میں عجیب وغریب مناظر اور ہول ناک واقعات کا تذکرہ کر کے اپنے قصیدوں کو مزین کرتے تھے؛ اس

---

① ان مواقع میں فن کاری دکھانے کا مطلب یہ ہے کہ: ایسے مواقع پر کلمات شریں، ترکیبات عمدہ اور مقتضائے حال کے مطابق لطیف وعمدہ معانی لائے۔ متکلم اگر ان مواقع میں فن کاری نہ دکھائے تو لوگ اس کے کلام کو قبیح اور عیب دار شمار کریں گے اور اس کے کلام سے کنارہ کشی اختیار کریں گے۔

② دیکھیے: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ رحمان کو ذکر فرما کر انسان کو اپنے احسانات (انسان کی خلقت، قرآن کا فہم وغیرہ) یاد دِلائے ہیں۔ اسی طرح ممدوح کی تشریف آوری پر تعریف کرتے ہوئے شاعر نے کہا:

طَلَعْتُمْ بُدُوْرًا فِي أَعَزِّ الْمَطَالِعِ ❁ فَبَشَّرَنِيْ قَلْبِيْ بِسَعْدِ طَوَالِعِيْ

ترجمہ: آپ لوگ معزز مطلع میں چودھویں رات کی چاند کی طرح طلوع ہوئے، پس خوشخبری دی میرے دل نے میرے نصیبے کے نیک بخت ہونے کی۔ (علم البدیع) بزیادۃ

لیے باری تعالیٰ نے بعض سورتوں کے آغاز میں قصائد کا نہج اپنایا ہے، جیسے ﴿وَالصَّافَّاتِ صَفًّا، فَالزَّاجِرَاتِ زَجْرًا﴾؛ ﴿وَالذَّارِيَاتِ ذَرْوًا، فَالْحَامِلَاتِ وِقْرًا﴾ ①.

② **بَرَاعَتِ اسْتِهْلَال**: یہ ہے کہ متکلم (مصنف) مقصود شروع کرنے سے پہلے آغازِ کلام میں شیریں کلمات اور عمدہ ترکیبات کے ساتھ مقصود کی طرف غمازی کرنے والے ایسے الفاظ ذکر کرے جو سرسری طور پر اصل مضمون کی طرف راہ نمائی کریں، جیسے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○﴾ [الفاتحة:۱-۲]؛ ﴿سُوْرَةٌ أَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا﴾ [النور:]؛ ﴿الٓرٰ كِتٰبٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ○﴾ ② [هود]۔

---

① آیتِ اولیٰ: قسم ہے اُن (فرشتوں) کی جو پَرے باندھ کر صف بناتے ہیں، پھر اُن (فرشتوں) کی جو جھڑک کر ڈانٹتے ہیں، پھر اُن (فرشتوں) کی جو احکام سن کر یاد کرتے ہیں؛ یعنی: فرشتے بھی اس ذاتِ عالی کے سامنے قطار در قطار کھڑے ہوتے ہیں اور احکامِ الٰہی کو سننے کے لیے اپنے اپنے مقام پر درجہ بہ درجہ کھڑے ہوتے ہیں، اور ان فرشتوں کی قسم جو شیطانوں کو ڈانٹ کر بھگاتے ہیں تاکہ استراقِ سمع کے ارادے میں کامیاب نہ ہوں، یا بندوں کو نیکی کی بات سمجھا کر معاصی سے روکتے ہیں، خصوصاً میدانِ جہاد میں کفار کے مقابلے پر ان کی ڈانٹ ڈپٹ بہت سخت ہوتی ہے؛ اور احکام الٰہیہ کو سننے کے بعد دوسروں کو بتانے کے لیے پڑھتے ہیں۔

آیتِ ثانیہ: قسم ہے اُن (ہواؤں) کی جو گرد اُڑا کر بکھیر دیتی ہیں، پھر اُن کی جو (بادلوں کا) بوجھ اُٹھاتی ہیں، پھر ان کی جو آسانی سے رواں دواں ہو جاتی ہیں، پھر اُن کی جو چیزیں تقسیم کرتی ہیں؛ یعنی: اوّل زور کی ہوائیں اور آندھیاں چلتی ہیں جن سے غبار وغیرہ اُڑتا ہے اور بادل بنتے ہیں، پھر اُن سے پانی برستا ہے، اس بوجھ کو اُٹھائے پھرتی ہیں، پھر برسنے کے قریب نرم ہوا چلتی ہے، پھر اللہ کے حکم کے موافق بارش میں جس جگہ کا جتنا حصہ ہوتا ہے وہ تقسیم کرتی ہیں؛ ان ہواؤں کی اللہ تعالیٰ قسم کھاتا ہے۔ دیکھیے: بعض علماء نے "ذاریات" سے ہوائیں، "حاملات" سے بادل، "جاریات" سے ستارے، "مقسمات" سے فرشتے مراد لیے ہیں۔ (الفوز الکبیر)

② ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، جو سب مہربان، بہت مہربان ہے۔

سورۂ فاتحہ یہ قرآن مجید کی پہلی سورت ہے اور علومِ قرآن کا زینہ ہے؛ بیہقی نے سید التابعین حسن بن یسار کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ: اللہ پاک نے ۱۰۴ کتابیں نازل فرمائیں جن کے علوم کو چار کتابوں (تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید) میں جمع کر دیا ہے؛ پھر تورات، زبور اور انجیل کے علوم کو قرآن مجید میں محفوظ کو لیا ہے؛ اور قرآن مجید کے تمام علوم کو سورۂ فاتحہ میں گھیر لیا ہے۔ چناں چہ اس میں:

① ﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ① اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ②﴾ میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات وصفات کا تذکرہ ہے۔ ←

ملحوظہ: ابتدا کی تیسری صورت قبح ابتدا ہے، یعنی: وہ ابتدا جو شیریں الفاظ اور عمدہ ترکیبات سے عاری ہو اور اس میں مقتضائے حال کی رعایت بھی نہ ہو۔

③ **بَرَاعَتِ مَطلَع**: یہ ہے کہ ناظم و شاعر، مقصود شروع کرنے سے پہلے آغازِ کلام میں

⇐ ② ﴿الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ میں معرفتِ نبوات کی طرف اشارہ ہے۔
③ ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ③﴾ میں معرفتِ معاد کی طرف اشارہ ہے۔
④ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ میں علم العبادات کی طرف اشارہ ہے۔
⑤ ﴿اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ④ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ⑤﴾ میں علمِ سلوک کی طرف اشارہ ہے۔
⑥ ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ⑦﴾ میں امم سابقہ اور قرونِ اولیٰ کی طرف اشارہ ہے جن واقعات سے مطیعین کی سعادت اور عاصیوں کی شقاوت واضح ہوتی ہے۔

قرآن مجید کے یہ مقاصد کو باری تعالیٰ نے عمدہ الفاظ، واضح ترکیبات، خوبصورت فواصل اور مختلف علوم بلاغت پر مختصر جملوں میں سمیٹ کر آگے آنے والے علوم قرآن کی طرف اشارہ فرمالیا ہے۔

نیز پہلی نازل ہونے والی سورۂ اقرء میں ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ①﴾ میں اللہ پاک نے وہ علوم جمع فرمائے ہیں جنھیں مدِّ نظر رکھتے ہوئے اس سورت کو عنوان الکتاب سے تعبیر کرنا بالکل مناسب ہے۔ (الزیادۃ) لله الحمد في الأولیٰ والآخرۃ.

آیتِ ثانیہ: یہ ایک سورت ہے جو ہم نے نازل کی ہے اور جس (کے احکام) کو ہم نے فرض کیا ہے۔ یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے اُتاری ہے اور ذمہ پر لازم کی ہے۔ سورۂ نور بعض نہایت ضروری احکام وحدود، امثال ومواعظ، حقائق توحید اور بہت ہی اہم تنبیہات واصطلاحات پر مشتمل ہے؛ اسی لیے سورت کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا: ﴿سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا﴾، تاکہ مخاطبین سمجھ لیں کہ: اس کے مضامین ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں اور بہت زیادہ محفوظ رکھنے اور لازم پکڑنے کے مستحق ہیں۔ (ملخص من فوائد)

آیتِ ثالثہ: الٓرٰ؛ یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتوں کو (دلائل سے) مضبوط کیا گیا ہے، پھر ایک ایسی ذات کی طرف سے اُن کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو حکمت کی مالک اور ہر بات سے باخبر ہے! یعنی: اس میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ دلائل کے لحاظ سے مکمل ہے، اور اُن میں کوئی نقص نہیں!

جس طرح خطوط کے آغاز میں مرسِل اور مرسَل الیہ کے نام کی القاب کے ساتھ وضاحت ہوتی ہے، اس طرح باری تعالیٰ نے بھی مرسِل (اپنی ذات عالی) کا تذکرہ بہترین صفات میں فرما کر مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے؛ اس سورت میں عذابِ الٰہی کے واقعات اتنے مؤثر انداز میں بیان ہوئے ہیں اور دین پر استقامت کا اتنی تاکید سے ذکر فرمایا گیا ہے کہ: ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: مجھے سورۂ ھود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کردیا ہے!۔

(الفوز الکبیر، الزیادۃ والاحسان، فوائد، توضیح القرآن)

مقام کے مناسب شیریں کلمات اور عمدہ ترکیبات میں مقصود کی طرف غمازی کرنے والے ایسے الفاظ ذکر کرے جو سرسری طور پر اصل مضمون کی طرف راہ نمائی کریں؛ کیوں یہ بات مشہور ہے: إن الشعر قُفْل، وأوّلهُ مِفْتاحٌ؛ جیسے:

قَصْرٌ عَلَيْهِ تَحِيَّةٌ وَّسَلامٌ ۞ خَلَعَتْ عَلَيْهِ جَمَالَهَا الْأَيَّامُ①

④ **حُسنِ تَخَلُّص**: ابتدائے کلام میں غیر مقصود کلام کو بطورِ تمہید ومقدمہ ذکر کرنے کے بعد اصل مقصود کی طرف منتقل ہو جانا "حسن تخلّص" کہلاتا ہے؛ بشرطیکہ دونوں (ابتدائی کلام اور مقصود) کے درمیان مناسبت ہو، جیسے ﴿الٓرٰ۝ تِلْكَ آيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۝ إِنَّآ أَنزَلْنٰهُ قُرْاٰناً عَرَبِيّاً لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ۝ "نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ" أَحْسَنَ الْقَصَصِ "بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ"۝ إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيْهِ يٰٓأَبَتِ إِنِّيْ رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَباً وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ۝﴾ [يوسف:۱-۵]؛ ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا، فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلاً خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهِ...﴾② [الأعراف:۱۸۹]

① یہ ایک ایسا محل ہے جس پر ہماری دعا وسلام پہنچے، اس کو زمانے نے اپنے جمال کا لباس عطا کیا ہے۔ (مصراع اول تہنیت ومبارکبادی کی جانب غمازی کرتا ہے)۔

② ترجمہ: الرٰ، یہ اُس کتاب کی آیتیں ہیں جو حق واضح کرنے والی ہے، ہم نے اس کو ایسا قرآن بنا کر اُتارا ہے جو عربی زبان میں ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔ (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر یہ قرآن جو وحی کے ذریعے بھیجا ہے، اُس کے ذریعے ہم تمھیں ایک بہترین واقعہ سناتے ہیں، جب کہ تم اس سے پہلے اس (واقعے سے) بالکل بے خبر تھے۔ (یہ اُس وقت کی بات ہے) جب یوسف نے اپنے والد (یعقوب علیہ السلام) سے کہا تھا کہ: ابا جان! میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا: "بیٹا! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے لیے کوئی سازش تیار کریں، کیوں کہ شیطان انسان کو کھلا دشمن ہے۔

یہ سورت قصۂ یوسف علیہ السلام کے لیے موضوع ہے، اس واقعہ کا افتتاح قرآنِ مجید کے تذکرہ سے فرمایا؛ اس میں ﴿الٓرٰ، تلك﴾ میں حسنِ ابتدا ہے، اور ﴿أحسن القصص﴾ میں براعتِ استہلال ہے؛ پھر حسن تخلص ﴿نَحْنُ نَقُصُّ...... لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ③﴾ کے ذریعے افتتاح سے مقصود کی طرف انتقال فرمایا (علم البدیع) بزیادۃ

آیتِ ثانیہ: یہاں بہ طورِ مقدمہ آدم وحواء کا تذکرہ فرمایا ہے، پھر مطلق مرد وعورت کے احوال کی طرف منتقل ہو گئے ہیں۔

⑤ **عُنْوَان**: متکلم کوئی اہم مضمون وواقعہ کو بیان کرتے ہوئے اس کو مکمل ومؤکد کرنے کے لیے چند مثالوں کو پیش کرے، ایسے الفاظ کے ذریعے جو اگلے واقعات یا نئے علوم کا عنوان ہوں؛ اس کی دو صورتیں ہیں:

① کلام کے دوران ایسے الفاظ ذکر کرنا جو نئے واقعہ کی تمہید ہو، جیسے﴿...وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِيْ آتَيْنٰهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ﴾[1] [أعراف:١٧٥]

ملحوظہ: جہاں ہولناک مناظر یا اہم واقعات کو ذکر کرنا ہوتا ہے تو باری تعالیٰ اس مضمون کو إِذْ ظرفیہ سے شروع فرماتے ہیں، جیسے:﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ آدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ...﴾[2] [الأعراف:١٧٢].

② نئے علوم کی تہ تک پہنچنے کا سرچشمہ ہو، جیسے﴿اِنْطَلِقُوْا إِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ۝ لَا ظَلِيْلٍ وَلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ﴾[3] [المرسلات:٣٠].

⑥ **اِقْتِضَاب**: حسنِ تخلص سے قریب قریب "اقتضاب" بھی ہے اور وہ ابتدائے کلام

---

① ترجمہ: اور (اے رسول!) ان کو اس شخص کا واقعہ پڑھ کر سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں، مگر وہ اُن کو بالکل ہی چھوڑ نکلا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہوگیا۔ اہم مضمون بیان کرنا مثلاً: اپنا تعارف کرانا، احسانات جتلانا، مطیعین کو نوازنا، عاصیوں کو سزا دینا وغیرہ۔ دیکھئے﴿وَاتْلُ......﴾ سے پہلے احوال بنی اسرائیل کا تذکرہ تھا؛ اب علمِ احکام کے بعد ان کے خلاف کرنے والے کی مثال بیان فرماتے ہوئے بلعام کے قصے کی ابتداء کی ہے۔

② ترجمہ: اور (اے رسول! لوگوں کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب تمھارے پروردگار نے آدم کے بیٹوں کی پشت سے اُن کی ساری اولاد کو نکالا تھا، اور اُن کو خود اپنے اوپر گواہ بنایا تھا، (اور پوچھا تھا کہ:) میں تمھارا ربّ نہیں ہوں؟

③ ترجمہ: چلو اُس سائبان کی طرف جو تین شاخوں والا ہے، جس میں نہ تو (ٹھنڈک والا) سایہ ہے اور نہ وہ آگ کی لپٹ سے بچا سکتا ہے؛ قتادہ سے مروی ہے کہ: (میدانِ حشر میں) کافروں کے سایہ کے لیے ایک دھواں دوزخ سے اُٹھے گا جو پھٹ کر کئی ٹکڑے ہوجائے گا! کہتے ہیں کہ: اُن میں سے ہر شخص کو تین طرف سے گھیرے گا، ایک ٹکڑا سر کے اوپر سے سائبان کی طرح، دوسرا دائیں، تیسرا بائیں ہوجائے گا؛ حساب سے فارغ ہونے تک یہ لوگ اُسی سایہ کے نیچے کھڑے رہیں گے؛ اور ایمان دار نیک کردار عرشِ اعظم کے سایہ میں آرام سے کھڑے ہوں گے۔ یہاں علم ھندسہ کی بنیادی یعنی شکل مثلث کا تذکرہ ہے جو اول الأشکال ہے۔ (الزیادۃ، کشاف)

میں بطورِ تمہید ومقدمہ کو ذکر کرنے کے بعد اصل مقصود کی طرف منتقل ہوجانا ''اقتضاب'' کہلاتا ہے، بشرطیکہ دونوں (ابتدائی کلام اور مقصود) کے درمیان مناسبت نہ ہو، جیسے آیت میں: لفظ ''هٰذَا''، ﴿هٰذَا وَإِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ۝﴾ [1] [صٓ:۵۵].

ملحوظہ: ① حمد وصلاۃ کے بعد قائل کا قول ''أَمَّا بَعْدُ'' کہنا، اسی طرح ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہونے کے لیے لفظ ''هٰذَا'' کہنا، اسی طرح ''هٰذَا بَابٌ'' اور ''هٰذَا فَصْلٌ'' بھی اقتضاب ہی کے قبیل سے ہے [2]۔ (علم البدیع)

ملحوظہ: ② اِستِطراد- جس کا تذکرہ محسنات معنویہ میں گذر چکا- اور حسن تخلص کے درمیان فرق یہ ہے کہ: حسن تخلص میں مقصود کی طرف انتقال کے بعد تمہید کی طرف عود کرنا نہیں ہوتا جب کہ استطراد میں غرض اول کی طرف عود ہوتا ہے۔ (علم البدیع)

ملحوظہ: ③ قرآنِ مجید میں سورت کے درمیان نہایت مفید مضمون (حمد وثنا، احسان وامتنان، وعدہ ووعید) کو اسلوبِ بدیع (انوکھے بلیغ کلام) سے ذکر فرماتے ہیں، جیسے ﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى؛ آللّٰهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ [النمل:۵۹]؛ ﴿أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا، وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ۝﴾ [3] [الحج:۳۹].
(الفوز الکبیر)

---

① یعنی پرہیزگاروں کا انجام سن چکے، اب آگے شریروں کا انجام سن لو کہ اُن شریروں کے واسطے برا ٹھکانا ہے؛ یہاں پرہیزگاروں کے انجام کو ذکر کرنے کے بعد شریروں کے انجام کو ذکر کرنے کی طرف منتقل ہونے کے لیے ''هٰذا'' کو استعمال کیا ہے۔

② ملحوظہ: صحیح قول کے مطابق قرآن کریم میں بلا تکلف حسنِ تخلص اور اقتضاب پائے گئے ہیں۔

③ آیتِ ثانیہ: جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے انہیں اجازت دی جاتی ہے (کہ: وہ اپنے دفاع کے لیے لڑیں)؛ کیوں کہ اُن پر ظلم کیا گیا ہے، اور یقین جانو! کہ اللہ ان کو فتح دِلانے پر پوری طرح قادر ہیں۔ یعنی: مسلمان اپنی قلت اور بے سروسامانی پر نہ گھبرائیں، اللہ تعالیٰ مٹھی بھر فاقہ مستوں کو دنیا کی فوجوں اور سلطنتوں پر غالب کرسکتا ہے؛ فی الحقیقت یہ ایک شہنشاہانہ طرز میں مسلمانوں کو نصرت وامداد کا وعدہ تھا، جیسے دنیا کے بادشاہ اور بڑے لوگ وعدہ کے موقع پر اپنی شانِ وقار واستغناء دِکھلانے کے لیے کہہ دیا کرتے ہیں کہ: ہاں! تمھارا فلاں کام ہم کرسکتے ہیں۔ (فوائدِ عثمانی)

⑦ **بَرَاعَتِ طَلَبْ**: یہ ہے کہ متکلم اپنی طلب کی صراحت کئے بغیر، انوکھے انداز پر اپنی مراد کی طرف اشارہ کردے، جیسے: ﴿وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ، فَقَالَ: رَبِّ! إِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ، وَإِنَّ وَعْدَكَ الحَقُّ، وَاَنْتَ اَحْكَمُ الحٰكِمِيْنَ﴾[هود:٤٥]؛ اور شاعر کا شعر:

وَفِي النَّفْسِ حَاجَاتٌ وَفِيْكَ فَطَانَةٌ ❁ سُكُوْتِيْ كَلَامٌ عِنْدَهَا وَخِطَابٌ①

⑧ **اِقْتِبَاسْ**: متکلم کا قرآن یا حدیث کے کسی حصے کو -بغیر حوالہ دیے- اپنے کلام نثر یا کلامِ شعر کا جزو بنالینا، جیسے: حریری کا قول: "اَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيْل" وأُمَيِّزُ صَحِيْحَ القَوْلِ مِنْ عَلِيْلِه؛ اور شعر کی مثال:

يَوْمَ يَأْتِي الحِسَابَ مَا لِظَلُوْمٍ ❁ مَا "مِنْ حَمِيْمٍ وَلا شَفِيْعٍ يُّطَاع"②

ملحوظہ: اقتباس کرتے ہوئے وزنِ شعری کی رعایت میں مقتبس کے الفاظ میں معمولی تبدیلی کرتے ہیں؛ لیکن اگر مقتبس کے الفاظ میں زیادہ تبدیلی کی ہے تو وہ اقتباس سے نکل کر عقد وحل میں داخل ہوجائے گا۔

معمولی تبدیلی کی مثال:

﴿وَأَنْ لَّيْسَ لِلإِنْسَانِ إِلاَّ مَاسَعٰى﴾ ❁ نعم! ﴿وَأَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى﴾

⑨ **اِسْتِشْهَادْ**: متکلم قرآن کریم یا حدیث نبوی کے کسی حصے کو حوالہ اور صراحت کے

---

① مثالِ اوّل: اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ: "اے میرے پروردگار! میرا بیٹا میرے گھر ہی کا ایک فرد ہے، اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے، اور تو سارے حاکموں سے بڑھ کر ہے"۔ یعنی: آپ کو ہر چیز پر قدرت ہے، اگر چاہیں تو اُسے ایمان کی توفیق دے دیں، اور پھر ایمان والوں کے حق میں آپ کا جو وعدہ ہے وہ اس کے حق میں بھی پورا ہوجائے۔

مثالِ ثانی: میرے دل میں چند مرادیں ہیں، اور تجھ میں ایسی دانائی ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے میرا چپ رہنا ہی کلام اور خطاب ہے۔ اسی طرح جیسے بھوکے سے پوچھا جائے کہ: دو اور دو (۲+۲) کتنے ہوئے؟ اس پر جواب دے: چار روٹی! یہاں اس سے روٹی کا سوال ہی نہ تھا؛ لیکن اس نے جواب میں اپنی مراد کی طرف لطیف اشارہ کردیا۔

② مثالِ دوم: جب یوم حساب میں بڑے ظالم کی سزا آپہنچے گی "تب نہ کوئی ایسا دوست اور سفارشی ہوگا جس کی بات کی شنوائی ہو سکے"۔ یہاں شعر کا دوسرا مصرع قرآنِ پاک سے مقتبس ہے جو سورۂ مؤمن کی اٹھارہویں آیت ہے۔

ساتھ اپنے کلام میں شامل کرلے، اسی کو ''استدلال'' بھی کہتے ہیں، جیسے: یوں کہے: قَالَ اللهُ تَعَالیٰ: یاقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إلخ وغیرہ. (علم البدیع)

⑩ **تَضْمِیْن:** (اِیداع) اس کی دوصرتیں ہیں ① متکلم معنیٰ میں تاکید پیدا کرنے یا نظم کی ترتیب باقی رکھنے کے لیے اپنے کلام کے دوران غیر کے کلام کو داخل کرلے، جیسے باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ... وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ ''أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ...''، وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ... وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ... فَاحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ﴾ [المائدة:٤٤-٤٥]① اور جیسے شعر:

وَإِذَا مَا شِئْتَ عَيْشًا بَيْنَهُمْ ۞ ''خَالِقِ النَّاسَ بِخُلْقٍ حَسَنٍ''①

② شاعر کا اپنے شعر میں دوسرے کے غیر مشہور شعر کو تضمین کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے شعر میں مِلا دینا، جیسے:

إِذَا ضَاقَ صَدْرِيْ وَخِفْتُ العِدىٰ ۞ تَمَثَّلْتُ بَيْتاً بِحَالِي يَلِيْقُ
''فَبِاللهِ أَبْلُغُ مَا أَرْتَجِيْ ۞ بِاللهِ أَدْفَعُ مَا لاأُطِيْقُ''②

① بے شک ہم نے تورات نازل کی تھی ہدایت تھی اور نور تھا۔ تمام نبی — جو اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار تھے — اسی کے مطابق یہودیوں کے مُعاملات کا فیصلہ کرتے تھے...؛ اور ہم نے اس (تورات میں) ان کے لیے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ: جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ...، اور (اے رسول اللہ ﷺ) ہم نے تم پر بھی حق پر مشتمل کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی نگہبان ہے؛ لہٰذا ان (یہودی اور عیسائی) لوگوں کے درمیان اُسی کے مطابق فیصلہ کرو! جو اللہ نے نازل کیا ہے۔

مثالِ ثانی: جب تم لوگوں کے درمیان زندگی بسر کرنا چاہو ''تو لوگوں سے حسنِ اخلاق سے پیش آؤ''۔ اس جگہ دوسرا مصرع حدیثِ پاک سے اقتباس ہے، جس کو امام ترمذیؒ نے اپنی جامع ترمذی میں ''أبواب البر والصلة'' میں روایت فرمایا ہے؛ شاعر نے آیت وحدیث دونوں کو اپنے شعر کا جزء بنالیا ہے، اور حوالہ نہیں دیا ہے۔

② جب میرا سینہ تنگ ہوگیا اور میں دشمنوں کا خوف محسوس کرنے لگا تو میں نے اپنے حال کی تمثیل دوسرے شاعر کے ایسے شعر سے بیان کی جو میری حالت کے زیادہ مناسب تھی، ''سو میں اللہ ہی (کی مدد ونصرت) سے اپنی مراد پاتا ہوں، اور اللہ ہی (کی نصرت) سے ایسے ضرر کو دور کرتا ہوں جس کو دفع کرنے کی مجھ میں قدرت نہیں'' (علم بدیع ودروس)

⑪ **تَلْمِیْح**: یہ اقتباس اور تضمین سے قریب قریب ہے؛ وہ یہ ہے کہ: شاعر یا ناثر اپنے کلام میں کسی واقعہ یا رائج کہاوت یا مشہور شعر کی جانب بغیر تذکرہ کیے صرف اشارہ کردے، جیسے:
﴿هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ﴾ [يوسف:٦٤].

لَئِنْ أَصْبَحْتُ مُرْتَحِلاً بِشَخْصِيْ ۞ فَرُوْحِيْ عِنْدَكُمْ أَبَدًا مُقِيْمُ
وَلٰكِنْ لِلْعِيَانِ لَطِيْفُ مَعْنىً ۞ لَهُ "سَأَلَ الْمُعَايَنَةَ الْكَلِيْمُ"①

⑫ **حُسْنِ اِنْتِهَاءٗ**: (حسنِ ختام) ناظم وناثر منتہائے کلام میں شیریں کلمات، عمدہ ترکیبات اور صحیح المعنی عبارت لائے؛ تاکہ مخاطب اُن لطیف معانی اور بلند خیالات کو اپنے ذہن میں مرتسم کرلے، اور کلام کے اختتام کی طرف غمازی کرے، جیسے:﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۝﴾ [الحجر:٩٩]؛ اليَقِيْنُ أيْ: المَوْتُ؛ ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۝﴾② [الزلزال:٧-٨].

---

① مثالِ اول: والد نے کہا: "کیا میں اس کے بارے میں تم پر ویسا ہی بھروسہ کروں جیسا اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں تم پر پہلے کیا تھا؟۔ یہاں حضرت یوسفؑ کے بابت بھائیوں کی خیانتِ سابقہ کی طرف حضرت یعقوب علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے۔

مثالِ ثانی: اگر میرا جسم کوچ بھی کرجائے تو بھی میری روح تمھارے ساتھ ہمیشہ رہے گی؛ اور مشاہدہ کرنا ایک نازک حقیقت ہے اسی بناء پر تو (غایتِ اشتیاق میں) کلیم اللہ نے مشاہدۂ ذات کی درخواست ﴿رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ﴾ سے فرمائی تھی۔ یہاں شاعر نے اپنے شعر میں واقعۂ موسیٰ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (علم البدیع)

② آیتِ اولیٰ: اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو، یہاں تک کہ تم پر وہ چیز آجائے جس کا آنا یقینی ہے۔ آیتِ ثانیہ: چناں چہ جس نے ذرہ برابر کوئی اچھائی کی ہوگی وہ اُسے دیکھے گا، اور جس نے ذرہ برابر کوئی بُرائی کی ہوگی، وہ اُسے دیکھے گا۔ دیکھیے: ان تمام جگہوں میں موت، حشر ونشر اور حساب وکتاب کا تذکرہ فرما کر خاتمہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔(الزیادۃ والاحسان) اور جیسے شاعر کا شعر:

وَإِنِّي جَدِيْرٌ إِذْ بَلَغْتُكَ بِالْمُنَى ۞ وَأَنْتَ بِمَا أَمَّلْتُ مِنْكَ جَدِيْر
فَإِنْ تُوْلِنِيْ مِنْكَ الجَمِيْلَ فَأَهْلُهُ ۞ وَإِلاَّ فَإِنِّيْ عَاذِرٌ وَشَكُوْر

ترجمہ: یہاں شاعر نے خصیب بن عبد الحمید مرادی کے مدحیہ قصیدے کی انتہاء میں شکر اور قبولیت عذر کا تذکرہ فرمایا ہے۔ (علم البدیع) مثالِ مذکور کے دعائیہ کلمات سن کر مخاطب سمجھ جائے گا کہ شاعر کا قصیدہ ختم ہورہا ہے، اب اُسے مزید کلام کا انتظار نہیں رہے گا۔

ملحوظہ: بہ قول حضرت شاہ صاحبؒ: سورتوں کا اختتام شاہی فرمانوں کے نہج پر ہے، جیسا کہ سلاطین اپنے فرامین کے اختتام میں جامع کلمات، نادر وصیتوں اور احکامِ مذکورہ پر گامزن ہونے کی سخت تاکیدیں اور مخالفت کرنے والوں کے لیے شدید دھمکیاں ذکر کرتے ہیں؛ اسی طرح باری تعالیٰ نے سورتوں کے آخیر میں جامع کلمات، پُرحکمت باتیں سخت تاکیدیں اور بھاری دھمکیاں دی ہیں، جیسے ﴿فَإِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنَ۝﴾[1] [الذّٰریٰت:۵۹]۔

⑬ **بَرَاعَتِ مَقْطَع**: ناظم (شاعر) منتہائے قصیدہ میں مقتضائے حال کے مطابق شریں کلمات، عمدہ ترکیبات لائے؛ تاکہ مخاطب اُن لطیف معانی اور بلند خیالات کو اپنے ذہن میں مرتسم کرلے، اور کلام کے اختتام کی طرف غمازی کرے، جیسے:

بَقِيْتَ بَقَاءَ الدَّهْرِ يَا كَهْفَ أَهْلِهِ ۞ وَهٰذَا دُعَاءٌ لِلْبَرِيَّةِ شَامِلٌ[2]

۞　۞　۞

---

① ''اب تو جن لوگوں نے ظلم کیا ہے، اُن کی بھی ایسی ہی باری آئے گی جیسے ان کے (پچھلے) ساتھیوں کی باری آئی تھی؛ اس لیے وہ مجھ سے جلدی (عذاب لانے) کا مطالبہ نہ کریں؛ غرض جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے، اُن کی اُس دن کی وجہ سے بڑی خرابی ہوگی جس کا اُن سے وعدہ کیا جا رہا ہے''۔ دیکھیے کس قدر سخت ظالمین وکافرین کو کس قدر سخت ڈانٹ پلائی ہے۔ (الفوز الکبیر، توضیح القرآن)

② اے اہلِ زمانہ کی جائے پناہ! میری دعا ہے کہ آپ ابدالآباد تک زندہ وپائندہ رہیں اور میری یہ دعاء تمام مخلوق کو عام وتام ہو۔ (علم البدیع)

ضمیمہ: سرقاتِ شعریہ

متکلم اپنے مضمون کو پختہ کرنے اور اس میں حسن وجمال کو پیدا کرنے کے لیے قرآن وحدیث سے یا کسی دوسرے ناظم وناثر کے کلام سے اقتباس کرتا ہے، اور وہ دو قسموں پر ہے:

قسمِ اول: بعض صورتوں میں کلام کی بلاغت اور پختگی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، جیسے: اقتباس، استشہاد، تضمین اور تلویح میں ہوتا ہے۔

قسمِ ثانی: بعضے صورتوں میں متکلم کا کلام کسی جگہ ابلغ، اور کسی جگہ غیر ممدوح ہو جاتا ہے تو کسی جگہ مذموم ہو کر رہ جاتا ہے، جیسے: المام وسلخ، اغارہ ومسخ، نسخ وانتحال، عقد اور حل میں ہوتا ہے۔

ملحوظہ: قسمِ ثانی کی اقسام کو "سرقاتِ شعریہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے طَرْدًا للبَاب اخیر میں اس کو بھی ذکر کر لیا گیا ہے۔ تعریفات کے بعد تمام کو ایک نقشہ میں اخیری صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں:

سَرَقاتِ شعریہ

علمِ بدیع میں سرقاتِ شعریہ سے بھی بحث ہوتی ہے؛ یہاں بھی طرداً للباب اس کو ذکر کیا جاتا ہے۔

سرقۂ کلام: (۱) نسخ وانتحال، (۲) مسخ واغارہ، (۳) سلخ والمام۔

سَرِقَہ: یہ ہے کہ کوئی ناظم یا ناثر غیر کے نظم ونثر کو بعینہٖ یا اس کے معنی لے کر اپنی طرف منسوب کر دے۔ یہ فعل کبھی ممدوح ہوتا ہے تو کبھی مذموم بھی شمار کیا جاتا ہے۔

مذموم سرقہ کلام کی تین صورتیں ہیں: نسخ وانتحال، مسخ واغارہ، سلخ والمام۔

(۱) **نَسخ وانتِحَال**: ایک شاعر کا دوسرے شاعر کے: (۱) جملہ الفاظ مع معنی کو، (۲) یا بیشتر الفاظ مع معنیٰ کو نظمِ کلام میں تغیر کیے بغیر اپنی جانب منسوب کر دینا، جیسے عبداللہ بن زَبیر نے مُعْن بن اَوس مزنی کے مندرجۂ ذیل اشعار کو حضرت امیر معاویہؓ کے سامنے مِن وعَن پڑھ کر اپنی طرف منسوب کر لیا تھا:

إِذَا أَنْتَ لَمْ تُنْصِفْ أَخَاكَ وَجَدْتَهُ ۞ عَلَى طَرْفِ الهِجْرَانِ إِنْ كَانَ يَعْقِلُ
وَيَرْكَبُ حَدَّ السَّيْفِ مِنْ أَنْ تَضِيْمَهُ ۞ إِذَا لَمْ يَكُنْ عَنْ شَفْرَةِ السَّيْفِ مَزْحَلُ①

حکم: یہ قسم سرقۂ محضہ ہونے کی بناء پر نہایت مذموم ہے، جیسے: كَانَ بُشَيْرٌ رَجُلا مُنَافِقًا، يَقُوْلُ الشِّعْرَ -يَهْجُوْبِهِ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ- ثُمَّ يَنْحَلُهُ بَعْضَ العَرَبَ②.[ترمذی]

ملحوظہ: سرقہ کی اس قسم سے قریب یہ قسم بھی ہے کہ: شاعر یا ناثر دوسرے کے شعر کو نظم وترتیب میں تغیر کے بغیر متضاد معانی والے الفاظ سے بدل دے، جیسے: آل جفنہ کی مدح میں حضرت حسان بن ثابت رض کے آنے والے شعر کا کسی نے سرقہ کیا ہے۔ حضرت حسان کا شعر:

بِيْضُ الوُجُوْهِ كَرِيْمَةٌ أَحْسَابُهُمْ ۞ شُمُّ الأُنُوْفِ مِنَ الطِّرَازِ الأَوَّلِ③

کسی شاعر نے مدح کے متضاد معنیٰ (ہجو) بیان کرنے کے لیے اسی نظم وترتیب کو باقی رکھتے ہوئے شعر کہا ہے:

---

① جب تو اپنے بھائی کے حقوق ادا نہ کرے اور وہ بھائی اگر عقل مند ہوگا تو کنارہ کشی اختیار کرلے گا؛ اور تیرے اس پر ظلم کرنے کی صورت میں اگر وہ تلوار کی تیزی سے خلاصی کی کوئی راہ نہ پائے تو تلوار کی دھار پر چلنا بھی گوارا کرلے گا۔ یہ اشعار عبداللہ بن زبیر نے سنادیئے اس کے کچھ دیر بعد مُعْن بن اوس شاعر آئے اور انہوں نے ایک پورا قصیدہ سنایا جس میں یہ دو اشعار بھی تھے تب معلوم ہوا کہ عبداللہ نے سرقہ کیا ہے۔ (علم البدیع، دروس)

② مدینہ میں ایک بُشیر نامی منافق تھا جو ازخود صحابہ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا، پھر بعض عربوں کی طرف غلط انتساب کرتا تھا؛ صحابہ جب ان اشعار کو سنتے تو کہتے: بہ خدا یہ اشعار اسی خبیث نے ہی کہے ہیں۔

فائدہ: شاعر کا عام غرض (سخاوت وشجاعت، فقر وغنی، ذہانت وبلادت وغیرہ) کو بیان کرنے میں مخصوص طریقۂ تعبیر (مثلاً: خوب صورت عورت کو شمس وقمر سے، سخی کو بحر وبادل سے، غبی کو حجر وحمار سے اور شجاع کو سیف ونار سے تشبیہ دینا؛ اسد کا استعارہ بہادر کے لیے کرنا؛ کثیر الرماد اور مہزول الفصیل سے کرم کا کنایہ کرنا) کو استعمال میں لانا؛ سرقاتِ شعریہ شمار نہ ہوگا۔ (علم البدیع)

③ میرے ممدوح گورے چہرے والے، معزز خاندان سے تعلق رکھنے والے ہیں؛ بلند ناک والے، اوّل درجے کے ہیں۔

سُوْدُ الوُجُوْهِ لَئِيْمَةٌ أَحْسَابُهُمْ ۞ فُطْسُ الأُنُوْفِ مِنَ الطِّرَازِ الآخِرِ ①

② **مسخ وإغارہ**: ایک شاعر کا دوسرے شاعر کے کلام کو ۱- نظمِ کلام میں تبدیلی کر کے الفاظ و معنی لینا، ۲- یا بعض الفاظ میں تبدیلی کر کے معنی لینا۔

حکم: ماخوذ شعر ماخوذ منہ سے حسنِ ترتیب، اِختصار، اِیضاح اور زیادتیٔ معنی کی وجہ سے ابلغ ہو تو ماخوذ شعر مقبول اور ممدوح ہوگا، ورنہ الفضل للمتقدم کے قبیل سے ہوگا۔

مسخِ مقبول کی مثال: سَلْم الخاسر تلمیذ نے اپنے استاذ بشار کے شعر کا معنیٰ ادا کیا تھا، اس پر بشار نے کہا تھا ذَهَبَ وَاللهِ بَيْتِيْ، فَهُوَ -أَيْ: بَيْتُ سَلْمٍ- أَخَفُّ وَأَعْذَبُ؛ پہلا بشار کا شعر ہے اور دوسرا اسلم خاسر کا شعر ہے:

مَنْ رَاقَبَ النَّاسَ وَلَمْ يَظْفَرْ بِحَاجَتِهِ ۞ وَفَازَ بِالطَّيِّبٰتِ الفَاتِكُ اللَّهْجُ

مَنْ رَاقَبَ النَّاسَ مَاتَ غَمًّا ۞ وَفَازَ بِاللَّذَّةِ الجَسُوْرُ ②

مسخِ مردود کی مثال ابوتمام کا شعر ہے جس کے معنی کو ابوالطیب نے اس طور پر ادا کیا ہے: پہلا ابوتمام کا شعر ہے، اور دوسرا ابوالطیب کا شعر ہے:

هَيْهَاتَ لايَأْتِيْ الزَّمَانُ بِمِثْلِهِ ۞ إِنَّ الزَّمَانَ بِمِثْلِهِ لَبَخِيْلُ ③

أَعْدَى الزَّمَانَ سَخَاؤُهُ فَسَخَا بِهِ ۞ وَلَقَدْ يَكُوْنُ بِهِ الزَّمَانُ بَخِيْلا ④

---

① وہ لوگ سیاہ فام ہیں، رذیل خاندان سے تعلق رکھنے والے ہیں؛ ان کی ناک چپٹی ہے اخیری درجے کے ہیں۔ (علم البدیع، دروس)

② دیکھئے اسلم کا شعر (دوسرا) مختصر ہے اور بہتر سانچہ میں ڈھالا ہوا ہے، لہٰذا اسلم کا شعر مقبول ہوگا۔

③ یہ بات دور ہوگئی کہ: زمانہ میرے ممدوح جیسا سخی پیش کرے؛ یقیناً زمانہ اس کا مثل لانے میں بخیل ہے۔

④ میرے ممدوح کی سخاوت زمانے پہ چھا گئی، تب زمانے نے میرے ممدوح کی سخاوت کی؛ ورنہ زمانہ تو اس کی سخاوت پر (بھی) بخیل ہو رہا تھا۔

دیکھئے ابوالطیب کے مصراعِ ثانی کے مقابلے میں ابوتمام کے بیت کا مصراعِ ثانی بہتر سانچہ میں ہے؛ کیوں کہ ابو الطیب یہ کہنا چاہتا ہے کہ: كان الزمان به بخيلا، "زمانہ میرے ممدوح کی سخاوت کے بارے میں بخیل تھا"؛ ⇐

③ **سلخ والمام**: ایک شاعر دوسرے شاعر کا صرف معنیٰ ومضمون لے، الفاظ نہ لے؛ اور دوسرا کلام پہلے کے مقابلے میں کم درجہ یا برابر ہو، جیسے: ابوتمام نے عتبی کا وہ مضمون لیا ہے جو اس نے اپنے بیٹے کے مرثیہ میں کہا تھا؛ پہلا شعر عتبی کا ہے، اور دوسرا شعر ابوتمام کا ہے:

وَالصَّبْرُ يُحْمَدُ فِي الْمَوَاطِنِ كُلِّهَا ۞ إلاَّ عَلَيْكَ فَإنَّهُ لايُحْمَدُ[①]

وَقَدْ كَانَ يُدْعىٰ لابِسَ الصَّبْرِ حَازِماً ۞ فَأَصْبَحَ يُدْعىٰ حَازِماً حِيْنَ يَجْزَعُ[②]

اوپر ذکر کردہ تین قسمیں سرقہ کلام کی تھیں، ان کے علاوہ اور بھی صورتیں ہیں جو ملحقاتِ سرقہ کہلاتی ہیں؛ اور وہ آٹھ ہیں: ① اقتباس، ② تضمین، ③ عقد، ④ حل، ⑤ تلمیح، ⑥ حسنِ ابتداء، ⑦ تخلّص، ⑧ حسنِ انتہاء۔

ملحوظہ: اِن میں سے چھ کا بیان خاتمہ میں ہوگیا ہے؛ دو کا تذکرہ یہاں ہے:

① **عقد**: دوسرے کے کلامِ منثور کو —لاعلی وجہ الاقتباس— کلامِ منظوم بنادینا، جیسے: ﴿إذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ﴾؛ اور حضرت علیؓ کا فرمان: مَا لابْنِ آدَمَ وَالفَخْرِ، وَإنَّمَا أَوَّلُهُ نُطْفَةٌ، وَآخِرُه جِيْفَةٌ[③]؛ شاعر نے اس آیت کو یوں نظم کیا ہے:

⇐ لیکن وزنِ شعری کی رعایت میں بجائے ماضی کے فعل مضارع کا صیغہ استعمال کیا ہے جو کہ زمانہ کو اتنا یقینی نہیں بتاتا جو فعل ماضی بتایا کرتا ہے؛ جب کہ ابوتمام نے اسی مضمون کو جملہ اسمیہ کی صورت میں ادا کیا ہے جس میں دوام واستمرار پایا جاتا ہے۔ (علم البدیع ودروس)

① پریشانی کے مواقع پر صبر کرنا قابلِ ستائش ہے؛ سوائے تیری موت کے کہ: اس پر صبر کرنا قابلِ ستائش نہیں!

② کسی زمانے میں صبر کا جامہ پہننے والا مستقل مزاج کہا جاتا تھا؛ مگر آج مستقل مزاج اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ بے صبری کرے۔

یہ دونوں اشعار برابر ہیں؛ ہاں! بعض حضرات نے کہا ہے کہ: ابوتمام کا شعر ابلغ ہے؛ کیوں کہ اس کے قول "لابِسَ الصَّبْرِ" میں استعارہ ہے، اور استعارہ حقیقت کے بالمقابل ابلغ ہوتا ہے۔ (علم البدیع)

حکم: دوسرا شعر عمدہ ہو تو وہ بلیغ شمار ہوگا؛ پہلا شعر عمدہ ہو تو ثانی مذموم شمار ہوگا اور اگر دونوں برابر ہوں تو ثانی مذموم نہ ہوگا۔

③ مثالِ اول: ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم کسی معین میعاد کے لیے اُدھار کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ مثالِ ثانی: ابنِ آدم کو فخر سے کیا جوڑ؟ کیوں کہ اس کی ابتداء نطفہ ہے اور انتہاء مردہ ہوجانا ہے۔

فإنَّ اللهَ خلاَّقُ البَرايا ۞ عَنَتْ لجَلالِ هَيبتِهِ الوُجوهُ
يقولُ: "إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ ۞ إِلىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ"①

شاعر نے حضرت علیؓ کے کلامِ منثور کو نظم میں منتقل کر کے یوں کہا ہے:

مَا بَالُ مَنْ -أَوَّلُهُ نُطْفَةٌ ۞ وَجِيفَةٌ آخِرُهُ- يَفْخَرُ②

② **حلّ**: یہ ہے کہ کسی شاعر کے کلامِ منظوم کو کلامِ منثور بنا دینا، جیسے: شاعر کا قول:

إِذَا مَرِضْنَا أَتَيْنَاكُمْ نَعُوْدُكُمْ ۞ وَتُذْنِبُوْنَ فَنَأْتِيْكُمْ وَنَعْتَذِرُ③

اسی کلامِ منظوم کو کسی نثر نگار نے نثر کی طرف منتقل کر کے یوں کہا ہے: اَلْعِيَادَةُ سُنَّةٌ مَأْجُوْرَةٌ وَمَكْرُمَةٌ مَأْثُوْرَةٌ، وَمعَ هٰذَا فَنَحْنُ اَلْمَرْضىٰ وَنَحْنُ الْعُوَادُ، وَكُلُّ وِدَادٍ لا يَدُوْمُ فَلَيْسَ بِوِدَادٍ④.

---

① عقد کی شرط یہ ہے کہ مأخوذ منہ کے جملہ یا اکثر الفاظ کو اپنے کلام میں ذکر کرے؛ ہاں وزنِ شعری کے لیے کچھ کمی بیشی کر لے۔

② جس کی ابتداء نطفہ ہو، اور انتہاء مردہ ہونا ہو، وہ بھلا کیا فخر کرے!

③ جب ہم بیمار ہوتے ہیں اس وقت بھی ہم تمہارے پاس آ کر تمہاری عیادت کرتے ہیں؛ اور جب تم غلطی کرتے ہو تو بھی ہم تمہارے پاس آ کر تم سے معذرت کرتے ہیں۔

④ عیادت کرنا ایسی سنت ہے جو موجب اجر ہے، اور ایسی خصلت ہے جو پہلوں سے چلی آ رہی ہے، اس کے باوجود ہم ہی بیمار بھی ہوتے ہیں اور ہم ہی عیادت بھی کرتے ہیں، اور ہر ایسی محبت جو دائمی نہ ہو وہ محبت ہی نہیں۔

متکلم غیر کے کلام کو اپنے کلام میں شامل کرے

- کلام اللہ و کلام الرسول کو شامل کیا ہوگا
  - وضاحت کے ساتھ لیا ہوگا (استشہاد)
  - بغیر وضاحت لیا ہوگا
    - بلاتغییر یا معمولی تغییر کے بعد لیا ہو (اقتباس)
    - تغییرِ کثیر سے لیا ہو (عقد)
- کلام الناس کو شامل کیا ہوگا
  - نثر کو نثر میں لینا (تضمین)
  - نظم کو نظم میں لینا (سرقاتِ شعریہ)
    - صرف مضمون لیا ہو (اِلمام و سلخ) ''ابلغ، مذموم، غیر ممدوح''
    - تمام یا اکثر الفاظ مع معنیٰ لیا ہو
      - نظمِ کلام میں تبدیلی کی ہو (اغارہ و مسخ) ''ممدوح و غیر ممدوح''
      - نظمِ کلام میں تبدیلی نہ کی ہو (نسخ و انتحال) ''مذموم''
  - نثر کو نظم میں لینا (عقد)
  - نظم کو نثر میں لینا (حل)

ضروری اصطلاحاتِ شعریہ مع ملحقات

نثر: (مقابلِ نظم) ایسا کلام جس میں وزن اور کافیہ نہ ہو، اِس کی چار قسمیں ہیں: عاری، مرجز، مسجّع، مقفّی ①۔

فائدہ: نثر کی تعریف کتابوں میں یہی ہے کہ، جس میں وزن اور قافیہ کی قید نہ ہو، مگر نثرِ مُرجّز میں وزن اور نثرِ مقفّی میں قافیہ ضرور ہوتا ہے۔ (آئینۂ بلاغت)

نظم: موزون کلام؛ چاہے منظوم ہو یا منثور۔

نظمِ قرآنی: قرآنِ پاک کے وہ (موتیوں جیسے) الفاظ اور (مخصوص وزنِ قرآنی میں ملبوس) عبارات ہیں جن پر قرآنِ پاک کے مکتوبہ اَوراق مشتمل ہیں۔

وزنِ قرآنی: باری تعالیٰ نے سانس کی فطری درازی کو قرآنِ مجید کا وزن بنایا ہے، اور اسی پر آیاتِ کریمہ کو ڈھالا گیا ہے، یعنی: سانس کے چھوٹے بڑے ہونے کا لحاظ کر کے قرآنِ مجید میں آیات کو موزون کیا گیا ہے؛ کیوں کہ انسان جب سانس لیتا ہے تو طبیعت میں نشاط اور انبساط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، پھر وہ نشاط آہستہ آہستہ کم ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ آدمی تازہ سانس لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

عاری: وہ نثر ہے جس میں نہ وزن کی قید ہو، نہ قافیہ کی اور نہ ہی اُس میں رعایات ومناسباتِ لفظی ہوں۔ (آئینۂ بلاغت)

مُرَجّز: وہ نثر کہ جس میں وزن ہو؛ مگر قافیہ نہ ہو۔

مسجّع: وہ نثر جس کے دو فقروں کے تمام الفاظ ایک دوسرے کے ہم وزن اور حروفِ آخر میں بھی موافق ہوں، جیسے:

ترتیب	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
الفاظ	پَونڈا (گنا)	پھیکا	اِتنا	بُرا کہ:	جس کی	برائی	بیان سے	باہر ہے
الفاظ	پونڈا	میٹھا	ایسا	بھلا کہ:	اُس کی	بھلائی	گمان سے	بڑھ کر

مُقفّی: وہ نثر جس میں وزن نہ ہو؛ مگر آخری الفاظ میں قافیہ ہو، جیسے: تفقّد نامۂ نامی میں صورت عز وشرف نظر آئی۔ اللہ اللہ تم نے میری نظر میں میری آبرو بڑھائی۔/ حضرت کی قدردانی کی کیا بات ہے؟ آپ کا التفات موجب مباحات ہے۔

سجع: کلامِ منثور میں دو فاصلوں کے آخرِ الفاظ کا آخری حرفوں کی شکل (حرکت وسکون) میں یکساں اور موافق ہونا، جیسے: ﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ﴿١٣﴾ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ﴿١٤﴾﴾ [انفطار ۱۳-۱٤]

ملحوظہ: اصطلاح میں مقفّٰی الفاظ کو کہتے ہیں، خواہ وہ نظم میں استعمال ہوں یا نثر میں۔

روِی: وہ حرف ہے جس پر نظم وقصیدہ کی بنیاد ہوتی ہے، جیسے مثالِ مذکور میں حرفِ "میم" روی ہے۔

شعر: وہ کلام ہے جو بالقصد قافیہ اور وزن پر لایا گیا ہو (موزون ومقفّٰی کلام)①۔

وزنِ شعری: وہ اندازہ ہے جس پر شاعر اپنی بیت، مَقطَع اور قصیدہ کی بنیاد رکھتے ہوئے اشعار تیار کرتا ہے؛ کل اوزانِ شعریہ سولہ ہیں، جن میں سے پندرہ اوزان امام خلیل نحوی نے بنا کر پیش کیے ہیں اور ایک وزن امامِ اخفش نے پیش کیا ہے②۔ (تفصیل "دستور الطلباء" میں ملاحظہ فرمالیں)

---

① فائدہ: بالقصد کی قید سے باری تعالیٰ کے فرمان: ﴿الَّذِيْ أَنْقَضَ ظَهْرَكَ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ جیسی مثالیں خارج ہوجائے گی؛ کیوں کہ یہ کلام قافیہ اور وزن پر ضرور ہے؛ لیکن اِس میں قافیہ بندھ گیا ہے، بالقصد قافیہ باندھا نہیں گیا، (شعر کا مقابل نثر ہے)۔

ملحوظہ: یعنی متکلم کا وہ کلام جو شعر کے ارادے سے (علمِ عروض کی بُحور میں) کسی بحر پر کہا جائے، بحر کا قصد بھی ہو؛ گویا کہ شعر کے لیے دو شرائط ہے: (۱) بحر کے وزن پر ہونا (۲) بحر کا قصد کرنا، اِس قید کی وجہ سے جس طرح کلام اللہ شعر کی تعریف سے خارج ہے، اِسی طرح وہ اشعار بھی شعر ہونے سے خارج ہوجائیں گے جن کا پڑھنا نبیِ کریم ﷺ سے ثابت ہے — حالاں کہ آقا ﷺ کا شاعر نہ ہونا قطعی ہے —؛ کیوں کہ اُن میں بلا قصد موزونیت آ گئی ہے؛ بلکہ درحقیقت یہ ایک معجزہ ہے کہ، حضورِ اقدس ﷺ کا شاعر نہ ہونا عجز کی وجہ سے نہیں ہے؛ اِس لیے کہ جس شخص کے کلام میں بلا ارادہ موزونیت آجاتی ہو، وہ اگر قصداً موزون بنائے تو کس قدر بہترین بنا سکتا ہے!! (مَتَّعنا الله بعُلُوْمه وفُيُوْضه، آمین)

② ملحوظہ: ہمارے عرف میں "نظم" بول کر شعر مراد لیا جاتا ہے؛ ورنہ اصطلاح خاص میں نظم کی تعریف عام ہے۔

اوزانِ علمِ عــروض: ارکان، اوزان اور تفاعیلِ علمِ عروض: وہ لگاتار (یکے بعد دیگرے آنے والی) حرکات وسکنات ہیں جو قواعد علمِ عروض کے مطابق ہوں، جن پر اشعار تیار کیے جاتے ہیں؛ چاہے وہ کوئی سی بھی بحر سے متعلق ہو۔ وزنِ شعری تین چیزوں سے ترکیب پاتی ہے: اسباب، اوتاد اور فواصل۔

سبب: علم عروض میں دو حرفوں کو سبب سے تعبیر کیا جاتا ہے، پس اگر وہ دونوں حرف متحرک ہوں تو اُسے "سببِ ثقیل" کہا جاتا ہے، جیسے لِمَ، بِکَ، اور لَکَ [//]؛ اور اگر پہلا حرف متحرک ہو اور دوسرا ساکن، تو اس کو سببِ خفیف کہتے ہیں، جیسے هَبْ، لِيْ [/★]۔

وتِد: تین حروف کے مجموعے کو وتد کہتے ہیں، پس اگر اُس میں دو حروف متحرک ہوں اور تیسرا ساکن ہو تو اُس کو "وتدِ مجموع" کہتے ہیں، جیسے: نَعَمْ، غَزَا [//★]؛ اور اگر دو متحرک حرفوں کے درمیان کوئی ساکن حرف ہو تو اُس کو "وتدِ مفروق" کہتے ہیں، جیسے: مَاتَ، نَصْرُ [/★/].

فاصلہ: تین یا چار حرفوں کے بعد ساکن حرف ہو تو اُس کو فاصلہ کہتے ہیں، پس اگر تین حروف متحرک ہو (اور چوتھا ساکن ہو) تو اُس کو "فاصلۂ صغریٰ" کہتے ہیں، جیسے: سَكَنُوْا، مُدُناً (مُدُنَنْ) [///★]؛ اور اگر حرفِ ساکن چار متحرک حروف کے بعد ہو تو اُس کو "فاصلۂ کبریٰ" کہتے ہیں، جیسے: قَتَلَهُمْ، مَلِكُنَا [////★]۔

قافیہ: (بہ قول امامِ اخفشؒ) بیت کا آخری کلمہ۔

روِی: وہ حرف ہے جس پر نظم وقصیدہ کی بنیاد ہوتی ہے جیسے: قافیۃ اللام، قافیۃ المیم وغیرہ؛ اسی طرح فواصل آیات کی بنیاد جن حروف پر ہوتی ہے اُسے بھی "روی" کہتے ہیں۔

بیت: چند ایسے کلموں کے مجموعے کا نام ہے جن کی ترکیب صحیح ہو، علمِ عروض کے قواعد کے مطابق موزون ہو جو بالذات متعیّن بحروں کے مناسب ایک موسیقی ترنُّم پیدا کرے۔

مصراع: بیت کے دو حصوں میں سے ہر ایک کو "مِصراع" کہتے ہیں اور ان دونوں

میں سے پہلے جزو (مصراع) کو "صدر" اور دوسرے مصراع کو "عجز" کہتے ہیں، جیسے:

"نَبِيَّ الهُدٰى ضَاقَتْ بِيَ الحَالُ فِي الوَرىٰ" ۞ "وَأَنْتَ لِمَا أَمَّلْتُ فِيْكَ جَدِيْر"①

ملحوظہ: بیت کے دو مصرعے ہوتے ہیں، اول کو "صدر" اور ثانی کو "عجز" کہتے ہیں، اور صدر و عجز کے اجزاء تین ہوتے ہیں: عَرُوض، ضرب، حشو:

عروض: صدر یعنی مصراعِ اول کا جزءِ اخیر، جیسے: الوَرىٰ.

ضرب: عجز یعنی مصراع ثانی کا جزءِ اخیر، جیسے: جَدِيْر.

حشو: شعر کے عروض اور ضرب کے علاوہ اجزاء کو "حشو" کہا جاتا ہے، جیسے مصراعِ اول میں: نَبِيَّ الهُدٰى ضَاقَتْ بِيَ الحَالُ فِيْ؛ اور مصراعِ ثانی میں: وَأَنْتَ لِمَا أَمَّلْتُ فِيْكَ.

ملحوظہ: ایک بیت کو "مفرَد" اور "یتیم" کہتے ہیں، دو بیتوں کو "نُتفہ" کہتے ہیں، تین سے چھ بیتوں کے مجموعے کو "قِطعہ" اور سات سے زائد کے مجموعے کو "قصیدہ" کہتے ہیں۔

مَطلَع: قصیدے کے شروع کا شعر جس کے دونوں مصرعے قافیہ میں یکساں ہوں۔ شاعر اپنے قصیدے میں زیادہ اہتمام مطلع کا کرتے ہیں، کہ مطلع سامعین کے دلوں پر عمدہ نقش چھوڑتا ہے، (غزل یا قصیدے کا پہلا شعر)۔

① اے نبی سراپا ہدایت ﷺ لوگوں میں میرا برا حال ہے۔ اور آں حضور سے جو امید باندھوں آپ اس کے لائق ہے"۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوالات فصاحت و بلاغت

① فصاحت کس کو کہتے ہیں؟ اوراس کی کتنی صورتیں ہیں؟

② فصاحت کلمہ کس کو کہتے ہیں؟

③ تنافرِحروف، مخالفتِ قیاس لغوی اور غرابت وکراہت فی السمع کس کو کہتے ہیں؟

④ فصاحتِ کلام کس کو کہتے ہیں؟

⑤ تنافرِکلمات، ضعفِ تالیف، تعقیدلفظی، تعقید معنوی اور کثرتِ تکرار، وتتابع اضافت کی تعریفات کیا ہیں؟

⑥ بلاغت کی تعریف کریں؟ اوراس کی کتنی صورتیں ہیں؟

⑦ حال، مقتضائے حال اور مطابقت کی تعریف کریں؟

سوالات علم معانی

① علومِ بلاغت کتنے ہیں؟

②علمِ معانی کی تعریف کیا ہے؟

③علمِ معانی کا موضوع اور غرض وغایت کیا ہیں؟

④علمِ معانی کے کتنے ابواب ہیں؟

سوالات خبر و اِنشاء

① خبروانشاء کی تعریف کرتے ہوئے کسی ایک کی تعیین کرلیں؟

② ارکان جملہ (مسند، مسندالیہ) اور قیودات کی تعیین کریں؟

③ یہ خبراسمیہ کی صورت میں ہے یافعلیہ کی صورت میں؟

④ اگر جملہ اسمیہ ہے تواس کی (دو) بنیادی اغراض؛ اور فعلیہ ہے تواس کی (دو) بنیادی اغراض میں سے کیاغرض ہے؟

⑤ مذکورہ کلام اگر خبر ہے اور اُس کی غرضِ حقیقی مراد ہے تو فائدۃ الخبر ہے یا لازمِ فائدۃ الخبر؟

⑥ اگر فائدۃ الخبر ہے تو ابتدائی، طلبی اور انکاری میں سے کیا ہے؟

⑦ خبر کی (دس) اغراض مجازیہ میں سے کون سی غرض ہے؟

⑧ اگر انشاء ہے تو انشائے طلبی ہے یا غیر طلبی؟ اور اس کی تعریف کیا ہے؟

سوالات اقسامِ انشائے طلبی

① اگر یہ انشاء، انشائے طلبی ہے تو اس کی چھ قسموں میں سے کیا ہے؟

② اگر امر ہے تو اس کی تعریف کیا ہے؟ اس کے چار صیغوں میں سے کونسا صیغہ ہے؟

③ امر کے (تیئیس) معانیٔ مجازیہ میں سے کون سا معنیٰ مراد ہے؟

④ اگر نہی ہے تو اس کی تعریف کیا ہے؟ اور اس کے (بارہ) معانی مجازیہ میں سے کون سا معنیٰ مراد ہے؟

⑤ اگر استفہام ہے تو استفہام کا کونسا ادات ہے؛ نیز یہ حرفِ استفہام طلبِ تصور کے لیے ہے یا طلبِ تصدیق کے لیے؟

⑥ اداتِ استفہام کے (چوبیس) معانیٔ مجازیہ میں سے کون سا معنیٰ مراد ہے؟

⑦ تمنی کسے کہتے ہیں؟ اور اس کے چار ادوات میں سے کونسا ادات ہے؟

⑧ ادات تمنی "لیت" سے دیگر ادات کی طرف عدول کی کیا حکمت ہیں؟

⑨ ترجی کس کو کہتے ہیں؟ اور اس کے ادوات: لعل اور عسیٰ میں سے کون ہے؟

⑩ اگر ندا ہے تو ندا کی تعریف کیا ہے؟ اور ادوات ندا میں سے کون ہے؟

⑪ ندا کی (چودہ) اغراض مجازیہ میں سے کون سی غرض ہے؟

سوالات انشائے غیر طلبی

① یہ جملہ اگر انشائے غیر طلبی میں سے ہے تو اس کی (سات) قسموں میں سے کیا ہے؟

② کیا خبر، انشاء کی جگہ یا انشاء، خبر کی جگہ واقع ہوئی ہے؟ اگر واقع ہے تو کیوں؟

③ خبر کو انشاء کی صورت میں لانے کی (تین) غرضوں میں سے کیا ہے؟

④ انشاء کو خبر کی صورت میں لانے کی (تین) غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟

سوالات تعریف وتنکیر

① تعریف وتنکیر کی تعریفات کیا ہیں؟

② اگر کلام کا کوئی جزو بہ صورتِ معرفہ ہے تو معرفہ کی سات قسموں میں سے کیا ہے؟

③ اگر کلام کا کوئی جزو معرفہ ہے اور بہ صورتِ ضمیر ہے تو اس کی (تین) اغراض میں سے کون سی غرض ہے؟

④ اگر کوئی جزو بہ صورتِ علَم ہے تو اس کی (پانچ) اغراض میں سے کیا ہے؟

⑤ اگر کوئی جزوِ کلام معرفہ بہ صورتِ اسم اشارہ ہے تو اس کی (گیارہ) اغراض میں سے کون سی غرض ہے؟

⑥ اگر کوئی جزو معرفہ بہ صورتِ اسم موصول ہے تو اس کی (چودہ) اغراض میں سے کیا ہے؟

⑦ اگر کوئی جزو معرف باللام ہے تو وہ اجمالی (دو) اور تفصیلی (چھ) قسموں میں سے کیا ہے؟

⑧ اگر کوئی جزو مضاف ہے تو اس کی (نو) اغراض میں سے کیا ہے؟

⑨ اگر کوئی جزو منادی ہے تو اس کی (دو) اغراض میں سے کیا ہے؟

⑩ اگر کسی جزو کو بجائے معرفہ کے نکرہ لایا گیا ہے تو اس کے (تیرہ) مقاصد میں سے کیا ہے؟

⑪ جملے مسند نکیرہ ہے یا معرفہ؟ اگر نکرہ ہے تو اس کی (چار) اغراض، اور معرفہ ہے تو اس کی (تین) اغراض میں سے کیا ہے؟

سوالات تقدیم وتاخیر

① کلامِ مذکور میں مسند الیہ یا مسند کی تقدیم ہوئی ہے؟

② اگر مسند الیہ کی تقدیم ہوئی ہے تو اس کے (تیرہ) دواعی میں سے کون سا داعیہ ہے؟

③ اگر مسند کی تقدیم ہوئی ہے تو اس کے (تیرہ) دواعی میں سے کون سا داعیہ ہے؟

④ اگر فعل اور اس کے معمولات کی ترتیب میں تقدیم وتاخیر ہوئی ہے تو اس کی (نَو) اغراض میں سے کس غرض سے ہوئی ہے؟

سوالات ذکر وحذف

① ذکر وحذف کی تعریفات کیا ہیں؟

② اگر کلامِ مذکور میں ذکر مسند الیہ وذکر مسند میں سے ذکر مسند الیہ ہے تو اُس کے (بارہ) دواعی میں سے کون سا داعیہ ہے؟

③ اگر مسند کو ذکر کیا ہے تو اس کے (آٹھ) دَواعی میں سے کونسا داعیہ ہے؟

④ اگر کوئی جزوِ کلام محذوف ہے تو مسند الیہ، مسند اور مفعول بہ میں سے کون محذوف ہے؟

⑤ اگر مسند الیہ کو حذف کیا ہے تو حذفِ مسند الیہ کے (تیرہ) دواعی میں سے کیا ہے؟

⑥ اگر مسند کو حذف کیا ہے تو اس کے (نو) دواعی میں سے کون سا داعیہ ہے؟

⑦ اگر مفعول بہ کو حذف کیا ہے تو اس کے (دس) دواعی میں سے کیا ہے؟

سوالات اِطلاق وتقیید

① اِطلاق وتقیید کی تعریفات کیا ہیں؟

② اگر کلام میں اطلاق ہے تو کیوں؟

③ اگر کلام میں تقیید ہے تو تقییدِ کلام کی (آٹھ) قیودات میں سے کس کے ذریعے تقیید ہوئی ہے؟

④ اگر ادواتِ شرط کے ذریعے تقیید ہوئی ہے تو ادواتِ شرطیں سے کس کے ذریعے تقیید ہوئی ہے؟ اور غرض کیا ہے؟

⑤ کلام کو ان قیودات سے مقید کرنے کی وجہ مباحث نحویہ کو مدنظر رکھتے ہوئے بتائیں؟

سوالات قصر

① قصر کی تعریف کیا ہے؟ اور اس کے ارکان کتنے ہیں؟

② چار طرُقِ قصر میں سے کون سا طریقہ اختیار کیا گیا ہے؟ نیز مقصور و مقصور علیہ کی تعیین کریں؟

③ کیا چار طرق قصر کے علاوہ کوئی اَور طریقۂ قصر اس آیت میں ہے؟

④ اگر یہ قصر حقیقی ہے تو اس کی دو قسموں اور قصر اضافی ہے تو اس کی تین قسموں میں سے کیا ہے؟

⑤ قصر موصوف علی الصفت اور قصرِ صفت علی الموصوف میں سے کیا ہے؟

⑥ اس جملۂ اسمیہ یا فعلیہ میں تعیین مقصور و مقصور علیہ کا اُصول کیا ہے؟

سوالات وصل وفصل

① وصل وفصل کی تعریفات کیا ہیں؟

② اگر جملے میں عطفِ مفردات ہے تو تقدیم و تاخیر سے کیا اشارہ ملتا ہے؟

③ کلام کے دو جملوں میں اگر وصل ہے تو — سوائے واو کے — اَدوات وصل (حروف عطف) میں سے کون سا حرفِ عاطف ہے؟ اور اس کی غرض کیا ہے؟

④ مذکورہ دو جملوں کے درمیان کمال اتصال، شبہ کمال اتصال، کمال انقطاع، شبہ کمال انقطاع اور توسط بین الکمالین میں سے کیا ہے؟

⑤ اگر دو جملوں کے درمیان فصل ہے تو وجوبِ فصل کی پانچ جگہوں میں سے کیا ہے؟

⑥ اگر وصل بالواو ہے تو وجوبِ وصل کی دو جگہوں میں سے کیا ہے؟

سوالات ایجاز، اطناب ومساوات

① اِیجاز، اِطناب اور مساوات کی تعریفات کیا ہیں؟

② اگر کلام میں ایجاز ہے تو ایجاز کی دو قسموں میں سے کیا ہے؟

③ ایجاز قِصَر ہے تو اس کی کون سی نوع ہے؟

④ دواعیٔ ایجاز میں سے کیا ہے؟

⑤ اگر ایجاز حذف ہے تو حذف کی چار صورتوں میں سے کون سی صورت ہے؟ اور وہ

محذوف کون ہے؟

⑥ اغراضِ حذف میں سے کیا ہے؟

⑦ اخلال کس کو کہتے ہیں؟ کیا اس عبارت میں حذف کی وجہ سے اِخلال تو نہیں آیا؟

⑧ اگر اطناب ہے تو اطناب کی صورتوں میں کون سی صورت ہے؟

⑨ اگر تذییل ہے تو اس کی دو قسموں میں سے کیا ہے؟

⑩ اگر کلام میں اطناب ہے تو (پندرہ) دواعیٔ اطناب میں سے کون سا داعیہ ہے؟

خلافِ مقتضائے حال

① کیا کبھی کلام کو مقتضائے حال کے خلاف بھی لایا جاتا ہے؟

② اگر کلام کو مقتضائے حال کے خلاف لایا گیا ہے تو اس کی پندرہ اغراض میں سے کیا ہے؟

③ اگر التفات ہے تو اس کی چھ صورتوں میں سے کون سی صورت ہے؟

④ تعبیر عن المستقبل بلفظ الماضی ہے تو اس کی تین غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟

⑤ تعبیر عن الماضی بلفظ المستقبل ہے تو اس کی دو غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟

⑥ قلب ہے تو اس کی کون سی صورت ہے؟

⑦ وضع الخبر موضع الانشاء ہے تو اس کی تین غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟

⑧ وضع الانشاء موضع الخبر ہے تو اس کی تین غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟

⑨ تجاہل عارفانہ ہے تو اس کی تین غرضوں میں سے کون سی غرض ہے؟

سوالات علم البیان وتشبیہ

① علمِ بیان کی تعریف، موضوع اور غرض وغایت کیا ہے؟

② اس کلام میں علم بیان کے طرق ثلاثہ (تشبیہ، مجاز اور کنایہ) میں سے کوئی طریقہ اختیار کیا گیا ہے؟

③ اگر تشبیہ ہے تو ارکان تشبیہ: مشبہ، مشبہ بہ، ادات شبہ اور وجہ شبہ میں سے کون کون

مذکور ہیں؟

④ چار مراتب تشبیہ میں سے کون سا مرتبہ ہے؟

⑤ یہ تشبیہ مقبول ہے یا مردود؟

⑥ اقسامِ تشبیہ باعتبارِ ادات: مرسل ومؤکد میں سے کیا ہے؟

⑦ تشبیہ موکد ہے تو ترکیب نحوی کے اعتبار سے مشبہ ومشبہ بہ کس صورت میں ہے؟

⑧ اقسامِ تشبیہ باعتبار ذکرِ وجہ شبہ وعدمِ ذکر: مجمل ومفصل میں سے کیا ہے؟

⑨ کیا یہ تشبیہ، تشبیہِ بلیغ یا تشبیہ ضمنی کے قبیل سے ہے؟

⑩ اقسامِ تشبیہ باعتبار انتزاعِ وجہِ شبہ وعدمِ انتزاع: تمثیل وغیر تمثیل میں سے کیا ہے؟

⑪ اغراض تشبیہ عائد بر مشبہ اور عائد بر مشبہ بہ کی کتنی غرضیں ہیں؟ اور یہاں کون سی غرض ہے؟

سوالات مجاز

① یہ کلام حقیقت پر محمول ہے؟ یا کلام میں مجاز ہے؟

② اس عبارت میں مجاز ہے تو لفظ میں مجاز (مجازِ لغوی) ہے؟ یا نسبت میں مجاز (مجازِ عقلی) ہے؟

③ اگر مجاز لغوی ہے تو وہ مجازِ مفرد میں سے ہے؟ یا مجاز مرکب میں سے ہے؟

سوالات مجازِ لغوی مفرد ومرکب

① مجازِ مفرد ہے تو اس کی دو قسموں میں؛ اور اگر مجاز مرکب ہے تو اس کی دو قسموں میں سے کون سی قسم ہے؟

② اگر مجاز مرسل ہے تو اس کے (اکتیس) علاقوں میں سے کون سا علاقہ ہے؟

③ اگر استعارہ ہے تو اس کے ارکانِ اربعہ (مستعار منہ، مستعار لہ، مستعار اور وجہِ جامع) کو بیان کریں؟

④ استعارہ کی باعتبار احد الطرفین کے ذکر و عدمِ ذکر کی دو قسموں (تصریحیہ، مکنیہ) میں سے کیا ہے؟

⑤ لفظِ مستعار کے اعتبار سے استعارے کی دو قسموں (اصلیہ، تبعیہ) میں سے کیا ہے؟

⑥ ملائمِ مشبہ و مشبہ بہ کے ذکر و عدمِ ذکر کے اعتبار سے استعارہ کی تین قسموں (مرشحہ، مجردہ اور مطلقہ) میں سے کیا ہے؟

⑦ یہ استعارہ استعارۂ تحقیقیہ ہے یا تخییلیہ؟

⑧ کیا یہ جملہ مجازِ مرکب مرسل کے قبیل سے تو نہیں ہے؟ یعنی: انشاء کو خبر کی جگہ یا خبر کو انشاء کی جگہ استعمال کیا گیا ہو؟ یا یہ خبر فائدۃ الخبر و لازمِ فائدۃ الخبر کے علاوہ غرض کے لیے ہو؟

⑨ کیا یہ استعارۂ تمثیلیہ کے قبیل سے تو نہیں ہے؟

سوالات مجازِ عقلی

① اس کلام کی نسبت حقیقتِ عقلیہ کے قبیل سے ہے؟ یا مجازِ عقلیہ کے قبیل سے؟

② اگر مجازِ عقلی ہے تو اس کا ماھولہ اور غیر ماھولہ کی نیز قرینے کی وضاحت کریں؟

③ مجازِ عقلی کے (آٹھ) علاقوں میں سے کون سا علاقہ ہے؟

سوالات کنایہ

① اگر کلام میں کنایہ ہے تو مکنی عنہ کے اعتبار سے کنایہ کی تین قسموں میں سے کیا ہے؟

② اس کنایہ کا فائدہ کیا ہے؟

③ کنایہ کی وسائط کے اعتبار سے چار قسموں میں سے کیا ہے؟

سوالات بدیع

بابِ اوّل: متعلق بہ محسناتِ معنویہ

① مذکورہ آیت میں ضدین کو جمع کیا ہے تو طِباق کی (تین) قسموں میں سے کون سی قسم ہے؟

② اگر دو متناسبین الفاظ کو جمع کیا ہے تو اس کی (چھ) صناعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟

③ اگر ذومعنین لفظ مستعمل ہے تو اس کی (چار) صناعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟
④ اگر اَشیائے متعددہ کو جمع کیا ہے تو اس کی (پندرہ) صناعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟
⑤ طرَفین کے تعلق سے (تین) صناعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟
⑥ اگر صفت بیان کی ہے تو اس کے متعلق (بارہ) صناعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟
⑦ مضمون کی تحسین سے متعلق (دس) صناعتوں میں سے کوئی صنعت استعمال فرمائی ہے؟
⑧ حسنِ کلام سے متعلق (آٹھ) صناعتوں میں سے کون سی صنعت ہے؟
⑨ ذکر کردہ مضمون کی پختگی کے لیے (نَو) صناعتوں میں سے کوئی صنعت استعمال فرمائی ہے؟

باب ثانی: متعلق بہ محسنات لفظیہ

① دو کلموں کے درمیان جِناس تام (تشابہ لفظین) ہے تو اس کی (تین) قسموں میں سے کیا ہے؟
② دو کلموں کے درمیان جِناس ناقص (اختلافِ لفظین) ہے تو اس کی اجمالی (چار) اور تفصیلی (آٹھ) قسموں میں کیا ہے؟
③ کلمے کو حسین بنانے کے لیے (تین) صنعتوں میں سے کوئی ہے؟
④ اِختتامِ فقرہ سے متعلق (پانچ) صنعتوں میں سے کون کون سی صنعتیں ہیں؟
⑤ ابتداو اِنتہائے کلام کے اعتبار سے (گیارہ) صنعتوں میں سے کیا ہے؟

فہرستِ مضامین

مقدمہ			
فصاحت			۱۹
✿	●	سوالات فصاحت وبلاغت	۲۰
✿	●	فصاحت کی لغوی واصطلاحی تعریف	۲۱
✿	فصاحتِ کلمہ، وعیوبِ اربعہ		۲۱
✿	●	تنافرِ حروف، مخالفتِ قیاس لغوی، غرابت، کراہت فی السمع	۲۱
✿	فصاحتِ کلام		۲۳
✿	●	تنافرِ کلمات، ضعفِ تالیف، تعقید لفظی، تعقید معنوی، کثرتِ	...
✿	●	تکرار، تتابع اضافت..................	۲۳
بلاغت			۲۵
✿	●	بلاغت کی لغوی واصطلاحی تعریف	۲۵
✿	●	بلاغتِ کلام، بلاغتِ متکلم؛ حال، مُقتضا، مطابقت	۲۶
علم معانی			
علمِ معانی			۲۹
✿	●	تعریف، موضوع، غرض وغایت	۳۱
✿	●	علم المعانی کے ابواب کی تقسیم	۳۱
اِجرائے بلاغت کا طریقہ			
بابِ اول: خبر وانشاء			۳۳
✿	●	سوالات خبر وانشاء	۳۴

مقدمہ: جملہ خبریہ وانشائیہ

		خبر واقسامِ خبر	۳۵
۞	•	خبرِ صادق، خبرِ کاذب؛ ارکانِ جملہ: محکوم علیہ، محکوم بہ	۳۵
۞		جملہ فعلیہ	۳۷
۞	•	افادۂ حدوث، استمرار تجدُّدی	۳۷
۞		جملہ اسمیہ	۳۷
۞	•	ثبوتِ مسند للمسند الیہ، استمرار	۳۸
۞		خبر کی اغراضِ حقیقیہ	۳۸
۞	•	فائدۃ الخبر، لازم فائدۃ الخبر	۳۹
۞	•	اقسامِ فائدۃ الخبر: خبرِ ابتدائی، خبرِ طلبی، خبرِ انکاری	۳۹
۞		خبر کی اغراض مجازیہ	۴۰
۞	•	حَثُّ الهِمَم، اِسْتِرْحَام، إظْهَار الضُّعْف، إظهَارُ التَّحَسُّر،	۴۰
۞		إظْهَار الفَرْح بمُقْبِل، إظهَار الشَّمَاتَة بمُدْبِر، إظْهَار	***
۞		السُّرُوْر، التَوْبِيْخ، إظْهَار الفَخْر، التَّحْرِيْض، تَسْلِيَة...	۴۳
		انشاء	۴۴
۞	•	سوالات مشتمل بر اقسامِ انشائے طلبی	۴۴
۞	•	انشائے طلبی، انشائے غیر طلبی	۴۵

اقسامِ انشائے طلبی

۞		فصل اوّل: بیانِ امر	۴۵
۞	•	امر کی تعریف، صیغہائے امر	۴۵
۞	•	امر کے معانی مجازیہ	۴۷
۞	•	الدُّعَاء، الالِتِمَاس، التَمَنِّي، التَهْدِيْد، الزَّجْر والتَوْبِيْخ،	***

۞		التَّعْجِيز، التَّسْوِيَة، التَّحْقِيْر والإهَانَة، الإبَاحَة، التَّخْيِيْر	***
۞		الامْتِنَان، الدَّوَام، النُّصْح والإرْشَاد، الإثَارَة، الحَثُّ عَلَى	***
۞		الاتِّصَاف، تَصْوِيْر الحَال، الإكْـرَام..........	۵۲
۞	فصل ثانی: بیانِ نہی		۵۲
۞	●	نہی کے معانی مجازیہ	۵۲
۞		التَّحْقِيْر والاِهَانَةُ، التَّفْظِيْع والتَّهْوِيْل، الدُّعَاء،	***
۞		الالْتِمَاس، التَّمَنِّي، التَّهْدِيْد، التَّوْبِيْخ، النُّصْحُ	***
۞		والاِرْشَاد،التَّيْئِيْس، بَيَان العَاقِبَة،الاِئْتِنَاس، الدَّوَام. .	۵۶
۞	فصل ثالث: بیانِ استفہام		۵۶
۞	●	استفہام کی صورتیں: طلبِ تصوُّر، طلبِ تصدیق	۵۷
۞	●	ادَوات استفہام: همزة الإستفهام، هلْ، مَا، مَنْ، مَتَى،	***
۞		أَيَّانَ، كَيْفَ، أَيْنَ، أَنَّى، كَمْ، أَيُّ.............	۵۹
۞	●	اقسامِ ھل: ھل بسیطہ، ھل مرکبہ؛ ہمزہ وھل میں فرق	۵۹
۞	●	بقیہ ادَوات استفہام (حاشیہ)	۶۰
۞	●	استفہام کے معانی مجازیہ	۶۲
۞	●	التَّسْوِيَة، النَّفْي، الإنْكَار، (إنْكَارِيٌّ تَوْبِيْخِيّ،	***
۞		إنْكَارِيّ تَكْذِيْبِي)، الأمْرُ، النَّهْي، التَّشْوِيْق،	***
۞	*	التَّعْظِيْم، التَّحْقِيْر والاسْتِخْفَاف، التَّوْبِيْخ،	***
۞		التَّعَجُّـب، التَّقْرِيْر: (طَلَبُ الإقْرَار، التَّحْقِيْق	***
۞		والاِثْبَات)، التَّهَكُّم، الاسْتِبْطَاء، الاسْتِبْعَاد	***
۞		والتَّعَجُّب، التَّنْبِيْه عَلَى الخَطَأ، التَّنْبِيْه عَلَى الضَّلال،	***
۞		التَّهْوِيْل، التَّمَنِّي، الوَعِيْد والتَّهْدِيْد، التَّحَسُّر،	***

۞		العِتَاب، التَّذْكِيْر، الافتِخَار، التَّرْغِيْب........	۶۹
۞	فصل رابع وخامس: بیانِ تمنی وترجی		۷۰
۞	●	تمنی کی تعریف، اَدَواتِ تمنی، لیت سے عدول کی حکمت	۷۰
۞	●	ترجی کی تعریف، اداتِ ترجی	۷۳
۞	فصل سادس: بیان ندا		۷۴
۞	●	نداء کی تعریف، نداء کا مقصد، اَدَواتِ نِدا	۷۴
۞	●	نداء کی اغراضِ مجازیہ	۷۷
۞	●	الإغْرَاء، التَّأْنِيْس والملاطَفَة، التَّحْرِيْض، التَّنْبِيْه،	***
۞		الزَّجْر، التَّرَحُّم والتَّرْقِيْق، التَّأَسُّف، الاسْتِغَاثَة،	***
۞		النُّدْبَة، التَّعَجُّب، التَّحَسُّر والتَّحَزُّن، التَّحَيُّر	***
۞		والتَّضَجُّر، التَّوَجُّع، التَّذَكُّر..........	۸۰
۞	انشائے غیر طلبی		۸۱
۞	●	سوالاتِ انشائے غیر طلبی	۸۱
۞	●	انشائے طلبی کی اقسام سبعہ	۸۲
۞	●	تَعَجُّب، قَسَم، صِيَغ العُقُوْد، أفْعَال الرَّجَا، أفْعَال	***
۞		المدْح والذَّمّ، رُبَّ، كَمْ الخَبَرِيّة.............	۸۴
۞	●	خبر کو انشاء کی جگہ لانا	۸۴
۞	●	التفَاؤل، الاحْتِرَازُ عَنْ صُوْرَة الأمْرِ، الحَثُّ عَلَى الامْتِثَال	۸۴
۞	●	انشاء کو خبر کی جگہ لانا	۸۵
۞	●	الاهْتِمَام بِالشَّيْء، الرَّضَا بِالوَاقِع كَأنَّه مَطْلُوْب،	***
۞		اِمْتِنَان، الاحْتِرَاز عَنْ مُسَاوَاة اللاَّحِق بِالسَّابِق....	۸۶

		بابِ ثانی: تعریف وتنکیر	۸۷
۞	•	سوالات تعریف وتنکیر	۸۸
۞	•	تعریف وتنکیر، معرفہ اوراس کے اقسام سبعہ	۸۹
۞		فصل اوّل: ضمیر	۸۹
۞	•	ضمیرلانے کے اسباب	۸۹
۞	•	تَعْيِيْن المسْنَد إلَيْه، كَوْن المقَام للتَّكَلُّم: للإيْنَاس	***
۞		والطُّمَانِيْنَة؛ كَوْنُ المقَام للخِطَاب، كَوْنُ المقَام	***
۞		للغَيْبُوْبَة مَعَ الاخْتِصَار لتَقْدِيْم ذِكْرِه.	۹۱
۞		فصل ثانی: علم	۹۲
۞	•	علَم ذکر کرنے کے دواعی	۹۳
۞	•	إحْضَار المعْنىٰ فِي ذِهْن السَّامِع بِاسْمِه الخَاصِّ،	***
۞		التَّعْظِيْم، الإهَانَة والتَّحْقِيْر، الاسْتِلْذَاذ، لبَيَان	***
۞		الاخْتِصَاص.	۹۴
۞		فصل ثالث: اسم اشارہ	۹۴
۞	•	اسم اشارہ لانے کے دواعی	۹۵
۞	•	تَعَيَّن طَرِيْقا لإحْضَار مَعْنَاه، لمعْنىً تُسْتَفَاد بالقَرِيْنَة	***
۞		كَالقُرْب، لبُعْدِ المرْتَبَة، للتَّعْظِيْم، للتَّحْقِيْر، لِكَمَال	***
۞		العِنَايَة بِهِ، لإظْهَار الاسْتِغْرَاب، التَّعْرِيْض بغَبَاوَة	***
۞		السَّامِع، تَمْيِيْز المسْنَد إلَيْه أكْمَل تَمْيِيْز، تَجْسِيْد	***
۞		المعْنَوِيَّات فِي صُوْرَة مَحْسُوْسَة، تَلْخِيْص الكَلام. . . .	۹۹
۞		فصل رابع: اسم موصول	۹۹

۞	●	اسمِ موصول لانے کے دواعی	۹۹
۞	●	تَعَيُّن طَرِيْقٍ لإحْضَار مَعْنَاه، عَدَم العِلْمِ عَنْ أمْرِهِ	***
۞		سِوَى الصِّلَة، التَّفْخِيْم، التَّهْوِيْل، قَصْدُ الهِدَايَة،	***
۞		التَّوْبِيْخ، إخْفَاء الأمْرِ عَن غَيْرِ المخَاطَب، التَّنْبِيْه	***
۞		عَلَى الخَطَأ، التَّهَكُّم، الكَرَاهِيَّة، زِيَادَة التَّقْرِيْر	***
۞		والإيْضَاح، التَّعْلِيْل (الإيْمَاء إلىٰ وَجْه الخَبَر)،	***
۞		إرَادَة العُمُوْم، الاخْتِصَار..............	۱۰۴
۞		فصل خامس: معرف باللام	۱۰۴
۞	●	عہدِ خارجی: صریحی، کنائی، علمی؛ لامِ حقیقی: جنسی، استغراقی،	***
۞		عہدِ ذہنی..................................	۱۰۷
۞		فصل سادس: معرفہ بہ اضافت	۱۰۷
۞	●	اضافت کی اغراض	۱۰۸
۞	●	الإيْجَاز والاخْتِصَار، لتَعْظِيْم المضَافِ، لتَعْظِيْم	***
۞		المضَاف إلَيْه، لتَحْقِيْر المضَافِ، لتَحْقِيْر المضَافِ	***
۞		إلَيْه، لِتعَذُّر التَّعَدُّد، لتَعَسُّر التَّعَدُّد، للخُرُوْج مِن	***
۞		تَبِعَة تَقْدِيْم البَعْض عَلَى البَعْض، للاخْتِصَار	***
۞		لضِيْقِ المقَامِ، للاسْتِعْطَاف وَالحَثِّ عَلَى الشَّفَقَة،	***
۞		لقَصْد العُمُوْم..............	۱۱۰
۞		فصل سابع: معرفہ بہ نداء	۱۱۰
۞	●	معرفہ بہ نداء کی اغراض	۱۱۰
۞	●	لَمْ يُعْرَفْ للمُخَاطَب عُنْوَان خَاصٌّ، الإشَارَة إلَى	***

۞		العِدَّة..........................	۱۱۱
تنکیر			۱۱۱
۞	فصل اول: تنکیر مسند الیہ		۱۱۱
۞	•	تنکیر مسند الیہ کی اغراض	۱۱۱
۞	•	تَنْكِير المسْنَد إلَيْه، قَصْد الإفْرَاد، قَصْدُ النَّوْعِيَّة،	***
۞		قَصْد الجِنْس، التَّقْلِيْل، التَّكْثِيْر، التَّعْظِيْم، التَّحْقِيْر،	***
۞		التَّهْوِيْل والتَّخْوِيْف، العُمُوْم بَعْد النَّفْي، إخْفَاء	***
۞		الأمْرِ، انْتِفَاء الحَصْر، تَجَاهُل العَـ ـارِف.......	۱۱۵
۞	فصل ثانی: تنکیر وتعریف مسند		۱۱۵
۞	•	تنکیر مسند کی اغراض	۱۱۵
۞	•	الإصَالَة،اِنْتِفَاء الحَصْر والعَهْد، تَفْخِيْمُ المسْنَد....	۱۱۵
۞	•	تعریفِ مسند اور اس کی اغراض	۱۱۵
۞	•	إرَادَةُ العَهْد، إفَادَةُ القَصْر، إفَادَةُ اللَّطَائِف، تَعْظِيْم	***
۞		المسْنَدِ إلَيْه........................	۱۱۷
بابِ ثالث: تقدیم وتاخیر			۱۱۹
۞	•	سوالاتِ تقدیم وتاخیر	۱۲۰
۞	فصل اول: تقدیم مسند الیہ		۱۲۱
۞	•	دواعیٔ تقدیم مسند الیہ	۱۲۱
۞	•	للأهَمِّيَّة، لاتِّبَاع القَوَاعِد، التَّشْوِيْق إلَى المتَأخِّر،	***
۞		تَعْجِيْل المَسَرَّة، تَعْجِيْل المسَاءَة، مُرَاعَاة التَّرْتِيْب	***
۞		الوُجُوْدِيّ، النَّصّ عَلى عُمُوْم السَّلْب، النَّصّ عَلى	***

۞		سَلْب العُمُوْم، التَّخْصِيْص، تَقْوِيَة الحُكْم بِتَكْرَار	***
۞		الاسْنَاد، تَاكِيْد الحَكْم بِغَيْر الاخْتِصَاص،	***
۞		الاسْتِلْذَاذ، التَّبَرُّك................	۱۲۶
۞	فصل ثانی: تقدیم مسند		۱۲۶
۞	•	دواعی تقدیم مسند	۱۲۶
۞	•	كَوْنُه عَامِلا، اِتِّبَاعُ القَوَاعِد، التَّخْصِيْص، التَّشْوِيْق	***
۞		إلى المتَأَخِّر، التَّقْدِيْم لِغَرَض، المحَافَظَة عَلى وَزْن،	***
۞		المحَافَظَة عَلى سَجْع، للتَّبَرُّك، للتَّفَاؤل، كَوْن المقَدَّم	***
۞		مَحَطّ السُّوَال، كَوْن المقَدَّم مَحَطّ التَّعَجُّب، كَوْن	***
۞		المقَدَّم مَحَطّ الانْكَار، سُلُوْك سَبِيْل التَّرَقِّي.....	۱۲۹
۞	فصل ثالث: تقدیم معمولات فعل		۱۲۹
۞	•	معمولات فعل کی تقدیم وتاخیر کے دواعی	۱۳۰
۞	•	التَّاكِيْد وتَقْرِيْر الحُكْم، الأَهَمِّيَّة، إرَادَة التَّخْصِيْص،	***
۞		الرَّدُّ إلَى الصَّوَاب، لأمْرٍ مَعْنَوِيٍّ، لسَجْع وَوَزْن	***
۞		شِعْر، لإصَالَة التَّقَدُّم، الإخْلالُ فِي التَّأخِيْر بِبَيَان	***
۞		المعْنى، الإخْلالُ فِي التَّأخِيْر بِقَوَاعِد اللُّغَة.....	۱۳۲
باب رابع: ذکر وحذف			۱۳۳
۞	•	سوالات ذکر وحذف	۱۳۴
۞	فصل اول: ذکر مسندالیہ		۱۳۵
۞	•	دواعی ذکر مسندالیہ	۱۳۵
۞	•	عَدمُ وُجُوْدِ مَايَدُلُّ عَلَيْه، زَيَادَة التَّقْرِيْر	***

۞		والإيْضَاح، التَّسْجِيْل عَلَى السَّامِع، التَّعْرِيْض	***
۞		بِغَبَاوَة السَّامِع، قِلَّة الثِّقَة بالقَرِيْنَة لضُعْفِها أوْ	***
۞		لضُعْف فَهْمِ السَّامِع، التَّعَجُّب، التَّبرُّك،	***
۞		الاسْتِلْذَاذ، الرَّغْبَة فِيْ اِطَالَة الكَلام، التَّعْظِيْم،	***
۞		التَّحْقِيْر، لإفَادَة الهيْبَة.............	۱۳۹
۞	فصل ثانی: ذکر مسند		۱۳۹
۞	●	دواعیٔ ذکر مسند	۱۳۹
۞	●	تَعْيِيْن كَوْنِه فِعْلا، تَعْيِيْن كَوْنِه اِسْمًا، عَدَمُ وُجُوْد	***
۞		مَا يَدُلُّ عَلَيْه، ضُعْف تَنَبُّه السَّامِع، التَّعْرِيْض	***
۞		بِغَبَاوَة السَّامِع، زِيَادَة التَّقْرِيْر والإيْضَاح،	***
۞		الحُدُوْث، الثُّبُوْت والدَّوَام.	۱۴۲
	حذف		۱۴۳
۞	فصل ثالث: حذف		۱۴۳
۞	●	حذف، حذف کے فوائد، حذف کی صورِ اربعہ	۱۴۳
۞	فصل رابع: حذف مسندالیہ		۱۴۵
۞	●	دواعیٔ حذف مسندالیہ	۱۴۵
۞	●	إخْفَاء الأمْرِ عَن غَيْر المخَاطبِ، تَأَتِّي الإنْكَار	***
۞		عِنْد الحَاجَة، التَّنْبِيْه عَلَى تَعْيِيْن المحْذُوْف،	***
۞		اخْتِبَار تَنَبُّه السَّامِع أوْ مِقْدَار التَّنَبُّه، لضِيْقِ	***
۞		المقَام، التَّعْظِيْم، التَّحْقِيْر، المحَافَظَة عَلَى وَزْنِ	***

۞		وَقَافِيَة، اِتِّبَاع القَوَاعِد، كَوْنُ المسْنَد لايَلِيْق إلاَّ بِه،	***
۞		إسْنَاد الفِعْل إلَى النَّائِب، دَلالَةُ القَرَائِن، ظُهُوْر	***
۞		المسْنَد إليْه	۱۵۰
۞	فصل خامس: حذف مسند		۱۵۰
۞	●	دواعیٔ حذف مسند	۱۵۰
۞	●	اِتِّبَاع القَوَاعِد، دَلالَةُ قَرِيْنَةٍ عَلى تَعْيِين المسْنَد،	***
۞		تَعْظِيْم المسْنَد إلَيْه، تَحْقِيْر المسْنَد، الاحْتِرَاز عَن	***
۞		العَبَث، بِنَاء الجُمْلَة عَلى كَلِمَة، مُحْتَمَل الوَجْهَيْن،	***
۞		المحَافَظَة عَلىٰ وَزْن، فَوَاتُ الفُرْصَـــة.......	۱۵۲
۞	فصل سادس: حذف مفعول بہ		۱۵۳
۞	●	دواعیٔ حذف مفعول بہ	۱۵۳
۞	●	المحَافَظَة عَلى سَجْع، المحَافَظَة عَلى وَزْن، تَعْمِيْمٌ	***
۞		مَعَ الاخْتِصَار، الأَدَب، لاسْتِهْجَان الذِّكْر، تَنْزِيْل	***
۞		الفِعْل المتَعَدِّي مَنْزِلَة اللاَّزِم، طَلَبُ الاخْتِصَار،	***
۞		الإيْضَاح بَعْدَ الإبْهَام، لتَقَدّم ذِكْرِه، لوُضُوْح	***
۞		المفْعُوْل بـــــه.......................	۱۵۶
باب خامس: اطلاق تقیید			۱۵۷
۞	●	سوالاتِ اطلاق وتقیید	۱۵۸
۞	●	اطلاق اوراس کی اغراض	۱۵۹
۞	●	للإخْفَاء، لِعَدَم عِلْمِه، لِيَذْهبَ السَّامِعُ كُلَّ مَذْهَب	۱۵۹

		تقیید	۱۵۹
۞		اغراضِ تقیید	۱۵۹
۞	•	فَوْتُ الفَائِدَة المقْصُوْدَة عِنْد عَدَم ذِكْرِه، كَوْنُ	***
۞		الكَلامِ كَاذِبا عِنْدَ عَدَمِ ذِكْرِه..................	۱۶۰
۞		قیودات	۱۶۰
۞	•	أدَوَات الشَّرْط، أدَوَاتُ النَّفْي، نَوَاسِخ الجُمْلَة،	***
۞		المفَاعِيْل الخَمْسَة، الحَالُ، التَّمْيِيْز، المسْتَثْنىٰ؛ التَّوَابع	۱۷۰
		بابِ سادس: بیان قصر	۱۷۱
۞	•	سوالاتِ قصر	۱۷۲
۞		فصل اول: قصر	۱۷۳
۞	•	ارکانِ قصر: مقصور، مقصور علیہ؛ طریق قصر؛ طرُق اربعہ	۱۷۳
۞	•	النَّفْيُ والاسْتِثْنَاء، إنَّمَا، العَطْف بِلاَ وَبَلْ وَلٰكِنْ،	***
۞		تَقْدِيْم مَا حَقُّه التَّأخِيْر..................	۱۷۶
۞	•	مزید طرق قصر، تعیین مقصور مقصور علیہ	۱۷۷
۞		فصل ثانی: اقسامِ قصر	۱۷۹
۞	•	قصرِ حقیقی: قصرِ حقیقی تحقیقی، قصرِ حقیقی ادّعائی	۱۷۹
۞	•	قصر اضافی: قصر افراد، قصر تعیین، قصر قلب	۱۸۰
۞	•	قصر موصوف بر صفت، قصر صفت بر موصوف	۱۸۲
۞	•	تعیین قصر موصوف وصفت	۱۸۴
۞	•	قصر دراجزائے جملہ اسمیہ، قصر دراجزائے جملہ فعلیہ	۱۸۴

بابِ سابع: بیان وصل وفصل	۱۸۶
● سوالات وصل وفصل	۱۸۹
● تعریفات وصل وفصل، محسناتِ وصل فصل، وصل وفصل کی	۱۸۸
● اجمالی صورِ خمسہ، اصطلاحات وصل وفصل............	***
● كَمَالُ الاتِّصَال، شِبْهُ كَمَالِ الاتِّصَال، كَمَالِ	***
الانْقِطَاع، شِبْهُ كَمَالِ الانْقِطَاع، تَوَسُّطٌ بَيْنَ	***
الكَمَالَيْن..........................	۱۹۴
● مواضع فصل، مواضع وصل	۱۹۴
بابِ ثامن: ایجاز، اطناب، مساوات	۱۹۹
● سوالات ایجاز، اطناب ومساوات	۲۰۰
فصل اوّل: ایجاز	۲۰۲
● اخلال (حاشیہ)	۲۰۲
● ایجاز کی دو صورتیں: ایجازِ قصر، ایجاز حذف	۲۰۳
● ایجازِ قصر کی انواع	۲۰۴
● كَوْنُ الحَصْرِ فِي الكَلَامِ، بَابُ العَطْف، بَابُ النَّائِبِ	***
عَنِ الفَاعِلِ، بَابُ الضَّمِيْر، كَلِمَاتُ التَّثْنِيَةِ وَالجَمْعِ،	***
أَدَوَاتُ الشَّرْط وَالاسْتِفْهَام، الأَدَوَاتُ الَّتِيْ تَدُلُّ	***
عَلَى العُمُوْم، بَابُ التَّنَازُع، وحَذْفُ المفْعُوْل . . .	۲۰۵
● دواعیٔ ایجاز	۲۰۵
● تَسْهِيْل الحِفْظ، تَقْرِيْب الفَهْم، ضِيْق المقَام، دَفْع	***

۞		السَّآمَة، الإخْفَاء	۲۰۵
۞	•	ایجازِ حذف اور اس کے فوائد اربعہ، ایجازِ حذف کی چار صورتیں	۲۰۵
۞	•	حَذْفُ حَرْفٍ، حَذْفُ كَلِمَة، حَذْفُ جُمْلَة، حَذْفُ	***
۞		الأكْثَرِ مِن جُمْلَة	۲۰۷
۞	•	حذف کلمہ کی مختلف صورتیں اور حذف کی اغراض	۲۰۷
۞	فصل ثانی: اِطناب ومساوات		۲۰۹
۞	•	اِطناب، اطناب کی مختلف صورتیں	۲۰۹
۞	•	ذِكْرُ الخَاص بَعْد العَامّ، ذِكْر العَامّ بَعْدَ الخَاصّ،	***
۞		الإيْضَاح بَعْدَ الإبْهَام، التَّكْرِيْر لِغَرَض، -كَالتَّقْرِيْر،	***
۞		وَالتَّذْكِيْر وَالتَّاكِيْد، وَالتَّعْظِيْم والتَّهْوِيْل، وَالحَثّ	***
۞		عَلَى التَّدَبُّر وَالتَّذَكُّر، وَإِظْهَارِ الضُّعْف؛- الزِّيَادَة	***
۞		وَالتَّقْرِيْر، تَكْثِيْر الجُمَل، التَّوْكِيْد، النَّعْتُ، طُوْل	***
۞		الفَصْل، الاعْتِرَاض، الاحْتِرَاس وَالتَّكْمِيْل، الإيْغَال،	***
۞		التَّتْمِيْم، التَّوْشِيْع، التَّذْيِيْل	۲۱۶
۞	•	اطناب کی مزید انواع	۲۱۶
۞	•	اطناب کے چار دواعی	۲۱۷
۞	•	تَثْبِيْتُ المعْنَى، تَوْضِيْح المرَاد، التَوْكِيْد، دَفْعُ الإيْهَام	۲۱۷
۞	•	مُساوات	۲۱۷
		تتمہ علم معانی	
۞	•	کلام خلافِ مقتضائے حال کے سوالات	۲۱۹
۞	•	کلام خلافِ مقتضائے ظاہر کی پندرہ انواع	۲۲۰

علم بیان

۞	•	علمِ بیان کی تعریف، موضوع، غرض وغایت	۲۳۰
		بابِ اوّل: تشبیہ	۲۳۱
۞	•	سوالاتِ تشبیہ	۲۳۲
۞		فصل اوّل: ارکان واقسامِ تشبیہ	۲۳۳
۞	•	تشبیہ، ارکانِ تشبیہ: مشبہ، مشبہ بہ، وجہِ شبہ، اداتِ تشبیہ	۲۳۳
۞	•	تشبیہ کے مراتب اربعہ	۲۳۴
۞		فصل ثانی: تقسیماتِ تشبیہ	۲۳۵
۞	•	طرفین محسوس، طرفین معقول، مشبہ معقول مشبہ بہ محسوس،	***
۞	•	مشبہ محسوس مشبہ بہ معقول (حاشیہ)..........	۲۳۵
۞	•	① مقبول، مردود......................	۲۳۶
۞	•	② مرسل، مؤکد........................	۲۳۷
۞	•	③ مفصل، مجمل؛ تشبیہ بلیغ، تشبیہ ضمنی.........	۲۳۸
۞	•	④ تشبیہ تمثیل، تشبیہ غیر تمثیل................	۲۴۰
۞	•	وجہ شبہ کی حقیقت اور اس کی صور خمسہ۔	۲۴۲
۞	•	اقسامِ تشبیہ بہ اعتبار افراد وترکیب (حاشیہ).........	۲۴۲
۞		فصل ثالث: اغراضِ تشبیہ	۲۴۴
۞	•	اغراض تشبیہ عائد بر مشبہ: بیانِ امکان وجودِ مشبہ، بیانِ	***
۞	•	حالِ مشبہ، مقدارِ حالِ مشبہ، تقریر حالِ مشبہ، تحسینِ مشبہ،	***
۞		تقبیح مشبہ........................	۲۴۷
۞	•	اغراض تشبیہ عائد بر مشبہ بہ: بیانِ ایہام، بیانِ اہتمام؛	۲۴۷

۞	•	تشبیہ مقلوب..................	۲۴۷
باب ثانی: مجاز واستعارہ			۲۴۹
۞	•	سوالات حقیقت، مجاز، استعارہ	۲۵۰
۞	فصل اوّل: مجازِ لغوی مفرد ومرکب		۲۵۱
۞	•	تعریفاتِ حقیقت ومجاز، علاقہ وقرینہ	۲۵۱
۞	فصل ثانی: تقسیماتِ مجاز		۲۵۲
۞	•	مجازِ لغوی، مجازِ عقلی	***
۞	•	مجازِ لغوی: مجازِ مفرد، مجازِ مرکب	***
۞	•	مجازِ مفرد: مجازِ مرسل، استعارہ	***
۞	•	مجازِ مرکب استعارۂ تمثیلیہ، مجازِ مرسل مرکب	۲۵۲
۞	فصل ثالث: مجازِ مرسل اور اس کے علاقے		۲۵۲
۞	•	① السَّبَبِيَّة، المسَبَّبِيَّة، الجُزْئِيَّة، الكُلِّيَّةُ، المَحَلِّيَّة،	***
۞		الحَالِّيَّة، اعْتِبَارُ مَاكَانَ، اعْتِبَار مَـ ايَكُوْن.....	۲۵۵
۞	•	② إطْلَاقُ المطْلَقِ وَإرَادَة المقَيَّد، إطْلَاقُ المقَيَّد	***
۞		وَإرَادَة المطْلَق، إطْلَاقُ الخَاصّ وَإرَادَة العَامّ،	***
۞		إطْلَاقُ العَامّ وإرَادَة الخَاصّ، حَذْف المضَاف،	***
۞		حَذْف المَوْصُوْف، إطْلَاقُ الشَّيْءِ وَإرَادَة	***
۞		المُتَعَلّق، إطْلَاقُ آلَةِ الشَّيْءِ عَلَى الشَّيْءِ،	***
۞		إطْلَاقُ أحَد البَدَلَيْن عَلَى الآخَر، إطْلَاقُ	***
۞		النَّكِرَة وإرَادَة العُمُوْم، إطْلَاقُ أحَدِ الضِّدَّيْن	***
۞		عَلَى الآخَر، إطْلَاقُ المعَرَّف بِاللَّامِ عَلَى	***

۞		التَّكِرَة، حَذْفُ الحَرْف وَالكَلِمَة، زِيَادَة الحَرْف	***
۞		وَالكَلِمَة	۲۵۷
۞	•	③ إِطْلاقُ الصِّيْغَة عَلَى الأُخْرٰى: إِطْلاقُ المَصْدَر	۲۵۷
۞		عَلَى اسْمِ المَفْعُوْل، إِطْلاقُ اسْمِ الفَاعِل عَلَى	***
۞		المَصْدَر، إِطْلاقُ اسْمِ الفَاعِل عَلَى اسْمِ المَفْعُوْل،	***
۞		إِطْلاقُ اسْمِ المَفْعُوْل عَلَى اسْمِ الفَاعِل؛ إِطْلاقُ	***
۞		المُفْرَد عَلَى التَّثْنِيَة، إِطْلاقُ التَّثْنِيَه عَلَى المُفْرَد،	***
۞		إِطْلاقُ الجَمْع عَلَى المُفْرَد، إِطْلاقُ الجَمْع عَلَى	***
۞		التَّثْنِيَة.	۲۵۹
۞	ضمیمہ:		۲۵۹
۞	•	فوائد مجازِ مرسل	۲۵۹
۞	فصلِ رابع: استعارہ		۲۶۰
۞	•	ارکانِ استعارہ واقسامِ استعارہ	۲۶۱
۞	•	ارکانِ استعارہ: مستعارلہ، مستعارمنہ، لفظِ مستعار، وجہِ جامع	۲۶۱
۞	•	طریقۂ اجراء	۲۶۱
۞	•	استعارہ اور تشبیہ بلیغ میں فرق	۲۶۲
۞	فصلِ خامس: اقسامِ استعارہ		۲۶۲
۞	•	① اقسامِ استعارہ، بہ اعتبارِ ذکرِ مستعار منہ: تصریحیہ، مکنیہ	۲۶۲
۞	•	② اقسامِ استعارہ، بہ اعتبارِ لفظِ مستعار: استعارہ اصلیہ،	***
۞	•	استعارہ تبعیہ	۲۶۳
۞	•	③ اقسامِ استعارہ، بہ اعتبارِ ذکرِ ملائم: مرشحہ، مجردہ، مطلقہ	۲۶۵

۞	•	④ اقسامِ استعارہ، بہ لحاظِ ارمستعارلہ حسی وعقلی:	***
۞	•	استعارۂ تحقیقیہ، استعارۂ تخییلیہ..............	۲۶۷
۞	فصل سادس :مجازِ مرکب		۲۶۸
۞	•	تعریفِ مجازِ مرکب، مجازِ مرسل مرکب، استعارہ تمثیلیہ	۲۶۸
۞	فصل سابع: مجازِ عقلی		۲۷۳
۞	•	اسناد کی دو قسمیں: حقیقتِ عقلیہ، مجازِ عقلیہ؛ قرینہ	۲۷۳
۞	•	مجازِ عقلی کے علاقے	۲۷۴
۞	•	المُلابَسَةُ بَيْن الفِعْل وَمَفْعُوْلِه، المُلابَسَةُ بَيْنَ	***
۞		الفِعْلِ وَفَاعِلِه، المُلابَسَةُ بَيْن الفِعْلِ وَمَصْدَرِه،	***
۞		الزَّمَانِيَّةُ، المَكَانِيَّةُ، السَّبَبِيَّةُ، إسْنَادُ الفِعْل إلَى	***
۞		الجِنْسِ، إسْنَاد الفِعْلِ إلَى مَا هُوَ لَهُ مَزِيْد اخْتِصَاص	***
۞		بِالفَاعِلِ الحَقِيْقِيّ..............	۲۷۸
۞	•	اسنادِ حقیقی سے مراد (حاشیہ)	۲۷۵
بابِ ثالث: کنایہ			۲۷۹
۞	•	سوالاتِ کنایہ	۲۸۰
۞	فصل اوّل: تعریفِ کنایہ		۲۸۱
۞	•	کنایہ ومجاز میں فرق	۲۸۲
۞	فصل ثانی: اقسامِ کنایہ		۲۸۳
۞	•	اقسامِ کنایہ بہ اعتبارِ مطلوب	۲۸۳
۞	•	کنایہ عن صفت، کنایہ موصوف، کنایہ عن نسبت	۲۸۳
۞	•	اسلوبِ کنایہ کے فوائد اربعہ	۲۸۵

۞	•	اقسام کنایہ باعتبار وسائط	۲۸۶
۞	•	تلویح، رمز، إیماء واشارہ، تعریض	۲۸۶

بدیع القرآن

۞	•	سوالات بدیع	۲۹۰
باب اول: محسنات معنویہ			۲۹۲
متعلق بہ اجزائے کلام			
۞	فصل اوّل: جمع ضدین		۲۹۳
۞	•	الطِّبَاقُ الجَلِيُّ	۲۹۳
۞	•	باعتبارِ کلمہ طباق کی صورِ اربعہ	۲۹۳
۞	•	اقسام طباق باعتبارِ نسبت	***
۞	•	الطِّبَاقُ الإِيجَابِيُّ، الطِّبَاقُ السَّلْبِيُّ..........	۲۹۵
۞	•	طباق کی مزید صورتیں	***
۞	•	طِبَاقُ الخَفِيِّ، طِبَاقُ التَّدْبِيْج، طِبَاقُ المُقَابَلَة.....	۲۹۶
۞	فصل ثانی: درجمع متناسبین		۲۹۸
۞	•	مُراعَاة النَّظِيْر، إِيْهَام التَّنَاسُب، تَشَابُه الأَطْرَاف	***
۞		مَعْنىً، تَشَابُه الأَطْرَاف لَفْظاً، الإِرْصَاد والتَّسْهِيْم،	***
۞		المشَاكَلَة................................	۳۰۰
۞	فصل ثالث: لفظ ذو معنیین		۳۰۱
۞	•	التَّوْرِيَة، التَّوْرِية المجَرَّدَة، التَّوْرِية المرَشَّحَة،	***
۞		الاسْتِخْدَام، التَّرْدِيْد، التَّوْجِيْه..............	۳۰۴

۞	فصل رابع: اشیائے متعددہ		۳۰۵
۞	•	الجَمْع، التَّفْرِيْق، التَّقْسِيْم، الجَمْعُ مَعَ التَّفْرِيْق،	***
۞		الجَمْع مَعَ التَّقْسِيْم، الجَمْعُ مَعَ التَّفْرِيْق والتَّقْسِيْم،	***
۞		الجَمْعُ المُؤتَلِف والمُخْتَلِف..............	۳۰۹
۞		التَّقْسِيْم بِلَفٍّ ونَشْرٍ: لَفٌّ ونَشْرٌ مَفَصَّلٌ مَرَتَّب،	۳۰۹
۞		لَفٌّ ونَشْرٌ مَفَصَّلٌ غَيْرُ مُرَتَّب..............	۳۱۰
۞		التَّرْتِيْب، التَّدَلِّي مِنَ الأعْلٰى إلَى الأدْنٰى، التَّرَقِّي مِنَ	۳۱۱
۞		الأدْنٰى إلَى الأعْلٰى، التَّعْدِيْد، الاِطِّرَاد..........	۳۱۲
۞	فصل خامس: تقدیم وتاخیر		۳۱۳
۞	•	العَكْس والتَّبْدِيْل، مالا يَسْتَحِيلُ بِالاِنْعِكَاس،	***
۞		التَّصْدِيْر..........................	۳۱۵
۞	فصل سادس: اثبات صفت		۳۱۶
۞	•	المبَالَغَة، التَّبْلِيْغ، الإغْرَاق، الغُلُوّ، التَّفْوِيْف،	***
۞		التَّجْرِيْد، الإيْهَام والتَّوْجِيْه، الاسْتِتْبَاع، الإدْمَاج،	***
۞		تَاكِيْد المدْحِ بِمَا يَشْبَه الذَّمَّ، تَاكِيْدُ الذَّمِّ بِمَا يَشْبَه	***
۞		المدْح، الهَزْلُ يُرَادُ بِهِ الجِدُّ................	۳۲۲
۞	فصل سابع: متعلق بہ حسن کلام		۳۲۳
۞	•	الفَرَائِد، النَّزَاهَة، الاقْتِدَار، ائْتِلافُ اللَّفْظِ مَعَ	***
۞		المعْنٰى، الانْسِجَام، التَّهْذِيْب، الاِرْدَاف، الإبْدَاع ..	۳۲۸
۞	فصل ثامن: تحسین مضمون		۳۲۹

۞	•	حُسْن النَّسَق، إرْسَال المَثَل، الاِسْتِطْرَاد، الاِفْتِنَان،	***
۞		المُغَايَرَة، المُرَاجَعَة، التَّنْكِيْتُ، الالتِفَات، تَجَاهُلُ	***
۞		العَارِف...........................	۳۳۶
متعلق بہ مضمون کلام			
۞	فصل تاسع: اثباتِ مضمون		۳۳۷
۞	•	التَّكْرِيْر، أُسْلُوْبِ الحَكِيْم، المَذْهَبُ الكَلامِيْ،	***
۞		الإثْبَات، التَّسْلِيْم، القَوْلُ بِمُوْجَب العِلَّة، القَسَم،	***
۞		حُسْنُ التَّعْلِيْل، المُوَارَبَة................	۳۴۴
بابِ دوم: محسناتِ لفظیہ			۳۴۵
۞	فصل اول: تشابہ لفظین		۳۴۶
۞	•	الجِنَاسُ: الجِنَاس التَّامُّ، الجِنَاسُ المُمَاثِل، الجِنَاس	***
۞		المُسْتَوْفِي، الجِنَاس التَّرْكِيْب: الجِنَاس المُتَشَابِه،	***
۞		الجِنَاس المَفْرُوْق..................	۳۴۶
۞	فصل ثانی: اختلافِ لفظین		۳۴۷
۞	•	الجِنَاسُ الغَيْر التَّامّ، الجِنَاسُ المُضَارِع، الجِنَاسُ	***
۞		اللاحِقُ، الجِنَاسُ النَّاقِص: الجِنَاسُ المُطَرَّف،	***
۞		الجِنَاسُ المُذَيَّل؛ الجِنَاسُ المُحَرَّف، الجِنَاسُ	***
۞		المُصَحَّف، الجِنَاسُ القَلْب، الجِنَاسُ الاشْتِقَاق،	***
۞		الجِنَاسُ الشَّبِيْه بِالاشْتِقَاق.............	۳۵۲
۞	فصل ثالث: متعلق بہ تحسین کلمہ		۳۵۳

۞	•	ائْتِلافُ اللَّفْظِ مَعَ اللَّفْظِ، التَّوْزِيْع، الحَذْف.....	۳۵۳
۞	فصل رابع: متعلق بہ اختتام فقرہ		۳۵۴
۞	•	السَّجْعُ: السَّجْعُ المُرَصَّع، السَّجْعُ المُتَوَازِي،	***
۞		السَّجْعُ المُطَرَّف، لُزُوْمُ مَالا يَلْزَم، المُمَاثَلَةُ،	***
۞		السَّجْعُ القَصِيْر، السَّجْعُ الطَّوِيْل، رَدُّ العَجُزِ عَلى	***
۞		الصَّدْر، التَّشْرِيْع........................	۳۶۱
خاتمہ: متعلق بہ تحسین کلام			۳۶۳
۞	•	حُسْنُ الابْتِدَاءِ، بَرَاعَةُ الاسْتِهْلال، بَرَاعَةُ	۳۶۴
۞		المَقْطَع، حُسْنُ التَّخَلُّصِ، العُنْوَان، الاقْتِضَاب،	***
۞		بَرَاعَةُ الطَّلَب، الاقْتِبَاس، الاسْتِشْهَاد، التَّضْمِيْن،	***
۞		التَّلْمِيْح، حُسْنُ الانْتِهَاءِ، بَرَاعَةُ المَقْطَع.......	۳۷۳
۞	•	ضمیمہ: سرقاتِ شعریہ	۳۷۴
۞	•	النَّسْخُ والانْتِحَال، المَسْخُ والإغَارَةُ، السَّلْخُ	***
۞		والإلْمَامُ، العَقْدُ والحَلُّ..................	۳۷۸
۞	•	کلام غیر کو اپنے کلام میں داخل کرنے سے متعلق نقشہ	۳۷۹
۞	•	ضروری اصطلاحاتِ شعریہ	۳۸۰
۞	•	اِجرائے فصاحت کے جملہ سوالات	۳۸۴
۞	•	فہرست مضامین	۳۹۳

اجرائے بلاغت قرآنیہ مع بدیع القرآن

مرتب
ابو القاسم محمد الیاس بن عبد اللہ گڑھوی

IDARATUSSIDDEEQ
DABHEL, DIST. NAVSARI GUJARAT, INDIA
CELL. +919913319190, 9904886188